فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مراد آباد، الہند

(جلد ۲۱)

المجلد الحادی و العشرون

الدیون، الودیعۃ، الامانۃ

الضمان، الھبۃ، الجارۃ

۹۳۵۱ ——— ۹۷۳۵

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

٢٧/ بقية كتاب الربوا

١١/ باب القرض

۲۸/ کتاب الدیون

۲۹/ کتاب الودیعۃ والأمانۃ والضمان

۳۰/ کتاب الهبة

❑	۱ / باب شرائط الهبة	۱۷۸

❏	۲/ باب ما یجوز من الهبة و ما لا یجوز	۲۳۴

۳/ باب هبة المشاع ۲۷۸

۴/ باب الرجوع في الهبة ۳۱۵

❐ ۷/ باب الهبة للصغير ۴۶۳

❐	۸/ باب هبة المريض	۵۰۶

۳۱/ كتاب الإجارة

❐	۱/ باب الإجارة الصحيحة	۵۱۲

❑	۲/ باب الإجارة الفاسدة	۶۱۲

۳/ باب أجرة الدلال والسمسار ٦٤٢

۴/ باب في فسخ الإجارة ۶۹۳

۵/ باب الاستئجار علی الطاعات ۷۰۶

۶/ باب الاستئجار علی المعصیة ۷۲۲

بقية كتاب الربوا

۱۱/ باب القرض

کتنی ضرورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے؟

سوال [۹۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مسلم نے غیر مسلم سے سو روپئے لئے اور انھوں نے یہ کہا کہ سو روپئے کا ہم سوا سو روپئے لیں گے، یہ لینا کیسا ہے؟ غیر مسلم نے کہا کہ آپ کی مرضی ہے، لو یا نہ لو ہم تو سوا سو روپیہ لیں گے اور روپئے کی سخت ضرورت بھی ہے۔

المستفتی: قمر الدین، بریاہی بازار، سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث میں آیا ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶)

الاشباہ والنظائر میں ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات ومنثم جاز أكل الميتة عند المخمصة. (الأشباه والنظائر قديم ۱/۱٤۰، قواعد الفقه اشرفي ۸۹، رقم: ۱۷۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۱٦۲، ۲۸/۱۸۰، شرح المجله رستم ۱/۲۹، رقم المادة ۲۱)

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباہ والنظائر قدیم ۱۴۹،
الجوهرة الرائق، کتاب البیوع، باب الربا، زکریا ۱/ ۲۱۱، کوئٹہ ۶/ ۱۲۶)

حدیث شریف کا مطلب ہے کہ سود لینے والا دینے والا اس کا لکھنے والا، اس کی شہادت دینے والاسب برابر طریقہ سے مستحق لعنت ہیں آنحضورﷺ نے ان پرلعنت فرمائی ہے۔

الاشباہ کی عبارت نمبر ۱ رکا مطلب ہے کہ بوقت شدت ضرورت حرام اور ناپاک وممنوع چیز بھی مباح ہوجاتی ہے، حتی کہ مردار سخت حرام اور ناپاک ہے، مگر حالت منحمصہ میں کھانا جائز ہے اور کھانے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

الاشباہ کی عبارت نمبر۲ رکا مطلب ہے کہ بوقت شدت ضرورت اورشدت احتیاج میں سود پرقرض لینا جائز ہے، اب اگرکوئی شخص اس حدتک محتاج ہے کہ خود اور بال بچے بھوکے تڑپ رہے ہیں اورکوئی بلاسود کےقرض بھی نہیں دے رہاہے، اوران حالات میں اگرسود پرقرض نہ لیا جائے، تو خوداور بال بچوں کی جان کا خطرہ ہے، تو بقدرضرورت سود پرقرض لے کر ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے، انشاء اللہ لعنت کی حدیث میں داخل نہیں ہوگا۔ اوراگر اتنی شدید ضرورت نہیں ہے یا اس سے زائد لیتا ہے، تو مستحق لعنت ہوگا، اس کے لئے ناجائز اورحرام ہوگا۔

اب مبتلا بہ خود اپنی حالت پرغور کرکے فیصلہ کرلے کہ اس کی ضرورت کس حدتک ہے، اس ضرورت کی وجہ سے سودی معاملہ کرنے میں لعنت سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف۲۳ ؍ ۶۷۷)

سخت مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینے کا حکم

سوال [۹۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید دہلی میں کاروبار کرتا ہے، ایک مکان کاروبار کے لئے اور ایک مکان فیملی کی رہائش کے لئے کرایہ پرلئے ہوئے ہے، جس کا مجموعی کرایہ ماہانہ سترہ ہزار پانچ سوروپئے

دینا پڑتا ہے، زید نے اپنا سرمایہ لگا کر کسی طرح ایک پلاٹ خرید لیا ہے۔ اب اس کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہے، اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تعمیر کی جا سکے ایک صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک بینک بطور قرض مکان کی تعمیر کے لئے روپیہ دیتا ہے، جس کا انٹرسٹ بہت ہی معمولی ہے، سالانہ ایک لاکھ پر آٹھ سو پچاس روپیہ بینک لے گا۔

اب اگر زید اس بینک سے روپیہ لے کر مکان تعمیر کرے، تو ایک فائدہ تو یہ ہے کہ گورنمنٹ ایک لاکھ پر سالانہ تیس ہزار روپیہ ٹیکس لے لیتی ہے، ماہانہ قسط کرایہ سترہ ہزار پانچ سو روپیہ مالک مکان کو دینا پڑتا ہے، مکان کی تعمیر کے بعد کاروبار اور فیملی کی رہائش تعمیر شدہ مکان میں منتقل ہوجائے گی، تو یہ مذکورہ کرایہ بھی بچ جائے گا، اس کو بچا کر جلد ہی لئے ہوئے قرض کی ادائے گی ہوجائے گی، زید کے پاس اس صورت کے علاوہ کوئی اور صورت فی الحال مکان کی تعمیر کے لئے نہیں ہے۔ بعض علماء نے بتایا؛ لیکن اطمینان قلب نہ ہونے کی وجہ سے استفسار کر رہا ہوں۔

المستفتی: اشتیاق احمد انصاری، ایس ایس انٹر پرائزز، ڈبلوزیڈ 254 (دہلی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سخت ترین مجبوری اور اضطراری حالت میں سودی قرض لے کر ضرورت پوری کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، اور سخت مجبوری اور اضطراری حالت نہ ہو، تو جائز نہیں؛ بلکہ لعنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اب آپ خود اپنے بارے میں فیصلہ فرمائیں کہ آپ کی مجبوری کہاں تک ہے۔

نیز آپ اپنے حلال پیسہ سے سود دیں گے، آپ کے یہاں سود کا پیسہ نہیں آئے گا؛ لہٰذا اگر مجبوری میں سودی قرض لے لیا ہے، تو جلد ادا کر کے اللہ سے توبہ کرلینی چاہئے۔

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، وتحته في الحموي: وذلك نحو أن يقرض عشرة دنانير مثلاً ويجعل لربها شيئًا معلومًا في كل يوم ربحًا.

(الأشباه والنظائر قديم ١٤٩، وهكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٦/ ٢١١، كوئٹه ٦/ ١٢٦)

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۵۸/۳۷)

مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینا

سوال [۹۲۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض ناگزیر حالات میں سرکاری قرض لینا، جس پر سود کے ساتھ لوٹانا ہوتا ہے؛ ایسا قرض لینا کیسا ہے؛ جبکہ کہیں سے کوئی قرض نہ مل رہا ہو۔ نیز یہ بھی جواب ارسال فرمادیں کہ اب تک اگر لے لیا ہو، تو اس کی تلافی کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا لینا اور دینا قطعی حرام اور ناجائز ہے، اگر قوت کی روٹی کا محتاج ہے، قرض بھی کوئی نہیں دے رہا ہے، اور اگر سودی قرض نہ لیا جائے، تو بھوکے مرنے کا خطرہ ہے، تو سود پر قرض لے کر ایسی اضطراری حالت میں ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے، آپ کی ضرورت کس حد تک ہے آپ خود سوچ لیں۔ اگر ایسی ضرورت نہیں ہے، تو سود پر قرض لینے سے مستحق لعنت ہوں گے؛ لہٰذا آپ اپنی ضرورت کا اندازہ خود

لگائیں کہ آپ سودی قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کر لینے سے اس لعنت سے بچ سکتے ہیں کہ نہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، مؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، سنن ابن ماجه، التجارات التغليظ في الربا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٥، دارالسلام رقم: ٢٢٧٧)

ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (البرح الرائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٦/ ٢١١، كوئٹه ٦/ ١٢٦، الأشباه والنظائر قديم ١٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۰۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۱۹ھ

لون کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

سوال [۹۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لون کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لون کا معاملہ کرنا یعنی کوئی شخص بینک سے یا کسی دوسرے آدمی سے بطور قرض کچھ روپئے لیتا ہے اور ایک متعین مدت کے بعد اصل رقم کے ساتھ کچھ زائد رقم بھی دینی پڑتی ہے، اور یہ زائد رقم سود کے طور پر دی جاتی ہے؛ لہٰذا اس طرح کا معاملہ کرنا (**كل قرض جر نفعاً فهو حرام**) کے تحت داخل ہو کر شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہوگا اور یہ معاملہ زمانہ جاہلیت کے سودی معاملہ کے مرادف ہے؛ اس لئے قطعاً جائز نہیں ہے۔

وهو ربا أهل الجاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب البيع، زكريا ١/٥٦٩، سهيل اكيڈمي لاهور ١/٤٦٩)

والربا الذي كانت العرب تعرفه و تفعله، إنما كان قرض الدراهم، والدنانير إلى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به، ولم يكونوا يعرفون البيع بالنقد، وإذا كان متفاضلاً من جنس واحد، هذا كان المتعارف المشهور بينهم، ولذلک قال اللّٰه تعالیٰ: ”وما آتيتم من ربا ليربو في أموال الناس فلا يربو عند اللّٰه“ فأخبر أن تلک الزيادة المشروطة، إنما كانت رباً في المال العين؛ لأنه لا عوض لها من جهة المقرض. (أحكام القرآن للجصاص، من سورة البقره، باب الربا، زكريا ١/٥٦٣، سهيل اكيڈمي لاهور ١/٤٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۱۵/۳۶)	۱۴۲۳/۴/۲۷ھ

ہندوستان کو دار الحرب خیال کر کے بینک سے لون لینا

سوال [۹۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے ملنے والی سودی رقم کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہندوستان چونکہ دار الحرب ہے؛ اس لئے یہاں پر سودی رقم لینا جائز ہے۔

نیز اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں اور موجودہ زمانہ میں اس سے بچنا ممکن نہیں ہے؛ اس لئے کہ بینک والے گورنمنٹ کو بینک کا پیسہ لون پر دیتے ہیں، پھر وہ اسی پیسہ کو عام انسانوں کے نفع کی خاطر استعمال کرتی ہے، جیسے سڑک وغیرہ بنانا؛ چنانچہ اسی پیسہ سے بنی

ہوئی چیزوں کواستعمال بھی کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہم لوگوں کا اس کا استعمال کرنا درست ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد دانش دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے جوسودی رقم ملتی ہے، اس کو بینک میں چھوڑنا جائز نہیں؛ بلکہ اس کو لے لے؛ اس لئے کہ اگر سودی رقم نہ لی جائے، تو چونکہ بینک اس کو ناجائز کاموں میں خرچ کرتی ہے، جو معصیت پر تعاون ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المآئدة:۲]

اور اس سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، نادار فقیروں کو بلانیت ثواب دیدیا جائے، اسی طرح حکومت کے غیر شرعی ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے دیدینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۵۹/۸، جدید زکریا مطول ۱۱/۷۷، ۸/۷۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۲۳۳، ایضاح النوادر ۱/۹۷)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، إلى ما قال: لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، إلى ما قال: وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/۲۷، زكريا۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱)

جن حضرات نے ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر یہاں کے غیر مسلم اور حکومت سے سود حاصل کرنا جائز اور حلال کہا ہے، ان کو فقہی عبارات کے سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک دارالحرب میں غیر مسلموں اور حکومت سے سود حاصل کرنا جو جائز کہا گیا ہے، اس میں ایک قید یہ بھی ہے کہ سود حاصل کرنے والا مسلمان خود اس ملک کا باشندہ نہ ہو؛ بلکہ کسی دوسرے ملک سے عارضی طور پر آیا ہو؛ لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خود ہندوستان کے غیر مسلم اور حکومت سے سود حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا؛ اگرچہ ہندوستان کو وہ لوگ دارالحرب سمجھتے ہوں؛ البتہ امریکہ اور برطانیہ میں عارضی طور پر رہتا ہو تو اس عارضی رہائش کے زمانہ میں وہاں کے غیر مسلم اور حکومت سے سود حاصل کرنا ہندوستان مسلمانوں کے لئے جائز اور حلال ہے۔

ولا بين حربي ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد، أو قمار ،ثمة لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقاً بلا عذر خلافاً للثاني و الثلاثة.

(شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/٤٢٢، كراچي ٥/١٨٦)

اس عبارت میں مسلم مستأمن سے مراد وہ مسلمان ہے جو عارضی طور پر دارالحرب میں رہتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷۲ ۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

بلاسودی قرض لے کر اس سے انتفاع

سوال [۹۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر ایک مکتب میں ملازم ہے، جس کو ٦۲۵/ روپئے ماہانہ نیز مسجد سے ۳۵۰/ روپئے ماہانہ ذمہ داران مسجد بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں اور اس کے علاوہ آمدنی کا کوئی ذریعہ

نہیں ہے؛ جبکہ عمر کثیر العیال ہے۔ نیز اسی ماہانہ میں ۱۰۰/روپیہ کرایہ مکان، نیز ۱۰۰/روپیہ ماہانہ کچھ کم وبیش بل بھی جمع کرنا ہوتا ہے، اپنا ذاتی مکان یا جگہ ابھی تک مہیا نہیں ہوسکی، اس دور گرانی کے باعث کچھ قرض بھی سر پہ ہے، ان شکستہ حالات کے پیش نظر کوئی اس کو رقم بطور قرض دینے کے لئے تیار نہیں ہے، بعدازاں اس نے حکومت کی جملہ اسکیموں کی چھان بین کی؛ لیکن جملہ اسکیموں میں اس کو سود کی رقم نظر آرہی ہے اتفاقاً صرف اور صرف ایک اسکیم نگر پالیکا کی شناخت پر منحصر ہے، جس میں ایک فارم بلاعوض بھرا جاتا ہے، پھر نگر پالیکا کا عہدہ دار اس پر شناختی کارروائی کر کے اس پر منظوری کا نشان لگادیتا ہے اور اس کو کسی بینک میں بھیج دیتا ہے، جہاں اس نگر پالیکا کا کھاتہ ہوتا ہے، وہ بینک اس نگر پالیکا کی نشاندہی کے مطابق ایک چیک بنادیتا ہے، جس کی مختصر اور طویل المدت قسط ہوتی ہے، یہ قرض بلا سود کہ جتنا روپیہ بذریعہ چیک دیا جاتا ہے، وہی بعینہ بغیر کسی کمی زیادتی کے واپس کرنا ہوتا ہے، آیا یہ رقم لے کر کسی ضرورت حالیہ میں اس طرح استعمال کرے کہ اس کی ادائے گی بغیر کسی کشش وپنچ کے ہوسکے، آیا اس کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا بیان صحیح ہے، تو اس بلاسودی قرض کو حاصل کر کے اس سے انتفاع بلاکسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔ اور آیت کریمہ۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ. [سورۃ البقرہ: ۲۸۲]

کے دائرہ میں داخل ہوکر یہ معاملہ بلاشبہ جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۱۹ھ

حکومت سے جتنا قرض لیں اتنا ہی ادا کریں تو کیسا ہے؟

سوال[۱۰۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا بھٹہ کا کام ہے، امسال اسمیں کافی نقصان ہوگیا۔اب حکومت تمام بھٹہ والوں کولون پر کچھ رقم دے دیتی ہے،تو شرعاً لون پرقرض لینا کیسا ہے؟

(۲) اگرہم جتنا قرض لیں اتنا ہی ادا کریں تو کیسا ہے؟ مثلاً حکومت پانچ لاکھ قرض دیتی ہے اوراس پر ۲۵/ فیصد چھوٹ دیتی ہے،تو جو چھوٹ ۲۵/ فیصد ہوئی تھی،قرض پرسود بھی اتنا ہی ہوااورہمیں پانچ لاکھ ہی ادا کرنا پڑا تو یہ جائز ہوگا یانہیں؟

المستفتی: شرف الدین، ہیبت پور جویا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجارت میں نقصان ہونے کی وجہ سے بھی حکومت سے لون قرض لینا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بھی سود ہے اورسود کی حرمت وقباحت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۷، فتاوی محمودیہ ۴/۲۰۵)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورۃ البقرہ: ۲۷۵]

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳)

(۲) آپ نے سوال میں جوصورت قرض لینےاورادا کرنے کی ذکر کی ہے،اگر واقعتاً ایسا ہی ہے، کہ برابرسرابرمعاملہ ہے، جتنا آپ نے لیا تھا، اتنا ہی دینا پڑرہا ہے، لکھنے میں چاہے جتنا بھی طے ہو،تو نام کا سود ہے،مگر حقیقت میں سود کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اگر واقعتاً یہی شکل ہے، تو پھر یہ معاملہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۹/۲۶۶، ۲۶۵،

جدید زکریا دیوبند ۹/ ۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

سبسڈی اور کم شرح سود کے ساتھ سرکاری قرض

سوال [۹۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کاشتکار اور معذورین کو منجانب حکومت قرض دیئے جاتے ہیں۔ ۳۵ یا ۵۰ فیصد سبسڈی بھی حکومت دیتی ہے، جس کا ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے اور مابقیہ رقم کم شرح سود کے ساتھ ادا کرنی ہوتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کاشتکار اور معذورین کے ایسے قرض کو جس پر ۳۵ یا ۵۰ فیصد سبسڈی ہے اور شرح سود کم ہوتا ہے، ایسا قرضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی سمیر صاحب، استاذ مدرسہ فلاح دارین، عثمان آباد (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس سرکاری قرضہ کا ذکر سوال نامہ میں کیا گیا ہے، اگر اس قرضہ کی ادائے گی میں سبسڈی سمیت جتنا سرکار سے ملا ہے، اس سے زائد دینا نہیں پڑتا ہے، تو شرعی طور پر جائز ہے؛ اس لئے کہ اس قرض پر ایک پیسہ بھی سود نہیں دینا پڑا؛ لیکن اگر سبسڈی سمیت جتنا سرکار سے ملا ہے، اتنی ادائے گی کے ساتھ مزید اس کے اوپر زائد ادا کرنا پڑ جائے تو زائد رقم سود ہے، تو ایسی صورت میں سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے اس قرض کا لین دین شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا؛ لہٰذا سرکار سے قرض لینے والے خود دیکھ لیں کہ ان کو لی ہوئی رقم کے اوپر زائد دینا پڑے گا یا نہیں؟ اگر زائد دینا نہیں پڑے گا، تو لے لیں اور اگر زائد دینا پڑے گا تو نہ لیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ۲۷۵]

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸، سنن النسائی، الزینۃ المو تشمات، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۲۳۸، دارالسلام رقم: ۵۱۰۸، سنن أبي داؤد، باب في آکل الربا ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۴۰)	۱۵/ ۸/ ۱۴۳۵ھ

اقلیتی طبقہ کو ملنے والی سبسڈی کے ساتھ قرض لینے کا حکم

سوال [۹۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ ایک کاروباری ہے، بندے کے کاروبار کے لئے ایک مشینری کی ضرورت ہے مشینری کی قیمت بہت زیادہ ہے، بندہ اس کی قیمت کا متحمل نہیں ہے، حکومت ہند کی جانب سے اقلیتی طبقہ کے لئے کاروبار کی ضروری اشیاء خریدنے کے لئے ایک اسکیم جاری ہوئی ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ ہم اپنے کاروباری اشیاء سے متعلق جو کمپنی ہے، اس کمپنی کو اپنی ضرورت پیش کریں گے، کمپنی ہماری ضرورت کا تخمینہ بتائے گی کہ آپ کی ضرورت کی اشیاء کی یہ قیمت ہوگی، ہم اس تخمینہ کی تفصیل حکومت کے ایک ادارے کو پیش کریں گے، اس حکومتی ادارے والے ہمارے کاروبار کی پوری تحقیق کے بعد ہم سے کہتے ہیں کہ فلاں بینک سے رجوع ہوں، ہم اپنے پورے کاروبار کی تفصیل کے ساتھ متعینہ بینک سے رجوع ہوتے ہیں، وہ بینک ہمارے کاروبار کی تفصیل اور وہ خود ہمارے کاروبار کی تحقیق کے بعد حکومتی ادارے کے حکم پر ہمارے کاروباری اشیاء سے متعلق جو کمپنی ہے،

اس سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ مذکورہ تخمینہ کے مطابق مشینری اس کے کاروبار کے لئے حوالہ کریں اور ہم سے رجوع ہوتی ہے اور حکم کرتی ہے کہ آپ اقلیتی طبقہ میں ہونے کی وجہ سے تخمینہ کا پچیس فیصد رقم حکومتی ادارہ کو ادا کریں گے، بقیہ 75% فیصد رقم قسط وار بینک کو آپ ادا کریں گے؛ لہٰذا اس شکل میں حکومت ہند کی جانب سے اقلیتی طبقہ کو دی جانے والی اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا ہم اپنے کاروباری اشیاء خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی مسئلہ بتا کر ممنون فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: سید سلیم بن سید سردار، نمبر ۶۹، نزد بالین، مسجد کولار، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کی ہوئی صورت سے سرکاری تعاون حاصل کرنا شرعی طور پر جائز ہے، بشرطیکہ اسمیں کوئی سودی لین دین نہ ہو۔

قال الفقيه أبو الليثؒ اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان. قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام. قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئاً حرامًا بعينه وهو قول أبي حنيفةؒ، وأصحابه، كذا في الظهيرية: وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمةؒ، أن الشيخ أباالقاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان وكان يستقرض لجميع حوائجه وما يأخذ من الجائزة يقضي بها ديونه والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، جديد زكريا ٥/٣٩٦، قديم ٥/٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۸۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۴ھ

قرض کی وجہ سے کرایہ نہ لینا

سوال [۹۳۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ایک اراضی ہے جوکہ کرایہ پر دی ہوئی ہے، میں نے کرایہ دار سے کچھ رقم قرض لی ہے اوراس قرض کی وجہ سے میں نے کرایہ دار سے کہا کہ جب تک میں آپ کا قرضہ نہ ادا کردوں میں کرایہ نہیں لوں گا، تو آپ فرمادیں کہ قرض کے بدلے کرایہ چھوڑ دینے سے سودتو نہیں ہوجائے گا؟ مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد شکیل، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً وہ سودی معاملہ ہے،اس سے بچنا لازم اورواجب ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۸/۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲)

كل قرض جر نفعاً حرام، فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن. (الدر مع الرد، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام، زكريا ۷/۳۹۵، كراچي ۵/۱٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۱۳۴)

سودی قرض

سوال [۹۳۰۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے بطور قرض پچاس ہزار روپئے اپنے قریبی ملنے والے سے لیا، جس کی ادائے گی کی صورت یہ طے ہوئی کہ دو ہزار روپیہ ہر مہینے دینا ہوگا، اس طرح میں دو ہزار روپیہ ہر مہینے دیتا رہا، یہاں تک کہ چھیالیس ہزار روپئے تک ہوگیا۔ اب ان کا انتقال ہوگیا، ان کے متعلقین مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اب دو ہزار روپئے مہینہ ہمیں دو۔ اور اب تک جو رقم تم نے دیئے ہیں وہ بطور نفع کے تھے، اصل رقم اپنی جگہ پر برقرار ہے؛ جبکہ مرحوم کے بھائی بھتیجے موجود ہیں، ان کی طرف سے کوئی تقاضہ نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مجھ کو کتنی رقم کی ادائے گی کرنی چاہئے اور کس کو کرنی چاہئے؟ ان کے بھائی بھتیجے کو یا متعلقین کو؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پچاس ہزار روپیہ واقعۃً اس شرط پر لیا تھا کہ پچاس ہزار روپیہ ہی ادا کرنا ہوگا اور ہر ماہ دو ہزار روپیہ دینا ہوگا، تو شرعی طور پر اس طرح کا قرض لینا دینا جائز اور درست ہے۔ اور جب اس میں سے چھیالیس ہزار روپیہ ادا کردیا گیا ہے، تو باقی صرف چار ہزار روپیہ واجب الاداء ہے اور یہ چار ہزار روپئے ان کے حقیقی وارثین کو ادا کرنا چاہئے اور اگر پچاس ہزار کا قرض، اس شرط پر لیا تھا کہ ہر مہینہ دو ہزار ادا کرتے رہیں گے اور مزید اس پر سود بھی دیں گے، تو شرعی طور پر ایسا معاملہ ناجائز اور حرام ہے۔

لا يجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه، أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة كل قرض جر نفعاً حرام أي إذا كان مشروطاً. (فقه السنة ۳/۱٦٦)

فمن الربا ما هو بيع، ومنه ماليس ببيع وهو ربا أهل الجاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مالٍ على المستقرض. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب البيع، زكريا ۱/٥٦۹، سهيل اكيڈمي لاهور ۱/٤٦۹)

عن علي قال: كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (كنز العمال الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۶۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۷/۱۲ھ

سود پر قرض دینا

سوال [۹۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کے کئی آدمی نے مل کر ایک کمیٹی قائم کی اور کمیٹی والے مقروض کو ایک ہزار روپئے دیتے ہیں اور مقروض سے ہر روز ۱۳؍روپیہ کر کے لیتے ہیں تین مہینہ تک، تین مہینہ ختم معاملہ صاف ہوگیا۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟ دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: سعید الرحمٰن، بھنگنا ماری انچلک دینی تعلیم بورڈ (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ میں ایک ہزار روپیہ قرض دے کر قسط وار روزانہ تین مہینہ تک ۱۳-۱۳؍روپئے وصول کرنے میں کل وصول شدہ رقم ۱۱۷۰؍روپئے بنتی ہے، جو اصل قرض کی رقم سے ۱۷۰؍روپئے زائد ہے؛ لہٰذا یہ صریح سودی معاملہ ہے، مسلمانوں کے لئے اس طرح قرض کا معاملہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقره: ٢٧٥]

عن علي مرفوعاً: كل قرض جر منفعة فهو ربا، أي في حكم الربا، فيكون حراماً، وعقد القرض باطل. (السراج المنير ٤/٢٠، تكملة فتح الملهم، اشرفية ١/٥٦٨، اعلاء السنن بيروت ١٤/٥٦٦، كراچي ١٤/٤٩٨)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱ھ

بینک سے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جو بینکوں سے قرض لیا جاتا ہے، اس قرض کا ۱/۳ قرض معاف کر کے بقیہ رقم پر سود لگا کر قرض خواہ سے قرضے کی ادائے گی کا مطالبہ کرتے ہیں، تو اس طرح کا سودی لین دین درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: انجمن کمیٹی اصلاح المسلمین، سنسار پور، کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے زمانہ میں بینک سے جو سودی قرض لیا جاتا ہے، وہ ایسی اضطراری ضرورت کی وجہ سے نہیں ہے کہ جس وجہ سے سود جیسی حرام چیز کا اختیار کرنا مباح ہو جائے؛ لہٰذا اگر کوئی ایسا قرض لے لیتا ہے، اور ادائے گی میں ۱/۳ معاف کیا گیا ہے اور ۲/۳ جو واجب الاداء ہے، اس پر جو سود بڑھتا ہے، وہ اگر معاف شدہ ۱/۳ سے زائد ہو جاتا ہے، تو سود کے دائرہ میں داخل ہو کر حرام اور ناجائز ہوگا۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا،

مؤ كله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، مسند أحمد بن حنبل ١/٨٣، رقم: ٦٣٥، ٦٦٠، ٦٧١، ٧٢١، ٨٤٤، ٩٨٠، ١٢٨٩، ١٣٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۵ھ

سودی قرض کا لین دین

سوال [۹۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی مجبوری کے تحت ایک محترمہ سے پچیس ہزار روپئے بطور قرض کاروبار کے لئے لئے پیسے دیتے وقت اس محترمہ نے یہ شرط رکھی کہ جب تک وہ اس کا پیسہ واپس نہیں کرتا بطور فائدہ آٹھ سو روپیہ ماہوار مجھے ادا کرے گا، پانچ سال کے بعد اس شخص نے دس ہزار روپئے ادا کردیئے اور پندرہ ہزار روپیہ جلدی دینے کو کہا، کچھ دنوں بعد اس شخص نے کچھ معزز لوگوں سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے اسے غلط بتایا، پندرہ ہزار روپیہ پر ۵۰۰؍روپیہ ماہوار اب بھی جاری ہے اور کل ملا کر لگ بھگ ۸۶۰۰۰ روپئے محترمہ کو ادا کرچکا ہے۔ کیا اس محترمہ کا اس طرح پیسہ لینا جائز ہے اور اصل رقم سے زائد جو محترمہ کو پہونچا وہ شرعاً واپس اس شخص کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: وسیم احمد، محلّہ جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس معاملہ میں دونوں گنہگار ہیں اور یہ شرعاً سودی معاملہ ہے، اس طرح ہر ماہ رأس المال کے علاوہ متعین مقدار دینا اور لینا دونوں حرام ہیں، پچیس ہزار سے جو زائد رقم محترمہ نے لیا ہے، وہ سب ان کے حق میں حرام ہے، واپس کردینا لازم ہے۔

مـن اكتسـب مـالا بـغيـر حـق، فـإمـا أن يـكـون كسبـه بعقد فاسد كالبيو ع الـفـاسدة و الاستـئـجـار عـلـى المعاصي و الطاعات، أوبغير عقد كـالسـرقة، و الـغـصـب، و الـخيـانة، و الـغلول، ففي جميع الأحوال المال الـحـاصـل لـه حـرام عـليـه، وتـجـب عـليـه أن يـرده على مالكه إن وجد المالك. (بـذل الـمـجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشـائـر الإسـلامية، ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، البحر الرائق زكريا ۹/ ۳۶۹، كـوئٹه ۸/ ۲۰۱، شامي زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، ، تبيين الحقائق، امداية ملتان ۶/ ۲۷، زكـريـا ۷/ ۶۰، الـمـوسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، هندية، زكـريـا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۵۹۵۷)

سودی قرض لینے کا حکم

سـوال [۹۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں برطانیہ میں رہائشی مکان کے تعلق سے خاص طور پر مسلمانوں کو بہت دشواریاں پیش آتی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہاں اگر کوئی شخص رہائش کے لئے کرایہ پر مکان لینا چاہے، تو متوسط سہولیات والے مکان کا ماہانہ کرایہ عام طور پر ہزار بارہ سو پاؤنڈ ہوتا ہے، اور اگر مکان خریدنا چاہتا ہے، تو چونکہ ایسے متوسط مکان کی قیمت دوڈھائی لاکھ پاؤنڈ کے قریب ہوتی ہے، اور معاشی حالت عام طور پر ایسی نہیں ہوتی کہ یکمشت اتنی رقم ادا کرکے مکان خرید سکے؛ اس لئے (Morgage) سودی قرض لینا پڑتا ہے، یعنی سودی قرض لے کر مکان خریدنا پڑتا ہے، پھر چندسالوں تک قسط وار سود کے ساتھ اس کی ادائے گی

ہوتی ہے، متوسط درجہ کے آدمی کو عام طور پر تقریباً ایک ہزار سے پندرہ سو پاؤنڈ یا جیسے بینک سے معاہدہ ہو، اس کے مطابق کم وبیش ماہانہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔

اس طرح کرایہ کے متوسط مکان کے ہزار بارہ سو پاؤنڈ ماہانہ کرایہ پر برسہابرس تک ادا کرنے کے باوجود آدمی مکان کا مالک نہیں ہوتا؛ جبکہ ماہانہ قسط وار (Morgaje) سودی قرض چند سالوں تک ادا کرنے سے آدمی مکان کا مالک بن جاتا ہے، اور مملوکہ مکان نہ ہونے کا ایک بڑا انقصان یہ ہے کہ جب تک مملوکہ مکان نہ ہو، تب تک بعض نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی نہیں کرتے اور شادی نہ کرنے سے بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں اور مکانات چھوٹے ہونے کی وجہ سے نوجوان لڑکے لڑکیاں ماں باپ کے ساتھ ایک کمرہ میں سوتے ہیں، جس سے ماں باپ کی خانگی زندگی مختل ہوجاتی ہے۔

نیز مرور زمانہ سے دن بدن کرایہ میں بڑھوتری ہوتی ہے اور پندرہ بیس سالوں میں جو سود دے گا، اس سے زیادہ کرایا ہوگا اور مزید بے مکان رہے گا، اگر اس طرح نہیں لے سکتے تو بظاہر عامۃً مسلمانوں کے لئے مکان کا مالک ہونا ایک خواب ہے۔

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس معاشی پریشانی ومجبوری میں، نیز بے راہ روی سے بچنے کے لئے (Morgage) یعنی سودی قرض لے کر مکان خریدنے کی شرعاً اجازت ہوگی؟

خیال رہے کہ وہاں Islamic Morgage کی صورتیں بھی رائج ہیں، جن میں بظاہر سود نہیں ہوتا، مگر اس میں پریشانی یہ ہے کہ اس طرح لینے میں مکان آدمی کو ڈیڑھ گنی یا دوگنی قیمت میں پڑتا ہے، یعنی وہ مکان جو پہلی صورت میں دو ڈھائی لاکھ پاؤنڈ میں ملتا، وہی مکان اس دوسری صورت میں تین چار لاکھ میں پڑتا ہے، اس صورت حال میں مسلمان کیا کریں؟ گذارش وامید ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

المستفتی: حاجی عمر جی نواب، لندن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض لینے میں مسلمان کے ہاتھ میں سود کا پیسہ نہیں آتا ہے؛ بلکہ مسلمان اپنی حلال کمائی کے پیسہ کو سود میں دیتا ہے، اور سود کھانے والے پر دو طرح کی لعنت ہے: (۱) سود لینے کی لعنت۔ (۲) سود کھانے کی لعنت۔

سود دینے والے پر ایک قسم کی لعنت ہوتی ہے اور وہ سود دینے کی لعنت ہے، اور اس لعنت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک سودی قرضہ ادا کر کے فارغ نہ ہو جائے۔ سائل خود اپنے بارے میں غور کر لے کہ اس کو سودی قرض لینے کی جو ضرورت ہے، وہ کس درجہ کی شدید ضرورت ہے۔ کیا اس ضرورت کی وجہ سے سود دینے کی لعنت سے محفوظ ہو جائے گا؟ اس سلسلہ میں سائل خود اپنے بارے میں غور کر لے۔ حضور اکرم ﷺ نے سود دینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۱۵۶)	۲۲/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

بینک سے سود لینا

سوال [۹۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے یکمشت پانچ سال کے لئے پانچ ہزار روپئے سرکاری

بینک میں جمع کیئے، جو کیئے پانچ سال بینک میں رہیں گے، بعد میں دوگنا لوٹیں گا، یعنی پانچ ہزار کا دس ہزار روپیہ۔

(۲) بکر اپنی تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کر کے سرکاری بینک میں جمع کرتا ہے اورسال پورا ہونے پر بینک ایک معتدبہ رقم کا اس میں اضافہ کردیتا ہے، شریعت کی نظر میں یہ اضافہ شدہ رقم اپنے صرفہ میں لانا زید اور بکر کے لئے مباح ہوگا یانہیں یا یہ سود ہوگا؟

سبھی اہل مدارس دارالعلوم دیوبند ومظاہر العلوم سہارن پور وغیرہ حضرت مدنیؒ وحضرت تھانویؒ کے سلسلوں سے ہی منسلک ہیں۔حضرت مدنیؒ وحضرت تھانویؒ کی تحریر اس سلسلہ میں ہمرشتہ ہے۔حضرات مفتیان کرام اس تحریر کا بغور مطالعہ فرما کر جوبھی شریعت مطہر کی روشنی میں اس کا حل ہو، جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالواسع، افضل گڈھ، امام مسجد صغیر والی، بجنور،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اخبار کا تراشہ اورسوال نامہ دونوں دیکھا گیا، اخبار کے تراشے میں لکھا ہوا ہے، کہ حضرت مدنیؒ نے حضرت تھانویؒ کی رائے کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔

اب سنئے حضرت تھانویؒ کی رائے: حضرت تھانویؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے، تو خود ہندوستان کے باشندے اور ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے حکومت ہند اور غیر مسلموں سے سود لینا جائز نہیں ہے، یہ ایسا ہی سود ہے، جیسا کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے، ہاں البتہ ایسے مسلمان کے لئے جائز ہے، جو خود اس ملک کے رہنے والے نہ ہوں؛ بلکہ دوسرے ملک سے ویزا اور امن لے کر کچھ دنوں کے لئے آئے ہوں یا نومسلم ہوں؛ لہٰذا اگر ہندوستان کو بالفرض دارالحرب بھی تسلیم کرلیا جائے، تو بھی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایف ڈی کے ذریعہ سے یا کسی اور ذریعہ سے سود حاصل کرنا

جائز نہ ہوگا اور وہ سود حلال نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر پاکستان یا سعودی عرب سے کوئی مسلمان عارضی طور پر کچھ وقت کے لئے ہندوستان آجائے، تو اس کے لئے حکومت یا غیر مسلم سے سود حاصل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے فتوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

’’معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو، جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو، وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو‘‘

حضرت تھانویؒ کی یہ رائے اس عبارت کا مفہوم ہے۔

ولا بين حربي، ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد، أو قمار ثمة.

(د مختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/٤٢٢، كراچي ٥/١٨٦)

دارالعلوم دیوبند کے فتوی کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کی رائے ہمیں معلوم ہے وہ یہی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ہندوستان کا سود جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۵۴۶)

بینک سے منافع (انٹریسٹ) اور مسلم معاشرہ

جناب عبد الواسع صاحب نے حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے اخبار کا جو تراشہ منسلک فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے جو آگے عنوان کے تحت میں آرہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ۱۷۶۷ء سے یہ مسئلہ کم فہمی کے باعث بے حد اہم اور انتہائی پریشان کن بنا ہوا ہے۔ اسی طرح دنیا کے ان تمام ممالک کے مسلمانوں کو بھی یہی مسئلہ درپیش ہے، جہاں نہ اسلامی شریعت کے قوانین کی پابندی ہے اور نہ ہی شرعی قوانین نافذ ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کی تنہا (بلا شرکت غیرے) حکومت ہے، مثلاً چین، نیپال، سری لنکا،

روس،امریکہ،یوروپین ممالک، برطانیہ،کناڈا،جاپان،ساؤتھ افریقہ،نیوزی لینڈ،آسٹریلیاوغیرہ۔

میں نے پہلی ہی سطر میں کم فہمی کا لفظ استعمال کیا ہے وجہ یہ ہے کہ بعض اعلی اکابرین وپائے کے اونچے علمائے کرام کو چھوڑ کر اکثر مولویان اور صرف سند یافتہ دینداروں نے اپنے ناقص علم اور کمزور مطالعہ کے باعث اعلی اکابردین سے استفادہ نہیں کیا؛ اس لئے اپنی اپنی آراء کو فوقیت دی اور خود ساختہ تقریروں کو چمکانے کی کوششیں کیں؛ اس لئے مسلم معاشرہ غلط فہمیوں کا شکار ہوگیا، ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستان میں مغلیہ دور میں اور اس سے قبل جو شرعی قوانین نافذ العمل رہے، وہ انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں نافذ العمل نہیں رہے؛ کیوں کہ یہ ملک دار الحرب بن چکا تھا۔

مسلمانوں کے لئے مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تمام ایسی تحریریں اور آراء سند کا درجہ رکھتی ہیں۔مولانا مدنیؒ کی تحریر مشعل راہ ہے، جس میں انہوں نے مولانا تھانویؒ کی رائے کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔دیکھئے مکتوبات شیخ الاسلام ۲/۵۷اور۲۱۲۔ یہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تحریر ہے، جس میں حضرت فرماتے ہیں: ''ہندوستان میں غدر اور خیانت (یعنی ڈکیتی اور چوری) کو چھوڑ کر باقی ہر طرح سے (قانون ملک کے مطابق) اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح (جائز) ہے''۔

دار العلوم دیوبند کے ایک فتوی کے مطابق مباح کے معنی ہیں ایسا جائز کہ اس کے لینے میں کوئی گناہ نہیں اور اس کے نہ لینے میں کوئی ثواب نہیں۔اس کا کھلا ہوا مطلب ہے کہ ملک کے قوانین کے تحت جو جو چیزیں حاصل ہورہی ہیں، یا حاصل ہوسکتی ہیں، وہ مسلمانوں کے لئے بھی لینا جائز اور مباح ہیں، اگر آپ ان منافع جات کو نہ لیں گے، تو کوئی ثواب نہیں۔ علمائے کرام اگر مجھے معاف فرمائیں تو تاریخی حقیقت بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دین اور شریعت کے جو معاشرتی قانون وقاعدے مسلم اور مغلیہ حکمرانی کے زمانے میں بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیساتھ ملک میں رائج تھے، وہی قانون وقاعدے انگریزی غلامی

کے طویل زمانے میں بھی علماء نے رائج رکھے؛ جبکہ بقول حضرت تھانویؒ اور بقول حضرت مدنیؒ ہندوستان دارالحرب بن چکا تھا، اور جو ترمیمات اور اجتہادی اصلاحات قوانین شریعت کے مطابق ہونی چاہئے تھیں، وہ نہیں عمل میں لائی گئیں اور دارالحرب میں جو فوائد شریعت نے عطا کیے تھے، وہ انگریزوں کے طویل زمانے میں بھی امت مسلمہ حاصل نہ کرسکی۔ نتیجہ کے طور پر مسلمانوں میں غربت وافلاس عام ہوتا چلا گیا اور حضرت مدنیؒ کی تحریر کے مطابق جو لاکھوں کروڑوں روپئے کی مسلمانوں کی رقمیں انگریزی بینک ہضم کرتے رہے اور جس سے عیسائی مشینریاں اسکول، عیسائی کالج، عیسائی اسپتال قائم کرتے رہے، دارالحرب ہوتے ہوئے مسلمان اس سے فیضیاب نہ ہوسکتے تھے؛ جبکہ علمائے کرام وہی احکامات بیان کرتے رہے جو دارالشریعت میں یعنی شریعت کے قوانین کی حکمرانی اور شرعی اسلامی حکومت کے اندر نافذ العمل ہوتے ہیں، گذشتہ تقریباً ڈھائی سوسال سے مسلمان اس کے نقصانات اٹھارہے ہیں، حساب لگائیے تو یہ زبردست نقصان اربوں کھربوں روپئے کا شمار ہوگا۔

1980 میں خادم نے دارالعلوم دیوبند کولکھ کر مولانا مدنیؒ کی تحریر کے متعلق پوچھا تھا، تو ان کا جواب تھا کہ بینک سے ملنے والی اضافے کی رقم لینا قطعی درست اور مباح ہے، مگر اس کو لفظ ''سود'' مت کہئے؛ بلکہ بینک کے منافع کہئے، اگلی ایک اور تحریر سے میں نے پھر استفسار کیا کہ مباح کی سند بتائے تو جواب آیا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ (جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے) کے مسلک کے عین مطابق ہے۔ نتیجہ یہ کہ مذکورہ دواماموں اور دو عظیم فقیہوں حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے موقف کے عین مطابق ہے، ان کے برخلاف دوسرے علمائے کرام کے خیالات و بیانات قطعی بے وقعت، ناقابل یقین اور لایعنی ہیں۔ انگریزوں کے زمانے کی ابتداء سے آج تک مسلمان اپنے ملک کے قانون اور قاعدوں پر چلنے کا پابند ہے اور یہاں اسلامی شریعت مطہرہ کا یہی قانون ہے کہ چوری اور ڈکیتی کے سوا، باقی ہر طرح سے قانونی فائدہ حاصل کرنا بھی مسلمانوں کے لئے مباح ہے، جس طرح مسلم اور غیر مسلم سب

کے لئے ملک کے تمام قوانین اور قاعدوں پر چلنا ضروری ہے، اسی طرح معاشی اور اقتصادی فائدے حاصل کرنا جو قانون کے تحت دستیاب ہوں انہیں حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

یہ علمائے دین جو بلا تحقیق، بے سمجھے بوجھے احکامات صادر کرتے ہیں، ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ دار الشریعت جہاں اسلامی قوانین چلتے ہیں وہاں کے قوانین ہندوستان، نیپال، سری لنکا، روس، چین، امریکہ، آسٹریلیا، کناڈا، نیدرلینڈ اور دیگر یوروپی ممالک میں نہیں لاگو کیے جاسکتے۔ یہ دار الشریعت و دار الاسلام نہیں ہیں۔ یہاں وہی قواعد وضوابط چلیں گے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے، وہ محدود اور تشریح شدہ ہیں جیسا کہ مذکورہ بلند پایہ اکابر سے ثابت ہے اور جو کہ ملک کے اندر حکومت کے قانون سے اختلاف نہیں رکھتے۔ حکومت وقت کے قوانین اور ضوابط کی قدر وعزت کر کے ان کو پوری طرح مانتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

گذشتہ ڈھائی سو سال میں اگر تمام علمائے کرام اور اکابر ملت اور سب سر برآوردہ رہبران قوم باقاعدہ و باضابطہ طور پر زکوۃ، صدقات اور دیگر خیرات کا ایک مشترکہ فنڈ بنانے کا نظام قائم کر دیتے، تو اس سے کئی اقتصادی فائدے ملت اسلامیہ کو پہنچتے اور مسلم عوام کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے اتنے کسمپرسی کے تنگدست حالات میں نہ ہوتے، تمام ملک میں صوبائی اور ضلعی اور شہری نظم کے ساتھ یہ ساری رقمیں ہر سال جمع ہوتیں اور اسی فنڈ سے اہل ضرورت لوگوں کو اور اہل ضرورت اسکولوں اور مدارس کو باقاعدگی کے ساتھ تعاون دیا جاتا، اس طرح کروڑوں خاندانوں کی امداد بھی ہوجایا کرتی اور ان لوگوں کو کوئی پریشانی بھی نہ ہوتی، جو سالانہ زکوۃ وصدقات اور خیرات ادا کرتے ہیں، ایماندار اور محنتی علمائے کرام اور دیگر اکابر کے لئے یہ ناممکن نہ تھا، اس فنڈ کی موجودگی اور تقسیم کار وغیرہ کے بہت سے کاموں میں ہزاروں غریبوں کو روزگار بھی ملتا اور غیر مستحق گداگروں کی مصیبت سے بھی ملک وملت کو چھٹکارہ ملتا۔

یقینی بات ہے کہ اس عظیم کام سے مستحق لوگوں کی غریبی اور مفلسی دور ہو جاتی اور ان کو صنعت وحرفت کاشتکاری، دست کاری، تعلیم دہندگی اور متفرق اقسام کے کاروبار مثلاً دوکانداری وغیرہ میں لگایا جاتا۔ اس طرح مسلم معاشرہ بڑی حد تک اقتصادی طور سے خوش حال اور ملک کے خوشحال شہری ہونے کے ناطے اپنے ملک کے غیر مسلم بھائیوں کی بھی امداد و تعاون کرتا اور اس طرح ملک سے غریبی اور بے روزگاری دور کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا۔ جہاں یہ صحیح ہے کہ ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک غریبی اور بے روزگاری پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک کی دوسری بڑی اکثریت یعنی مسلمان جب تک غریبی اور افلاس و بے روزگاری میں پھنسا رہے گا، اس وقت تک ملک ترقی یافتہ نہیں بن سکتا۔

قرض پر سود لینا اور دینا کیسا ہے؟

سوال [۹۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید گھریلو اعتبار سے پریشان تھا، جس بناء پر ایک آدمی سے بیس ہزار روپیہ قرض لیا تھا، ان قرضوں پر ماہانہ بائیس سو روپیہ سود کا بھی بڑھ جاتا ہے، اب تک زید نے دس ہزار روپیہ ادا کر دیئے ہیں، مگر اصل قرضہ بیس ہزار اپنی جگہ بدستور باقی ہے، زید کے پاس ایک چھوٹی سی دوکان ہے، جس سے گھریلو خرچ تو بآسانی چل جاتے ہیں، مگر اتنی آمدنی نہیں ہے کہ ایک مشت ادا کر کے قرضہ سے سبکدوش ہو جائے، جس سے مجبوراً تھوڑا تھوڑا اقسطوار ادا کر رہا ہے، جس سے سود کی بڑھتی ہوئی رقم ہی ادا ہو پاتی ہے، مگر قرضہ علی حالہ باقی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں یا سرمایہ نہیں ہے، جس سے قرضہ ادا کر سکے، تو کیا ایسے شخص کو زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے اور اس طرح دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عطاء الرحمٰن، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں قرضہ لینے کا جو طریقہ لکھا ہے یہی زمانہ جاہلیت میں سودی کاروبار کا طریقہ تھا، جس کے بارے میں قرآن کریم میں بہت سخت وعید آئی ہے؛ اس لئے سود پر قرضہ لینا باعث لعنت ہے، جب تک سودی قرضہ سے چھٹکارا نہ ہوگا لعنت ہوتی رہے گی۔

نیز جس شخص سے بیس ہزار قرضہ سود پر لیا گیا ہے، اس شخص کے لئے بیس ہزار سے زیادہ وصول کرنا سود اور مال حرام ہوگا، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرے گا اور اس پر قرآنی حکم کے مطابق مسلسل لعنت ہوتی رہے گی؛ لہٰذا بیس ہزار روپیہ جو قرضہ پر دیا ہے، وہ وصول ہو جانے کے بعد زائد وصول کرنا قطعاً جائز نہیں ہے اور زید جو قرضہ لینے والا ہے، اس کے پاس دوکان ہے، جب تک دوکان میں مال ہے، اس وقت تک زکوۃ کا پیسہ لے کر قرضہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، پہلے دوکان کا سارا سرمایہ لے کر قرضہ ادا کرے اس کے بعد بھی قرضہ کی مقدار کچھ باقی رہ جائے، تو زکوۃ کی رقم وصول کر سکتا ہے۔ نیز زکوۃ دہندگان کو اپنی زکوۃ کی حفاظت کرنی چاہئے کہ سودی قرض میں اپنی زکوۃ برباد نہ کریں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقره: ۲۷۵]

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن ابن ماجه، التجارات التغليظ في الربا، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۵، دارالسلام رقم: ۲۲۷۷، سنن النسائي، الزينة الموتشمات، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۸، دارالسلام رقم: ۵۱۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۰۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۵ھ

بینک سے سودی قرض لینے کی مختلف شکلیں

سوال [۹۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں معماری کا کام کرتا ہوں؛ لیکن اس کام پر جانے میں اولاً تو میرے کمر وغیرہ میں درد ہوتا ہے، اور ضعف بھی معلوم ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کام میں اکثر نمازیں جماعت کیساتھ نہیں ہو پاتیں اور بسا اوقات نمازیں قضا بھی ہو جاتی ہیں اور تبلیغی کام میں بھی رکاوٹ ہوتی ہے، ویسے میں بارہویں کلاس فیل ہوں اور مہاراشٹر گورنمنٹ دسویں بارہویں کلاس پڑھے ہوئے لوگوں کو قرض دیتی ہے، یہ قرض پانچ سال کی مدت میں قسط وار مع سود کے ادا کرنا پڑتا ہے، قرض کی مکمل ادائے گی پر کچھ رقم معاف بھی ہو جاتی ہے، مثلاً اگر پچاس ہزار روپئے قرض لیا جائے، تو اسے پانچ سال کی مدت میں بہتر ہزار ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کے بعد ساڑھے سات ہزار روپیہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلایئے بندہ یہ رقم لے کر بینک سے ٹیکسی اٹھاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ معاش کا کوئی ذریعہ بھی نہیں۔

(۲) اگر بینک سے یہ رقم نہ لی جائے؛ بلکہ صرف چیک بنوا کر کسی کمپنی سے ٹیکسی لی جائے یعنی جتنی رقم کی کمپنی میں ٹیکسی نقد فروخت ہوتی ہے، اتنی رقم کا چیک بنوا کر کمپنی کے حوالہ کر دیا جائے اور کمپنی سے ٹیکسی لے لی جائے، تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟؛ لیکن اس صورت میں بھی جو چیک بنوایا جائے گا، اس کا سود چیک والے کو ہی ادا کرنا ہوگا۔

(۳) تیسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ گورنمنٹ سے نہ رقم لی جائے، نہ چیک بلکہ کوئی مشینری یا سیٹنگ کا سامان لیا جائے، پھر اسے فروخت کر کے ٹیکسی لی جائے، تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسبحان، ہیورکھیڑ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینک سے قرض لینے کی صورت میں واپسی میں سودد ینالازم آتا ہے؛ اس لئے بینک سے سودی قرض لیناجائز نہیں ہے، اگرچہ حکومت کچھ روپئے معاف ہی کیوں نہ کردیتی ہو؛ کیونکہ اس کے بارے میں حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخة الھندیة، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸، مشکاۃ۱/۲۴۴)

(۲) بینک سے چیک لینے کی صورت میں بھی سودد ینالازم آتا ہے؛ اس لئے یہ بھی شکل ناجائز ہے؛ کیونکہ یہ شکل کل قرض جرنفعا حرام کے تحت داخل ہوکرحرام ہوجاتی ہے، اس میں جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بینک اس شخص کو ٹیکسی خریدنے کے لئے اپنا وکیل بنالے، پھر یہ شخص پچاس ہزارروپیہ کا چیک لے کر ٹیکسی خرید کر بینک کے حوالہ کردے، پھر یہ شخص بینک سے پچپن ہزارروپیہ میں ٹیکسی خریدلے، اور بینک کے طےشدہ معاملہ کے مطابق قسط وار ۵۵/ ہزارروپیہ ادا کرتا رہے، تو اس طرح یہ معاملہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۹)

عن فضالة بن عبید صاحب النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: کل قرض جر منفعة، فھو وجه من وجوہ الربا. (السنن الکبریٰ للبیھقي، کتاب البیوع، باب کل قرض جر منفعة فھو ربا، دارالفکر ۸/۲۷۶، رقم:۱۱۰۹۲)

(۳) اور بینک سے چیک یارقم نہ لے کر؛ بلکہ مشنری یا سیٹنگ کا سامان لے کر اسے فروخت کرکے ٹیکسی لینے کا جواز اس وقت ہوگا؛ جبکہ اس مشنری اور سیٹنگ کا سامان خریدنے میں قیمت ادا کرتے وقت سود دینالازم نہ آتا ہو، اور اگر سود دینالازم آتا ہے، تو کل قرض جر نفعا حرام کے تحت داخل ہوکر یہ شکل بھی ناجائز ہوگی۔

عن علي قال: کل قرض جر منفعة، فھو ربا. (کنز العمال الدین والسلم،

دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥؍محرم الحرام ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤؍٦٠٠٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٦؍١؍١٤٢٠ھ

قرض سے زائد رقم وصول کرنا

سوال [٩٣١٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ صوبہ کرناٹک کے اندر سنگا کے نام سے جگہ جگہ ایک مہم چلاتے ہیں، جس کی شکل یہ ہے کہ کوئی مالدار مسلمان ہو یا کافر عامۃً تو یہ کفار لوگ ہی ہوتے ہیں، عورتوں میں سے کسی عورت کے گھر میں جمع ہوجاتے ہیں؛ جبکہ جس گھر میں جمع ہورہی ہیں اس کا تعلق اس مالدار سے ہوتا ہے، وہ سب عورتوں کو جمع کرنے کے بعد اس کو بلاتی ہے، وہ آکر سب کے آدھار کارڈ، ووٹ کارڈ اور کوپن (سوسٹی) کارڈ اسی طرح گھر کے کاغذ کا عکس لے کر مکان خاص ہے یا بھاڑے کا، اس کی جانچ کرلیتا ہے، پھر ایک رقم دیتا ہے، اس میں جو عورتیں جمع ہیں آپس میں تقسیم کرلیتی ہیں، تو یہ آدمی ہر ایک عورت کے حصہ میں جتنا پیسہ ملتا ہے ہر ایک عورت کو ایک کارڈ میں مثلاً ١٠؍ ہزار ملے، تو ٣؍ ہزار کی زائد رقم کے ساتھ ١٣؍ ہزار لکھ کردے دیتا ہے، ہر ہفتہ قسطوار ادا کرنی پڑتی ہے، اگر کوئی عورت ایک قسط میں جمع نہ کرے تو وہ آدمی جس کے گھر میں عورت سنگا کی ذمہ دار تھی، اسے یا بقیہ شرکاء عورتوں سے جو عورت جمع نہیں کی، اس کی رقم لیتا ہے، تو کیا یہ شکل سود اور بے حیائی کے زمرہ میں ہوکر ناجائز ہوگی یا نہیں؟ یا پھر اس طرح آدھا قرض زائد رقم کے ساتھ دینا کیسا ہے؟ ضرورت مند عورتیں اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں، مثلاً لڑکی کی شادی اور دیگر ضروریات میں برائے مہربانی اس مسئلہ کا شرعی حکم بیان

کر دیئے ممنون ہوں گا مہربانی ہوگی۔

المستفتی: مفتی حسن قادری قاسمی، راپچوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت صریح سود ہے؛ اس لئے کہ اس میں قرض دینے والا گھر وغیرہ کے کاغذات کو گروی رکھ کر جو رقم دیتا ہے، اس سے زائد قرضداروں سے وصول کرتا ہے؛ لہٰذا یہ کل قرض جر نفعا کے تحت داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہوگا۔ بریں بناء مسلمانوں کو اس طرح کے قرض لینے سے اجتناب لازم ہے۔

عن علي مرفوعاً: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (اعلاء السنن كراچي ١٤/٤٩٨، دار الكتب العلمية بيروت ١٤/٥٦٦)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/٢٧٦، رقم:١١٠٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ

قرض پر ہر ماہ نفع لینا سود

سوال [۹۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد سے ایک کروڑ روپئے قرض لیا اور یہ طے ہوا کہ جب تک ایک کروڑ یکمشت ادا نہیں کریگا، اس وقت تک زید ماہانہ خالد کو پانچ ہزار روپئے دیا کرے گا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک پورا قرض ادا نہ کردے، یہ ماہانہ پانچ ہزار روپئے

جوخالد لے رہا ہے، یہ نفع ہے یا سود ہے؟ شرع محمدی کے مطابق جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد، گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض پر جو ماہانہ پانچ ہزار روپئے طے ہوا ہے، یہ معاملۂ سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے، جس سے احتراز کرنا لازم ہے، اس کو نفع کہنا غلط ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ میرٹھ ۲۴/۴۰۴، ڈابھیل ۱۶/۳۴۲، انوار رحمت ۲۳۳)

كل قرض جر نفعاً حرام أي إذا كان مشروطا كما علم ممانقله عن البحر. (الدر مع الرد، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام، زكريا ۷/۳۹۵، كراچي ۵/۱۶۶)

أما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية:۲۷۵، من سورة البقرة ۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳)

الربا هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع. (عناية على فتح القدير، كراچي ۶/۱۴۶، دارالفكر ۷/۳، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/۱۰۹، هداية اشرفي ۳/۷۸، هندية، زكريا جديد ۳/۱۱۸، قديد ۳/۱۱۷)

عن علي أمير المؤمنين كل قرض جر منفعة، فهو ربا– وقال الموفق: كل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كراچي ۱۴/۴۹۸، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/۵۶۶)

لايجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه، أو مثله تبعاً

للقاعدة الفقهية القائلة كل قرض جر نفعاً فهو ربا. (فقه السنة، بيروت ۳/ ۱٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۱/۴۰)

نفع لے کر ادھار روپئے دینا

سوال [۹۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بکر کو نفع لے کر روپیہ ادھار دیتا ہے، آیا یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

نیز زید کے پاس کچھ روپئے جائز طریقے کے ہیں اور کچھ روپئے ناجائز طریقے کے دونوں کو اس نے ایک جگہ جمع کردیا (ملا دیا) پھر اس روپیہ میں سے بکر شریعت کے مطابق روپئے ادھار لیتا ہے؛ جبکہ بکر کو معلوم بھی ہے کہ اس کے اندر ناجائز روپئے ملے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں بکر کے لئے روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم صدیقی، ٹیلر ماسٹر، کربلا روڈ علی خاں، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کے لئے نفع لے کر روپیہ ادھار دینا کھلا ہوا سود ہے، جس کی قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں؛ اس لئے زید کے لئے نفع لے کر ادھار دینا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقره: ۲۷۵]

عبد الله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه الحديث. (سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض

جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۸/۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲)

نیز زید کے پاس اگر اکثر روپے حرام اور ناجائز آمدنی سے ہیں، تو ایسی صورت میں بکر کو ادھار لینے سے احتراز کرنا چاہئے، اور اگر اکثر روپے حلال اور جائز آمدنی سے ہیں، تو زید سے روپے ادھار لینے میں کوئی حرج نہیں، یہی سمجھا جائے گا کہ بکر حلال آمدنی سے ادھار لے رہا ہے۔

وكاسب الحرام إذا كان غالب ماله حرام لا يقبل و لايأكل وإن كان المال حلالا فلابأس به. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ۵/۳٤۳، جديد ۵/۳۹۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/۱۸٦-۱۸٦، مصري قديم ۲/۵۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۳۳۵/۷)

قرض کے بدلے نفع حاصل کرنا

سوال [۹۳۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضمیر عالم کے ماموں محمد یسین پیتل کا کام کرتے ہیں، محمد یسین کسی بھی دوکان سے سلی ادھار لیتے ہیں، ادھار نقد کے مقابلہ میں ۴؍ روپیہ مہنگی ملتی ہے، تو ضمیر عالم نے اپنے ماموں سے کہا کہ آپ مجھ سے روپے لے لیجئے اور دوکان سے نقد ۴؍ روپے سستی خرید لیجئے، مثلاً ایک سلی بازار میں نقد ۴٦؍ روپیہ میں ملتی ہے اور ادھار ۵۰؍ روپیہ میں ملے گی، تو ضمیر عالم نے اپنے ماموں محمد یسین کو روپیہ دے کر کہا کہ نقد خرید لیجئے اور ہمیں ۴؍ روپیہ پرافٹ دیدیجئے، تو شرعاً یہ تجارت صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت جائز نہ ہو، تو کوئی جائز شکل تحریر فرمادیں۔

المستفتی: ضمیر عالم پکاباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ عقد شرعاً درست نہیں اور اس طرح کا روپیہ لینا شرعاً سود میں داخل ہے؛ کیونکہ دیئے ہوئے روپئے قرض کے حکم میں ہیں اور قرض کے بدلے نفع حاصل کرنا سود ہے؛ لہٰذا کل قرض جر نفعاً حرام کے تحت داخل ہوکر حرام ہوگا، اور اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ۲۷۵]

لہٰذا اس نفع کو مالک کے پاس لوٹانا لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۱)

جواز کی شکل یہ ہے کہ ضمیر عالم خود سلی خرید کر پچاس روپیہ میں محمد یسین کے ہاتھ فروخت کردیں اور دوسری شکل جواز کی یہ ہے کہ ضمیر عالم نے جو روپئے دیئے ہیں، اس روپیہ کے نفع میں دونوں ثلث یا نصف کے حساب سے شریک ہوجائیں، تو یہ بھی جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۳/۱۴۲۰ھ

فیصد فائدہ پر قرض دینا

سوال [۹۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقام پر دس لوگ مل کر ایک کام کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ دس لوگ آپس میں ہر ماہ بیس روپئے جمع کرتے ہیں، ایک کے پاس کبھی واپس نہیں ملیں گے؛ بلکہ اس سے دو قسم کے فائدے ملتے ہیں۔

(۱) اگر ان دسوں میں سے کسی کو قرض کی ضرورت پیش آجاتی ہے، تو اس شرط پر قرض

ملتاہے کہ اس کا فی سال سات فیصد فائدہ دینا پڑے گا؛ لیکن اگر قسط جمع کرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے، تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں لگتا ہے، اور اگر زیادہ پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، قرض کے لئے تو دوسری جگہ سے پیسے قرض لے کر دیئے جاتے ہیں؛ حالانکہ اس قرض کی رقم پر ان کو دس فیصد فائدہ اگلے کو دینا پڑتا ہے؛ لیکن یہ ممبران اپنوں میں سات فیصد ہی لگاتے ہیں، اس حال میں تین فیصد کی کمی کو فائدہ کی رقم میں برابر کرتے ہیں۔

(۲) اب آپس میں قرض دینے سے جو منافع آتا ہے، اس کو دسوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، یہ فائدہ لینا یا اس طرح کا کام کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سجاد الرحمٰن، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فیصد فائدہ کی شرط پر قرض دینا سودی معاملہ ہے؛ اس لئے یہ معاملہ شروع سے آخر تک ناجائز اور حرام ہے اور باعث لعنت ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال المکرم ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۲۲ھ

فائنس کے نام سے ۱۰/ ہزار قرض لے کر ایک ماہ بعد ۱۲/ ہزار ادا کرنا

سوال [۹۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل بہت سے مسلمانوں میں بڑے زوروں سے ایک بات گھر کر گئی ہے، وہ یہ ہے کہ فائنس کے نام سے دس ہزار روپیہ قرض دیتے ہیں اور اس کا ایک

ماہ بعد ۱۲؍ ہزار روپیہ لیتے ہیں، اسی طرح بڑی بڑی رقم موٹر، ٹریکٹر، موٹر سائیکل وغیرہ پر دیتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد یا مہینہ مہینہ میں ان سے رقم وصول کرتے رہتے ہیں، وہ لوگ اس کو بیاج نہیں مانتے۔ کیا ایسا کرنا یا روپیہ قرضدار سے زیادہ لینا جائز ہے؟ وہ لوگ پہلے ہی رقم زیادہ لینے کی بات کرتے ہیں۔

المستفتی: حاجی ماسٹر علی، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں مذکور دو جزئیات ہیں:

اول تو صراحۃً سود ہے، جو نص قرآنی سے قطعاً ناجائز وحرام ہے، اس کی نوعیت کے حرام ہونے کے بارے میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں بے شمار وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

(فتاوی محمودیہ ۴/۲۰۴-۲۱۸، فتاوی رحیمیہ ۲/۱۹۳، ایضاح النوادر ۱/۱۵۳)

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ، وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن ○ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه . [البقرہ: ٢٧٥-٢٧٨-٢٧٩]

عن عبد الله بن حنظلة غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل، وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/٢٢٥، رقم: ٢٢٣٠٣، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٨/٣٠٩، رقم: ٣٣٨١، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/١٣، رقم: ٢٨١٩-٢٨٢١، مشكاة ١/٢٤٦)

اور دوسرے جزئیہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ٹریکٹر یا موٹر سائیکل وغیرہ کے لئے بڑی بڑی رقم دے کر ماہانہ اور قسطوار رقم قرض کی مقدار تک وصول کیا جائے، تو یہ معاملہ درست ہے بیاج نہیں؛ لیکن اگر قرض سے زائد وصول کیا جائے، تو یہ سود ہے جو ناجائز وحرام ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۳۹-۴۰، فتاوی محمودیہ ۱۳/۳۷۲)

ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زاد وافي الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية: ٢٧٥، من سورة البقرة٧/ ٩١، روح البيان ٢/ ٩٣، غرائب القرآن للنيسابوری ٢/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢ر رجب المرجب ١٤٢٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٦/ ٧٣٣١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٩/ ٧/ ١٤٢٢ھ

تجارت کے لئے تین ہزار دے کر چار ہزار واپس لینا

سوال [٩٣١٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر کو تین ہزار روپیہ اس شرط پر دیا کہ سال بھر اس روپیہ سے کوئی کام تجارت وغیرہ کرے، ایک سال کے بعد چار ہزار روپیہ واپس لوں گا، کیا یہ لین دین شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ رسول احمد، مدرس مدرسہ بحر العلوم، کملاپور، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ بالکل صریح سود ہے قرآنی اعلان کے مطابق تین ہزار پر چار ہزار لینا حرام اور ناجائز ہے اور خدا اور رسول کے ساتھ مقابلہ آرائی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ.

[البقرہ: ٢٧٩] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥ر رمضان المبارک ١٤١٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٨/ ٢٨١٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/ ٩/ ١٤١٢ھ

اضافہ کی شرط کے ساتھ قرضہ

سوال [۹۳۲۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر سے پندرہ سوروپیہ قرض لئے چھ مہینہ کے لئے، بکر نے زید کو قرض اس شرط پر دیا کہ دو ہزار روپئے دینے ہوں گے، زید نے اس شرط کو قبول کرلیا بکر کہتا ہے کہ پیسے سے پیسے کمایا جاتا ہے کیا اس کا کہنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض پر اس طرح رقم لینے دینے کا معاملہ کرنا شرعاً کھلا سود ہے۔ نیز پیسہ سے پیسہ کمایا جاتا ہے، یہ کہہ کر بکر کا قرض دینا اور اس کے اوپر نفع حاصل کرنا شرعاً سود ہے پیسہ کمانے کا طریقہ اور تجارت نہیں ہے؛ اس لئے اس طرح کے معاملہ سے اجتناب ضروری ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ۱۱/۳۱۲، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۴۱-۳۴۳-۳۴۴، ۴/۲۱۸، ۶/۲۹۳، رحیمیہ ۶/۱۳۸، جدید زکریا ۹/۲۳۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [سورة البقرہ: ۲۷۵]

كل قرض جر نفعاً حرام (در مختار) أي إذا كان مشروطا كما علم ممانقله عن البحر. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام، زكريا ۷/۳۹۵، كراچي ۵/۱٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/٦٦٦۵)	۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

قرض دے کر قرض گیرندہ کی زمین سے انتفاع کرنا

سوال [۹۳۲۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کو دیدی اور کہا کہ ایک ہزار روپیہ مجھے دیدو اور میری زمین سے اس وقت تک فائدہ اٹھاتے رہو، جب تک کہ میں آپ کے روپے نہ واپس کردوں، تو کیا یہ معاملہ شرعاً درست ہے۔

المستفتی: سعیدالرحمٰن، آسامی متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں شخص مذکور قرض کی مجبوری کی بنا پر اپنی زمین سے اداءِ قرض تک انتفاع کی اجازت دے رہا ہے؛ اس لئے یہ معاملہ

كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (كنز العمال الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٩٩/٦، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٤٣٨/٦، رقم: ١٥٨٢١)

کے تحت داخل ہو کر ناجائز اور فاسد ہوگا اور قرض دے کر زمین سے انتفاع حاصل کرنے والے کے لئے زمین کی پیداوار سود اور حرام ہوگی۔

إن من ارتهن شيئاً لا يحل له أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه إذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقي له المنفعة التي استوفىٰ فضلاً، فيكون ربًا وهذا أمر عظيم. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٣-٢٧٤، مصري قديم ٢/٥٨٨، شامي، مطلب كل جر نفعاً حرام، زكريا ٧/٤٢٢، كراچي ٥/١٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۷۲)

پیشگی گندم دے کر فصل پر زیادہ لینا

سوال [۹۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے گاؤں میں لوگوں کو گندم یا چاول اس شرط پر دیتا ہے کہ جب تمہارے پاس تمہارا گندم یا دھان وغیرہ کٹ کر تیار ہوجائے گا، تو اس وقت تمہارے گندم یا دھان کی قیمت پانچ سو روپیہ کوئنٹل ہے اور تمہارے گندم یا دھان کے کٹتے وقت عام قیمت اگر ساڑھے چھ سو روپیہ کوئنٹل ہوجائے گی، تو میں پانچ سو روپیہ کوئنٹل ہی کے حساب سے لوں گا یا یہ کہا کہ ابھی تم چاول یا گندم لیجاؤ اور دو تین ماہ کے بعد جو عام قیمت رہتی ہے، اس قیمت کے حساب سے روپیہ یا گندم یا دھان لوں گا؛ حالانکہ دو یا تین ماہ کے بعد اس چاول یا گندم کی قیمت معاملہ کرنے کے وقت جو قیمت تھی اس سے بڑھ جاتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ شرع کے مطابق جواب مرحمت فرمادیں۔

المستفتی: علی مرتضیٰ کٹیہاری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نمبر ۱/ اور سوال نمبر ۲/ میں جو صورت نقل کی گئی ہے، وہ ربا ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، گندم یا چاول دینے والے کو اتنا ہی لینا چاہئے جتنا دیا ہے، اس سے زائد لینا یا اس کے لئے شرطیں لگانا یا قیمت کے اعتبار سے وہی چیز زائد لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۲۷٦/۸، رقم: ۱۱۰۹۲)

الربوا محرم في كل مكيل، أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفی ۷۷/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۸/۱۴۱۸ھ

قرض کی رقم باقی رکھ کر چاول وصول کرنا

سوال [۹۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ ایک ہزار روپئے دوسرے آدمی کو دیتے ہیں اور ایک مہینہ میں پانچ کلو چاول لیتے ہیں، اصل ایک ہزار روپئے باقی رہ جاتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟

المستفتی: محمد سعید الرحمٰن، بھنگنا ماری، انچلک دینی تعلیمی، بورڈ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض کی اصل رقم باقی رکھ کر ماہانہ پانچ کلو چاول وصول کرنا صریح سود ہے، جس کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورۃ البقرہ: ۲۷۵]

كل قرض جر نفعاً حرام. (طحاوي، النسخة الهندية، ۲/۲۲۹، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام، زكريا ۷/۳۹۵، كراچي ۵/۱۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۶/۱۴۳۱ھ

قرض کے عوض میں ملنے والے گیہوں کا حکم

سوال [۹۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کنٹرول والے غیر مسلم ہیں، وہ کسی مسلمان سے کچھ روپئے قرض کہہ کر لیتے ہیں، پھر بھی وہ کنٹرول والے مسلمان کو ہر ماہ روپئے کے عوض میں کچھ گیہوں دیتے ہیں، سال

دوسال بعد قرض پورا واپس کردیتے ہیں، تو وہ گیہوں کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد صلاح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کنٹرول والے قرض لینے کے بعد ہرماہ روپئے کے عوض جو گیہوں دیتے ہیں وہ سود ہے؛ لہٰذا اس کا کھانا جائز نہیں۔

كل قرض جر نفعاً حرام. (شامي، زكريا ٧/٣٩٥، كراچي ٦/١٦٦)

عن عبد الله بن سلام عن بردة أتيت المدينة، فلقيت عبد الله بن سلامؓ، فقال: ألاتجئ فأطعمك سويقاً وتمراً وتدخل في بيت، ثم قال إنك بأرض الربا بها فاش، إذا كان لك على رجل حق فأهدىٰ إليك حمل تبن، أوحمل شعير فلا تأخذه فإنه ربا. (بخاري شريف، كتاب مناقب الانصار، باب مناقف عبد اللّٰه بن سلام ١/٥٣٨، رقم: ٣٦٧٧، ف: ٣٨١٤)

فانظر كيف جعل عبد الله بن سلام كل زيادة على أصل الدين ربا مع أنها لم تكن مشروطة في العقد؛ لكونها معروفة فيما بينهم والمعروف كالمشروط. (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا اشرفيه ديوبند ١/٥٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۲۹ھ

قرض پر نفع حاصل کرنا

سوال [۹۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو سامان کی ضرورت ہے؛ لیکن اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے اورسامان دس ہزار روپیہ کا ہے، عمرو زید سے کہتا ہے کہ تم سامان لے لو نقد رقم میں ادا

کر دیتا ہوں اور تم یہ رقم مجھے ایک سال میں ادا کرنا اور اس پر مزید کچھ رقم مجھے نفع کے طور پر دے دینا تو کیا اس طرح کا معاملہ درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے پاس نقد رقم نہ ہونے کی صورت میں عمرو کا اس سے یہ کہنا کہ تم سامان لے لو رقم میں ادا کر دوں گا اور پھر ادائے گی کے وقت مزید کچھ رقم بطور نفع کے دینا، شرعاً یہ صورت سود کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ عمرو یوں کہے کہ یہ سامان میں خرید رہا ہوں اور خرید کر کے پھر تمہارے ہاتھ میں ادھار بیچ رہا ہوں اور تم مجھے اتنی رقم اس کی قیمت کے طور پر بعد میں ادا کر دینا اور بعد میں جو ادا کرے گا، وہ مدت بھی متعین ہو جانی چاہئے۔

عن علي قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر نفعا فهو ربا، دارالفكر بيروت ٨/٢٧٦، رقم:١١٠٩٢)

كل قرض جر منفعة فهو ربا. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام، كراچي ٦/١٦٦، زكريا ٧/٣٩٥، إعلاء السنن، كراچي ١٤/٤٩٨، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/٥٦٦، قواعد الفقه اشرفي ديوبند ١٠٢، رقم:٢٣٠)

أما الأئمة الأربعة و جمهور الفقهاء والمحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد بشرط أن يبين العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن، متفق عليه عند العقد. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، أحكام البيع بالتقسيط ص:٧، بحواله محموديه ڈابهيل ١٦/١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۴۸/۳۸)	۱۴۲۷/۱۲/۱۳ھ

پانچ من دھان لینے کی شرط پر قرض دینا

سوال [٩٣٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ نے عبدالرحمٰن کو پانچ ہزار روپیہ دیا، ایک سال کے لئے اور پانچ ہزار کے بدلے میں پانچ من دھان لیتا ہے، اور سال کے آخر میں وہ پانچ ہزار روپئے بھی واپس لیتا ہے، کیا یہ معاملہ صحیح ہے؟

المستفتی: سعید الرحمٰن، بھنگنا ماری، انچلک دینی تعلیمی بورڈ (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ ہزار روپئے اس شرط پر قرض دینا کہ سال پورا ہونے کے بعد پانچ ہزار روپئے واپس کرنے ہوں گے، اور مزید پانچ من دھان دینا ہوگا، صریح سودی معاملہ ہے اور شرعاً اس طرح معاملہ کرنا حرام ہے، مسلمانوں کو اس طرح کے سودی معاملات سے اپنے آپ کو دور رکھنا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرہ: ٢٧٥]

قال ابن المنذر: إن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً، أو هديةً، فأسلف على ذٰلك، إن أخذ الزيادة على ذٰلك ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر نفعاً فهو ربا، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/٥٦٦، كراچي ١٤/٤٩٩، مثله في تكملة فتح الملهم، المساقاة والمزارعة، باب الربا، اشرفي ديوبند ١/٥٦٨)

كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (طحاوي ٢/٢٢٩، كنز العمال، كتاب الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر نفعاً فهو ربا، دارالفكر بيروت ٨/٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١/ جمادی الاولیٰ ١٤٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٩/ ١٠٠٨٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١/٦/ ١٤٣١ھ

تعلیمی لون

سوال[۹۳۲۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے زمانہ میں تعلیمی اخراجات وفیس وغیرہ اتنی بڑھ چکی ہے کہ عام آدمی کیا مڈل کلاس لوگ بھی ان اخراجات کے برداشت کے قابل نہیں ہوتے، خاص طور پر (پروفیشنل کورس Profeshnal Courses) جیسے میڈیکل، انجینیر نگ وغیرہ، گورنمنٹ کوٹا بہت کم ہوتا ہے، ایسے حالات میں اچھے ہونہار مسلم طلبہ داخلہ لینے کے لئے اگر لون اسکالرشب (Loan Scholar Ship) ایجوکیشنل انشورنس پلانس (Educational Insurance Plan) کے ذریعہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان سہولتوں کا فائدہ اٹھانا چاہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان ذرائع کو استعمال کرنے میں سود کا مسئلہ بھی درپیش ہوتا ہے، بینک بھی لون سود پر دیتا ہے، پھر کیا کیا جائے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، کامٹی، ناگ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا لینا دینا دونوں باعث لعنت ہیں اورفقہاء نے سخت اضطراری ضرورت کی بنا پر سودی قرض لینے کی گنجائش لکھی ہے، اور جن تعلیمی ضرورتوں کے لئے بینک سے سودی قرض لینے کا ذکر کیا گیا ہے، ان ضرورتوں کو صاحب معاملہ خود سمجھے، کیا ان ضرورتوں کی بنا پر سودی قرض لینے کی لعنت سے حفاظت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ خود ہی کریں۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام

رقم: ٣٣٣٣، سنن الترمذي، باب ما جاء في آكل الربا، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

بینک سے قرض لے کر مکان کی تعمیر

سوال [۹۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے قرضہ لے کر مکان تعمیر کرا سکتا ہوں؟

المستفتی: ناصر رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض لینا شرعی طور پر جائز نہیں ہے، مستحق لعنت ہے آپ خود سوچ لیں کہ جو سودی قرض لیا جارہا ہے، اس کی لعنت اور اپنی ضرورت دونوں کو خود دیکھ لیں، کیا آپ ایسے ضرورت مند ہیں کہ جس کی وجہ سے لعنت سے بچ جائیں گے؛ اس لئے قرض لینا جائز نہیں ہے۔

كل قرض جر نفعاً فهو ربا. (طحاوي شريف، ٢/ ٢٢٩)

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۳۳)

سودی قرض لے کر مکان بنانا

سوال [۹۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سرکاری ملازم ہے، جنہیں دس ہزار سات سو ستہتر روپیہ نقد تنخواہ ملتی ہے، باقی رقم کٹوتی میں جمع ہو جاتی ہے، کٹوتی میں ماہانہ جمع ہونے والی اس رقم کی سالانہ مقدار تقریباً پچاس ہزار تین سو چھتیس روپئے سالانہ ہے، زید کے یہاں چار اولاد ہیں، دو لڑکے، دو لڑکیاں اور تقریباً سب ہی بالغ ہو چکے ہیں۔ زید کا اپنا کوئی ذاتی مکان نہیں، دونوں میاں بیوی کرایہ کے مکان میں تقریباً بیس سال سے زندگی گزار رہے ہیں، ان حالات میں زید کو مکان خریدنے یا بنانے کے لئے کئی ایجنسیاں لون دینے کی پیشکش کر رہی ہیں؛ لیکن یہ لون سود کے ساتھ دے رہی ہیں، مجموعی مندرجہ حالات میں رہبری فرمائیں کہ کیا اپنا رہائشی مکان خریدنے یا بنانے کے لئے مذکورہ ایجنسیوں سے یہ لون (سود) لیا جا سکتا ہے۔

المستفتی: محمد نسیم ولد محمد شکور، مادھیمک، شکشا بورڈ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سودی لون لے کر مکان بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کوشش کر کے بلا سودی قرض لے کر مکان بنانا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/۱۹۳، جدید زکریا ۹/۳۳۸)

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دار السلام رقم: ۳۳۳۳)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢، كنز العمال، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢)

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٥/١٦٦، زكريا ٩/٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۱۶۹)

ہوم لون

سوال [۹۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شیواجی نگر گووندی کے کوردہ جھونپڑ پٹی علاقے میں رہتا ہے، جہاں ہمیشہ پانی کی تکلیف رہتی ہے۔ نیز بچوں کی تعلیم وتربیت کے اعتبار سے یہ علاقہ قطعی سازگار نہیں ہے؛ کیونکہ ماحول بد سے بھی بدتر ہے۔ زید کے پاس دو قطعہ مکان روم ہے، ایک روم میں کارخانہ ہے اور دوسرے میں قیام۔ زید چاہتا ہے کہ موجودہ ناقص علاقہ چھوڑ کر قریب کے کسی ایک فلیٹ میں منتقل ہوجائے، جہاں ماحول اچھا اور تعلیمی ذرائع فراہم اور پانی وغیرہ کی سہولت میسر ہو؛ لیکن فلیٹ کی قیمت فی الحال بارہ لاکھ ہے؛ جبکہ زید کا موجودہ مکان بمشکل چار لاکھ میں فروخت ہوسکتا ہے، باقی ۸؍لاکھ روپیہ بینک سے لون پر لینا پڑے گا، تب ہی فلیٹ خریدا جاسکتا ہے تاکہ بچوں کی پرورش پرداخت، تعلیم وتربیت اسلامی دائرے میں ہوسکے۔

واضح فرمایا جائے کہ ازروئے شرع شریف بینک سے لون لے کر فلیٹ خریدنا جائز ہے

یاناجائز؟ نیز یہ واضح رہے کہ قانونی طور پر (اگرکسی طرح کوئی شخص مطلوبہ رقم فراہم بھی کرے تو بلالون لئے بارہ لاکھ رقم کے یکمشت ہونے پرانکم ٹیکس کی پیچیدگی میں الجھنا ہوگا۔

المستفتی: ریاض احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فلیٹ خریدنے کے لئے بینک سے سود پر قرض لینا شرعاً ناجائز ہے؛ اس لئے کہ سودی قرض لینے کی صورت میں اپنے اوپر قرض کے ساتھ ساتھ سود کی لعنت مسلط کرنا لازم آئے گا۔ نیز سودی لین دین موجب لعنت ہے، آپ اپنی ضرورت کوخود محسوس کریں ۔کیا آپ کی ضرورت اتنی سخت ضرورت ہے، جس کی وجہ سے سودی قرض لینے کی صورت میں قرض کی لعنت سے بچ سکیں گے، اس کا فیصلہ آپ خود فرمائیں اور قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اپنا پیسہ بینک میں رکھا جائے اور سودی قرض لے کر ضرورت پوری کر لی جائے اور اپنے پیسہ پر جو سود ملے گا وہی سود کا پیسہ لون کے سود میں مجریٰ کر دیا جائے اور ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے نہ آپ کا سود لینا لازم آئے اور نہ آپ کا سود دینا لازم آئے ،معاملہ دونوں جانب سے برابر سرابر ہو جائے، اگر اس طرح کیا جاسکتا ہے، تو کرنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دار السلام رقم: ۳۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۱۲)

ہوم لون کا شرعی حکم

سوال [۹۳۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری ملازم کا کوئی ذاتی مکان نہیں،حکومت یا بینک مکان بنانے یا کسی اورضرورت کے لئے قرضہ دیتے ہیں وہ قرضہ تنخواہ سے ماہانہ قسط وار وصول کرتے ہیں،قرضہ مع سود ادا کرنا پڑتا ہے، یہ قرضہ لےکر مکان بنانا یااپنی ضرورت پرخرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عادل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ صورت ناجائز اورممنوع ہے،اس کے لئے یہ صورت نکالی جاسکتی ہے کہ سود کے ساتھ کل رقم کی ادائے گی کے وقت جو جمع ہوسکتا ہے، پورے مکان کی وہی قیمت لگائی جائے، پھر رقم کی ادائے گی عمل میں لائی جائے،اس صورت میں مکان کی قیمت تو زیادہ تسلیم کی جائے گی؛ لیکن سود لازم نہیں آئے گا،اوراگر یہ صورت نہ بن سکےتو مذکورہ معاملہ جائز نہیں ہوگا۔

لو باع عبداً على أن يستخدمه البائع شهرا، أو دارا على أن يسكنها، أو على أن يقرضه المشتري درهماً، أو على أن يهدي له هدية؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين؛ ولأنه نهي عن بيع و سلف.

(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد اشرفی دیوبند ٣/ ٦٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۴/۱۷۱)

نقصان سے بچنے کے لئے لون لینے کا حکم

سوال [۹۳۳۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تالاب مچھلیوں کا ہماری ملکیت ہے، چندلوگوں نے دھمکی دی ہے کہ ہم دوائی کے ذریعہ مچھلیاں ختم کردیں گے، اس سے پہلے بھی دوائی ڈالی جا چکی ہے؛ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ لون لے کر قسط ادا کرتے رہیں، اپنے مصرف میں نہ لاویں، لون کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر نقصان ہوتا ہے، تو سرکار سے تلافی ہو جائے گی، اس نیت سے ہم لون لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد طاہر، نگینہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نقصان کی صورت میں حکومت اس کی تلافی کرے گی، اس امید میں لون لینا جائز نہیں ہے، یہ سودی لین دین ہے جس پر سخت وعید آئی ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه. الحديث (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۲۰ھ

جلب منفعت کے لئے بینک سے لون لینا

سوال [۹۳۳۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سخت ضرورت کے تحت لون لینا کیسا ہے؟ ضرورت مندرجہ ذیل ہے۔

معاشی واقتصادی طور پر کاروبار بند ہوجانا یا کاشتکار کے لئے فصلوں کا ضائع ہوجانا، مکان یا دوکان میں چوری وغیرہ ہوجانا یا رقم کا کھوجانا وغیرہ شکلوں میں روزی ومعاشی حالات کی درستگی کے لئے سود یا لون کا لینا اس سے کاشت کرنا اور کاروبار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جلب منفعت یعنی معاش واقتصادی طور پر کاروبار کو فروغ دینے یا کاشتکاری اور دوکان کو وسیع کرنے کے لئے لون لینا جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹۳/۲، جدید زکریا ۲۳۸/۹، ایضاح النوادر ۱۰۷/۱)

عن جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه. الحديث (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب في الربا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۳۰/۳۴)

قرض کی ایک اسکیم کا حکم

سوال [۹۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''پردھان منتری روزگار یوجنا'' اسکیم کے تحت کم از کم میٹرک پاس نوجوانوں کو کاروبار کرنے کے لئے ایک لاکھ روپئے تک قرض دیا جاتا ہے، جس میں سات ہزار روپیہ سبسڈی کے نام پر معاف ہوتا ہے، اور بینک کو اتنی ہی رقم یعنی سات ہزار سود کے نام پر دینا ہوتا ہے، اس اسکیم کے تحت قرض لینے والے کو فائدہ یہ ہے کہ چارسال میں وہ رقوم لوٹاتا ہے،

جوکہ کاروبار کے جماؤ اور ترقی کے لئے ایک موقعہ دیا جاتا ہے اور جتنی رقم اس اسکیم کے تحت ملی اتنی ہی لوٹاتا ہے۔صورت یہ ہے کہ کسی جگہ سے قرض ملنے کی امید نہیں ہے، کیا اس طرح سے قرض لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد خالد، جامع مسجد، دھنباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض کی ادائے گی میں برابر سرابر دیتا ہے تو جائز ہے؛ لیکن اگر ادائے گی میں کچھ زائد رقم دینی پڑے تو یہ بلا شبہ ناجائز اور حرام ہے؛ کیونکہ یہ معاملہ سودی ہے اور سودی معاملہ کرنے والوں پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۲۶۵/۹)

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله. الحديث (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۴۶)

ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لے کر تجارت کرنے کا حکم

سوال [۹۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی پیسے سے تجارت کرتا ہے، تو سرکار اس کی تجارت اور حیثیت پر ٹیکس لگادیتی ہے، تو ایسی صورت میں اگر بینک سے قرضہ لے کر تجارت کی جاتی ہے،

تو ٹیکس کی بچت ہوجاتی ہے، تو کیا بینک سے قرض لے کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس قرضہ پر بینک سود بھی لیتا ہے۔ جواب سے مطلع کیجئے گا شکریہ۔

المستفتی: محمد عمران، شیرکوٹ محلّہ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ قرض پر سود دینا پڑتا ہے، تو جائز نہیں ہے، اگرچہ اس سے ٹیکس کی بچت کیوں نہ ہو۔ حدیث شریف میں سودی معاملہ کرنے والوں کے لئے سخت لعنت آئی ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۴/۴، جدید ڈابھیل ۲۸۳/۱۶، ۲۴۱/۴، جدید ڈابھیل ۳۰۲/۱۶)

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۳/۲۴)

سودی قرض لے کر فیکٹری چلانا

سوال [۹۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت معاملہ یہ ہے کہ ہماری فیکٹری جو گجرولہ روڈ پر ہے، اس پر حکومت کا لون ہے اور حکومت کی گرفت میں اور بھی جائیداد اس کے عوض میں ہے، فیکٹری

کو چلانے کے لئے مزید اور روپیہ کی ضرورت ہے، اگر ہم حکومت سے قرض نہ لیں اور فیکٹری نہ چلائیں تو ساری جائیداد کے ضبط ہونے کا ڈر ہے، تو ایسی صورت میں ایسی فیکٹری کو جائز طور پر محفوظ کرنے اور بچانے کے لئے حکومت سے قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فیکٹری چل گئی تو حکومت سے اپنی جائیداد کو بچالیا جا سکتا ہے، حکومت کے علاوہ اور کوئی دینی بھائی قرض حسنہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی دینے کو تیار ہے، اس کے علاوہ فیکٹری بیچنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے، جس کے اوپر ابھی تک جتنا قرض ہے، اتنا پیسہ نہیں مل رہا ہے، جس کو بیچ کر قرضہ ادا کیا جا سکتا ہو۔ مذکورہ صورت کا دین کی روشنی میں آپ ہمیں شرعی حل سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

المستفتی: ظفر احمد، محلّہ مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فیکٹری چلانے کے لئے سودی قرض لینا ناجائز اور مستحق لعنت ہے۔ حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ما جاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۲۶)

حکومت سے رائس مل کے لئے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرمایہ دار یا غیر سرمایہ دار کے لئے رائس مل قائم کرنے کی غرض سے حکومت سے سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب بڑے تشدد کیساتھ اس طرح سودی قرض لینے کو حرام کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والا فاسق معلن ہے، اس کی امامت مکروہ ہے۔ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں؛ کیونکہ بغیر سود دیئے قرض ادا نہیں کیا جاتا ہے، اور سود دینا بھی حرام ہے کیا یہ تشدد درست ہے؟

المستفتی: محمد شفیع، رامپور ٹانڈہ، دولپوری، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رائس مل وغیرہ کے لئے حکومت سے سودی قرض لینا شرعاً حرام اور مستحق لعنت ہے۔ مذکورہ مولوی صاحب کا کہنا صحیح ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سود لینے والے، دینے والے، شاہد بننے والے، اس کا معاملہ لکھنے والے سب مستحق لعنت ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۹۳۴)

بینک یا بلاک سے لون پر روپیہ لینا

سوال [۹۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بینک یا بلاک سے لون پر روپیہ لینا کیسا ہے؟

المستفتی: قمرالدین، سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک یا بلاک سے بھی لون پر روپیہ لینا حرام اور موجب وعید ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/جمادی الاولیٰ ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/٦٧٨)

بینک سے سودی قرض لے کر تجارت کرنا

سوال [٩٣٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی انجن کی تجارت کرتا ہے اور دوسرا آدمی اس سے انجن خریدتا ہے، ان دونوں میں ایک انجن کی رقم طے ہوجاتی ہے؛ لیکن خریدار کے پاس فی الحال ادائے گی کے لئے رقم نہیں ہے؛ اس لئے انجن بیچنے والا شخص اس کو بینک میں لیجا کر قرض کی رقم دلاتا ہے اور وہ خود رقم لے کر وہ انجن خریدار کے سپرد کردیتا ہے۔

اب اس صورت میں انجن فروخت کرنے والا سودی لین دین میں ملوث ہوا یا نہیں؟ یہ معاملہ درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی: احمد نبی، ویرپور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو صورت لکھی گئی ہے، اس سے

سودی معاملہ اور سودی لین دین میں ملوث ہوجانا لازم آجاتا ہے؛ اس لئے کہ بینک بغیر سود کے کوئی رقم قرض میں نہیں دیتا اور حدیث شریف میں سود لینے والا، دینے والا، اور اس کا حساب وکتاب کرنے والا، اس معاملہ میں گواہ بننے والا سب پر لعنت آئی ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۷/ ۱۴۱۷ھ

تجارت کو فروغ دینے کے لئے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ اپنے کاروبار میں سود بالکل نہیں لیتے ہیں؛ لیکن موجودہ زمانہ میں تجارت جاری رکھنے کے لئے بینک سے روپیہ لینے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، اور بینک سے روپیہ حاصل کئے بغیر کاروبار کو مزید فروغ دینا ہندوستان میں ممکن نہیں ہے اور جب تک مسلمان معاشی طور پر مضبوط نہیں ہوتا ہے، اس وقت تک یہاں کے نامساعد حالات سے دوچار ہوتا رہے گا؛ کیونکہ جب تک تجارت میں اضافہ نہ ہوگا، مسلمانوں میں ترقی کے مواقع پیدا نہیں ہوسکتے۔

آج ہندوستانی مسلمانوں کا اگر تجارتی میدان میں برادران وطن سے موازنہ کیا جائے، تو یہ حقیقت آشکارہ ہوجائے گی کہ شاید اچھے نمایاں کاروباری لوگوں کی فہرست میں کبھی مسلمانوں کا کئی سو افراد کے بعد ہی نام آجائے، ایسے ناگفتہ بہ حالات کو دیکھتے ہوئے مسلم تاجر اپنے کاروبار کو مزید فروغ دینے کے لئے بینک سے روپیہ سود پر حاصل کرسکتے ہیں؟

اور بینک کو سود دے سکتے ہیں؟ ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: عبید الرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کاروبار وتجارت وفیکٹریوں کو فروغ دینے کے لئے سودی لین دین ہرگز جائز نہیں؛ اگر چہ برادران وطن کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مالی حالات کمزور کیوں نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تجارت کو فروغ دینے کے لئے سودی کاروبار کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

قال اللّٰہ تعالی: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. [سورة البقر:٢٧٦]

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه.

[سورة البقره:-٢٧٩]

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

کاروبار کے لئے گورنمنٹ سے لون لینا

سوال [۹۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ سے اپنے کاروبار کے سلسلے میں موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو لون وغیرہ لے کر کاروبار، گاڑی وغیرہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) حکومت کا پیسہ جو بطور لون لیا گیا ہو اگر اس سے کاروبار، گاڑی وغیرہ خرید لی جائیں؛ لیکن جب تک پیسہ ادا نہ کر دیا جاوے سود اور اصل اپنے استعمال میں نہ لایا جائے اور بعد ادائے گی اپنے استعمال وغیرہ میں لایا جائے، تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا وتو جروا۔

المستفتی: محمد عمر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) گورنمنٹ سے لون پر قرض لینا ایسا سودی کاروبار ہے، جس کو قرآن کریم میں تاکید سے منع کیا گیا ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کی لعنت آئی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورۃ البقرہ: ۲۷۵]

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، ۲/۲۷)

اس لئے کاروبار وخریداری گاڑی وغیرہ کے لئے سودی قرض لینا ناجائز وموجب لعنت ہے، جب تک کہ سودی قرض ادا ہوتا رہے گا، اس وقت تک لعنت ہوتی رہے گی۔

(۲) سودی قرض سے جو گاڑی وغیرہ خریدی گئی ہے، شرعاً خریدنے والا اس کا مالک ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اس میں سود کا پیسہ نہیں لگا ہے؛ بلکہ سود تو قرض لینے والا اپنی گاڑھی کمائی سے دیتا ہے، اس کے حق میں صرف سود دینا حرام اور موجب لعنت ہے۔ نیز سودی قرض ادا ہونے تک مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الربا، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸)

اور گاڑی کا استعمال ومنافع اس کے حق میں جائز رہے گا سودی کاروبار کی لعنت کا حکم علیحدہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۳۸۲)

تجارت کو فروغ دینے کے لئے حکومت سے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک کام کرنا چاہتا ہے، جس میں حکومت کے روپئے لگائے بغیر کام نہیں ہوسکتا ہے، زید کی ایک زمین شہر کے باہر ہے، اس زمین پر حکومت لون دے گی، اول تو زید کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے، جو اتنا بڑا کام کرسکے اور اگر فیکٹری لگانے کے لئے ہوتا، تو انکم ٹیکس ودیگر حکومت کے آدمی زید کا پیچھا نہیں چھوڑتے؛ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کی حکومت ہمارے حق میں نہیں ہے اور زید کا کام ایکسپورٹ کا بھی ہے جو کہ کئی سال سے نہیں چل رہا ہے، پچھلے سال آڈر آیا تھا روپئے کی کمی کی وجہ سے بینک سے روپئے لینا پڑا، مال جانے کے بعد اللہ نے ادائے گی کرادی۔ اب یہ فیکٹری بھی جو مال بنائے گی، اس کا ایکسپورٹ بھی ہوگا اور ہندوستان میں بھی مال سپلائی ہوگا؛ لہٰذا اس بارے میں آپ سے عرض ہے کہ آپ مجھے برائے مہربانی بتائیں کہ حکومت کے بغیر تعاون کیسے کام ہو؟ میری رب العزت سے دعا ہے کہ اس کام کے بعد گورنمنٹ سے نہ لینا پڑے۔

المستفتی: اشتیاق احمد، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت سے لون پر قرض لینا ایک سودی کاروبار ہے، اور فیکٹری لگانا اور ایکسپورٹ کرنا یہ تجارت کو فروغ دینا ہے اور تجارت کو فروغ

دینے کے لئے بینک وغیرہ سے سودی قرض لینا شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

اگر آپ سودی معاملہ سے محفوظ رہ کر تجارت کرنا چاہتے ہیں اور بڑی تجارت حکومت کی سودی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، تو چھوٹی تجارت کیجئے جس میں سودی قرض کی ضرورت نہ ہو اور اگر آپ نے سودی قرض لے کر فیکٹری لگالی ہے، تو جب تک سودی قرض ادا نہ ہوگا گناہ ہوتا رہے گا اور ادائے گی کے بعد گناہ کا سلسلہ ختم ہوسکتا ہے اور چونکہ سود آپ نے لیا نہیں؛ بلکہ اپنے جائز مال سے دیا ہے؛ اس لئے آپ کا موجودہ سارا مال پاک اور حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍ ۱۲؍ ۱۴۱۲ھ

سرکار سے قرض لے کر تجارت کرنا

سوال [۹۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک اسلامیہ ہائی اسکول (پرائیویٹ) میں ملازمت کرتا ہے، اور ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، جس کی کل آمدنی تقریباً ساڑھے چار ہزار روپیہ ماہانہ ہے، رہائش کے لئے منجانب مسجد ایک کمرہ ہے، جس میں مع تین بچوں کے انتہائی پریشانی کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے، ایسی صورت میں ارادہ یہ ہے کہ اگر کچھ پیسوں کا انتظام ہوجائے تو تجارت کرلے اور پیسوں کے انتظام کی کہیں سے کوئی شکل نہیں ہے، سوائے ایک

اسکیم کے تحت گورنمنٹ سے ایک لاکھ قرض مل رہا ہے، جس میں تقریباً پندرہ فیصد چھوٹ ہے، اس کو لے کر تجارت کی جا سکتی ہے؟ کیا ان صورتوں میں گنجائش ہے کہ قرض لے کر پیشۂ تجارت بھی کیا جا سکے تاکہ بفضلہٖ تعالیٰ کچھ پریشانیوں میں کمی واقع ہو۔

المستفتی: ظہیرالدین، قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آمدنی کی تنگی اور خرچ پورا نہ ہونے کی پریشانی کی وجہ سے سوال نامہ میں ذکر کردہ اسکیم کے تحت گورنمنٹ سے قرض لے لیا جائے، تو اگر اس قرض پر پندرہ فیصد چھوٹ کی وجہ سے سود دینا نہ پڑے، تو بلاشبہ قرض لے کر تجارت کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر اس قرض پر سود بھی دینا پڑ جائے تو حدیث پاک میں سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاہدہ لکھنے والے اور اس معاملہ کے گواہ بننے والے سب پر لعنت آئی ہے؛ لیکن سنگین ضرورت اور بال بچوں کے فاقہ کی وجہ سے مجبوراً سودی قرض لینا پڑ جائے اور بلاسود قرض نہ ملے، تو ایسی صورت میں اللہ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ لعنت سے حفاظت ہوگی۔ اسی کو ''الاشباہ والنظائر'' میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباہ والنظائر قدیم مطبع دیوبند ۱/۱٤۹، جدید زکریا ۱/۲٦۷)

اور سودی قرض میں سود کھانا لازم نہیں آتا، صرف سود دینا لازم آتا ہے؛ لہٰذا آپ اپنی ضرورت کا خود جائزہ لے لیں کہ آپ کی ضرورت آپ کو کہاں تک مجبور کرتی ہے، جس سے لعنت سے حفاظت ہو سکے۔ ماشاء اللہ آپ خود عالم دین ہیں اپنی ضرورت کو خود سمجھیں۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۶/۳۰۲)

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا،

ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۳۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۴ھ

سخت مجبوری میں کیا لون لے کر تجارت کر سکتے ہیں؟

سوال [۹۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پچیس سال پہلے تک ہماری کافی زمین جائیداد تھی؛ لیکن ایک شیعہ پڑوسی سے کچھ نا اتفاقی ہونے پر اس نے ہم پر خطرناک جادو کردیا، جس سے ہم بہت خطرناک بیماری میں مبتلا ہوگئے، اس کے علاج کے لئے ہم بہت دور دور تک گئے اور اس کے لئے ہمیں اپنی جائیداد فروخت کرنی پڑی، اسی دوران میں نے اپنی تعلیم بھی مکمل کی اور اسی رقم سے کاروبار بھی شروع کیا؛ لیکن اس جادو کی وجہ سے کاروبار میں زبردست نقصان ہوا اور وہ ختم ہوگیا، اس طرح پچیس سال کے عرصہ میں ہماری تمام زمین جائیداد اور مکان سب فروخت ہوگیا اور مزید ستر اسی ہزار روپیہ کے قرض دار بھی ہوگئے ہیں، یعنی اس جادو نے ہمیں مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔ اب ہمارے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے؛ حالانکہ علاج کے بعد میری طبیعت میں کافی افاقہ ہوا ہے؛ لیکن میرے والد صاحب کی طبیعت ابھی بھی ناساز ہے، وہ اب نوکری کے بھی قابل نہیں ہیں، ان کی بینائی بھی بہت کمزور ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے فوراً آپریشن بتایا ہے؛ لیکن میرے پاس کوئی کاروبار نہیں ہے اور نہ ہی رقم، مجھے اپنے قرض داروں کے قرض بھی ادا کرنے ہیں اور اپنی دیگر پریشانیوں کو بھی دیکھنا ہے؛ حالانکہ پریشانیاں تو اس سے بھی زیادہ ہیں؛ لیکن میں نے آپ کو مختصراً بتایا ہے؛ لہٰذا میں اپنی مارک شیٹ پر بینک سے

لون لے کر کاروبار کرنا چاہتا ہوں، تو کیا ان حالات میں بینک سے لون لینے کی شرع مجھے اجازت دیتی ہے؟

المستفتی: عبداللہ محلّہ تھانہ ٹین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جبکہ آپ اس وقت لوگوں کے قرضے ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بینک سے سودی قرض حاصل کرنے کے بعد قرض اور مزید اس کے اوپر سے سود آپ کس طرح ادا کرسکیں گے اور بینک کا قرض کبھی معاف نہیں ہوتا ہے، ساری جائیداد کی قرقی بھی ہوسکتی ہے، قرض کی مصیبت کے ساتھ مزید اپنے اوپر سودی قرض کی لعنت مسلط کرنا لازم آئے گا؛ اس لئے ہم آپ کو مجبوری کی حالت میں بھی سودی قرض لینے کی بات نہیں بتلا سکتے، اس سے بہتر یہی ہے کہ اگر کچھ جائیداد باقی ہے، تو اس میں سے کچھ حصہ فروخت کر کے اپنا کام شروع کرنا چاہئے۔ آپ کی موجودہ صورت میں دنیا میں سودی قرض کا بار لازم آئے گا اور آخرت میں مستحق لعنت قرار دیئے جانے کا خطرہ ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۶؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
۱۴۲۸/۳/۷ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۹۴/۳۸)

تجارت کوفروغ دینے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص محض اپنے کاروبار کو بڑھانے کی غرض سے بینک سے لون لے کر مشین خریدتا ہے، اوران پر کپڑ ابنا کر بیچتا ہے، کاروبار سب حلال ہے، مگر بینک سے لون لے کر کارخانہ بنایا ہے؛ کیونکہ اتنا بڑا قرض کوئی دے نہیں سکتا معلوم یہ کرنا ہے، ایسے شخص کے گھر کا کھانا پینا یاہدیہ تحفہ لینا یا مسجد مدرسہ کی امداد کرنا یہ شرعاً درست ہےاور کیا جوروپیہ بینک سے لیا ہے، اس روپیہ میں کوئی خبث ہے یااس شخص کا سود دینا ہی حرام ہے؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرشید، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس نے سرکار سےلون کےطور پر قرض لیا ہے، اورمدیون جوقرض میں پیسہ لیتا ہے،تو قرض کا رأس المال حلال ہوتا ہے؛ لہٰذااس پیسہ سے مشین خریدنا اوراس مشین سے کپڑے بنا کر بیچنا، اس سے تجارتی نفع حاصل کرنا یہ سب جائز اورحلال ہے، اوراس حلال مال کے ذریعہ وہ شخص جو بھی سود اور بیاج کے نام سے سرکار کوقرض پراضافی سود ادا کرے گا، وہ باعث لعنت ہے،تو معلوم ہوا کہ اس تجارت میں حرام مال شامل نہیں ہوا؛ بلکہ اپنی محنت کے حلال پیسہ سے سود ادا کیا ہے یاادا کرے گا؛ لہٰذااس کے گھر کا کھانا پینا حلال ہےاوراس کا ہدیہ،تحفہ بھی بلاشبہ حلال ہے؛ کیونکہ اس نے سود دیا ہے لیا نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/۱۷۰)

رجل أهدى إلي رجل شيئًا، أو أضافه، إن كان غالب ماله الحلال فلابأس به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/٣٤٢، جديد ٥/٣٩٦، تاتارخانية، زكريا ١٨/١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ٨/٧٣، رقم: ٩٦١٧، البناية، اشرفيه ديو بند ١٢/٢٠٩، مجمع الأنهر مصري قديم٢/٥٢٩، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨٦-١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۷۰۱)

تجارت کے لئے لئے گئے سودی قرض سے خانگی ضرورت پوری کرنے کا حکم

سوال [۹۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے کاروبار کو بینک کے روپیہ کے ذریعہ کرتا ہوں اور جملہ مصارف بھی اسی کاروبار سے پورا کرتا ہوں، مثلاً زکوۃ، خیرات، صدقات، عطیات وغیرہ۔

نیز خانگی ضروریات بھی اسی کاروبار سے وابستہ ہیں اور اسی بینک کا قرضدار بھی ہوں اور واپسی کی استطاعت بھی نہیں رکھتا ہوں۔

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس صورت حال میں ایک کاروبار سے مذکورہ جملہ مصارف کی ادائے گی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ہمارے اوپر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور میرا کاروبار پیتل کا ہے یعنی دوسرے سے آرڈر لے کر عدد تیار کر کے دیتا ہوں اور اس کے علاوہ میں مزدوری بھی کرتا ہوں یعنی پیتل کے برتن پر پالش کرتا ہوں اور بینک کی نوعیت یہ ہے کہ جو روپیہ یعنی مثلاً ایک لاکھ روپیہ میں نے بینک سے لیا ہے، اس پر سالانہ بینک کو کم وبیش تقریباً بارہ ہزار روپیہ جمع کرتا ہوں۔ اب اس کو ٹیکس کہیں یا سود؟ یہ ہے بینک کی نوعیت۔

المستفتی: راحت جان، گلاب باڑی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ معاملہ سودی لین دین پر مشتمل ہے کہ بینک سے سودی قرضہ لے کر کاروبار کیا جاتا ہے، جیسا کہ سوال نامہ کے آخر میں درج ہے اور سودی لین دین مسلمانوں کے لئے قطعاً حرام ہے؛ لہٰذا سود دینے کا فعل حرام ہے، جس پر سخت ترین وعید قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے؛ لہٰذا جب تک سود دینے کا سلسلہ باقی رہے گا لعنت بھی برابر رہے گی؛ لیکن چونکہ آپ سود لیتے نہیں ہیں؛ اس لئے آپ کا کاروبار اور نفع وغیرہ حرام نہیں ہے۔ آپ کا تمام مال اور کمائی حلال ہے، صرف سود لینے کا

معاملہ حرام ہے؛ اس لئے پوری پونجی پر زکوۃ دینا لازم ہے اور دیگر صدقات وخیرات کی ادائے گی اور اس پونجی سے کھانا وغیرہ سب حلال ہے، جہاں تک ہو سکے جلد از جلد بینک کو سودی قرضہ دینے کی ذمہ داری سے آپ کو سبکدوشی حاصل کر لینی چاہئے تاکہ لعنت سے جلد از جلد چھٹکارا مل سکے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۸، محمودیہ قدیم ۴/۲۴۱، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۰۲، امداد الفتاوی ۳/۱۷۰، رحیمیہ قدیم ۶/۱۳۶، جدید زکریا ۹/۲۳۷)

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [سورة البقره: ۲۷۵]

قال الله تعالى: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِىْ الصَّدَقَاتِ. [البقره: ۲۷۶]

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، مشكوة شريف ۲٤٤)

(۲) زکوۃ آپ پر اس وقت لازم ہوگی؛ جبکہ بینک کا قرضہ ادا کرنے کے بعد آپ نصاب کامل کے مالک ہوں۔

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولی –تام– فارغ عن الدين. (در مختار، كتاب الزكاة، زكريا ۳/۱۷٤، كراچي ۲/۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۸۷۲)

روزگار یوجنا کے نام سے لون لے کر حج کرنے اور زکاۃ دینے کا حکم

سوال [۹۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اگر بینک سے ایسا لون لیتا ہے کہ جس کو سرکار نے روزگار یوجنا کے

نام جاری کیا ہے اور زید ضرورت مند بھی ہے، تو یہ لون لینا کیسا ہے؟ اور اس پیسے سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نیز یہ بھی بتلا یئے کہ اس رقم کی زکوۃ نکالے گا یا نہیں؟ اگر زید کو یہ لون مل جاتا ہے، تو وہ رقم بخوبی بہت آسانی کے ساتھ ادا کرسکتا ہے اور اس مال کو اپنے زکوۃ ادا کئے ہوئے مال میں ملا کر کاروبار کرسکتا ہے؟

المستفتی: محمد انس، مرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا شرعی واضطراری ضرورت کے لون لینا شرعاً جائز نہیں، اس سے مسلمانوں کو احتراز واجتناب لازم ہے؛ البتہ اگر کسی نے باوجود ممنوع ہونے کے لون لے لیا اور اس کو کاروبار میں لگا کر اتنا سرمایہ جمع کرلیا کہ جس پر حج و زکوۃ فرض ہوجائے، تو اس سے حج کرنا بھی جائز اور زکوۃ دینا بھی درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لون پر جو قرضہ لیا جاتا ہے، اس میں سود کا پیسہ خود اپنے پاس نہیں آتا؛ بلکہ اپنی کمائی سے سود کے نام پر پیسہ جاتا ہے؛ لہٰذا سود دینے کا گناہ اس کے اوپر ہوگا، سود کھانے کا نہیں؛ کیونکہ حدیث شریف میں دونوں سے ممانعت ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۴/۲۴۲-۴/۲۴۳، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۰۲، امداد الفتاوی ۳/۱۷۰)

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: ھم سواء. (مسلم شریف، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الربا، النسخۃ الھندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸، مشکوۃ شریف ۲٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۲۲ھ

نرسنگ ہوم کھولنے کے لئے سودی قرض لینا

سوال [۹۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سرکار سے قرض یعنی لون لے رہا ہوں، جس پر مجھ کو سود بھی ادا کرنا ہوگا، اور جن ذرائع سے روپیہ قرض کا برآمد ہوگا ان کو رشوت بھی دینی ہوگی، یہ دونوں چیزیں درست ہوں گی یا نہیں؟ مجھکو نرسنگ ہوم کھولنے کے لئے کافی سرمائے کی ضرورت ہوگی، اتنا بڑا سرمایا خود میرے پاس موجود نہیں ہے؛ لہٰذا قرض کی ضرورت درپیش ہے۔

(۲) نرسنگ ہوم چلانے پر جو ڈاکٹر میرے ساتھ تعاون کریں گے، یعنی کسی کو آپریشن کے لئے یا ایکسرے کے لئے روانہ کریں گے، وہ کیش کے طالب ہوں گے، ان کو دینا درست ہوگا یا نہیں؟ شرعی فیصلہ چاہئے۔

(۳) نرسنگ ہوم چلانے پر پوری آمدنی اگر دکھاؤں گا، تو ٹیکس زیادہ لگے گا، آمدنی مجیئت کے اعتبار سے کم ہوجائے گی، ایسی شکل میں کیا پوری آمدنی دکھانا ضروری ہے؛ جبکہ ہمارے لئے ہر طرح سے مشکلات سامنے ہیں، ملازمت میں ہم کو حصہ نہ دیا جائے، روزگار کریں گے تو دقتیں اور مشکلات پیدا کی جائیں، اس سلسلہ میں مسئلہ شرعی کیا ہے؟ بیان فرمائیں تاکہ مجھ کو تسلی ہو اور اپنا کام شروع کروں۔

المستفتی: سہیل احمد خان، ستیہ پریم نگر بارہ بنکی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نرسنگ ہوم کھولنے کے لئے سود پر قرض لینا اور سودی قرض حاصل کرنے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناجائز اور حرام ہے اور حدیث شریف میں سود دینے والے، سود لینے والے، سودی کاروبار میں گواہ بننے والے سودی حساب وکتاب کرنے والے سب پر لعنت کی گئی ہے؛ اس لئے اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

(۲) ان کو دینا آپ کے لئے جائز ہوگا اوران کے لئے لینے کی بھی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ یہ ایک قسم کی دلالی ہے اور دلالی کی اجرت کی فقہاء نے گنجائش لکھا ہے۔

سئل عن محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ۹/۸۷، كراچي ۶/۶۳)

(۳) ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنی آمدنی کو چھپانا جائز اور درست ہے، بس شرط یہ ہے کہ عزت کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَة. [البقره: ۱۹۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴۴۲/۲۹)	۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

مستحق زکوۃ مقروض کا سودی رقم سے قرض ادا کرنا

سوال [۹۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب تھا، ہر سال اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتا تھا؛ لیکن اب وہ تقریباً پندرہ بیس ہزار روپیہ کا مقروض ہے اور مستحق زکوۃ ہے، زید کے پاس سود کی رقم تقریباً دس ہزار روپئے ہیں، کوئی مستحق زکوۃ نہ ملنے کی وجہ سے زید بلانیت ثواب نہ دے پایا۔

اب زید خود مستحق زکوۃ بن گیا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا وہ سود کی رقم بلانیت ثواب خود استعمال کرسکتا ہے اور اپنا قرض ادا کرسکتا ہے؟

(۲) اور اگر اس رقم سے ہی قرض ادا کردے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن بن امیر الدین، ساکن تبوکھر، پوسٹ: باراہاٹ، بانکا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کردینا لازم ہے، اس رقم کو اپنی ذات میں استعمال کرنا یا کسی ایسے کام میں استعمال کرنا جس کا نفع اسی شخص کو پہونچ رہا ہو جائز نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر یہ بات صحیح ہے، جو سوال نامہ میں زید نے اپنے فقیر اور محتاج ہونے کا اظہار کیا ہے اور اوپر سے مقروض ہونے کو ثابت کیا ہے، تو اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ زید خود مستحق زکوۃ بن گیا ہے اور اتنا قرضہ اس کے اوپر آچکا ہے، جس کی ادائے گی اپنی کمائی کے پیسہ سے دشوار کن ہے، تو مذکورہ سود کے پیسہ سے قرضہ ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

والحيلة لمن ليس معه إلا مال حرام أو فيه شبهة أن يستدين للحج من مال حلال ليس فيه شبهة ويحج به ثم ليقضي دينه من ماله. (غنية قديم /۸، جديد اشرفيه ديوبند ۲۱، الخانية على هامش الهندية، كتاب الحج، فصل في المقطعات، زكريا جديد ۱/۱۹۱، وعلى هامش الهندية، زكريا ۱/۳۱۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۲۶/۳۸)

سودی رقم قرض میں دینے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص ایسا کرے کہ مثلاً پانچ ہزار روپیہ بینک میں جمع کراکے اس پانچ ہزار پر جو سود ملے اس سود کو اپنے قرضہ میں دیتا رہے، تو یہ درست ہوگا؟

المستفتی: عبداللہ، مقبرہ دوئم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طریقہ سے ملے ہوئے سود سے اپنے قرض کی ادائے گی جائز نہیں۔ غریب ونادار پر بلانیت ثواب صدقہ کردینا واجب اور ضروری ہے۔

أما إذا كانت عند رجل مال خبيث...... فليس له حيلة إلا أن يدفع الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٨، يحيىٰ، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث٥٩)

صرح الحنفية، بأنه إذامات الرجل وكسبه خبيث...... فالأولىٰ لورثته أن يرد المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٣، البحر الرائق، كوئٹه ٨/٢٠١، زكريا ٩/٣٦٩، هندية، زكريا قديم ٥/٥٤٩، جديد ٥/٤٠٤، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا٧/ ٦٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

۲۸/ کتاب الدیون

قرض دار کی روح معلق رہتی ہے

سوال [۹۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرض دار کی نماز جنازہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں نہیں پڑھائی ہے، یہ بات روایات سے ثابت ہے، اس امر کی وضاحت کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں کردیں کہ قرض دار کے انتقال کے بعد قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا اس کی روح معلق رہتی ہے، جواب سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: محمد حنیف نوید اندراچوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ قرض دار کے انتقال کے بعد جب تک اس کا قرض ادا نہیں ہوتا ہے، اس وقت تک اس کی روح کی نجات معلق رہتی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه. (ابن ماجة، باب التشديد في الدين، النسخة الهندية ۲/ ۱۷٤، دارالسلام، رقم: ۲٤۱۳، سنن الترمذي، باب ماجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: نفس المومن معلقة بدينه حتى يقضى عنه، النسخة

الهندية ١/ ٢٠٦، دارالسلام، رقم: ١٠٧٨، ١٠٧٩، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٧٠٩، رقم: ٢٥١٢، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٤٥، ٣٠٨، رقم: ٥٨٧٢، ٦٠٠٠)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: لا تزال نفس ابن آدم معلقة بدينه حتى يقضي عنه. (مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٥٠٨، رقم: ١٠٦٠٧، ٢/ ٤٤٠، رقم: ٩٦٧٧)

عن محمد بن عبدالله بن جحش قال: كنا جلوسا بفناء المسجد حيث توضع الجنائز ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس بين ظهرينا –إلى قوله– والذي نفس محمد بيده لو أن رجلا قتل في سبيل الله ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش وعليه دين ما دخل الجنة حتى يقضي دينه. (مسند أحمد ٥/ ٢٨٩، ٢٩٠، رقم: ٢٢٨٦٠، سنن النسائي، التغليظ في الدين، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، دارالسلام، رقم: ٤٦٨٤، المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبة نزار مصطفى الباز جديد ٣/ ٨٣٩، قديم ٢/ ٢٥، رقم: ٢٢١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۱۴۴)

قرض لینے کی شرط پر قرض دینا

سوال [۹۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں چند کپڑے کے تاجر ایسا کرتے ہیں کہ جب سورت سے ایک ساتھی مال لینے جاتا ہے، تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے ایک لاکھ روپئے قرض لیتا ہے اور یہ دینے والا

ساتھی اس شرط کے ساتھ ایک لاکھ روپے قرض دیتا ہے کہ جب میں مال لینے جاؤں گا تو میرے اصلی روپئے تو آپ کو دینا ہی ہے، ایک لاکھ روپئے مجھے بھی قرض دینا ہے، دونوں اس طرح کے قرض کے لینے دینے پر رضا مند ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس شرط پر قرض دینا کہ آپ بھی مجھے قرض دیں گے یہ صحیح ہے یا ''کل قرض جر نفعا'' کے تحت آئے گا؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس شرط کے ساتھ قرض دینا جائز نہیں ہے کہ قرض لینے والا بھی اس کو قرض دے گا، اس طرح کے معاملات سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

ذکر عبداللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان في بیع ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک، وھذا حدیث حسن صحیح. قال إسحاق بن منصور: قلت لأحمد: ما معنی نھی عن سلف وبیع، قال: أن یکون یقرضه قرضا، ثم یبایعه علیه بیعا یزداد علیه، ویحتمل أن یکون یسلف إلیه في شيء. (سنن الترمذي، باب ماجاء في کراھیة بیع ما لیس عندك، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۳٤)

قال الموفق في المغني: وکل قرض شرط فیه –إلی قوله– وإن شرط أن یوجر داره أو یبیعه شیئا، أو أن یقرضه المقترض مرة أخری لم یجز؛ لأن النبي صلی اللہ علیه وسلم نھی عن بیع وسلف. (إعلاء السنن، کتاب الحوالة، باب کل قرض جر منفعة فھو ربا، دارالکتب العلمیة بیروت ۱٤/ ٥٦٦، کراچی ۱٤/ ٤۹۹، تحت رقم الحدیث: ٤٨٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۵/۱۴۳۴ھ

تاخیر کی بنا پر اصل رقم سے زائد رقم لینا

سوال [۹۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حامد نے محمود سے ایک مہینے کی مدت کے وعدے پر پانچ ہزار روپئے کا مال ادھار لیا؛ لیکن مقررہ مدت پر پیسے ادا نہیں کرسکا اور چار پانچ روز تاخیر سے محمود کے پاس گیا اور اس سے یوں کہا کہ میرا مال ابھی بکا نہیں؛ اس لئے تم مجھے اور ایک مہینے کی مدت تک مہلت دے دو میں تم کو پورے پورے پیسے ادا کردوں گا، محمود نے کہا کہ ٹھیک ہے؛ لیکن میں نے جو تم کو پانچ ہزار روپئے کا مال دیا ہے، اس پر میں نے تم سے تین سو روپئے کمالیا ہے، اب اگر تم ایک مہینے کی مدت اور چاہتے ہو تو تم کو پانچ ہزار تین سو روپئے دینا پڑے گا، اس بات کو حامد نے قبول بھی کرلیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جو محمود حامد سے دوسرے مہینے کی مدت پر تین سو روپئے لے رہا ہے، کیا وہ سود ہے؟

المستفتی: شیخ قاسم شیخ فرید موذن مبارک مسجد مقام ارنی، ضلع ایوت محل، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حامد کو اپنے وعدہ کے مطابق محمود کو پیسہ ادا کردینا چاہئے تھا؛ لیکن حامد جب وقت مقررہ پر رقم محمود کو نہ دے سکا تو محمود کو ایک مہینے کی تاخیر پر اصل رقم سے تین سو روپئے زائد لینے کا حق نہیں ہے۔ اور نہ حامد کے لئے دینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ سود ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾. [البقرة: ٢٧]

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر نفعا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۶/۱۴۲۴ھ

دائن کا مدیون کی دعوت قبول کرنا یا ہدیہ لینا

سوال [۹۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرض دینے والا شخص کا قرض دار کی کوئی چیز ہدیۃً قبول کرنا یا ان کی دعوت پر کھانا پینا وغیرہ کرنا اس میں شرعاً کوئی ممانعت ہے یا جائز ہے؟

المستفتی: احقر مسیح الرحمٰن قاسمی غفرلہ جڑیاں بازار نج نج، ۲۴ / پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض دینے والے شخص کو قرض دار سے ہدایا قبول کرنا اور اس کے یہاں کھانا، پینا جائز نہیں؛ لیکن اگر دونوں کے درمیان پہلے سے اسی طرح کے تعلقات تھے، تو حسب سابق اس طرح کھانے پینے اور لین دین کرنے کی گنجائش ہے۔

عن يحيى بن أبي إسحاق الهنائي، قال: سألت أنس بن مالك الرجل منا يقرض أخاه المال، فيهدي له؟ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقرض أحدكم قرضا، فأهدى له، أو حمله على الدابة، فلا يركبها، ولا يقبله، إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك. (سنن ابن ماجة، الصدقات، باب القرض، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۵، دارالسلام، رقم: ۲۴۳۲، السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة، فهو ربا۔ دار الفكر ۸/ ۲۷۷، رقم: ۱۱۰۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۱)

سبسڈی کا شرعی حکم

سوال [۹۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل حکومت نے اقتصادی ترقی کے لئے جونیر ہائی اسکول کی مارک شیٹ پر اقتصادی ومعاشی سدھار اورعوام کی بے روزگاری اور پریشان حالی دور کرنے کے لئے یہ اسکیم نکالی ہے: کہ ایک یا دولاکھ روپئے سرکار سے لون کے طریقہ پرلو اوراس سے اپنا روزگار چلاؤ، اور جورقم ہم سے لوگے تو ہم ایک لاکھ پر -/25,000 ہزار روپئے کی سبسڈی دیں گے۔ تواب اس صورت میں لون کی رقم اگر کسی شخص نے ایک لاکھ روپئے کی لی اوراس پر -/25,000 ہزار روپئے کا سود بنتا ہے اور -/25,000 ہزار روپئے کی سبسڈی دے کر سرکار قسطوں میں باندھ کر پوری پوری رقم ادا کرالے اور جورقم ایک لاکھ دی تھی اس سے نہ زیادہ ہو نہ کم پوری پوری لے لے، تو کیا ایسی صورت میں جونیر ہائی اسکول کی مارک شیٹ پرلون لے کر اپنے استعمال میں اور کاروبار میں خرچ کرسکتا ہے یانہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد سلیم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: -/25,000 ہزار روپئے لون اور -/25,000 ہزار روپئے ''سبسڈی'' دونوں مل کر برابر سرابر ہوگیا اور بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس معاملہ میں نہ سود لیا جارہا ہے اور نہ دیا جارہا ہے؛ بلکہ حقیقت میں سرکار کو اتنا ہی واپس کرنا ہے، جتنا سرکار سے قرض لیا تھا؛ اس لئے اس کو سودی قرض کے دائرے میں داخل نہیں کیا جائے گا؛ لہٰذا ایسا قرض لینا درست اور جائز ہے اور یہ قرض حسنہ کے درجہ میں ہے۔ اور قرض حسنہ جائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۹/۲۳۳، جدید زکریا ۹/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱۱/۱۴۳۳ھ

حکومت کی گرفت سے بچنے کے لئے بینک سے قرض لینے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۹۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل فی زمانہ کوئی بھی تاجر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا واسطہ بینک سے ہوتا ہی ہے، بعض دفعہ اپنے پاس رقم ہونے کے باوجود بینک سے قرض لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو حکومت کی جانب سے سوال ہوتا ہے کہ روپئے کہاں سے آئے اب حساب پیش کرو جرمانہ ادا کرو؛ اس لئے اپنے پاس حسب ضرورت روپئے ہوتے ہوئے حکومت کی گرفت سے بچنے کے لئے بینک سے قرض لیا جاتا ہے اور بینک نقد رقم کبھی نہیں دیتا؛ بلکہ وہ ہمارے نام پر اپنے پاس جمع رکھتا ہے، جس کو ''سی، سی'' کہتے ہیں، جب ہم اپنی ضرورت کی کوئی بھی چیز خریدیں تو اس کے بدلہ چیک دیں گے، پھر وہ یعنی بینک حامل چیک کو نقد کی ضرورت ہو تو نقد ادا کرتا ہے یا اس کا بینک میں کھاتہ ہو وہیں رقم جمع بھی کر لیتا ہے، بہر حال حامل چیک کی مرضی کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے، مگر کسی بھی صورت میں مستقرض کو نقد رقم بینک نہیں دیتا اس میں چند دشواریاں پیش آتی ہیں، مثلاً زید کو ایک مشین خریدنی ہے وہ بازار سے نہیں خریدتا؛ بلکہ کسی شخص کی ذاتی مشین خریدتا ہے، بائع نقد روپئے چاہتا ہے، چیک سے ادائے گی نہیں چاہتا ادھر بینک رقم مشتری کو نہیں دیتا ایسی صورت میں وہ کسی اور دوکاندار کے نام پر چیک دیتا ہے اور اس دوکاندار سے طے کیا جاتا ہے کہ چیک کیش کروا کر مجھے ادا کر دو تو اس عمل کے عوض میں دوکاندار ڈیڑھ فیصد وصول کرتا ہے، اس کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ مثلاً زید نے چیک بکر کے فرم کے نام دیا تو بکر چیک بینک میں داخل کر کے نقد حاصل کرتا ہے اور رقم لا کر اصل شخص کے حوالہ کرتا ہے، اس کے عوض میں ڈیڑھ فیصد یا ۲ر فیصد لیتا ہے، بکر کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے فرم کا بل دینا ہے، اس کے عوض حکومت کو سیل ٹیکس دینا ہوتا ہے اور حساب وکتاب درست کرنا ہے، اس عمل کے عوض یہ رقم لی جاتی ہے کیا اس شخص کا یہ ڈیڑھ یا ۲ر فیصد لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) بکر کا اس طرح ڈیڑھ یا ۲ر فیصد لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ عمل بینک کو دھوکہ دینا ہوا یا نہیں؟

(۳) بعض دفعہ فرم کا بل پیش کیا جاتا ہے، مگر جو شئ بل میں درج ہے وہ نہیں خریدی جاتی؛

بلکہ دوسری چیز خریدی جاتی ہے، بعض مصالح ذاتیہ کی بنا پر اصل شئ کا اظہار نہیں کیا جاتا، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۴) بعض دفعہ اپنی ہی رقم دوسروں کو دے کر واپس لی جاتی ہے، تاکہ وہ رقم حکومت کی نظر میں آجائے، جو اب تک حکومت کی نظر میں نہیں تھی، اگر چہ وہ شرعاً حرام کمائی نہیں ہے، مثلاً زید کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپئے حلال و پاک کمائی کے موجود ہیں، مگر حکومت اس رقم سے بے خبر ہے؛ اس لئے زید مذکورہ رقم کو بغیر حیلے کے اپنے بیوپار میں نہیں لگا سکتا ہے؛ اس لئے زید یہ حیلہ کرتا ہے کہ بکر سے اس کا کارخانہ خرید لیا بتاتا ہے، حالانکہ در حقیقت خریدتا نہیں ہے؛ بلکہ اس طرح کا بہانا بنا کر ڈیڑھ لاکھ روپئے بکر کو دیتا ہے، جس میں سے بکر ۲ر فیصد کمیشن لے کر باقی رقم زید کو واپس کر دیتا ہے، اب وہ کارخانہ جو حقیقت میں بکر کا ہے، زید حکومت کو اپنا بتا کر اس میں بننے والی اشیاء کی فروخت پر نفع بتلا کر اپنی پوشیدہ رقم کو بازار میں لاتا ہے، گویا اپنی رقم کی زید تبییض کرتا ہے، جس کے عوض میں مبیض بکر کو کمیشن دینا ہوتا ہے، اگر بکر کو کمیشن نہ دیا جائے تو پوری رقم بمد تسوید ہی رہتی ہے، جس پر چھاپہ مار کر حکومت کسی بھی وقت اپنے قبضے میں لے سکتی ہے؛ اس لئے دونوں ایسا عمل کرنے پر مجبور ہیں، یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسلمانوں کے مال پر جبری قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کو کسی بھی حیلہ سے حفاظت کرنے کی اجازت ہے؛ لہٰذا روپیوں کو نمبر ایک بنانے کے لئے سوال نامہ میں جو شکل لکھی گئی ہے، اس میں تھوڑی سی ترمیم کے بعد وہ شکل شرعاً جائز ہو جائے گی کہ بکر کو سیل ٹیکس ادا کرنے کے لئے فیصد کا حساب لگا کر دینا تو جائز ہے؛ اس لئے کہ خود سیل ٹیکس فیصد کے حساب سے ہی ادا کیا جاتا ہے، مگر بکر کو جو اجرت دی جاتی ہے وہ فیصد کے حساب سے دینا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ اجرت کے لئے ایک رقم پہلے ہی متعین کر لی جائے وہی رقم اجرت میں دی جائے تو جائز ہو سکتا ہے، اگر بکر فیصدی اجرت کے بغیر کسی طرح تیار نہیں ہے، تو بکر کے لئے فیصدی اجرت لینا جائز نہیں اور دینے والے کے لئے دینا جائز ہے۔

ما حرم أخذه حرم إعطاء ه -إلى قوله- إلا في مسائل الرشوة لخوف ماله أو نفسه أو ليسوى أمره عند سلطان أو أمير. (الأشباه، قديم ۲۲۹)

(۲) اپنے مال کی حفاظت کے لئے اس طرح حیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔

(۳) مال کی حفاظت کے لئے اس کی گنجائش ہے، مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کہیں حکومت کی گرفت میں نہ آجائیں، اگر حکومت کی گرفت میں آنے کا خطرہ ہوتو جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

(۴) اگر ایسا کرنے سے مال کی حفاظت ہوجاتی ہے، خطرہ ختم ہوجاتا ہے، تو صرف سیل ٹیکس کی مقدار میں فیصد متعین کرنے کی گنجائش ہے اور اس سے زائد جو اس عمل کے کرنے والے کو ملتا ہے اس میں فیصدی کا حساب جائز نہیں؛ بلکہ یکمشت متعین کرنا چاہئے کہ مثلاً آپ کو اتنی رقم دوں گا اور یہ عمل آپ کو کرنا ہے، تب جائز ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے۔

منها: أن تكون الأجرة معلومة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول زكريا جديد ٤/ ٤٤١، قديم ٤/ ٤١١)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، كتاب الإجارات، اشرفي ٣/ ٢٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۵۶۲)

دسواں وغیرہ منانے کے لئے قرض لینے دینے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنے والد صاحب کے انتقال پر تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کرنا چاہتا

ہے، کیا یہ رسومات شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں؟ زید وسعت نہ رکھنے کی بنا پر یہ سب رسومات قرض لے کرادا کرتا ہے، کیا قرض دینے والا قرض دینے کی بنا پر گنہگار ہوگا؟ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں کرنے پر کونسا گناہ لازم آتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم، انوارالقرآن شکارپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں یہ سب رسومات نہ تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی تابعین وتبع تابعین میں سے کسی سے ثابت ہیں؛ بلکہ حضرات فقہاء کرام نے ان کو بدعت قبیحہ فرمایا ہے، ان کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۳۹۴-۳۵۰، جدید زکریا ۲/ ۱۹۹-۲۰۲، فتاوی محمودیہ ۶/ ۱۴۵، جدید ڈابھیل ۳/ ۸۸، ۱۵/ ۴۰۸)

ویکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع.

(طحطاوي مع المراقي، قديم ٣٣٩، دارالكتاب ديوبند جديد ٦١٧)

ويكره الضيافة من أهل الميت؛ لأنها شرعت في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (مراقي الفلاح على الطحطاوي، قديم ٣٣٩، دارالكتاب ديوبند جديد ٦١٧-٦١٨، شامي، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، زكريا ٣/ ١٤٨، كراچی ٢/ ٢٤٠، بزازية، زكريا جديد ٣/ ٢١٦، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٧٩)

اورقرض لے کراس طرح کی بدعات کواختیار کرنا تو اور بڑا جرم ہے، ایسے مواقع پر قرض نہ دینا ہی بہتر ہے، تاکہ اعانت علی المعصیۃ لازم نہ آئے اورقرآن کریم میں اعانت علی المعصیۃ سے منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

تیجہ، دسواں، بیسواں وغیرہ چونکہ بدعت قبیحہ ہیں، ان کے ارتکاب سے گناہ کبیرہ لازم آتا ہے، چنانچہ مجالس ابرار میں بدعت کی شناعت اور قباحت کے متعلق لکھا ہے:

البدعة شر من الفسق، فإن من يفعل البدعة فهو ينقض الرسول.

(مجالس الأبرار، مجلس نمبر: ۱۸، ص: ۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۷؍۱۴۲۱ھ

قرض دینے والا غائب ہوجائے تو قرض کیسے ادا کریں؟

سوال [۹۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پاکستان کا رہنے والا ہے، تقسیم ہند وپاک سے قبل اس نے ایک ہندو سے کافی رقم قرض میں لیا تھا، تقسیم کے وقت وہ ہندو ہندوستان چلا آیا تھا، فی الحال وہ کہاں رہتا ہے اس کا کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث معلوم ہے۔ زید اس قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے، اب قرض کی ادائے گی کی کیا شکل ہوگی اور عدم ادائے گی کی صورت میں زید کا عند اللہ مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ، متعلم دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں زید قرض کی مقدار فقراء کو قرض سے سبکدوشی کی نیت سے صدقہ کردے تو انشاء اللہ اس طریقہ سے قرض کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوجائے گا اور صدقہ نہ کرنے کی صورت میں عند اللہ بری نہ ہوگا۔

وعليه ديون ومظالم جهل أربابها، وأيس من عليه ذلك من معرفتهم، فعليه التصدق بقدرها من ماله وإن استغرقت جميع ماله.

(درمختار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن عليه ديون ومظالم جهل أربابها، زكريا ٦/ ٤٤٣،

کراچی ٤/ ٢٨٣، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ٢/ ٥٣١، مصري قديم ١/ ٧٠٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

کیا بلا وصیت بھی میت کا قرض ادا کرنے سے ادا ہوجائے گا؟

سوال [۹۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقروض اپنا قرض چھوڑ کر مر گیا یعنی ادا نہیں کیا نہ وصیت کی ورثاء نے قرض ادا کر دیا تو کیا عنداللہ وعندالناس قرض ادا ہوگیا یا نہیں؟ نیز نمازوں کا فدیہ کیسے ادا ہو؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی خادم جامعہ شمس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی عنداللہ وعندالناس قرض ادا ہوجائے گا، نیز اگر ورثاء اپنی خوشی سے نمازوں کا فدیہ ادا کردیں گے تو ادا ہونے کی امید ہے۔

ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، أي بعد التجهيز والتكفين.

(شريفية، ص: ٦، فتاوى رشيديه قديم ٥٢٤، جديد، ص: ٥٠٢)

وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد رحمة الله عليه في الزيادات: يجزيه إن شاء الله تعالىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، زكريا ٢/ ٥٣٣، كراچی ٢/ ٧٢، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۶)

قرض کی ادائے گی کی غرض سے تجارت میں انہماک اور نمازوں سے دوری کا شرعی حکم

سوال [۹۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر متقی، پرہیزگار صاحب جائیداد کا شتکار ہے اور دیگر ذرائع آمدنی اولاد کی طرف سے موجود ہیں؛ لیکن غیر منقسم جائیداد اور والد و بھائیوں کے مشترکہ ہونے اور گھریلو خرچ زائد ہونے کی بنا پر عمر کو کم وبیش ایک لاکھ روپئے مقروض ہونے کا شکار ہونا پڑا، اب چونکہ اخراجات طویل اور مقروضیت اور لڑکے لڑکیوں کی شادی بیاہ کی فکر کے باعث اور عمر صاحب نصاب بھی نہیں اور حلال طیب پاک وصاف کاروبار کرنے کے باعث کاروباری عروج بھی نہیں ہے؛ اس لئے یہ نظریہ ہے کہ چونکہ حلال طیب پاک وصاف کاروبار آج کے دور میں بہت ہی مشکل اور ''جوئے شیر'' لانے کا مصداق ہے؛ اس لئے صرف نماز یا احکام خداوندی میں اس قسم کی تاخیر یا سستی اللہ رب العزت انشاءاللہ معاف ہی فرمادیں گے اور جان کرتا خیر کرتا ہے اور روزی اللہ کی طرف سے طے ہے، اس سے انکار تو نہیں؛ البتہ سبب بھی اختیار کرنے کا حکم آیا ہے اور اس طرح کافی دیر پہلے سے دوکان سے اٹھنا اور گراہکوں کو پریشانی یا دوکان کا بند ہونا اچھا نہیں ہے، اس حالت اور سوچ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: احمد حسن نگینہ، معرفت حبیب الرحمٰن شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ قرض خواہوں کے قرض کی ادائے گی کی غرض سے تجارت میں اس قدر منہمک ہونا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳/۶۳)

وخوف علی ماله، أي من لص ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلا. (الدرمع الرد، الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲/ ۲۹۳، كراچى ۱/ ۵۵۶)

مگر یہ خدا پر یقین کے خلاف اور تقوی سے بہت دور کرنے والا عمل ہے؛ اس لئے خدا پر یقین رکھ کر جماعت میں سستی نہ کرنی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

قرض کی ادائے گی میں قیمت کے تفاوت کا حکم

سوال [۹۳٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ کہ بندہ کا مطالبہ اس وقت کا ہے جب کہ موجودہ گرانی کے حساب سے بعض چیزوں میں روپیہ ایک پرانے پیسے کا بھی نہیں ہے؛ لہٰذا مطالبہ کس حساب سے لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز بازار برتن شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”الإقراض تقضی بأمثالها“ کے قاعدہ سے جس قسم کا روپیہ آپ نے قرض میں دیا تھا، اسی قسم کا روپئے لے سکتے ہیں، تفاوت فی القیمت کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱٦۵)

وإن استقرض دانق فلوس أو نصف درهم فلوس، ثم رخصت أو غلت لم يكن عليه إلا مثل عدد الذي أخذه. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، زكريا ٧/ ٣٩٠، كراچی ٥/ ١٦٢، كوئٹه ٤/ ١٩٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٣٠، وهكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ٢/ ٣٣١، ٢/ ٣٤٢، ٢/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ٦۹۵)

قرض کا مطالبہ مقروض کے علاوہ سے کرنے کا حکم

سوال [۹۳٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی اشرف ایک آدمی کے ساتھ گوشت کا کاروبار کرتے ہیں، حاجی اسلام نے کہا: اگر

گنجائش ہوتو میرا بھی ایک شیئر ڈال دو، حاجی اشرف نے کہا کہ معلوم کر کے بتاؤں گا۔ اور حاجی اسلام کا بھی ایک شیئر پڑ گیا، اس میں حاجی اشرف کے ایک لاکھ روپئے زیادہ تھے، مگر منافع تین جگہ تقسیم ہوتا تھا، ۵۰؍ پیسے وہ لیا کرتا تھا اور ۲۵؍ پیسے حاجی اشرف اور ۲۵؍ پیسے حاجی اسلام۔ کاروبار چلتا رہا، کچھ دنوں کے بعد اس آدمی کی نیت خراب ہونے لگی، حاجی اسلام نے حاجی اشرف سے کہا: میرا شیئر نکال دو اور آپ بھی اپنا شیئر نکال لو۔ حاجی اشرف نے کہا کہ پہلے میں تمہارا شیئر نکال دیتا ہوں، بعد میں میں اپنا نکال لوں گا، غرض یہ حاجی اسلام نے اپنا شیئر نکال لیا اور رقم پوری لے لی۔ حاجی اشرف نے بھی کوشش کر کے اپنا شیئر نکال لیا، مگر حاجی اشرف کے ایک لاکھ روپئے باقی رہ گئے، انہوں نے ایک لاکھ روپئے لینے میں ڈھیل شروع کر دی، چونکہ ان کا مالوی نگر دہلی میں ایک بیسمنٹ تھا، جب وہ آدمی دہلی جاتا تو حاجی اشرف اس سے کہتے کہ مالوی نگر بھی ہوتے آنا، تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ اس بیسمنٹ کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ آتے جاتے ہیں، غرض یہ کہ مہینوں وہ آدمی اس بیسمنٹ کو دیکھا کرتا اور آتا جاتا۔ ایک مرتبہ حاجی اشرف نے اس آدمی سے کہا کہ میرا لڑکا دوبئی سے آرہا ہے، اس کو ایئر پورٹ سے مرادآباد لے آنا، پھر ایک مرتبہ حاجی اشرف نے کہا: میرا لڑکا دوبئی جارہا ہے، اس کو ایئر پورٹ چھوڑ دینا، اس کار میں حاجی اشرف بھی شاید ایئر پورٹ گئے تھے، چونکہ ایک لاکھ روپئے کا اس آدمی پر دباؤ تھا، اس وجہ سے وہ ان کے کام کو انجام دیتا تھا، غرض یہ کہ اسی دوران اس آدمی کا دیوالہ نکل گیا، اب یہ اس آدمی سے اپنے روپئے کا تقاضہ کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ آج دوں گا کل دوں گا، مگر اس نے ابھی تک نہیں دئے۔ حاجی اشرف حاجی اسلام سے کہتے ہیں کہ آدھے پیسے تم دو، حاجی اسلام کا کہنا ہے کہ آپ کے لالچ کی وجہ سے یہ رقم نہیں ملی، ورنہ مل جاتی، اگر آپ اس آدمی سے اپنا کام نہ لیتے۔ دوسری بات حاجی اسلام نے یہ کہی کہ میں اس آدمی کا ضامن نہیں تھا، نہ میں اس شخص کو جانتا تھا، میرے کہنے پر آپ نے مجھے پارٹنر بنایا۔ اور میں اپنی مرضی سے الگ ہوا، اگر آپ کو لالچ نہ ہوتا، تو رقم جب ہی مل جاتی۔

نوٹ:- اگر حاجی اشرف کے ایک لاکھ روپئے زیادہ لگے ہوئے تھے، تو حاجی اسلام کی محنت

حاجی اشرف کے مقابلہ بہت زیادہ تھی، بار بار جاتا تھا اور راتوں کو دو دو تین بجے واپسی ہوتی، مگر حاجی اشرف اڑے ہوئے ہیں کہ ایک لاکھ کا آدھا نقصان دو، حالانکہ وہ آدمی بار بار یہ کہتا ہے کہ میں آپ کی رقم بہت جلد واپس کر دوں گا اور دینے سے انکار نہیں کرتا مہربانی فرما کر اس کا فتویٰ دین کی روشنی میں عنایت فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب مقروض شخص اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ میں آپ کا پیسہ ادا کر دوں گا اور قرض دینے سے انکار نہیں کر رہا ہے اور حاجی اسلام نے ایسی کوئی ضمانت نہیں لی تھی کہ اگر اس شخص نے نہیں دیا تو میں آپ کی رقم دوں گا؛ اس لئے از روئے شرع حاجی اشرف کا حاجی اسلام سے ۵۰/ ہزار کا مطالبہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ کوئی بھی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى. [سورة الفاطر: ۱۸]

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

قرض کی ادائے گی کا مطالبہ مقروض کے گھر والوں سے کرنا

ســــوال [۹۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص ہے جس کی بیوی اور تین بیٹے اور ایک بیٹی وداماد انتہائی پریشانی میں ہیں، اس شخص نے شادی کے بعد سے تقریباً ۳۸/ سال سے اپنی بیوی کو کوئی سکھ نہیں دیا، جب کہ بیوی کے میکے سے بیوی کو مکان دوکان زیوراور گھر کا قیمتی سامان ملا، وہ شخص رفتہ رفتہ بیوی کا زیور سامان خاموشی سے فروخت کرکے جوا اور سٹہ کھیلنے میں صرف کرتا رہا، بیوی شوہر کو بدنامی سے بچانے کے لئے خاموشی سے اس کی مدد اپنے والد سے بھی کراتی رہی، سسر نے دوکان کے لئے مال کے واسطے رقم بھی دی؛ لیکن اس شخص نے وہ بھی غلط کاموں میں پڑ کر ختم کردی، آئے دن گھر میں تقاضہ کرنے والے کھڑے ہوتے رہے، بچے بڑے ہوکر یہ بات برداشت نہیں کرسکے، باپ سے اسی بات کو لے کر کہا سنی ہونے لگی، اس شخص کی جب گھر سے ضرورت حل ہونا بند ہوگئی، تو اس نے باہر کے لوگوں سے ادھار لینا شروع کردیا، ادھار اس قدر بڑھ گیا کہ لوگوں کی دھمکیاں ملنے لگیں، تو بچے جان بچانے کے خوف سے نہال سے ملا ہوا مکان بھی فروخت کرنے پر مجبور ہوگئے اور باپ کے قرض چکانے میں ساری رقم ختم ہوگئی۔ اور بیوی بچوں کو کرایہ کے مکان میں منتقل ہونا پڑا، رشتہ داروں، عزیزوں اور دیگر دیندار لوگوں نے بہت سمجھایا؛ لیکن وہ شخص آج تک اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا، برے شوق اس قدر غالب ہیں کہ کسی کی سنتا ہی نہیں اور جھوٹی قسمیں کھانا قرآن اٹھانا اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے، بیوی بچوں نے اور بیٹی داماد نے تنگ آکر گھر میں آنے کو منع کردیا، اس شخص نے فی الحال اپنا ٹھکانہ اپنی بہن اور بہنوئی کے یہاں بنالیا ہے، اس شخص نے مزاروں پر جانا بھی شروع کردیا ہے، گھر والوں نے غصہ میں آکر گھر میں آنے کی ممانعت تو کردی؛ لیکن ان کو خدا کا خوف بھی غالب ہے، کہ اللہ کے یہاں ہماری پکڑ نہ ہو شوہر کے حقوق بیوی نے آج تک ادا کئے اور بچوں نے بھی والد کے حقوق کا احترام کیا؛ لیکن جب کچھ نہیں بچا تو مجبور ہوکر یہ قدم اٹھایا، وہ شخص اب بھی بازار سے کچھ نہ کچھ لوگوں کو پٹی پڑھا کر قرض لے رہا ہے، بچے اس بات سے پھر خوف زدہ ہیں کہ اب تقاضہ کہاں سے پورا کریں گے؛ اس لئے وہ اخبار کے ذریعہ اعلان کرانا چاہتے ہیں کہ اب ہمارا ان سے کوئی

واسطہ نہیں ہے، ہم کسی طرح کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ برائے کرم شریعت کی رو سے اس گھر کے افراد کو کیا کرنا چاہئے؟ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جتنی بھی باتیں لکھی گئی ہیں، اگر یہ باتیں بیوی بچوں کی طرف سے درست ہیں اور قرض لے لے کر خرافات میں پیسوں اور املاک کی بربادی اس حد تک پہنچ چکی ہے جو سوال نامہ میں مذکور ہے تو ایسے حالات میں بیوی اور بچوں کی طرف سے ضابطہ کے طور پر اس بات کا اعلان اخبار میں کرنے کی گنجائش ہے کہ فلاں شخص مالی اعتبار سے قلاش ہے، وہ اگر کسی سے قرض لے تو وہ قرض ادا نہیں کرسکتا؛ اس لئے اس بات کا اعلان کیا جارہا ہے کہ کوئی شخص ان کو قرض نہ دے اور پھر بھی اگر کوئی قرض دے گا تو اس کے بیوی بچے اس کا قرض ادا کرنے کے ذمہ دار نہ ہوں گے؛ بلکہ قرض دینے والے خود اس کے ذمہ دار ہوں گے؛ لہٰذا قرض کے مطالبہ کو لے کر کوئی بھی شخص ان کی بیوی بچوں کو پریشان نہ کرے، اس طرح کے اعلان کرنے میں بچوں کی طرف سے ان کی تذلیل مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ایک اہم ترین نقصان سے ان کی حفاظت مقصود ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۱، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷، موطا إمام مالك، القضاء في المرفق، ص: ۳۱۱، رقم: ۲۷۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۲ھ

قرض کی ادائے گی کا ذمہ لینے والے پر قرض ادا کرنا لازم ہے

سوال [۹۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ڈاکٹر ایم عزیز صاحب (جو حکومت مہاراشٹر کے ایم ایل سی رہ چکے ہیں) اورنگ آباد مہاراشٹر میں واقع اردو ایجوکیشن سوسائٹی کے چیر مین اور میرے چچا خسر تھے، آپ اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے حکومت مہاراشٹر کے توسط سے بہت سے کاموں کو انجام دیا کرتے تھے۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں (شیخ منصور مصطفیٰ) نے ۱۹۹۲ء میں ''الصباح ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی'' اورنگ آباد کی بنیاد ڈالی، جس کے ماتحت اورنگ آباد سے قریب ایک تحصیل (پھلمبری) میں ڈگری کالج کے قیام کا منصوبہ تھا، جس کی کارروائیوں کے لئے میں نے دو لاکھ روپئے بطور امانت ڈاکٹر صاحب کے پاس رکھے تھے، اسی طرح میرے مزید سترہ ہزار روپئے ڈاکٹر صاحب کے پاس بطور قرض باقی تھے، مجموعی طور پر دولاکھ سترہ ہزار روپئے ان کے ذمہ باقی ہیں، اسی دوران ڈاکٹر صاحب کا ۸/مئی ۲۰۰۹ء کو انتقال ہوگیا، انتقال کے فوراً بعد اپنی رقم کے سلسلے میں میں نے ان کے چھوٹے بھائی عبدالوحید صاحب (سکریٹری اردو ایجوکیشن سوسائٹی اورنگ آباد) سے رابطہ قائم کیا، تو عبدالوحید صاحب نے کہا کہ آپ رقم کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سے بات نہ کریں، ہم اپنی سوسائٹی سے رقم دیں گے، اس بات کے گواہ مرزا سلیم بیگ اور محمد ایوب ہیں، اس وجہ سے میں نے کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا، تین سال کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی انہوں نے میری رقم نہیں لوٹائی اور کہنے لگے کہ ہم یہ رقم نہیں دے سکتے، آپ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سے مانگ لیں، اب اگر ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سے مانگتا ہوں تو بلا وجہ شک وشبہات جنم لیتے ہیں، اس مرحلہ پر میرا کہنا یہی ہے کہ عبدالوحید صاحب کو اگر دینا نہیں تھا تو ذمہ داری کیوں قبول کی؟ آیا رقم کا مطالبہ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سے ٹھیک بھی ہوگا یا نہیں؟۔
حل طلب مسئلہ یہی ہے کہ میرے روپیوں کی ادائے گی اس مرحلہ پر کس کے ذمہ ہوگی؟ امید کہ آپ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

المستفتی: شیخ منصور مصطفیٰ لیکچرر ڈاکٹر ذاکر حسین جونیر کالج اورنگ آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسئلہ میں چوں کہ ڈاکٹر ایم عزیز صاحب کے بھائی

عبدالوحید نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لے لی اور ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سے اس تعلق سے بات کرنے کو منع کردیا تھا؛ اس لئے قرض ادا کرنا عبدالوحید ہی کی ذمہ داری ہے، اس کے ذمہ اس قرض کی ادائے گی لازم ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس کے اوپر قرض ہے اور اس کی ادائے گی کے لئے اس کے پاس اسباب نہیں ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، ایسے ہی ایک شخص کا جنازہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے قرض کی ادائے گی کی ذمہ داری لی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد مرحوم کا قرض ادا کرنے کے لئے جس نے بھی ذمہ داری لی ہو اس کے اوپر اس کی ذمہ داری لازم ہے۔حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن سلمة بن الأكوع –رضي الله عنه– قال: كنا جلوسا عند النبي ﷺ إذا أتى بجنازة، فقالوا: صل عليها، فقال: هل عليه دين؟ قالوا: لا، قال: فهل ترك شيئا؟ قالوا: لا، فصلى عليه، ثم أتى بجنازة أخرى، فقالوا: يا رسول الله صل عليها، قال: هل عليه دين؟ قيل: نعم، قال: فهل ترك شيئا؟ قالوا: ثلاثة دنانير، فصل عليها، ثم أتى بالثالثة، فقالوا: صل عليها، قال: هل ترك شيئا؟ قالوا: لا، قال: فهل عليه دين؟ قالوا: ثلاثة دنانير، قال: صلوا على صاحبكم، قال أبوقتادة: صل عليه يا رسول الله و علي دينه، فصلى عليه. (بخاري، باب إن أحال دين الميت على رجل جاز، النسخة الهندية ١/ ٣٠٥، رقم: ٢٢٣٤، ف: ٢٢٨٩، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٧/ ٣١، رقم: ٦٢٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

مرض الوفات میں اقرار شدہ قرض کی ادائے گی کی ذمہ داری لینے والے پر اس کا ادا کرنا لازم ہے

سوال [۹۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رائس مل میں زید منیم ہے، مالک مل نے زید کو ہر طرح کے اختیارات دے رکھے تھے؛ بلکہ زید کی حیثیت مالک کی طرح تھی، عمر نے زید کے بدست کچھ غلہ فروخت کیا مل کے لئے، زید نے غلہ کا حساب اپنے رجسٹر اور پیڈ پر بنا دیا اور عمر سے کہا کہ میرے پاس اس وقت رقم نہیں ہے، آپ شام کو یا صبح کو رقم لینا، جب مدرسہ جاؤ تو عمر کچھ عوارضات کی بنا پر شام کو گئے نہیں، صبح کو عمر کے جانے سے پہلے زید کی طبیعت خراب ہوگئی، تو زید کے رشتہ داروں نے کہا کہ آپ کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ ہو تو بتاؤ، زید نے کہا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں ہے؛ لیکن مل کا حساب ہے جو پیڈ پر لکھا ہے، وہ عمر کو جانا ہے۔ زید نے کہا کہ منشی کو مل سے بلا لو میں حساب لکھوا لوں گا، منشی اس وقت مل پر موجود نہیں تھا، زید مرادآباد چلے گئے ہسپتال میں علاج کے لئے، زید کی جیب میں کچھ رقم تھی، زید کو ہسپتال میں بے ہوشی ہوگئی، اس بے ہوشی میں زید کی جیب سے مل مالک نے رقم نکال لی، جب زید کو ہوش آیا تو کہا میری جیب سے رقم کس نے نکالی ہے؟ تو ان کے لڑکے نے کہا کہ مل مالک نے نکالی ہے، اس وقت مل مالک صاحب بھی موجود تھے، تو مالک صاحب نے پوچھا کیا بات ہے؟ رقم میں نے نکالی ہے، تو زید نے کہا کہ یہ کسی کی امانت ہے، مل مالک نے پوچھا کہ کس کی ہے؟ زید نے کہا کہ عمر کی، تو مل کے مالک نے کہا کہ چلی جائے گی اور ہم دے دیں گے تم فکر مت کرو، اس کے بعد زید کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، تو زید کے لڑکے نے پوچھا کہ کسی مسجد یا مدرسہ میں کچھ لینا دینا ہو تو بتاؤ، میں دے دوں گا، زید نے جواب دیا کہ میں نے اپنی زندگی میں کچھ دیا نہیں تو، تو کیوں؟ اس کے بعد مل مالک نے کہا میرے لئے کچھ حکم کردیں کیا کروں؟ تو جواب دیا کہ ابھی وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد عمر نے مل مالک سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، تو مل کے مالک نے کہا کہ ہم دے دیں گے، جب آٹھ دس

دن ہوگئے ،تو مل مالک نے رجسٹر اور پیڈ پر دیکھا اور عمر سے کہا کہ ہماری طرف آپ کا کوئی حساب نہیں ہے۔ان حالات میں عمر مل مالک سے رقم لینے کے حق دار ہے یا نہیں؟ از روئے شرع جواب دے کر ممنون فرمائیں۔فقط والسلام

المستفتی: عبدالغنی لال پورکلاں، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے درج شدہ حالات میں جب زید نے اپنے مرض الموت میں عمر کی رقم کا اقرار کیا ہے اور مل مالک نے ادائے گی کی ذمہ داری بھی لے لی ہے،تو مل مالک پر عمر کی رقم ادا کرنا واجب ہوگا۔ نیز اگر رجسٹر پر حساب صاف بھی ہے اور عمر حق دار کو رقم نہیں پہنچی ہے،تو بھی مل مالک پر عمر کی رقم ادا کرنا واجب ہوگا۔

إذا أقر الرجل في مرض موته بديون، وعليه ديون في صحته و ديون لزمته في مرضه بأسباب معلومة فدين الصحة و الدين المعروفة الأسباب مقدم -إلى قوله- لأن حق غرماء صحته تعلق بهذا المال استيفاء. (هداية، كتاب الإقرار، باب إقرار المريض، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٤١)

وأما المحتال عليه فلأنه يلزمه الدين. (هداية، كتاب الحوالة، أشرفي ديوبند ٣/ ١٢٩)

ولو أحال المحال عليه المحتال على آخر جاز وبرئ الأول والمال على الآخر. (شامي، كتاب الحوالة، زكريا ديوبند ٨/ ٧، كراچی ٥/ ٣٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍صفر المظفر ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/٧-١٠٩٧)

مدت مکمل ہونے پر دائن کے لئے قرض کی ادائیگی کا سخت مطالبہ کرنا

سوال [٩٣٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں نے کسی شخص سے کچھ رقم بطور قرض ایک معینہ مدت کے لئے لی مگر معینہ مدت پر وہ رقم حالات کی بنا پر ادا نہ کرسکا، تقاضہ اس پر سخت کیا جانے لگا، میں معاملہ داری جانتا ہوں، مگر حالات میرے موافق نہیں ہیں، مگر رقم دینے کا پابند بھی ہوں اور اقرار بھی کرتا ہوں، کہ رقم دینی ہے، تو کیا رقم کی واپسی کا سخت مطالبہ کرنا جائز ہے؟

المستفتی: قاری حسین احمد، ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص سے متعین مدت تک کے لئے بطور قرض رقم لی گئی ہے، مدت پوری ہوجانے کے بعد اس شخص کے لئے اپنی رقم کا مطالبہ کرنا جائز اور درست ہے۔ اور مدت میں توسیع کرنا اس کے اختیار کی بات ہے، اگر آپ کے پاس مدت پوری ہونے پر دینے کی گنجائش نہیں ہے، تو اس شخص سے آپسی رضامندی کے ذریعہ سے مدت میں مزید توسیع کی گنجائش ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ۲۸۰]

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رجلا تقاضى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأغلظ له فهم به أصحابه، فقال: دعوه، فإن لصاحب الحق مقالا، واشتروا له بعيرا، فأعطوه إياه، وقالوا: لا نجد إلا أفضل من سنه قال: اشتروه، فأعطوه إياه، فإن خيركم أحسنكم قضاء. (صحيح البخاري، الاستقراض، باب استقراض الإبل، النسخة الهندية ١/ ٣٢١، رقم: ٢٣٢٨، ف: ٢٣٩٠، صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب جواز اقتراض الحيوان واستحباب توفية خيرا مما عليه، النسخة الهندية ٢/ ٣٠، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

قرض کی وصولیابی تک مدیون کا جنازہ روکنے کا حکم

سوال [۹۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے ذمہ ہمارا تقریباً چودہ ہزار روپئے قرض ہے، وہ صاحب استطاعت ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتا، اس کی حیثیت کے اعتبار سے ہم اس سے دباؤ کے ذریعہ وصول نہیں کرسکتے تو کیا ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ جب اس کا انتقال ہوجائے تو ہم اس کا جنازہ روک لیں اور قرض وصول ہونے تک روکے رکھیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: غلام محمد پیپل سانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باوجود حیثیت کے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے والا شرعاً بہت بڑا ظالم اور سخت وعید کا مستحق ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري، الحوالة، باب في الحوالة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٥، رقم: ٢٢٣٢، ف: ٢٢٨٧، صحيح مسلم، باب تحريم مطل الغني، النسخة الهندية ٢/ ١٨، بيت الأفكار رقم: ١٥٦٤)

اور صاحب حق اپنا قرض حاصل کرنے کا مطالبہ ہر وقت کرسکتا ہے، ابھی مقروض کی حیات میں اور اس کی موت کے بعد جنازہ قبرستان میں جانے سے پہلے اور بعد میں ہر حال میں مطالبہ کرکے وصول کرنے کا حق ہے؛ البتہ جنازہ روک لینے کی بات کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ اور قرض ادا کرنے سے گریز کرنے پر مقروض کو گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے۔

لأن قضاء الدين فرض عليه يجبر على أدائه في حال حياته –إلى قوله– لأنه يجبر على أداء الدين بالحبس. (شريفية، ص: ٦)

نیز جو آدمی قرض ادا کئے بغیر مرجاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور لوگوں سے کہہ دیتے کہ تم لوگ پڑھ لو۔

عن عبدالله بن أبي قتادة يحدث عن أبيه، أن النبي ﷺ أتي برجل ليصلي عليه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: صلوا على صاحبكم، فإن عليه دينا. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الصلاة على المديون، النسخة الهندية ١/ ٢٠٥، دارالسلام، رقم: ١٠٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۳۱)

قرض لے کر واپس نہ کرنے پر قانونی کاروائی کرنا

سوال [۹۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی کثیر رقم بکر کے ذمہ واجب ہے، جس کی شرعی طور پر یادداشت وتحریر بکر نے لکھ کر دی تھی، وہ زید کے پاس موجود ہے، چونکہ آپس میں بہت پرانے خاندانی تعلقات بھی تھے اور بکر بظاہر دیندار وایماندار بھی معلوم ہوتا تھا؛ اس لئے زید نے عدالتی رجسٹری وپختگی کی ضرورت نہیں سمجھی تھی، نیز آج کل عدالتی وقانونی پختگی کے باوجود عدالتی چارہ جوئی میں کثیر صرفہ وپریشانی کے علاوہ برسہا برس لگ جاتے ہیں، دیوانی عدالتوں میں بیس بیس سال تک فیصلے نہیں ہو پاتے؛ اس لئے بھی ظاہری قانونی پختگی کے بجائے شرعی تحریر کو کافی سمجھا تھا؛ لیکن اب بکر کے حالات بدل گئے اور دینداری کا ڈھونگ ختم کر کے بکر کسی طرح زید کا حق جو ایک لاکھ سے زیادہ ہے ادا نہیں کرتا۔ زید نے مقامی علماء کے سامنے بھی فیصلہ کرایا، ایک شرعی عدالت میں بھی مقدمہ پیش کیا؛ لیکن بکر نے فیصلہ کرنے سے صاف انکار کر دیا، چونکہ شرعی عدالت کے پاس زبردستی کے اختیارات تو ہیں نہیں، زید کو چار سال ہو گئے انتظار کرتے اور کوشش کرتے ہوئے، اب کوئی امید باقی نہیں رہی کہ بکر شرعی فیصلہ کرے یا آسانی سے حق ادا کر دے، صرف ایک شکل یہی ہے کہ بکر کے خلاف کوئی ایسا سخت مقدمہ لگایا جائے اور پولیس کے ذریعہ کوشش کی جائے، جس سے وہ پریشان ومجبور ہو کر

فیصلہ پر آمادہ ہوسکے اور زید کا حق ادا کرنے پر مجبور ہوجائے؛ لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے حالات میں مجبور ہوکر زید کو اپنا حق وصول کرنے کے لئے بکر کے خلاف اس قسم کی کارروائی کرنے کی شرعاً اجازت وگنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالستار خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کی رقم بکر پر واجب ہے اور بکر واجب الاداء رقم پر قادر ہونے کے باوجود شرعی عدالت کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کررہا ہے، تو زید اپنا حق حاصل کرنے کے لئے حکومت کی عدالت میں قانونی کارروائی کرنے کا مجاز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۴۷، ۱۲/ ۴۰۲، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۴۱۶)

روی أن معاذا کان یدّان فأتی غرماءہ إلی النبي ﷺ فباع النبي ﷺ ماله کله في دینه حتی قام معاذ بغیر شيء. الحدیث (مشکوۃ ۱/ ۲۵۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۲ھ

قرض کی ادائے گی میں ٹال مٹول کرنا

سوال [۹۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بجلی کے پنکھے فروخت کرنے کا کام کرتا ہے، زید نے عمر سے چار پنکھے ادھار لئے، ان چار میں سے عمر نے ایک پنکھا بکر کو فروخت کردیا، بکر کو یہ معلوم تھا کہ عمر نے یہ پنکھے زید سے خریدے ہیں، بکر کا پنکھا کچھ خراب ہوا تو بکر نے بجائے عمر کے (جس سے بکر نے خریدا تھا) زید کو ہی بلاکر پنکھا دکھایا اور کہا کہ یہ تمہارا پنکھا خراب ہے، زید نے یہ نہیں کہا کہ عمر سے کہو جس سے تم نے پنکھا خریدا ہے؛ بلکہ یہ کہا کہ پنکھا آپ میرے گھر بھیج دیں دوسرا بدل کردے دوں گا، یا قیمت واپس کردوں گا، یا اس پنکھے کو درست کردوں گا، یہ معاملہ زید نے بکر سے کیا، اب بکر نے زید کے کہنے کی وجہ سے وہ پنکھا زید کے گھر بھیج دیا، تاکہ اپنے قول کے مطابق وہ

بدل دے یا قیمت واپس کردے یا اس کو درست کردے۔ اورزید کی نیت بھی یہی تھی، اب عمر نے جوزید سے پنکھے ادھار لئے تھے، عمرزید کی رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول کررہا ہے، زید کہتا ہے کہ میں بکر کا پنکھا نہیں دیتا، جب عمر میرے پیسہ نہیں دیتا، زید کا یہ کہنا کہ میں نے پنکھا زید کے پاس زید کے کہنے کی وجہ سے بھیجا ہے، اگر وہ زید کہتا ہے تو میں عمر سے ہی رجوع کرتا، تو کیا اس صورت میں زید بکر کو پنکھا یا اس کی قیمت واپس کرے جیسا کہ اس نے کہا تھا، یا بکر کا زید سے کوئی تعلق نہیں، اگر زید بکر کو پنکھا واپس نہیں کرتا یا اس کی قیمت اپنے قول کے مطابق ادا نہیں کرتا، تو زید کی طرف سے یہ بکر کو دھوکہ دینا ہوا یا نہیں؟ زید گنہگار ہے یا نہیں؟ زید کو بکر کا پنکھا یا اس کی قیمت یا ٹھیک کر کے اپنے قول ووعدہ کے مطابق واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ زید کو عمر کا پنکھا فروخت کرنے کے وقت بھی علم تھا کہ عمر ایک پنکھا بکر سے خرید رہا ہے۔

المستفتی: قاری عبدالرحمٰن شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جب زید نے بکر سے وعدہ کرلیا کہ آپ میرے گھر پنکھا بھیج دیں دوسرا بدل کردوں گا، یا قیمت واپس کردوں گا یا درست کردوں گا، تو زید کے لئے وعدہ پورا کرنا ضروری ہے، وعدہ خلافی کرنا منافقت کی علامت ہے؛ لہٰذا عمر کے روپئے نہ دینے کی وجہ سے بکر کے حق کو روکنے کا حق نہیں؛ بلکہ اپنے وعدہ کے مطابق پنکھا واپس کرنا ضروری ہے؛ البتہ زید کو اپنا روپیہ عمر سے لینا چاہئے اور عمر کے روپئے دینے میں ٹال مٹول کرنا جائز نہیں۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: مطل الغني ظلم. (سنن الترمذي، باب ماجاء في مطل الغني أنه ظلم، النسخة الهندية ۱/ ۲٤٤، دارالسلام، رقم: ۱۳۰۸، سنن الدارمي، دارالمغني ۳/ ۱٦۸٤، رقم: ۲٦۲۸، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۷۱، رقم: ۵۳۹۵، ۲/ ۲٦۰، رقم: ۷۵۳۲، ۲/ ۳۱۵، رقم: ۸۱٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۶/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۵/۶/۱۴۱۵ھ

قرض کی ادائےگی میں ٹال مٹول کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جو تجارت کرتا ہے اور تجارت کے قواعد وشرائط سے بخوبی واقف ہے، اس نے ہم سے تقریباً ۱۲؍لاکھ روپئے کا مال خریدا اور رقم کی ادائےگی کا ایک وقت مقرر تھا؛ لیکن اس نے مقررہ وقت کے نکلنے کے بعد بھی کافی عرصہ ہوگیا ہے، ابھی تک قرض ادا نہیں کیا اور نہ ہی وعدہ کرتا ہے کہ فلاں تاریخ یا فلاں وقت رقم ادا کرے گا؛ بلکہ ٹال مٹول کررہا ہے، جب کہ ہم یہاں تک تیار ہیں کہ ہمارا مال ہی واپس کردو؛ لیکن وہ مال بھی واپس نہیں کرتا، ہم نے معتبر حضرات کے بیچ معاملہ رکھا، جس سے اس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور رقم ادا کرنے سے منکر ہوا۔ اور کہتا ہے کہ تم مجھ سے معافی مانگو اور مزید مال اور بھیجو تب پہلی رقم ادا کروں گا، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ مقروض ہونے کی حالت میں مرجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد ناصر خاں، دریا گنج دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص ادائےگیٔ قرض پر قادر ہے، پھر بھی ٹال مٹول اور ادائےگی میں کوتاہی کررہا ہے، تو شریعت مطہرہ میں ایسے شخص کو ظالم اور خائن کہا گیا ہے۔ اور اگر قرض ادا کئے بغیر اس کا انتقال ہوجائے تو آخرت میں سخت عذاب کا مستحق ہوگا، یہاں تک کہ قرض دار کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جائیں گی، پھر بھی اگر قرض کا کچھ حصہ باقی رہ جائے گا تو قرض خواہ کے گناہ قرض دار پر لاد دیئے جائیں گے، نیز ایک حدیث شریف میں نہایت خوفناک عذاب کا ذکر آیا ہے، جس کی گردن پر لوگوں کے حقوق ہوں گے چاہے اس نے لوگوں سے قرض لے رکھا ہو یا دھوکہ دے کر حاصل کیا ہو یا

ادھار لےکر پیسوں کی ادائے گی میں لاپرواہی کی ہو یا کسی کی جائیداد اور مال لےکر ہڑپ کر لیا ہو، یا قرض لےکر ادا نہ کیا ہو، اس کو عذاب یوں ہوگا کہ انگاروں کا ایک صندوق ہوگا، اس میں اسے بند کردیا جائے گا، پھر اس صندوق میں بند ہوکر بند گاڑیوں اور بند ہیلی کاپٹروں کی طرح جہنم کے طبقہ حمیم یعنی کھولتے ہوئے پانی اور طبقہ جحیم یعنی دہکتی ہوئی آگ کے درمیان چیخ وپکار کے ساتھ ادھر ادھر مارا مارا پھرے گا، اس کے عذاب سے دوسرے طبقہ کے لوگ بھی پریشان ہوں گے۔

عن شفي بن ماتع الأصبحي –رضی الله عنه– عن رسول الله ﷺ أنه قال: أربعة يؤذون أهل النار على ما بهم من الأذى، يسعون بين الحميم والجحيم، يدعون بالويل والثبور، يقول: أهل النار بعضهم لبعض: ما بال هؤلاء قد آذونا على ما بنا من الأذى –إلى قوله– فيقال لصاحب التابوت: ما بال الأبعد قد آذانا على ما بنا من الأذى؟ قال: فيقول: إن الأبعد مات، وفي عنقه أموال إلى الناس، مانجد لها قضاء أو وفاء. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٧/ ٣١٠، رقم: ٧٢٢٦، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٠٨، رقم: ١٠٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

مقروض سے مقدمہ اور سفر خرچ کا مطالبہ

سوال [۹۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرادآباد میں ایک حافظ صاحب کی کاروباری حالت خراب ہوگئی تھی، بندے نے ان کو روپئے دئے کہ کام بن جائے، عرصہ تقریباً چالیس سال ہوگیا، مگر ان کی حالت درست نہ

ہوسکی اور وہ پاکستان چلے گئے، بندے نے جائیداد میں ان کا ترکہ حاصل کرنے کے لئے حکومت سے مقدمہ بازی کی، مگر مقدمہ میں رقم بہت خرچ ہوگئی؛ اس لئے بندہ تھک کر چھوڑ بیٹھا، چندسال میں اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب پر فضل فرمایا، حافظ صاحب مرادآباد آئے اور بندے سے فرمایا کہ پاکستان آجاؤ پیسے ادا کردوں گا، جواباً بندے نے عرض کیا کہ پاکستان میں میرا کوئی کام تو ہے نہیں مگر قیامت کے دن اتمام حجت کے لئے پاکستان بھی آؤں گا، بندہ پاکستان گیا، اتفاق سے وہ کراچی سے باہر گئے ہوئے تھے، ملاقات نہ ہوسکی، سفرخرچ بیکار رہا، میرے سفر کے آنے کے بعد بھی حافظ صاحب اور ان کے اہل وعیال مرادآباد آئے، مگر کسی نے بندہ کا مطالبہ ادا نہ کیا، اب حافظ صاحب کے ایک عزیز نے خبر دی ہے کہ حافظ صاحب مرادآباد آنے والے ہیں، مطالبہ ادا کریں گے، خدا کرے کہ ادا کردیں؛ لہٰذا اس واقعہ سے حسب ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمادیں:

(۱) یہ کہ اصل رقم کے علاوہ خرچ مقدمہ وخرچ سفر وہرجہ کاروبار جب کہ وسعت ہوئے بھی تقریباً ۲۵؍سال ہوگئے، ان مطالبوں میں سے کون کون سا مطالبہ کرنا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز برتن بازار شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ﴿وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾. [البقرة: ۲۸۰]

بوقت مقدمہ حافظ صاحب تنگ دست تھے؛ اس لئے اصل رقم کے علاوہ کسی قسم کا مطالبہ خرچ مقدمہ وہرجہ کاروبار خرچ سفر وغیرہ کا حق نہیں ہے؛ بلکہ مذکورہ آیت کے تحت ان کو تاوسعت مہلت دینی چاہئے تھی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۵)

قرض کے بدلے فصل پر گیہوں لینا

سوال [۹۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرحیم کے عبدالغفور پر سو روپئے ہیں، وعدے پر عبدالرحیم نے طلب کئے عبدالغفور نے جواب دیا کہ بھائی پیسے تو نہیں ہیں، فصل میں ایک کوئنٹل گیہوں لے لینا۔ عبدالرحیم کا عبدالغفور سے ان روپیوں کے عوض ایک کوئنٹل گیہوں لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالمجید ہدایت پور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سو روپئے کے عوض میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں عبدالرحیم کے لئے عبدالغفور سے ان روپیوں کے عوض میں ایک کوئنٹل گیہوں لینا جائز ہے۔

ففي الذخيرة: اشترى من المقرض الكر الذى له عليه بمائة دينار جاز؛ لأنه دين عليه. (شامي، فصل في القرض، مطلب في شراء المستقرض من المقرض، زكريا ۷/ ۳۹۲-۳۹۳، كوئٹه ٤/ ۱۹۳، كراچى ٥/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۲/۲۳)

متعینہ مدت کے لئے چاول ادھار پر دینا

سوال [۹۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چاول وغیرہ لگانا یعنی تم اس وقت مجھ سے چاول لے جاؤ اگھن کے ماہ میں جس بھاؤ سے ہو مجھے اس بھاؤ سے چاول دے دینا۔

المستفتی: محمد اطہر بن عبدالجلیل ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں چاول وغیرہ لگانے کی جو شکل بیان کی گئی ہے کہ تم مجھ سے اس وقت چاول لے جاؤ اور جتنی مقدار چاول لے جاؤ گے اتنی ہی مقدار دینا ہے، تو یہ ادھار کی شکل ہے، جو شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور اس میں کوئی سود نہیں ہے۔ اور ادھار لینے والے پر مدت متعینہ کے اندران چاولوں کی ادائے گی ضروری ہے۔

ويستقرض الخبز وزنا وعددا عند محمد، وعليه الفتوىٰ. (تحته في الشامية:) **وهو المختار لتعامل الناس وحاجاتهم.** (الدر مع الرد، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ۴۲۱، كراچی ۵/ ۱۸۵)

وجوز محمد استقراض الخبز عددا ووزنا لحاجة الناس وتعارفهم إياه، وإن لم يكن من ذوات الأمثال، وهذا هو المفتى به عند الحنفية؛ لتعامل الناس وحاجاتهم إليه. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ۴/ ۳۷۶، دارالفكر ۵/ ۳۶۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/۴/۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۱۵/۳۶)	۲۷/۴/۱۴۲۳ھ

کھلے کرنے کے لئے دئے گئے ۵۰۰/ میں سے ۳۰۰/ فوراً وصول کرنا بقیہ بعد میں

سوال [۹۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے زید کو پانچ سو روپئے کھلے کرنے کے لئے دئے، زید نے خالد کو اسی مجلس میں تین سو روپئے دے دیئے اور دو سو روپئے بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، تو کیا اس طرح تبادلہ کرنا درست ہے؟ اور کیا یہ بیع صرف نسیئہ کی وجہ سے ناجائز تو نہیں؟

المستفتی: شاداب عالم، متعلم درجہ ششم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں تبادلہ کی جوشکل ذکر کی گئی ہے وہ جائز اور درست ہے، مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری نہیں ہے؛ بلکہ احد البدلین پر قبضہ کافی ہے؛ لیکن تفاضل ہرگز درست نہیں ہے اور اسے بیع نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ قرض کہا جائے گا، جتنا دیا ہے اتنا ہی لینا ہے؛ اس لئے کہ بیع میں منفعت مقصود ہوتی ہے اور قرض میں منفعت مقصود نہیں ہوتی، بدل مقصود ہوتا ہے۔ اور یہاں بدل ہی مقصود ہے، منفعت نہیں۔

وأما الأوراق النقدية وهي التي تسمى "نوت" ...... أن المختار عندنا قول من يجعلها أثمانا اصطلاحية، وحينئذ تجرى عليها أحكام الفلوس النافقة سواء بسواء. (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقاة، والمزارعة حكم الأوراق النقدية، أشرفيه ديوبند ١/ ٥٨٨، ٥٩٠)

بيع الفلوس بمثلها، كالفلس الواحد بالفلس الواحد الآخر، وهذا إنما يجوز إذا تحقق القبض في أحد البدلين في المجلس قبل أن يفترق المتبايعان، فإن تفرقا ولم يقبض أحد شيئا فسد العقد. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة حكم العملة الرائجة أشرفيه ١/ ٥٨٧)

وقيد بالنقدين؛ لأنه لو باع فضة بفلوس، فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٢٢، كراچی ٥/ ٢٥٩، البحرالرائق كوئٹه ٦/ ١٩٤، زكريا ٦/ ٣٢٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ٤١٢، رقم: ١٣١٣٨-١٣١٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۹۹۷)

بیس ہزار روپئے قرض میں فریقین کا جھگڑا اور فیصلہ

سوال [۹۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید نے بکر کو بطور قرض یا بطور ادھار بیس ہزار روپئے ایک گواہ کے سامنے دئے، بکر صاف انکار کرتا ہے کہ زید نے بالکل ہی مجھے روپئے نہیں دئے، جس گواہ کے سامنے دئے تھے اس کا انتقال ہوگیا ہے، اب فریقین میں جھگڑا ہے، دونوں خدا کی قسم کھانے کو تیار ہیں، مذکورہ صورت میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ظہیرالدین شریف نگر، تحصیل ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں زید مدعی اور بکر مدعیٰ علیہ ہے اور دونوں ایک دوسرے کی بات کے منکر ہیں، ایسی صورت میں جو دعویٰ کرنے والا ہوتا ہے، اس پر شرعی گواہ پیش کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ اور جب اس کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں تو بکر سے قسم لی جائے گی، اگر بکر قسم سے منحرف ہوجائے تو زید کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ اور اگر بکر قسم کھالے تو بکر ہی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماء هم، ولكن البينة على المدعي واليمين على من أنكر. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الدعوى والبينات، باب البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، دارالفكر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۷۷)	۱۴۲۸/۵/۳ھ

امریکی ڈالر قرض دے کر ہندوستانی رقم لینا

سوال [۹۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کو پانچ ماہ کے لئے قرض کے طور پر امریکی سو ڈالر دئے، جس کی قیمت اس

وقت ہندوستانی ۴۵۰۰؍روپئے تھی، پانچ ماہ کی مدت گذرنے کے بعد اسی سوڈالر کی قیمت مزید دوسوروپئے ہوگئی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قرض کی ادائے گی میں وہی سو ڈالر دیا جائے یا ہندوستانی ۴۵۰۰؍روپئے دیا جائے؟ اور اگر سوڈالر دیا جائے تو زید کے لئے مزید دوسوروپئے ”کل قرض جرنفعا فهو ربا“ کی بنا پر سود میں داخل تو نہ ہوگا؟

المستفتی: محمد سہیل قاسمی، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زیدوبکر کے درمیان معاملہ ڈالر پر ہوا ہے؛ اس لئے جس وقت بھی قرض ادا کرے گا ڈالر ہی ادا کرنا لازم ہوگا، اس کی قیمت چاہے گھٹ جائے چاہے بڑھ جائے۔ اور اگر ڈالر کی جگہ ہندوستانی روپئے ادا کرے گا تو ادائے گی کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہے؛ لہٰذا پانچ ماہ کے بعد کرنسی میں جب دوسوروپئے کا اضافہ ہوگیا ہے، تو اس کو دوسو روپئے کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔ اور یہ سود نہ ہوگا۔

وكان عليه مثل ما قبض. (تنوير الأبصار مع الشامي، فصل في القرض، مطلب في شراء المستقرض القرض من المقرض، زكريا ۷/ ۳۹٤، كراچی ٥/ ١٦٥)

أنه عند أبي يوسف تجب قيمتها يوم القبض أيضا، وعليه الفتوى، كما في البزازية، والذخيرة، والخلاصة. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، زكريا ۷/ ۳۹۰، كراچی ٥/ ١٦٣، بزازية زكريا جديد ١/ ۳۹۹، وعلى هامش الهندية ٤/ ٥١٠)

وقال عليه قيمتها من الدراهم يوم وقع القبض الخ وقوله: يوم وقع القبض، أي في صورة القرض كما نبه عليه في النهر. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند ٢/ ٦٠)

قال القاضي: الفتوىٰ في المهر والقرض على قول أبي يوسف. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند ٢/ ٥٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۱ھ

تقسیم جائیداد سے پہلے قرض کی ادائے گی کا حکم

سوال [۹۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے ایک دوکان اپنے والد مرحوم سے وراثت میں ملی ہے، میری پہلی بیوی کی تین اولادیں ہیں، دولڑکے ایک لڑکی، تینوں بچوں کی شادی کر چکا ہوں، بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی تھی، جس سے چار لڑکے اور دولڑکیاں ہیں، دولڑکوں کی شادی ہوچکی ہے، شادی شدہ چاروں لڑکے الگ ہیں، دولڑکے اور دولڑکیوں کی شادی کرنی باقی ہے، سب ہی اولادیں چاہتی ہیں کہ دوکان بیچ کر سب کو تقسیم کیا جائے، میرے حالات یہ ہیں کہ کمزوری کی بنا پر کوئی بھی کام کرنے سے قاصر ہوں، مثلاً چار بچوں کی شادی کا مسئلہ میرے سامنے ہے جس میں لڑکے تو خود کما کر اپنی شادی کرسکتے ہیں؛ لیکن لڑکیوں کی شادی کا فرض ادا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اخیر میں میں نے لڑکے کی شادی کی تو مجھ پر اسی ہزار روپئے کا قرض ہوگیا، اس قرض کو کوئی ادا کرنے والا نہیں ہے، ان حالات میں اسے بیچ کر قرض ادا کرنا چاہتا ہوں، اور میرا جیب خرچ اور بیماری کا خرچ کہاں سے چلے ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد یوسف بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ پر لازم ہے کہ تمام کاموں پر قرض خواہوں کے قرض کی ادائے گی کو مقدم رکھیں، اگر آپ دوکان بیچیں گے تو اس کے پیسہ سے پہلے قرض ادا کرنا لازم ہوگا، اس کے بعد جو بچے گا وہ آپ اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں خرچ کریں یا اولاد کے درمیان تقسیم کریں، اس کا آپ کو اختیار رہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳/۲۰۱، جدید زکریا ۱۰/۲۷۰)

المالک هو المتصرف في ملكه كيف شاء. (تفسير البيضاوي، مكتبه رشيديه، ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۷؍۱۴۲۱ھ

دائن کے انتقال کی صورت میں قرض کس کو دیا جائے؟

سوال [۹۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ راشد کسی شہر میں رہتا ہے، وہاں کسی ہوٹل والے کے یہاں چائے ناشتہ کیا کرتا تھا، راشد کے ذمہ تقریباً تیس روپئے ہوٹل والے کے ہیں، اس دوران ہوٹل والے کا انتقال ہوگیا، ان کے لڑکوں کے بارے میں علم نہیں ہے؛ البتہ ان کے بھائی کو جانتا ہے، راشد پیسے ادا کرنا چاہتا ہے، مگر صاحب حق کا انتقال ہو چکا ہے، اور وہ لالہ جی ہیں، اب راشد ان تیس روپیوں کا کیا کرے؟ کیا اسی کے نام صدقہ کردے؛ حالانکہ وہ ہندو ہے، یا اس کے بھائی کو پہنچادے یا کوئی اور راستہ خلاصی کا ہو؟

المستفتی: احسن الہدیٰ دیناج پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں ہوٹل والے کے بھائی کو جب آپ جانتے ہیں تو اس کے توسط سے ہوٹل والے کے وارث کو آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں؛ اس لئے وہ رقم اس کے وارثین ہی کو دینا لازم ہے۔

رجل باع أثوابا، فمات قبل استيفاء الديون، ولم يدع وارثا ظاهرا، فأخذ السلطان ديونه من الغرماء، ثم ظهر له وارث كان على الغرماء أداء الديون إلى الوارث ثانيا لأنه لما ظهر الوارث ظهر أنه لم يكن للسلطان حق الأخذ. (فتاوی قاضيخان، كتاب الغصب، فصل في براءة الغاصب والمديون، زكريا جديد ۳/ ۱۷٦، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۵۷، هندية زكريا قديم ۵/ ۱۵۸، جديد ۵/ ۱۸۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۰٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۴/ ۱۴۱۹ھ

۲۹/ كتاب الوديعة والأمانة والضمان

امانت میں تصرف کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محی الاسلام نے اپنے بھتیجے محمد فرقان کو ۷۷۰۰۰/روپئے بطور امانت دیئے۔ اور دیتے وقت یہ صراحت کی کہ جب حج کا موقع آئے گا تو میں آپ سے لے لوں گا اس کے بعد جب حج کا موقع آیا تو محی الاسلام نے اس رقم کا مطالبہ کیا، تو اس پر محمد فرقان نے کہا کہ میں تو وہ رقم آپ کو ادا کر چکا ہوں، اس کے بعد برابر دونوں میں نوک جھوک ہوتی رہی، تو کسی وقت محمد فرقان نے کہا کہ اچھا اس رقم سے میں نے جو نفع حاصل کیا ہے وہ موجود ہے، وہ آپ لے لیجئے، تو محی الاسلام نے کہا کہ مجھ کو تو اپنی اصل رقم چاہئے، اس کے بعد بات چیت برابر چلتی رہی، حتی کہ حلف اٹھانے کی بات آئی محمد فرقان نے کہا کہ رقم ادھار میں پھنسی ہوئی ہے، جب وہاں سے وصول ہو جائے گی تو دے دوں گا یا یہ کہ میں ان کا پتہ آپ کو بتا دیتا ہوں، آپ وصول کر لیجئے، اس میں معلوم یہ کرنا ہے کہ شرعاً اس رقم کے حصول کے لئے کیا طریقہ ہے؟ اگر محمد فرقان انکار کرتا ہے، تو حلف اور قسم کس کے لئے ہے؟ شرعی مسئلہ سے آگاہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محی الاسلام محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محی الاسلام کی امانت جو محمد فرقان کے پاس رکھی گئی ہے،

اس میں تصرف کرنا فرقان کے لئے کسی طرح جائز نہیں تھا، یہ امانت میں خیانت ہے، پھر اس کے بعد امانت طلب کرتے وقت اس کا انکار کرنا یا اس کے دینے میں ادھر ادھر ٹال مٹول کرنا حرام اور ناجائز ہے، محمد فرقان کے اوپر لازم ہے کہ فوری طور پر محی الاسلام کی امانت واپس کردے، نیز اس امانت کا جو بھی حصہ فرقان دے رہا ہے محی الاسلام کے لئے اس کا لینا جائز ہے، اگر فرقان امانت کی ادائے گی میں لاپرواہی کرے گا یا انکار کرے گا، تو عذاب عظیم کا مستحق ہوگا، نیز جھوٹی قسم کھائے گا تو مزید اکبر الکبائر کا مرتکب ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا . [النساء: ٥٨]

قال رسول الله ﷺ: من اقتطع مال امرء مسلم بيمين كاذبة لقي الله وهو عليه غضبان. الحديث (بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول الله وجوه يومئذ ناظرة ٢/ ١١٠٩، رقم: ٧١٤٥، ف: ٧٤٤٥، مسلم شريف، كتاب الايمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، النسخة الهندية ١/ ٨٠، بيت الأفكار، رقم: ١٣٨، أبو داؤد شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب في من حلف ليقتطع بها مالا، النسخة الهندية ٢/ ٤٦٢، داالسلام، رقم: ٣٢٤٣)

عن عمران بن حصين قال: قال النبي ﷺ من حلف على يمين مصبورة كاذبا، فليتبوأ بوجهه مقعده من النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب التغليظ في اليمين الفاجرة، النسخة الهندية ٢/ ٤٦٢، دارالسلام، رقم: ٣٢٤٢، مسلم شريف، النسخة الهندية ١/ ٨٠، بيت الأفكار، رقم: ١٣٨)

قال رسول الله ﷺ: الكبائر: الإشراك بالله، واليمين الغموس. (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس ٢/ ٩٨٧، رقم: ٦٤١٩، ف: ٦٦٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۲۲ھ

امانت اجازت لے کر استعمال کرنے کا حکم

سوال [۹۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ واقعہ ۱۹۸۷ء کا ایام حج کا ہے، میں مع اپنی اہلیہ فریضہ حج کو گیا تھا، مرادآباد میں میرے قبیلہ کے چچازاد بھائی نے پانچ سو ریال اپنے حقیقی بھائی کے لئے دیئے، جوکہ بڑے ہیں اور مدینۃ المنورہ میں سکونت پذیر ہیں، جب یہ امانت میرے سپرد کی تو پچاس پچاس ریال کے (عشرہ) یعنی دس نوٹ تھے پہلے تو میں گھبرایا، پھر میں نے یہ امانت لے لی اور ان سے یہ اجازت لی کہ میرے پاس سعودی کرنسی نہیں ہے، اگر اس میں سے کوئی نوٹ خرچ ہوجائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے، تو جواب ملا کوئی حرج نہیں ہے، اس کو دیتے وقت پورے کر دینا، ہم لوگ بذریعہ ہوائی جہاز جدہ پہنچے اور زرمبادلہ کی کرنسی اپنی اہلیہ کو دے دی، امانت کی کرنسی میں نے احرام کی پیٹی کی جیب میں رکھ لی؛ اس لئے کہ بدلی نہ ہوجائے، اس میں ہندی کرنسی بھی تھی شام کو بوقت مغرب مکہ مکرمہ پہنچے نماز پڑھی اور نماز کے بعد رہائش کا مکان اہل قافلہ نے تلاش کیا، مل گیا اور سامان لگایا اور کھانا کھانے ہوٹل میں گئے، عشاء کا وقت قریب تھا، اس امانت میں سے پچاس ریال کا نوٹ بھنایا اور باقی ماندہ ریال احرام کی پیٹی میں رکھ لئے، نماز پڑھی، کچھ دیر آرام کیا اور شب میں تہجد سے پہلے عمرہ کرنے حرم شریف گئے، عمرہ ادا کیا، بعد فجر غسل کیا، سر کے بال کٹائے اسی دوران حج کے دن قریب آ گئے، حرم شریف میں بھیڑ ہونے لگی اسی دوران واللہ اعلم بالصواب حرم کے باہر یا اندر داخل ہوتے وقت یا نکلتے وقت میری پیٹی اور میرے ساتھی کی پیٹی کٹ گئی، ساتھی کی ڈبل پیٹی تھی، کرنسی بچ گئی، اندر کا پورا حصہ نہیں کٹا تھا، میری پوری کٹ گئی تھی، امانت اور ہندی کرنسی پوری نکل گئی، کمرہ پر آئے، پیٹی کھولی، پہلے میرے ساتھی نے کھولی پیٹی کی حالت دیکھ کر بہت گھبرائے؛ لیکن اللہ نے ان کی کرنسی محفوظ کردی، پھر میں نے کھولی دیکھا کہ امانت کے ریال ہندی کرنسی غائب تھی، صبر کیا، ہمت

باندھی،شکر خدا کیا اوراس کے بعد ہم لوگ مدینہ پہنچےاوراپنی سعودی کرنسی پانچ سوریال ایک نوٹ واپس کیا، ان کابقالا حرم نبوی کے ملحق ہے، آرام گاہ اللہ کے محبوب کے قریب ہے، میں نے جھوٹ نہیں بولا؛ کیوں کہ ایسی جگہ جھوٹ بولنا منافق کا کام ہے، میں نے جو واقعہ نقل کیا سچ بیان کیا، انہوں نے کہا یہ میں واپس نہیں لوں گا، گو کہ میری وقتی حالت کمزور ہے، میں نے اور میرے ساتھی نے اور ایک دن بیوی نے بھی جدو جہد جاری رکھی، انہوں نے جواب دیا میں امانت لوں گا نہیں، اگر ہندوستان میں واپس کروتو مفتی کا فتوی لے کر واپس کرنا، دو سال سے کوشش ہے کہ امانت واپس ہو جائے؛ کیوں کہ امانت ریال کی شکل میں اسی دن سے ہے، میں ہندوستان واپس آرہا تھا، یہ امانت واپس مدینہ جانی ہے؛ لیکن مدینہ سے خط آیا فتوی لے کر اس کی کاپی میرے پاس بھیجنا؛ اس لئے اس مضمون کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن اور حدیث کی روشنی میں فتوی جاری کیجئے، فتوی مدینہ جانا ہے اور مہر لگی ہو۔

المستفتی: احقر عاصی محمد مبین محلّہ سرائے حسین بیگم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں پچاس ریال جو اجازت سے لے کر خرچ کیا ہے، اس کا تاوان دینا واجب ہوگا اور بقیہ امانت کا شرعاً تاوان دینا واجب نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور اختری ۵/۴۰)

إذا كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو أشياء من المكيل والموزون، فهو كما لو أودعه …… فأنفق أحدهما لا يكون ضامنا للآخر. (البحرالرائق، كتاب الوديعة، زكريا ۷/ ۴۷۰، كوئٹه ۷/ ۲۷۷، تكمله شامي، زكريا ۱۲/ ۴۷۲، كراچى ۸/ ۳۵۴، فتاوى قاضى خان، جديد زكريا ۳/ ۲۶۵، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۳۷۲)

وان أنفق المودع بعضها، فهلك الباقي فضمن قدر ما أنفق فقط. (الدرالمنتقى، قديم ۲/ ۳۴۲، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۷۳، حاشية چلپى على

تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ٧٨، زكريا ديوبند ٦/ ٢٢، تاتارخانية زكريا ١٦/ ٥٦، رقم: ٢٤١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۴)

امانت رکھے ہوئے زیورات بلا اجازت امانت رکھنے والے بیٹے کو دینے کا حکم

سوال [۹۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ نے اپنے زیورات میری خالہ (اپنی حقیقی چھوٹی بہن) کے پاس امانت کے طور پر تقریباً سات یا آٹھ سال پہلے رکھے تھے، جن کی مالیت موجودہ وقت میں تیس لاکھ روپئے ہے، دومہینہ پہلے والدہ نے اپنے زیورات خالہ سے مانگے تو خالہ نے کہا: تمہارے کچھ زیورات چار سال پہلے اور کچھ زیورات تقریباً دوسال پہلے تمہارے چھوٹے بیٹے (جنید مسرت) کو میں نے دے دیئے اور زیورات بیٹے کو دینے کی خبر بھی خالہ نے والدہ کو بہت اصرار کے بعد دی اور میرا چھوٹا بھائی (جنید مسرت) ان زیورات کے لینے کا مقر بھی ہے اور زیورات خالہ سے لینے کی تحریر بھی دے چکا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ ان زیورات کا ضامن کون ہوگا، خالہ ہوں گی یا چھوٹا بھائی؟ کیوں کہ چھوٹا بھائی بغیر اجازت کے والدہ کے اکاؤنٹ سے پیسے بھی نکال چکا ہے، ایسے میں والدہ بہت پریشان ہیں، شریعت کے مطابق مسئلہ کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

المستفتی: زبیر مسرت مان پوراسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو زیورات آپ کی والدہ نے آپ کی خالہ کے پاس بطور امانت رکھے ہیں ان کی ادائیگی کی ذمہ دار آپ کی خالہ ہے؛ لیکن جب یہ ثابت ہو چکا

ہے کہ خالہ نے وہ زیورات آپ کے چھوٹے بھائی کو دے دیئے ہیں اور چھوٹے بھائی نے اس کے لینے کا اقرار کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کے چھوٹے بھائی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ زیورات یا تو آپ کی خالہ کے واسطہ سے والدہ کو ادا کرے یا براہ راست آپ کی والدہ کو دے دے۔ اور اگر آپ کی والدہ کی مرضی سے خالہ نے آپ کے چھوٹے بھائی کو دئے تھے تو خالہ بریٔ الذمہ ہو چکی ہے ورنہ بریٔ الذمہ نہیں ہے، خالہ اور آپ کے چھوٹے بھائی دونوں ان زیورات کے ذمہ دار ہیں، اگر خالہ نے چھوٹے بھائی کو یہ سمجھ کر کے دئے ہیں، تا کہ بیٹا اس امانت کو لے کر ماں تک پہنچادے تو ایسی صورت میں ساری ذمہ داری آپ کے چھوٹے بھائی پر عائد ہوتی ہے۔

وأجمعوا على أن الأمانات مردودة إلى أربابها الأبرار منهم والفجار. (تفسير قرطبي ٥/ ٢٥٦)

حق الأمانة أن تؤدى إلى أهلها، فالخيانة مخالفة لها. (مرقاة المفاتيح، مكتبه أشرفيه ديو بند ١/ ١٢٦)

فإن حفظها أي المودع الوديعة بغيرهم أي بغير من في عياله فضاعت ضمن المودع أو ذلک الغير؛ لأن صاحبها لم يرض بيد غيره والأيدى تختلف في الأمانة، ولكن روي عن محمد: المودع إذا دفع الوديعة إلى وكيله وليس في عياله أودفع إلى أمين أمنائه ممن يثق به في ماله وليس في عياله لا يضمن، وفي النهاية: وعليه الفتوى، ثم قال: وعن هذا لم يشترط في التحفة في حفظ الوديعة بالعيال إلا إذا خاف المودع الحرق. (مجمع الأنهر بيروت ٣/ ٤٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان ۱۴۳۶ھ
(الف رجسٹر خاص)

امانت میں تصرف کرنے کے بعد ہلاکت کی صورت میں ضمان کا حکم

سوال [۹۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک صاحب کے پاس ۲۲؍ ہزار روپئے بطور امانت رکھے تھے، انہوں نے اس میں سے کبھی کسی کو قرض دے دیا اور کبھی خود استعمال کرلیا اور پھر میری کل رقم اکٹھا رکھ دیتے تھے، اس کے بعد پھر کل رقم کی چوری ہوگئی تو دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ کل رقم ۲۲؍ ہزار روپئے انہیں ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں اور مذکورہ بالا تصرف وہ میری بغیر مرضی کے کرتے تھے، تو میں اپنی پوری رقم ان سے لینے کا حق دار ہوں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امین نے چونکہ امانت میں تصرف کرلیا؛ لہٰذا امانت ضمانت ہوگئی، ہلاکت کی صورت میں امین کو اس کا تاوان دینا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۲۹، جدید زکریا ۵۰۸)

وإذا تعدى عليها فلبس ثوبها أو ركب دابتها، أو أخذ بعضها، ثم رد عينه إلى يده حتى زال التعدى زال ما يؤدي إلى الضمان إذا لم يكن من نيته العود إليه (درمختار) وفي الشامية: حتى لو نزع ثوب الوديعة ليلا، ومن عزمه أن يلبسه نهارا، ثم سرق ليلا لا يبرأ عن الضمان. (شامي، كتاب الإيداع، كراچی ٥/ ٦٦٩، زكريا ٨/ ٤٦٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٧، زكريا ٧/ ٤٧٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٧٢-٤٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

امانت کی رقم اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کرنے کے بعد ہلاک ہونے پر ضمان کا حکم

سوال [۹۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید انڈے کا تاجر ہے اور شہر میں دوسرے لوگ بھی انڈے کی تجارت کرتے ہیں، مال کی خریداری کے سلسلہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوکانداروں میں سے ایک آدمی لکھنؤ جا کر سب کا مال لے آتا ہے، اتفاق سے زید لکھنؤ مال کی خریداری کے سلسلہ میں جارہا تھا، تین آدمیوں کا مال لانا تھا، زید کے اپنے ذاتی پیسے بیس ہزار تھے، دوسرے یعنی بکر کے بارہ ہزار پانچ سو روپیہ تھے اور خالد نے کوئی رقم نہیں دی تھی؛ لیکن ان کا مال آنا تھا، لکھنؤ پہنچ کر حادثہ یہ ہوا کہ ایک غیر معروف شخص نے تلاشی کے بہانے دس ہزار روپئے کی رقم دھوکہ سے نکال لی، رقم شمار کرنے پر واقفیت ہوئی، اب مسئلہ یہ ہے کہ ضائع شدہ رقم آیا تینوں آدمیوں پر تقسیم ہوگی یا جن دو آدمیوں کی رقم تھی ان پر تقسیم ہوگی، یا تنہا زید ہی اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا؟

المستفتی: حاجی محمد خلیق مدرسہ اشرف العلوم لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے بکر کی رقم کو اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کردیا ہے اور مخلوط کرنے کی بکر کی طرف سے کوئی اجازت نہیں تھی، تو ایسی صورت میں پورا نقصان زید کو اٹھانا لازم ہوگا، بکر کا کوئی پیسہ نقصان کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر بکر نے صراحت سے کہہ دیا کہ اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کرکے لے جانا، تو ایسی صورت میں ہلاک شدہ رقم میں دونوں آدمی اپنی اپنی ملکیت کے تناسب سے شریک ہوں گے؛ لہٰذا بکر کی کل رقم ۱۲/ ہزار ہے؛ اس لئے وہ ۳۷۵۰/ روپئے کا نقصان اٹھائے گا اور زید کی کل رقم ۲۰/ ہزار روپئے ہے؛ اس لئے وہ ۶۲۵۰/ کا نقصان اٹھائے گا، اب رقم دیتے وقت کیا شکل پیش آئی تھی اس کے اعتبار سے مذکورہ طریقہ سے معاملہ سلجھالینا چاہئے۔

أو خلطها بماله بغير الإذن، حتى لا تتميز منها؛ لأنه صار مستهلكا

لها. (البحرالرائق، کتاب الو دیعة کوئٹه ٧/ ٢٧٦، زکریا ٧/ ٤٦٩، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٥/ ٧٧، زکریا دیوبند ٦/ ٢٠، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٤٧)

وإن خلطها بإذنه کان شریکا له. (البحرالرائق، زکریا ٧/ ٤٧٠، کوئٹه ٧/ ٢٧٦، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٥/ ٧٨، زکریا دیوبند ٦/ ٢١، الدرالمنتقی، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٤٧٢، تاتارخانیة، زکریا ١٦/ ٥٠٤، رقم: ٢٤١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢/ جمادی الثانیہ ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٤٩٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/ ٦/ ١٤١٤ھ

امانت کے ساتھ حاجی کا بیگ ''بیت الخلاء'' میں رہ گیا

سوال [٩٣٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پاس ایک صاحب کے ایک ہزار ریال بطور امانت رکھے تھے، میں نے یہ امانت مع اپنے ٨٢٢/ ریال بیگ میں رکھ لی، منی کی تیاری ہورہی تھی، اسی اثناء میں پیشاب کی ضرورت سے بیت الخلاء میں داخل ہوا، وہاں کنارے پر بیگ رکھ کر قضائے حاجت کر کے باہر آ گیا، بھول سے بیگ وہاں رہ گیا، بعد میں میں نے اور میرے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا؛ لیکن کسی طرح بیگ ہاتھ نہیں آیا، وہ ساری رقم ضائع ہوگئی، اب سوال ہے کہ جن صاحب کے ایک ہزار ریال تھے، میرے اوپر شرعاً واجب الاداء ہیں یا نہیں؟ جب کہ ان کے ضائع ہونے میں میری کوئی اختیاری لاپرواہی نہیں ہے، جو بھی شرعی حکم ہو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: ولی الدین رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امانت کے ضائع ہونے میں آپ کی طرف سے کوئی تعدی اور لاپرواہی نہیں ہوئی ہے، جس میں آپ کے بھی ٨٢٢/ ریال ضائع ہو گئے ہیں، تو اس طرح بغیر تعدی اور بغیر لاپرواہی کے امانت ہلاک ہوجانے سے شرعی طور پر تاوان

واجب نہیں ہوتا؛ اس لئے مذکورہ امانت کا تاوان شرعاً آپ پر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جده عن النبي ﷺ قال: لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان.

(سنن الدار قطني، البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٩)

وهي أمانة ...... فلا تضمن بالهلاک. (تنویر الأبصار علی الدرالمختار، کتاب الإیداع، کراچی ٥/ ٦٦٤، زکریا ٨/ ٤٥٥، البحرالرائق، کوئٹه ٧/ ٢٧٣، زکریا ٧/ ٤٦٥، ملتقی الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٤٦٧، هدایه أشرفي دیوبند ٣/ ٢٧٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ رصفر ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢١٢٩)

مالک سے امانت کے چوری شدہ پیسہ کے مطالبہ کا حکم

سوال [٩٣٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک فرم میں نوکری کرتا ہے، ڈیوٹی کے ٹائم میں ہی زید کے ساتھ ایک حادثہ ہوگیا، حادثہ یوں ہے کہ رمضان کے مہینے میں فرم مالکان زکوۃ تقسیم کرنے کے لئے ایک دن مقرر کرتے ہیں، زید کی فرم میں بھی زکوۃ تقسیم کے لئے ایک دن مقرر تھا، زکوۃ لینے والوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ فرم کے گیٹ پر تھی، زید کہیں باہر سے زکوۃ میں بانٹنے کے لئے اپنے مالک کے روپئے لے کر آیا اور فرم کے گیٹ کی بھیڑ میں سے ہو کر روپئے لے کر فرم کے اندر جا رہا تھا، روپئے ایک بیگ میں رکھے تھے، زید ان روپیوں کو حفاظت سے لے جانے کے خیال میں اپنی جیب میں رکھے ہوئے روپئے کو بھول گیا، جو کسی کی امانت زید کے پاس جیب میں رکھی تھی اور بھیڑ میں زید کی جیب میں سے وہ روپئے بھیڑ کے لوگوں میں سے کسی نے نکال لئے اور بیگ کے روپئے محفوظ وسلامت رہے۔ زید اس قابل نہیں ہے کہ امانت داری کی رقم واپس

کرسکے، اس صورت میں زید اپنے مالک سے چوری شدہ رقم کو مانگ رہا ہے، جس سے امانت دار کی امانت واپس کرسکے، زید نے ایک نوکری پیشہ غریب اور پردیسی ہونے کی وجہ سے اپنے مالک کے سامنے یہ مانگ رکھی ہے، زید کو پوری جانکاری تھی کہ یہی روپئے زکوۃ میں تقسیم کئے جائیں گے جو میرے پاس ہیں، جب تک روپئے گیٹ کے اندر نہیں دیئے جائیں گے یہ بھیڑ ختم نہیں ہوگی؛ اس لئے زید بھیڑ میں سے ہوکر روپئے لےکر اندر جارہا تھا، زید کے پاس اپنے مالک کے کافی روپئے ہونے کی وجہ سے اپنی جیب میں رکھے ہوئے روپئے کا قطعی دھیان نہ رہا، اگر مالک کے روپئے زید کے پاس نہیں ہوتے تو زید بھیڑ میں نہیں گھستا اور جب بھیڑ میں نہیں گھستا تو زید کی جیب سے روپئے نہیں چوری ہوتے، اپنے مالک کی امانت کا پورا خیال رکھا، زید کا مالک اگر زید کو چوری شدہ روپئے نہیں دے گا، تو زید کافی دنوں تک قرض دار رہے گا، اس صورت میں زید کیا کرے؟

المستفتی: محمد اختر عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں دوقسم کے روپیوں کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) کا روپیہ شخص مذکور کے پاس کسی آدمی کی امانت ہے۔

(۲) کا پیسہ شخص مذکور کے پاس اس کے مالک کے ہیں۔ اور مالک کا پیسہ بحفاظت لاتے ہوئے اس کے پاس سے امانت کے پیسے جیب سے چوری ہوگئے، تو ایسی صورت میں مالک کا اس امانت کے پیسے سے کوئی تعلق نہیں، مالک کے پیسہ کی حفاظت بہرصورت اس شخص پر لازم تھی اور امانت کے پیسہ کی حفاظت بھی اس کے اوپر لازم تھی، یہ دونوں ذمہ داریاں اس کے اوپر شرعی طور پر پہلے ہی سے لازم تھیں؛ لہٰذا مالک کے پیسہ کی حفاظت کی وجہ سے دوسری امانت کا چوری شدہ پیسہ کے مطالبہ کا مالک سے حق نہیں ہے، ہاں یہ بات الگ ہے کہ مالک اپنی مرضی سے چاہے ملازم کی امداد کرے یا نہ کرے، وہ اس کے اختیار کی بات ہے۔

إذا سرقت الوديعة من دار المودع، وباب الدار مفتوح والمودع

غائب عن الدار، قال محمد بن سلمة رحمه الله: كان ضامنا. (تاتارخانية، زكريا ١٦/ ١٩، رقم: ٢٤٠٣٠، هندية، كتاب الوديعة، الباب الرابع، زكريا قديم ٤/ ٣٤٤، جديد ٤/ ٣٥٧)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله ...... ويشترط أن يكون من في عياله أمينا؛ لأنه لو دفع إلى زوجته وهي غير أمينة، وهو عالم بذلك أو تركها في بيته الذى فيه ودائع الناس، وذهب فضاعت ضمن. (البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٦٥، كوئٹه ٧/ ٢٧٤، مجمع الأنهر قديم ٢/ ٣٣٩،، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٩، شامي، زكريا ٨/ ٤٥٦، كراچى ٥/ ٦٦٤)

ورد في بعض الروايات: أن عمرؓ سأل أنساؓ هل ذهب لك معها شيء؟ قال: لا فضمنه كأنه رأى أن أنساؓ لم يحفظ الوديعة كما حفظ متاعه. (أحكام القرآن للتهانوي ٢/ ٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۰ھ

ادارے کا تجارت کے لئے روپئے دینے پر نقصان کی صورت میں ضمان کا مسئلہ

سوال [۹۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: امداد باہمی ادارے سے تجارت کے لئے ایک شخص کو روپئے دئے اور اس میں اس شخص کو نقصان ہوجاتا ہے، اس نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا، تجارت کرنے والا یا باہمی امداد ادارہ؟

المستفتی: مولوی محمد الطاف، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امداد باہمی ادارے کے روپئے اس شخص کے ذمہ امانت ہیں، جو اس کا ذمہ دار ہے؛ لہٰذا اس سے خود تجارت کرنا یا تجارت کے لئے کسی کو دینا درست

نہیں، اگر خود تجات کی یا تجارت کے لئے کسی کو دیا، پھر نقصان ہوگیا تو اس نقصان کا ضمان مذکورہ امداد باہمی ادارے کے ذمہ دار پر ہوگا، اس شخص پر نہ ہوگا جس کو تجارت کے لئے رقم دی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۹، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۰۱)

الـوديعة لا تودع، ولا تعار، ولا تؤاجر، ولا ترهن، وإن فعل شيئا منها ضمن. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، جديد ٤/ ٣٤٩، كذا فـي خـلاصة الـفتـاوى، كتاب العارية، الفصل الأول، أشرفيه ديو بند ٤/ ٢٩١، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٥، زكريا ٧/ ٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۵/۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳۴/۷۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۶ھ

دوران سفر امانت کی رقم چوری ہونے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمران نے اپنے دوست مہربان کو ایک ہزار روپئے دئے کہ یہ روپئے آپ میرے گھر میرے والد محترم کو دے دیں گے، مہربان کے ایام سفر میں تمام ساز وسامان اور نقدی ذاتی اور دیگر دوست کی سب کچھ چوری کی نظر ہوگئی، کوئی شرط بھی نہیں ہے، عمران کا دعویٰ ہے کہ آپ کے اوپر میرا ہزار روپیہ لازمی بنتا ہے، آپ کو یہ رقم دینی ہوگی۔

المستفتی: مظہر الحق رحمت نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران سفر مہربان نے نقدی روپئے وغیرہ ساز وسامان کی حفاظت میں غفلت اور لا پرواہی برتی ہے کہ اس کی غفلت اور لا پرواہی سے فائدہ اٹھا کر چور نے چوری کر لی ہے، تو عمران کے ہزار روپئے مہربان کے اوپر لازم ہوں گے، نیز اگر عمران نے مہربان کو بطور ضمانت یہ روپئے پہنچانے کے لئے دئے ہیں، تو ایسی صورت میں

حفاظت کے باوجود اگر چوری ہوگئے تب بھی مہربان کے اوپر عمران کے ہزار روپئے ادا کرنا لازم ہوگا، ہاں البتہ اگر بطور ضمانت نہیں دیا ہے بلکہ امانت کے طور پر دیا ہے اور پورے سفر میں چوکسی اور حفاظت کے باوجود چوری ہوگئے ہیں، جو مہربان کے ایمان دارانہ بیان سے معلوم ہوسکتا ہے، تب ہزار روپئے کی ادائے گی مہربان پر لازم نہ ہوگی۔ اور اگر بطور امانت ہی دیا ہے؛ لیکن مہربان نے یہ سوچ کر کے اسی میں سے کچھ رقم راستہ میں خرچ کرلی ہے کہ دوسرا پیسہ ہم اپنی طرف سے دے کر پورا کردیں گے اور راستہ بھر میں کوئی غفلت لاپرواہی نہیں برتی گئی اور چوری ہوگئے، تو ایسی صورت میں بھی مہربان کے اوپر ہزار روپئے کی ادائے گی لازم ہے؛ اس لئے کہ وہ امانت ضمانت بن گئی ہے۔

الوديعة أمانة في يد المودع، فإذا هلكت بلا تعد منه، وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن. (شرح المجلة رستم باز مكتبه إتحاد ديوبند ١/ ٤٣١، رقم المادة: ٧٧٧)

الوديعة أمانة في يد المودع إذا هلكت لم يضمنها؛ لأن بالناس حاجة إلى الاستيداع، فلو ضمناه يمتنع الناس عن قبول الودائع، فتعطل مصالحهم. (هداية مع الفتح، كتاب الوديعة، زكريا ديوبند ٨/ ٥٠٨، كوئٹه ٧/ ٤٥١، ٤٥٢، دارالفكر بيروت ٨/ ٤٨٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٨)

وإذا تعدى عليها، فلبس ثوبها، أو ركب دابتها، أو أخذ بعضها، ثم رد عينه إلى يده حتى زال التعدي، زال ما يؤدي إلى الضمان، إذا لم يكن من نية العود إليه. (درمختار) وفي الشامية: حتى لو نزع ثوب الوديعة ليلا، ومن عزمه أن يلبسه نهارا، ثم سرق ليلا لا يبرأ عن الضمان. (شامي، كراچی ٥/ ٦٦٩، زكريا ٨/ ٤٦٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٧، زكريا ٧/ ٤٧٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٧٢-٤٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۱۵)

امانت کی رقم چوری ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے کسی معتبر شخص کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھ دی، اتفاق سے جس کے پاس رقم رکھی گئی وہ کسی حادثہ کا شکار ہوگیا، مثلاً کوئی اس سے بیگ چھین لے گیا یا گھر میں رکھی رقم چوری ہوگئی، واقعی ایسا ہوگیا تو شرعی اعتبار سے اس کو کسی بھی حال میں رقم واپس کرنی ہوگی، جب کہ یہ صاحب استطاعت بھی نہیں ہے؟

المستفتی: قاری حسین احمد، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس معتبر شخص کے پاس بطور امانت رقم رکھی گئی ہے اور اس کی طرف سے کسی قسم کی لاپرواہی اور تعدی کے بغیر وہ رقم کسی حادثہ کی شکار ہوگئی ہے، یا گھر میں حفاظت سے رکھنے کے باوجود چوری ہوگئی، تو ایسی صورت میں وہ امانت میں خیانت کرنے والا شمار نہیں ہوگا اور نہ اس پر تاوان لازم ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۶، رقم: ۲۹۳۹)

الوديعة أمانة في يد المودع، فإذا هلكت بلا تعد منه، وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن. (شرح المجلة رستم باز مكتبه إتحاد ديوبند ۱/ ۴۳۱، رقم المادة: ۷۷۷)

فلا يضمن أي لا يضمن المودع الموديعة بغير تعد بالهلاك، سواء أمكن من التحرز عنه أو لا -إلى- لقوله عليه السلام: ليس على المستودع غير المغل ضمان. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۶۸، هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۷۳)

لیکن یہ یاد رکھیں کہ اسلم نامی آدمی جو روپیہ لے کر بیٹھ گیا ہے وہ امانت نہیں ہے؛ بلکہ ضمانت ہے اور ضمانت کی صورت میں اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے تب بھی اسلم ضامن ہوگا۔

ویجب رد عین المغصوب ما لم یتغیر تغیرا فاحشا -إلی قوله- أو یجب رد مثله إن هلک. (درمختار، کتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفیما لو أبی المالك قبوله، زکریا ۹/ ۲٦٦-۲٦۷، کراچی ٦/ ۱۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۲/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

کمرے سے بیگ چوری ہونے کا حکم

سوال [۹۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک دینی ادارے کا مدرس ہوں، ہر سال رمضان میں چندہ کی غرض سے بمبئی جاتا ہوں اور مدرسہ کے حصے کی رقم جو حاصل ہوتی ہے زکوۃ، صدقات، فطرہ وغیرہ کی مدرسہ میں لاکر جمع کرتا ہوں، یہ سلسلہ عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے، ایک سال ایک حادثہ پیش آگیا، وہ یہ کہ ہم اپنا بیگ جس میں چندہ کی رقم تھی اپنے کمرے میں رکھ کر معمول کے مطابق عصر کی نماز ادا کرنے مسجد میں چلے گئے، ہمارے مدرسہ کے ایک موقر استاذ بھی چندے کی حصولیابی کے لئے تشریف لے گئے تھے، انہوں نے بھی اپنی رقم میرے بیگ میں ایک کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دی، ہم دونوں عصر کی نماز ادا کر کے واپس ہوئے تو دیکھا کہ بیگ کے نچلے حصہ پر بلیڈ لگا ہوا ہے، اور میری چندہ کی ہوئی رقم غائب ہے اور ہمارے رفیق استاذ کی رقم چونکہ علیحدہ کپڑے میں لپیٹ کر رکھی ہوئی تھی، شاید چور نے میری رقم کو کل رقم سمجھا اور رفیق استاذ کی رقم محفوظ رہ گئی۔ یہ واضح رہے کہ جس جگہ ہمارا قیام تھا وہ جانا پہچانا تھا، تقریباً ہر سال وہیں قیام رہتا تھا، کبھی اس قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا تھا، بہر حال مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ چوری شدہ رقم کا

عوض میرے ذمہ لازم ہے؟ کیا وہ قرض کی طرح ہے جس کی ادائے گی میرے اوپر لازم ہے؟ شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے پیسہ کے ساتھ بیگ کوکسی کے کمرے میں چھوڑ کراس کمرہ میں تالا لگائے بغیر یوں ہی چھوڑ کر مسجد میں نماز کے لئے چلے جانا امانت کے بارے میں لاپرواہی اور غفلت ہے؛ اس لئے اس پیسہ کا تاوان آپ کے اوپر لازم ہوجائے گا، آپ کو چاہئے کہ اتنا پیسہ اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کردیں۔

الإيداع تسليط المالك غيره على حفظ ماله، والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ، وهي أمانة ...... وللمودع أن يحفظها بنفسه. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٦)

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيروة المال أمانة في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه. (هندية، زكريا جديد ٤/ ٣٤٩، قديم ٤/ ٣٣٨، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٥، زكريا ٧/ ٤٦٧، درمختار كراچی ٥/ ٦٦٤، زكريا ٨/ ٤٥٥، تاتارخانية، زكريا ١٦/ ٣، رقم: ٢٣٩٦٧)

وفي فتاوى أبي الليث المودع إذا وضع الوديعة في الدار، وخرج والباب مفتوح، فجاء سارق، ودخل الدار وسرق الوديعة، فإن لم يكن في الدار أحد، ولا في موضع يمنع المودع الحبس يضمن؛ لأن هذا تضييع.

(تاتار خانية زكريا ١٦/ ١٩، رقم: ٢٤٠٢٩)

وذكر الفقيه أبو الليث السمرقندي في خزانة الفقه: لا ضمان على المودع إلا في ثلاثة أشياء التقصير في الحفظ. (حاشية چلبي على تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ٧٧، زكريا ديوبند ٦/ ١٩)

الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين و لا تقصير منه لا يلزمه الضمان سواء هلكت بما يمكن التحرز عنه كالسرقة، أما إذا هلكت بتعدى الأمين أو تقصيره، فإنه يضمن الوديعة أمانة فى الوديع، فإذا هلكت بلا تعد منه و بدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن، ولكن إذا كان الإيداع بأجرة، فهلكت أو ضاعت بسبب تمكن التحرز عنه لزم المستودع ضمانها. (شرح المجلة ١/ ٣٢٦-٤٣١، رقم: ٧٦٨-٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۳۵ھ

کیا امانت کی رقم ضائع ہونے پر تاوان لازم ہے؟

سوال [۹۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کاروبار مشترک دوفریق چلاتے تھے، ایک فریق اول جس کے پاس رقم اورحساب وکتاب رہتا تھا، اس کو اچانک باہر جانا ہوا اوراس نے رقم باہر کاروبار کی دینداری کی نکالی اور بقیہ رقم عجلت کی بنا پر اہلیہ کو دی کہ سنبھال کر رکھ دینا اس نے وقتی طور پر احتیاطاً چھوٹی بچی (عمر تقریباً چار سال) کی کم استعمال ہونے والی جیکٹ کی جیب میں رکھ دی، اس کے بعد وہ قطعاً بھول گئی اور رقم جیکٹ میں رکھی رہی، بعدہ شدید سردی ہونے کی وجہ سے وہ جیکٹ پہنا کر اس کو اسکول بھیج دیا، اسکول میں وہ رقم ٹیچروں وغیرہ کی معلومات میں بھی آ گئی، انہوں نے رقم اپنے پاس نہ رکھ کر اس بچی کی جیب میں رکھ کر اس کو معمولی طور پر سی دیا، کسی طرح بات باہر معلوم ہوئی اور ایک شاطر عورت نے بچی کے رکشہ میں تھوڑا راستہ ساتھ بیٹھ کر وہ رقم اس کی جیب سے نکال لی۔

جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ نقصان کاروبار کا مانا جائے یا فریق اول کا؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کرعنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: توصیف احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال فریق اول کے پاس رقم رہنے کی وجہ سے وہ ساری رقم اس کی ضمانت میں آگئی ہے، اب اس کی حفاظت فریق اول کے ذمہ لازم ہے؛ لیکن سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اس کی بیوی کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر وہ چوری ہوئی ہے؛ لہٰذا اس ضائع شدہ رقم کا پورا کا پورا تاوان فریق اول کو ہی دینا ہوگا۔ اور اس کا نقصان فریق اول ہی برداشت کرے گا، کاروبار میں اس نقصان کو نہیں ڈالا جائے گا؛ اس لئے کہ یہ امانت حفاظت میں نہیں رہی۔

لو انفتق زق رجل، فأخذه رجل، ثم تركه ولم يكن المالك حاضرا يضمن؛ لأنه لما أخذه فقد التزم حفظه دلالة. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، قديم ۲/ ۳۳۷، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٦٦)

سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلى رجل ليبيعها ...... فضاعت الجواهر قبل أن يريها قال: إن ضاعت أو سقطت بحركته ضمن. (هندية، الباب الرابع فيما يكون تضييعا للوديعة، زكريا جديد ٤/ ٣٥٤، قديم ٤/ ٣٤٢)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله؛ لأنه يحفظها بما يحفظ به ماله ...... فدخل فيهم الزوجة ...... ويشترط أن يكون من في عياله أمينا؛ لأنه لو دفع إلى زوجته وهي غير أمينة، وهو عالم بذلك أو تركها في بيته الذى فيه ودائع الناس، وذهب فضاعت ضمن. (البحرالرائق، كتاب الوديعة، زكريا ۷/ ٤٦٥، كوئٹه ۷/ ٢٧٤، مجمع الأنهر قديم ٢/ ٣٣٩،، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٩، شامي، زكريا ٨/ ٤٥٦، كراچی ٥/ ٦٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۶۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۶ھ

کوتاہی کی بنا پر امانت کے ضائع ہونے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس مدرسہ ہذا اپنے پروگرام سے ہتورا جارہے تھے، مہتمم مدرسہ نے ہتورا سے کچھ کتب خرید کر لانے کی ذمہ داری ان کو سونپ دی وہ واپسی میں جب باندہ کی بس سے کانپور اترنے لگے، تو انہوں نے جلد اتر کر آگے کی بس تلاش کرنی شروع کردی اور اپنا سامان اتارنے کی ذمہ داری (قولاً یا حالاً) اپنے رفقاء سفر کو دے دی، رفقاء سفر نے ان کا سامان تو اتارلیا، مگر کتابیں رہ گئیں اور یاد آنے پر جب بس کو تلاش کیا تو وہ بس جا چکی تھی، تو قابل امر سوال یہ ہے کہ ان کتب کی اضاعت کا ذمہ دار کون ہوگا؟ رفقاء سفر یا مدرس مدرسہ یا اس کا نقصان مدرسہ برداشت کرے گا جو مسئلہ ہو تحریر کریں؟

المستفتی: مولانا محمد اسلم مظاہری دارالعلوم ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس صاحب کو اجنبی جگہ میں بس میں کتابیں چھوڑ کر دوسری گاڑی کی تلاش کے لئے اترنا نہیں چاہئے تھا، پہلے کتابیں بس سے نیچے اتار کر کسی مخصوص جگہ پر رکھ کر ساتھیوں کی نگرانی میں دے کر تب دوسری بس تلاش کرنی چاہئے تھی؛ اس لئے مدرس صاحب کی طرف سے امانت کی حفاظت میں کوتاہی ظاہر ہے؛ اس لئے ضائع شدہ کتابوں کی ذمہ داری مدرس صاحب ہی پر ہوگی اور نقصان کی تلافی انہیں کو کرنی چاہئے۔

كما استفيد من عبارة الهداية: ومن أودع رجلا وديعة، فأودعها آخر، فهلك، فله أن يضمن الأول، وليس له أن يضمن الآخر. (هداية، كتاب الوديعة، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۷۷، مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر جديد دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۷۵، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۵/ ۸۱، زكريا ديوبند ۶/ ۲۸، فتاوى بزازية، جديد زكريا ۳/ ۱۰۲، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/ ۲۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۳؍ ۱۴۱۷ھ

امانت کو ضائع کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مشتاق علی صاحب نے وفات کے وقت ایک جائیداد چھوڑی اوران کے دولڑکے: عالم علی اور مظہر علی ہیں، تین لڑکیاں: رابعہ خاتون، زبیدہ خاتون، نعیمہ خاتون ہیں۔ اس کے بعد وہ جائیداد فروخت ہوگئی، دونوں بھائیوں کو نوے نوے ہزارروپئے ملے اور تینوں بہنوں کو پینتالیس پینتالیس ہزارروپئے ملے۔ عالم علی صاحب نے بہن زبیدہ کے حصہ میں جو ۴۵؍ ہزار روپئے آئے تھے، وہ بطور امانت اپنی بیوی رابعہ خاتون کے پاس رکھ دئے اور رابعہ خاتون کے نام سے دوعورتیں ہیں، عالم علی کی بیوی اور عالم علی کی بہن، تو عالم علی نے زبیدہ کا حصہ اپنی بیوی رابعہ کے پاس بطور امانت رکھا، اور رابعہ خاتون نے اس پیسہ کو لے کر بجائے اپنے پاس رکھنے کے اپنی چھوٹی نند زبیدہ کی چھوٹی بہن نعیمہ کے پاس رکھ دیا اور یہ سوچ کر رکھا تھا کہ اس کے پاس زیادہ محفوظ رہے گا۔ اور یہ پیسہ اس طرح بطور امانت رکھنے کی اس لئے ضرورت پڑی کہ زبیدہ خاتون غیر ملک میں رہتی ہے؛ اس لئے زبیدہ تک پہنچانے میں تاخیر ہوئی اور نعیمہ خاتون نے یہ حرکت کی کہ اس امانت کو بطور حفاظت رکھنے کے بجائے اس میں سے چالیس ہزارروپئے اپنے بھتیجے محمد ظریف اور محمد یاسین کو جو کہ مظہر علی کے بیٹے ہیں، اپنی ضرورت کے لئے دے دئے، تو اب اس امانت کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ نعیمہ خاتون کے اوپر کیا ذمہ داری ہے؟ اور اس وقت نعیمہ خاتون بستر مرگ پر ہے، اگر نعیمہ کا انتقال ہو جاتا ہے، تو امانت کا پیسہ جو بھتیجوں کے ہاتھ میں ہے ضائع ہو جائے گا اور نعیمہ خاتون بات چیت کرنے پر بھی قادر نہیں ہے اور پھر دوسری طرف یہ بات پیش آئی کہ عالم علی اور مظہر علی کی ایک مشترکہ جائیداد تھی، جس میں دونوں بھائی برابر کے شریک تھے، اس مشترکہ جائیداد کی فروختگی کے نتیجہ میں ایک لاکھ روپئے آئے اور وہ پیسہ عالم علی کی بیوی کے پاس رکھا گیا، جس میں مظہر علی کے بیٹے ظریف اور یاسین کے پچاس ہزارروپئے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ زبیدہ

کا پیسہ جو نعیمہ سے مظہرعلی کے بیٹے ظریف اور یاسین نے ۴۵/ ہزار امانت میں سے چالیس ہزار لے لئے تھے، اب دونوں بھائی ظریف اور یاسین کے ایک لاکھ روپئے میں سے پچاس ہزار روپئے بنتے ہیں، اس میں سے رابعہ خاتون مجری کرکے زبیدہ خاتون کی امانت کو محفوظ کرنے کے لئے چالیس ہزار روپئے روک سکتی ہے یا نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: ریحان علی لانکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عالم علی صاحب کی زوجہ رابعہ خاتون نے بغرض حفاظت ۴۵/ ہزار روپئے امانت کے طور پر اپنی چھوٹی نند نعیمہ خاتون کے پاس رکھے، تو نعیمہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس امانت کو حفاظت سے رکھتی اور کسی کے حوالہ نہ کرتی؛ لیکن نعیمہ نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ اپنے بھتیجوں ظریف اور یاسین کو ان کی ضرورت کے لئے دے دیا، تو یہ نعیمہ کی طرف سے خیانت ہوئی، اب جب کہ نعیمہ بستر مرگ پر ہے اور بات چیت بھی نہیں کرسکتی اور اس کے بھتیجے ظریف اور یاسین یہ پیسہ دینے سے انکار کررہے ہیں تو رابعہ خاتون کے پاس ان کے پچاس ہزار روپئے میں سے چالیس ہزار روپئے زبیدہ کے لئے اس روپئے کے عوض روک لینا جائز ہے، جو روپئے بذریعہ نعیمہ ظریف اور یاسین کو پہنچے ہیں اور وہ نہیں دے رہے ہیں اور یہ چالیس ہزار روپئے اصل حق دار زبیدہ تک پہنچانا ذمہ داروں پر لازم ہے اور بقیہ دس ہزار روپئے ظریف اور یاسین کو دے دئے جائیں۔

ولو أودع المودع، فهلكت ضمن الأول فقط، وعندهما ضمن أيا شاء، فإن ضمن الثاني رجع على الأول لا بالعكس. وفي مجمع الأنهر: ضمن أيا شاء، أي يخير المالك في التضمين؛ لأن الأول خائن بالتسليم إلى الثاني بغير إذن المالك، والثاني متعد بغير إذنه. (مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۷۵، هداية مع الفتح، دارالفكر بيروت ۸/ ۴۹۵، زكريا ۸/ ۵۱۸، كوئٹه ۷/ ۴۶۱، تبيين الحقائق، زكريا ديوبند

۶/ ۲۸، إمدادیہ ملتان ٥/ ٨١، فتاوی بزازیة، جدید زکریا ۳/ ۱۰۲، علی هامش الهندیة، زکریا ٦/ ۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۳۵۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۷؍۱۴۲۳ھ

بلا تعدی امانت کے ضائع ہونے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک معمر بوڑھی خاتون نے بندہ کی اہلیہ صاحبہ کے پاس اپنی کچھ چیزیں بطور امانت رکھی تھیں، جو کئی سال سے ان کے پاس محفوظ رکھی رہیں، اس دوران میں کہ وہ ان چیزوں کو کبھی لے گئی اور کبھی پھر رکھ گئی اور میرے علم میں بھی تھا کہ فلاں بڑی بی خاتون کی کچھ چیزیں میری اہلیہ صاحبہ کے پاس امانت رکھیں ہیں؛ چونکہ ان بڑی بی خاتون کا میری اہلیہ کے پاس آنا جانا تھا، علاوہ ازیں ایک بار میری اہلیہ صاحبہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ فلاں کی کچھ چیزیں میرے پاس امانت رکھیں ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس خاتون نے میری اہلیہ صاحبہ سے اپنی چیزوں کو طلب کیا اور دیکھا، پھر کہا ابھی رکھ لو پھر لے جاؤں گی، چنانچہ انہوں نے پھر ان چیزوں کو بدست خود اپنے صندوق میں بحفاظت رکھ دیا تھا اور مجھ سے بھی بتا دیا کہ فلاں کی چیزیں یہاں صندوق میں رکھ رہی ہوں، اس کے چند روز بعد پھر ان کی علالت میں شدت پیدا ہوگئی چونکہ وہ کئی سال سے ایک مرض مہلک میں مبتلا تھیں، غرض دونوں کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے انتقال سے قبل اپنی حالت ہوش میں ضروری امور کے متعلق اور جو ان کے اوپر کسی کا مطالبہ دین وغیرہ تھا اس کے متعلق ہمیں وصیت اور تاکید کی؛ لیکن ان چیزوں کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ وہ ہمیں یاد آئیں ان کے انتقال کے بعد ایک روز ان چیزوں کا خیال آیا کہ شاید وہ لے گئی ہوں گی، اس وقت وہ بڑی بی خاتون باہر گئی ہوئی تھیں، ان کے انتقال کے ڈیڑھ دو مہینے کے

بعد وہ آئیں، تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم چیز لے گئی تھیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں وہ تو ان ہی کے پاس تھیں، میں نے اس وقت بھی صندوق کھول کر نہیں دیکھا اور ان سے کہہ دیا کہ اچھا تو لے جانا، اس خیال سے کہ جب وہ نہیں لے گئی ہیں تو وہ صندوق میں محفوظ ہی ہیں، چند روز کے بعد وہ اپنی چیزیں لینے آئیں تو میں نے بغیر کسی تامل کے صندوق کھول کر دیکھا، تو اس میں وہ چیزیں نہیں ملیں، تمام گھر میں صندوق بکسوں میں تلاش کیا؛ لیکن کوئی سراغ ان کا نہیں ملا اور میں حیران ہوگیا کہ بڑی بی چیزیں نہیں لے گئیں تو اسمیں سے گئی کہاں، اگر چہ سرقہ بھی ممکن ہے؛ لیکن مشکل ہے؛ کیوں کہ دو صندوق ایک مکان ہی کے اندر دوسرے مکان میں محفوظ ہیں، بہرحال وہ چیزیں ضائع اور غائب ہوگئیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو بڑی بی لے گئیں یا نہیں؛ اس لئے آنجناب مندرجہ بالا بیان پر غور فرما کر اور مندرجہ ذیل امور پر بھی نظر فرما کر خدا اور رسول کا جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں آپ کا عین کرم ہوگا:

(۱) میری اہلیہ مرحومہ نے ان چیزوں کی بقدر امکان حفاظت فرمائی اور سب کو معلوم ہے کہ وہ دیانت دار تھیں۔

(۲) میری اہلیہ مرحومہ نے میرے سپرد اور حوالہ نہیں کیا اور نہ ہی بڑی بی خاتون نے میرے حوالہ اور سپرد کیا؛ البتہ میری اہلیہ ان کو میرے علم میں لے آئی تھیں۔

(۳) نیز ان چیزوں کو نہ ہی میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کیا چیزیں ہیں، اور کتنی ہیں اور کیسی ہیں؟ میرا تعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا کہ فلاں کی چیزیں میری اہلیہ کے پاس رکھی ہیں۔

(۴) نیز خدا کو حاضر وناظر جان کر بحلف اقرار وعہد کرتا ہوں کہ واللہ باللہ مجھے اس بڑی بی خاتون کی چیزوں کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے اور نہ میرے پاس ہیں، اگر میں خائن یا سارق ہوں، تو اللہ کے یہاں دین دار رہوں گا۔

(۵) ان جملہ امور کی وضاحت کے بعد اگر میں ان چیزوں کا ذمہ دار رہوں اور اس کا تاوان میرے ذمہ واجب ہے، تو میں حتی الامکان اس کو ادا کروں گا اور خدا کے یہاں اس کا دار خواہ ہوں گا؛ اس لئے عرض خدمت ہے کہ اس مسئلہ میں خدا اور رسول کا جو حکم

اور فیصلہ ہو اس کو بغیر خوف لومۃ لائم بیان فرمادیں۔ **بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب.** فقط والسلام

المستفتی: قاری ضمیر احمد قاسمی مدرسہ تجوید القرآن مکی مسجد قدوائی نگر، شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے درج شدہ حالات میں شرعاً آپ کی اہلیہ کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہے، اگر انہوں نے ادا کردیا ہے، نیز آپ نے بھی مذکورہ بیان کے اعتبار سے مذکورہ چیزوں میں کوئی تعدی نہیں کی ہے، اگر واقعی خاتون مالکہ اپنی چیزیں نہیں لے گئی ہیں۔ اور آپ نے اس میں کوئی تعدی بھی نہیں کی ہے، تو شرعاً آپ دَین دار نہیں ہیں، آپ پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

ومنها: إذا ضاعت في يد المودع بغير صنعه لا يضمن لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال ليس على المستعير غير المغل الضمان، ولا على المستودع غير المغل الضمان. (بدائع الصنائع، كتاب الوديعة قبيل فصل وأما بيان ما يغير حال المعقود عليه من الأمانة إلى الضمان، كراچی ٦/ ٢١١، زكريا ديوبند ٥/ ٣١٤، هداية، اشرفی ديوبند ٣/ ٢٧٣)

االوديعة أمانة في يد المودع، فإذا هلكت بلا تعد منه، وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن. (شرح المجلة رستم باز مكتبه إتحاد ديوبند ١/ ٤٣١، رقم المادة: ٧٧٧)

وإن سرقت الوديعة عند المودع ولم يسرق معها مال آخر للمودع لا يضمن عندنا. (فتاوى عالمگيري، الباب الرابع: فيما يكون تضييعا للوديعة وما لا يكون زكريا، قديم ٤/ ٣٤٦، جديد ٤/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۰۴)

بلاتعدی امانت کی رقم ضائع ہونے کا شرعی حکم

سوال [۹۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک لڑکے کو روپئے دئے تھے، وہ لڑکا دیوبند جارہا تھا اور روپئے دئے تھے، کتاب خرید کر لانے کے لئے، اب وہ لڑکا کہہ رہا ہے کہ جو روپئے تم نے دئے تھے وہ روپئے جیب کٹنے کی وجہ سے چوری ہوگئے، اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا اپنا روپیہ اپنی جیب ہی میں رہ گیا، اس صورت میں آپ کیا فرمارہے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: عزیز الرحمٰن جامعہ اشرفیہ وصیۃ العلوم ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جس لڑکے کو دیوبند سے کتاب خرید کر لانے کے لئے وکیل بنا کر روپئے دئے گئے ہیں، شرعاً وہ روپئے امانت ہیں، اگر بلا تعدی چوری ہوجائیں اور واقعی جیب کٹ کر روپئے نکل جانا ثابت ہوجائے تو وکیل کے اوپر مذکورہ روپئے کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر کذب ثابت ہوجائے یا تعدی وغفلت ثابت ہوجائے گی تو تاوان لازم ہوگا، نیز تعدی نہ کرنے کی صورت میں اگر چہ وکیل کا روپئے چوری نہ ہوتے ہوئے صرف موکل کا روپیہ چوری ہوگیا ہے تب بھی تاوان لازم نہ ہوگا، جب کہ حلفیہ بیان دیا ہو۔

إذا وكله بشراء شيء ودفع الثمن إليه، فهلك في يده، قال في البزازية، وفي جامع الفصولين: دفع إليه ألفا ليشتري به فاشترى، وقبل أن ينقده للبائع هلك فمن مال الآمر. (البحرالرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٧/ ٢٦٤، كوئٹه ٧/ ١٥٦، خلاصة الفتاوى اشرفيه ديوبند ٤/ ١٥٨)

وهي أي الوديعة أمانة -إلى قوله- فلا يضمن أي لا يضمن المودع الوديعة بغير تعد بالهلاك، سواء أمكن التحرز عنه أو لا هلك معها

للمودع شيء أولا لقوله عليه السلام: ليس على المستودع غير المغل ضمان. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة قديم ٢/ ٣٣٨، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٧-٤٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٥٧، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٥، الجوهرة النيرة، إمدايه ملتان ٢/ ٣٥، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٥)

المودع إذا قال: ذهبت الوديعة من منزلي ولم يذهب من مالي شيئا يقبل قوله مع يمينه. (الجوهرة النيرة، قبيل كتاب العارية، إمداديه ملتان ٢/ ٤٠، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٩، هندية الباب التاسع، زكريا قديم ٤/ ٣٥٧، جديد ٤/ ٣٧٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/ رجب المرجب ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٥/ ١٣٣٠)

الجواب صحیح:
محمد راشد عفی اللہ عنہ متعلم شعبہ افتاء
١٩/ رجب المرجب ١٤٠٩ھ

ناظم مدرسہ کے پاس رکھی ہوئی امانت چوری ہوجائے تو کون ضامن ہوگا؟

سوال [٩٣٩٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہے اور ساتھ ساتھ مدرسہ کا محاسب اور ناظم تعمیرات بھی ہے، مہتمم مدرسہ نے زید کو بسلسلہ تعمیر کچھ رقم مدرسہ سے پیشگی کام کرانے کے لئے دی، نیز محاسب ہونے کی وجہ سے دو مدرس کی تنخواہ ان لوگوں کے عدم موجودگی کی بنا پر دی کہ کل ان لوگوں کے آجانے پر دے دیں۔ امر اتفاق اسی رات میں ایک مزدور جو ہفتہ عشرہ سے کام کررہا تھا اور مدرسہ میں مقیم تھا، زید کے کمرے سے ڈیکس کا تالا توڑ کر مبلغ:-/800 روپئے نکال کر فرار ہوگیا، اس مزدور کا کوئی پتہ نہیں، صرف اس نے بہار کا رہنے والا بتلایا تھا، ایسی صورت میں اس گم شدہ امانت کا تاوان زید کے ذمہ ہے یا مدرسہ کے؟ امید ہے کہ وضاحت کے ساتھ جواب باصواب سے مرحمت فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد یونس الاعظمی خادم مدرسہ دار الرشاد بنکی، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں زید شرعاً مہتمم مدرسہ کی طرف سے وکیل ہے اور جو رقم مہتمم مدرسہ نے زید کو حق دار کو دینے کے لئے دی ہے وہ شرعاً امانت ہے۔ اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ زید کی طرف سے بلا کسی تعدی کے مذکورہ رقم چوری ہوگئی ہے؛ اس لئے زید پر اس رقم کا تاوان واجب نہیں ہوگا؛ لہٰذا مدرسہ ہی کو نقصان برداشت کرنا ہوگا اور جن مدرسین کو تنخواہ نہیں ملی ہے، دوبارہ ان کو تنخواہ دینا لازم ہوگا۔

وهي أي الوديعة أمانة –إلى قوله– فلا يضمن أي لا يضمن المودع الوديعة بغير تعد بالهلاک، سواء أمكن التحرز عنه أو لا هلک معها للمودع شيء أو لا لقوله عليه السلام: ليس على المستودع غير المغل ضمان. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة قديم ٢/ ٣٣٨، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٧-٤٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٥٧، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٥، الجوهرة النيرة، إمدايه ملتان ٢/ ٣٥، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٥)

إذا دفع إلى إنسان ألف درهم، فأمره أن يشتري بها جارية، فاشترى، ثم هلک الثمن قبل أن ينقد للبائع هلک من مال الآمر. (خلاصة الفتاوى، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، أشرفيه ديوبند ٤/ ١٥٨، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٢٦٤، كوئٹه ٧/ ١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۴۲)

عاریت پر لی گئی سائیکل گم ہوجائے تو ضامن کون؟

سوال [۹۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد کو تقریباً ۱۱؍ بجے عاریت پر اپنی سائیکل دی، خالد ساڑھے گیارہ بجے زید کو

گیٹ پر سائیکل واپس کر رہا تھا، تو زید نے کہا کہ مدرسہ کے اندر جہاں پر سائیکل کھڑی تھی وہیں پر کھڑی کر دیجئے، زید اتنا کہہ کر چلا گیا، تو خالد نے سائیکل جہاں پر کھڑی تھی وہیں پر کھڑی کردی اور اس کی چابی اپنے پاس رکھی، زید بازار سے تقریباً ڈھائی بجے مدرسہ واپس آیا تو خالد نے زید کو سائیکل کی چابی واپس کردی، اب زید نے اپنی سائیکل رات کے نو بجے گم پائی، سائیکل کے گم ہونے پر زید نے خالد سے اس کا تاوان طلب کیا، تو آیا ایسی صورت میں سائیکل کے گم ہونے پر خالد اس کا تاوان دے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے خالد سے جس جگہ سائیکل کھڑی کرنے کے لئے کہا، خالد نے اسی جگہ کھڑی کردی اور سائیکل کھڑی ہونے کی جگہ بھی وہیں تھی اور حفاظت کے ساتھ تالا لگا کر چابی اپنے پاس رکھ لی؛ چونکہ زید اس وقت مدرسہ میں نہیں تھا؛ اس لئے واپس نہ کر سکا اور اس کے واپس آتے ہی چابی اس کے حوالہ کردی، تو اب خالد بریٔ الذمہ ہے، بعد میں شیٔ کے گم ہونے پر خالد کسی بھی قسم کا ضامن نہیں ہوگا۔

وإذا رد المستعير الدابة إلى أصطبل ربها، أو العبد والثوب إلى دار مالكه برئ عن الضمان إذا هلك الدابة أو هلك العبد والثوب استحسانا. (مجمع الأنهر، كتاب العارية، قديم ٢/ ٣٥١، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٨٦)

وفي البدائع أو ردها بنفسه إلى منزل المالك وجعلها فيه لا يضمن استحسانا. (بدائع زكريا ٥/ ٣٢٤، وكذا في الهندية، الباب السادس في رد العارية، زكريا قديم ٤/ ٣٦٩، جديد ٤/ ٣٨٩)

وأما ما سوى ذلك من الأشياء، فيكفى إيصاله المحل الذي يعد التسليم فيه تسليما في العرف والعادة -إلى- مثلا الدابة المعارة يتم

تسليمها بإيصالها إلى أصطبل المعير، أو تسليمها إلى سائسه حتى لو هلكت بعد ذلك لا يضمن استحسانا. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٤٥٩، رقم المادة: ٨٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۵)

ملازم سے سائیکل چوری ہوگئی، تو کیا حکم ہے

سوال [۹۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوکان کے ایک ملازم کو دوکاندار نے ایک سائیکل دی تھی کام کرنے کے لئے اور اس ملازم نے ایک مسجد میں سائیکل کھڑی کردی اور سائیکل چوری ہوگئی، تو کیا ملازم سے تاوان لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد جان مدرسہ فلاح دارین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ملازم نے سائیکل کھڑی کرنے میں کوئی لاپرواہی نہیں کی ہے، عام لوگ جس طرح اپنی سائیکل رکھا کرتے ہیں اسی طرح سے اس نے مسجد میں باحفاظت کھڑی کردی ہے اور اس سے چوری ہوگئی، تو ایسی حالت میں ملازم پر تاوان ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس نے امانت کی حفاظت میں لاپرواہی نہیں کی ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٠)

والعارية أمانة إن هلكت من غير تعد لم يضمن. (هداية، كتاب العارية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٧٩)

ولو هلكت العارية بلا تعد من المستعير فلا ضمان. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٨١-٤٨٢، تاتارخانية، زكريا ١٦/ ٧٧، رقم: ٢٤٢٥١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۹ھ

کھیت میں لگائی گئی آگ دوسرے کے کھیت کو جلا دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے گنے کے کھیت کی صفائی کے لئے آگ لگائی؛ لیکن ہوا تیز ہونے کی وجہ سے آگ بغل والے گنے کے کھیت میں لگ گئی، آیا اس صورت میں آگ جلانے والے سے کوئی ضمان لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آگ لگاتے وقت ہوا تیز نہیں تھی، تو کوئی تاوان نہیں؛ لیکن اگر جس وقت آگ لگائی جا رہی تھی اس وقت ہوا تیز تھی اس کے باوجود آگ لگائی ہے، تو آگ جلانے والے پر گنے کا ضمان ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النار جبار. (سنن أبي داؤد، كتاب الديات، باب في النار تعدى، النسخة الهندية ٢/ ٦٣١، دارالسلام، رقم: ٤٥٩٤، سنن ابن ماجة، أبو اب الديات، باب الجبار، النسخة الهندية ٨/ ١٩٢، دارالسلام، رقم: ٢٦٧٦)

لو أحرق حشيشا لا يكون ضامنا، قيل: إذا كانت الريح ساكتة حين أوقد النار، فأما إذا كان اليوم ريحا يعلم أن الريح تذهب بالنار إلى أرض

جاره كان ضامنا استحسانا. (الهندية، كتاب الجنايات الباب الحادي عشر في جناية الحائط والجناح، والكنيف وغيرها، زكريا قديم ٦/ ٤٧، جديد ٦/ ٥٧، فتاوى قاضي خان جديد زكريا ٣/ ٣٣٧، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٤٦٠، تاتارخانية، زكريا ١٩/ ٢٩٦، رقم: ٣١٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۲/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۷۴/۳۳)

موچی کے پاس سے چپل گم ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے موچی کو اپنی چپل صحیح کرنے کے لئے دی اور چپل اس روز صحیح نہ ہوسکی، دوسرے دن جس کے چپل تھے وہ باہر چلا گیا، باہر سے جب بارہ تیرہ دن میں واپس آیا تو موچی سے چپل والے نے پوچھا کہ میری چپل صحیح ہوئی نہیں؟ تو موچی نے جواب دیا کہ آپ کی چپل گم ہوگئی ہے۔ اور دوسری چپل یہاں موجود ہے، تو کیا اس صورت میں موچی سے تاوان لینا درست ہے یا نہیں؟ قرآن کی روشنی میں مسئلہ ہذا کو واضح فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد شفیع، صدر مدرس مدرسہ فلاح دارین محلّہ کانٹھ دروازہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موچی نے چپل کی حفاظت کی ہے اور اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے اور پھر گم ہوگئی ہے، تو موچی کے امین ہونے کی وجہ سے اس پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٠)

الـوديـعة أمانة في يد الموء دع، فإذا هلكت لم يضمنها . (الجوهرة، كتاب الـوديـعة، إمـداديه ملتان ٢/ ٣٥، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٥، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچی ٥/ ٦٦٤، زكريا ٨/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٣، زكريا ٧/ ٤٦٥، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٧، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/محرم ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۸۱)

دوسرے کی دیوار پر اپنی چھت کو ٹیکنے کا شرعی حکم

سوال [۹۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالغفور کی دیوار پر عبدالقیوم نے چھت ٹیک لی، وہ خستہ ہوگئی، انہوں نے اس کو ہتھوڑے سے گرادی، عبدالغفور کا مکان پھٹ گیا، عبدالقیوم سے شکایت کی، انہوں نے کہا کہ تم ٹھیک کرالو، جوخرچ ہوگا وہ میں دے دوں گا، ایک ہزار روپئے خرچ ہوئے، عبدالقیوم نے نہیں دیئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب عبدالقیوم کے فعل سے عبدالعزیز کی دیوار کو نقصان پہنچا تو شرعاً اس میں نقصان کی تلافی کا ذمہ دار عبدالقیوم ہوگا۔ اور جب عبدالقیوم کے خرچ دینے کے وعدے سے عبدالغفور نے مرمت کرلی ہے، تو عبدالغفور کو عبدالقیوم سے مذکورہ خرچ وصول کرنا شرعاً جائز ہوگا۔

لـو أتـلف مـال غيـره بـلا سبـق إيـداع، أو إقـراض ضـمن بالإجماع.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحجر، زكريا ٩/ ٢٠٣، كراچی ٦/ ١٤٦)

الضمانات تجب لها بأخذ أو بشرط. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند، ص: ۸۹)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۱۳)

فروخت شدہ بکرا واپس مالک کے پاس آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک بکرا غیر معروف شخص (جو غیر مسلم تاجر ہے) کے ہاتھ فروخت کیا اور دو دن کے بعد وہ بکرا اچانک زید کے گھر واپس آ گیا، اب زید نے کافی تلاش وجستجو کے بعد اس غیر معروف شخص کا پتہ لگایا، معلوم ہوا وہ کہیں باہر چلا گیا ہے، یہ صحیح نہیں معلوم ہے کہ کہاں گیا ہے اور کب آئے گا، نیز یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ بکرا اسی کے پاس سے آیا ہے یا اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، اس کے پاس سے آیا ہے، قیاس ہے کہ شاید فروخت کر گیا ہوگا، بہر کیف صحیح معلوم نہیں ہے کہ اس بکرے کا مالک کون ہے؟ فی الحال بکرا زید کے پاس تقریباً چار ماہ سے پرورش پا رہا ہے، صورت مسئولہ میں اس بکرے کی پرورش کی جائے؟ یا فروخت کر دیا جائے؟ اگر پرورش کی جاتی ہے، تو اس پر روزانہ جو خرچ آ رہا ہے اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور فروخت کر دینے کی صورت میں اس کی قیمت کس کو دی جائے؟ اس پر جو خرچ آیا ہے، اس کو کاٹ کر دی جائے یا مکمل، یا اگر کبھی اس کا مالک واپس آتا ہے، تو اس کو کتنی رقم دینی پڑے گی، جب کہ بکروں کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اعتبار کب کا ہوگا؟ اس کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی جائے یا خیرات کر دی جائے؟

المستفتی: حافظ محمد فاروق مہد پورسٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کو فروختگی کے دو دن کے بعد جو بکرا حاصل ہوا ہے، وہ در

حقیقت زید کے پاس بطور امانت ہے، جس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اولاً زید دو یا دو سے زائد لوگوں کو گواہ بنالے کہ یہ بکرا مجھے ملا ہے، جسے میں نے مالک تک پہنچانے کی غرض سے روک لیا ہے، اس کے بعد محکمۂ شرعیہ یا مستند علماء کے مشورہ سے مالک کی تلاش وتفتیش کر کے اگر صحیح مالک کا پتہ لگ جائے تو بلا ٹال مٹول مالک کو واپس کردے؛ البتہ اس درمیان بکرے پر کئے جانے والے خرچ کو زید مالک سے لینے کا حق دار ہے۔ اور اگر مالک کا کوئی سراغ نہ ملے تو پھر بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ رکھ لے، اگر مسلم حکومت ہے اور بیت المال ہے، تو پھر بیت المال میں جمع کردے۔ اور اگر مسلم حکومت نہیں ہے، جس میں اسلامی قانون کے مطابق بیت المال نہ ہو تو پھر وہاں پر بااثر لوگوں کی شہادت کے ساتھ اس پیسہ کو بینک میں محفوظ کرلیا جائے اور اس درمیان زید نے بکرے کے کھلانے پلانے پر جو خرچ کیا ہے، وہ اتنی رقم لینے کا حق دار ہے، بقیہ رقم مالک کے ملنے کی شکل میں واپس کردینا لازم ہے۔ اور اگر اتنے ایام گذر جائیں کہ یقین ہو جائے کہ مالک نہیں ملے گا، تو پھر قیمت کا صدقہ کردیا جائے۔

وإلا باعها، أي إن لم يكن لها نفع باعها القاضي، وحفظ ثمنها لصاحبها إبقاء له، يعني عند تعذر إبقائه صورة إلى قوله قالوا: إنما يأمر بالإنفاق يومين أو ثلاثة على قدر ما يرى رجاء أن يظهر مالكها، فإذا لم يظهر يأمر ببيعها؛ لأن دارة النفقة مستاصلة، فلا نظر في الإنفاق مدة مديدة، وإذا بيعت أخذ الملتقط ما أنفق بإذن القاضي. (البحرالرائق، كتاب اللقطة، زكريا ٥/ ٢٦١، كوئٹه ٥/ ١٥٦، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ١٢٦، زكريا ٦/ ١١٨-١١٩، كوئٹه ٥/ ٣٥٥)

وفي القنية: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لا يوجد صاحبه لا يجب إيصاءه، وإن كان يرجو وجود المالك وجب الإيصاء. (البحرالرائق، زكريا ٥/ ٢٥٨، كوئٹه ٥/ ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۶۱)

۳۰/ کتاب الهبة

۱/ باب شرائط الهبة

''ہبہ'' شرعاً کب معتبر ہے؟

سوال [۹۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسمیٰ محمد علی خان نے بذات خود اپنے اور دو پسران آصف علی خان اور شاکر علی خان کے ناموں سے مشترکہ طور سے بحصہ برابر ایک مکان واقع محلّہ قاضی ٹولہ المعروف اتوار کی پیٹھ، ضلع مرادآباد خریدا، بعدہ محمد علی نے خرید کردہ مکان مذکور میں اپنا حصہ ۱/۳ اپنی زوجہ خوشنودی بیگم کے حق میں زبانی ہبہ کردیا، جس کو قبول ومنظور کرکے خوشنودی بیگم مذکورہ موہوبہ حصہ پر مشترکاً قابض ودخیل ہوگئیں، جس کے بعد محمد علی کا انتقال ہوگیا، جنہوں نے اپنی وفات پر مذکورہ بالا دو پسران: آصف علی وشاکر علی خان وچار دختران: مسمیان صغیر جہاں، وشمیم جہاں، ونعیم جہاں وممتاز جہاں اور اپنی بیوہ خوشنودی بیگم کو اپنا شرعی وارث چھوڑا، بعدہ آصف علی خان کا بھی انتقال ہوگیا، جنہوں نے اپنی وفات پر اپنے برادر حقیقی شاکر علی خان اور مذکورہ بالا چار ہمشیرگان اور اپنی والدہ مذکورہ خوشنودی بیگم کو اپنا شرعی وارث چھوڑا، جس کے بعد دختر محمد علی ممتاز جہاں کا بھی انتقال ہوگیا، جنہوں نے اپنی وفات پر والدہ خوشنودی بیگم دو پسران دانش ومحمد سبحان اور ایک دختر اقراء بیگم کو اپنا شرعی وارث چھوڑا، مذکورہ بالا مکان کی مجموعی آمدنی کرایہ مبلغ آٹھ ہزار روپئے ماہانہ ہے۔ از روئے فرائض مکان مذکور میں مذکورہ بالا ورثاء کس قدر حصہ اور کس قدر کرایہ پانے کے مستحق ہیں؟

المستفتی: انتظار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہبہ کا شرعی ثبوت یا اس کی معتبر تحریر موجود ہے اور قبضہ بھی ہو چکا تھا، تب تو یہ ہبہ معتبر ہے۔ اور اگر ہبہ کے لئے نہ معتبر تحریر ہے اور نہ شرعی گواہان موجود ہیں، تو ایسی صورت میں محض قبضہ کافی نہیں ہوگا، اس میں تمام ورثاء کا حق جاری ہوگا اور تقسیم اس کے بعد کی جاسکتی ہے، جب ہمارے پاس شرعی ثبوت کے ساتھ ہبہ نامہ کی تحریر آجائے، اس سے پہلے تقسیم کے مسئلہ میں ہم کچھ لکھنے سے قاصر ہیں۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ١٠/ ٥٢٠، رقم: ٢٠٤٩٥)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، هندية زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، هداية أشرفي ٣/ ٢٨٣، مختصر القدوري، ص: ١٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۴ھ

ہبہ میں محض نیت کافی نہیں

سوال [۹۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرا لڑکا ہے، جس کو بوقت پیدائش ہی والد نے اپنا لیا تھا اور آخر تک ان کی کفالت میں تھا، اب دادی کے پاس رہتا ہے، اسی طرح ایک نواسی کو بھی اپنی کفالت میں لے لیا تھا،

ان کے نام جو رقم بینک میں محفوظ کی ہے، اس کی تقسیم شرعی ورثاء میں ہوگی یا جن کے نام محفوظ کیا ہے انہیں کو ملے گی؟

(۲) نیز جو کچھ دینے یا نام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور سب سے کہتے تھے وہ دیا جائے یا نہیں؟ اور جو عملاً کر گئے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے، جس کے نام کر دیا ہے، اسی کو ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: خرم سلطان ابن حاجی سلطان احمد مرحوم، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حاجی سلطان نے اپنی زندگی میں جو رقم پوتے یا نواسی کے نام بینک میں جمع کر دی ہے، اس سے شرعی طور پر قبضہ بھی ثابت ہو گیا؛ کیوں کہ جن کے نام سے جمع ہوا ہے، وہی نکال سکتے ہیں، دوسرا نہیں نکال سکتا ہے؛ لہٰذا ان کے نام بینک میں جمع شدہ رقم ان کی ملک ہوگی، ان میں دیگر ورثاء شریک نہیں ہوں گے۔

اتخذ لولده أو لتلميذه ثيابا، ثم أراد دفعها لغيره ليس له ذلک ما لم يبين وقت الاتخاذ أنها عارية. (درمختار، کتاب الهبة، زکريا ۸/ ۵۰۱، کراچی ۵/ ۶۹۶، هندية زکريا قديم ۴/ ۳۹۲، جديد ۴/ ۴۱۷)

تتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار، کتاب الهبة، زکريا ۸/ ۴۹۳، کراچی ۵/ ۶۹۰، هندية زکريا قديم ۴/ ۳۷۸، جديد ۴/ ۳۹۹، هداية، أشرفی ۳/ ۲۸۳)

(۲) محض ارادہ اور نیت کرنے سے کوئی شرعی حکم لاگو نہیں ہوگا؛ البتہ عملی طور پر اپنی زندگی میں جو اشیاء دوسروں کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا ہے، وہ شرعی طور پر ان کے مالک ہو جائیں گے، ان میں دیگر ورثاء شریک نہیں ہوں گے۔

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للابن إذا دلت دلالة على التمليک. (شامي، کتاب الهبة، زکريا ۸/ ۵۰۲، کراچی ۵/ ۶۹۷، هندية زکريا قديم ۴/ ۳۹۲، جديد ۴/ ۴۱۷)

وفي المنح عن الخانية بعد هذا قال: جعلته لابني فلان يكون هبة؛ لأن الجعل عبارة عن التمليک. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۴۹۱، كراچی ۵/ ۶۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۳ھ

کیا ایجاب وقبول سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے؟

سوال [۹۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) محبوب احمد نے ایک مکان چھوڑا ان کے سامنے ان کی بیوی اور ایک لڑکی عزیزہ بی کا انتقال ہوگیا، مرحوم کے وارث میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں جن کے نام اس طرح ہیں: مطلوب احمد، منصور احمد جو پاکستان میں رہتے ہیں۔ اور مسعود احمد، خدیجہ بی، سعیدہ بی مرحوم کے ترکہ میں سے ہر ایک وارث کو شریعت کی رو سے کتنے کتنے سہام ملیں گے؟

(۲) اور منصور احمد نے پاکستان کے اسٹام پر وصیت تحریر کر کے بھیجی ہے کہ میرے حصہ کے تین حصے کیے جائیں، ایک حصہ میری بہن خدیجہ کو اور دوسرا حصہ میری بہن سعیدہ کو اور تیسرا حصہ میری دونوں بھانجی نزہت اور رضیہ بی کو دے دیا جائے، تو منصور احمد کی وصیت کے مطابق منصور کے ترکہ میں سے خدیجہ بی وسعیدہ بی اور نزہت بی ورضیہ بی کو شریعت کی رو سے کتنے کتنے سہام ملیں گے؟

المستفتی: مقصود احمد بارہ سینی سرائے ترین سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: منصور احمد نے پاکستان سے جو تحریر بھیجی ہے، اس تحریر کے عنوان میں وصیت نامہ لکھا ہے؛ لیکن پوری تحریر کے مضمون میں وصیت کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ

اپنی طرف سے مضمون میں ہبہ کا ذکر ہے؛ اس لئے شاید مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عنوان میں لفظ ہبہ کے بجائے وصیت لکھ دیا ہوگا؛ لہٰذا ہم ہبہ کے نقطۂ نظر سے شرعی حکم لکھتے ہیں۔ سوال نامہ اور پاکستان سے ارسال کردہ تحریر کے مطابق منصور احمد کا حق تین حصوں میں تقسیم ہوکر ایک ایک حصہ دونوں زندہ بہنوں کو دیا جائے گا اور تیسرا حصہ مرحومہ بہن کی دونوں بیٹیوں کو برابر تقسیم کردیا جائے گا۔ اور سوال نامہ میں بھی لفظ وصیت استعمال کیا گیا ہے، جو کہ اصل مضمون کے خلاف ہے اور اصل مضمون کے اعتبار سے لفظ ہبہ استعمال ہونا چاہئے؛ لہٰذا جن لوگوں کے قبضہ میں منصور احمد کا حق ہے، ان پر لازم ہے کہ منصور احمد کا حصہ ان کی ہدایت کے مطابق دونوں بہنوں کے درمیان اور مرحومہ بہن کی دونوں لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کردیں جس طریقہ سے منصور احمد نے ہدایت کی ہے۔

الهبة تمليك العين مجانا، أي بلا عوض. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٨٧، زكريا ٨/ ٤٨٨)

الهبة تمليك مال لآخر بلا عوض، أي بلا شرط عوض. (شرح المجلة رستم باز اتحاد ديوبند ١/ ٤٦٢، رقم: ٨٣٣)

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز اتحاد ديوبند ١/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧)

الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه، وإن كان الموهوب له صغيرا أو مجنونا فحق القبض إلى وليه، ووليه أبوه، أو وصي أبيه، ثم جده، ثم وصي وصيه، ثم القاضي سواء كان الصغير في عيال واحد منهم أو لم يكن. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩٢، جديد ٤/ ٤١٨)

لو قال: نحلتك داري أو أعطيتك أو وهبت منك كانت هبة.

(هندية، الباب الأول في تفسير الهبة، زكريا قديم ٤/ ٣٧٥، جديد ٤/ ٣٩٦)

ولو وكّل الواهب رجلا بالتسليم، ووكّل الموهوب له رجلا بالقبض وغابا صح التسليم من الوكيل، فإن امتنع وكيل الواهب خاصمه وكيل الموهوب ويتفرد أحد وكيلي التسليم به بخلاف وكيلي القبض لا يتفرد أحدهما والتوكيل بالهبة توكيل بالتسليم. (تاتارخانية ١٤/ ٤٢٤، برقم: ٢١٥٧٧، مطبع زكريا ديوبند) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۳۲/۳۹)	۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

زبانی ہبہ

سوال [۹۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد نوشہ مرحوم نے زبانی ہبہ اس طرح کیا تھا کہ لے پالک بیٹی رخسانہ بی کو اپنے مکان کی دوسری منزل کا اپنے ہوش وحواس کی درستگی اور گواہوں کی موجودگی میں مالک وقابض بنا دیا تھا، اب بتلایئے کہ رخسانہ کو محمد نوشہ مرحوم کے مکان کی دوسری منزل پر حق ملکیت حاصل ہوگا یا نہیں؟ جب کہ مرحوم کے مکان کی دوسری منزل پر ہبہ زبانی سے پہلے بھی قبضہ اور بعد میں بھی قبضہ رخسانہ بی کو حاصل ہے، اس ہبہ زبانی کے گواہ مندرج ذیل ہیں:

فہمید احمد صابری　　　　سائلہ رخسانہ بی

میں اس بات کا گواہ ہوں کہ بار باران الفاظ کو انہوں نے ادا کیا کہ میرے بعد اس حصے کی حق دار یہ رہیں گی۔ عبد العزیز ولد عبد الشکور قانون گویان مرادآباد۔

المستفتية: رخسانہ بی گویّاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہبہ میں ایسی معتبر تحریر ہونی چاہئے جس سے بعد میں انکار یا اختلاف کی نوبت نہ آنے پائے؛ لیکن اگر زبانی ہبہ کر دیا ہے اور اس پر گواہان بھی قابل اعتماد

لوگ ہیں اور جانبین اس زبانی ہبہ کا اقرار بھی کررہے ہوں، تو ایسی صورت میں جس حصہ کو ہبہ کیا گیا اگر موہوب لہ نے اس پر قبضہ بھی کرلیا ہے، تو ہبہ صحیح اور معتبر ہوگا۔ اور محلّہ کے بااثر لوگوں کی موجودگی میں گواہان کے دستخط کے ساتھ ایک سرکاری ایگریمنٹ بھی بہت جلد کرالینا چاہئے، تاکہ آئندہ پھر کوئی بات پیش نہ آنے پائے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث.

(المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

الهبة عقد مشروع، وتصح بالإيجاب والقبول والقبض، وقوله: لا يجوز الهبة إلا مقبوضة. (هداية، كتاب الهبة، أشرفي ٣/ ٢٨٣، مختصر القدوري، ١٣٥، شامي، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچى ٥/ ٦٩٠، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۱۱/۱۴۳۶ھ

زبانی ہبہ کا شرعی حکم

سوال [۹۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو میراث کے باب سے متعلق ہے، میرے اس مسئلہ کی قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرماکر ممنون فرمائیں۔ والدمحترم کو انتقال ہوئے عرصہ ہوا، ہم چار بھائی دو بہنیں ہیں، والدہ کا انتقال والدمحترم کی رحلت سے قبل ہی ہوگیا تھا۔ والد مرحوم کے ترکہ کے بارے میں

کسی وارث کو اختلاف نہیں ہے، معاملہ ایک مکان کا ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:
رشتے کی ایک نانی (شیخانی نانی) نے اپنا مکان زندگی ہی میں مجھے ہدیۃً دے دیا تھا (اس بات کو محلے کے تمام افراد جانتے ہیں) پھر بیماری کے ایام میں جب وہ اپنی بیٹی کے گھر گئیں (واضح ہو کہ شیخانی نانی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے) تو انتقال کے وقت گاؤں کے پردھان کو بلوا کر اس کے سامنے اپنی بیٹی کو وصیت کی کہ میں نے اپنا حصہ (مکان) کلام کو دے دیا ہے؛ لہٰذا تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، شیخانی نانی کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی نے پردھان کے ساتھ آ کر میری والدہ کو بتایا کہ اماں نے اپنا یہ مکان کلام کو دے دیا ہے، اس وقت میری والدہ شیخانی نانی کے ایصال ثواب کے لئے تقریباً ایک ہزار روپئے ان کی بیٹی کو دینے لگیں، تو ان کی بیٹی نے کہا کہ آپ اسے یہیں (مجھوڑہ کی) مسجد میں دے دیجئے؛ لیکن کچھ عرصہ بعد جب والدہ کا ان کی بیٹی کے یہاں جانا ہوا، تو تقریباً پندرہ سو روپئے مسجد میں دینے کے لئے ان کے پاس چھوڑ آئیں، تب سے یہ مکان میری تحویل میں ہے۔
مذکورہ تفصیل کے مطابق کیا شیخانی نانی کی ہبہ کردہ زمین والد مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام وارثین میں تقسیم ہوگی یا اس پر شرعی حق صرف میرا ہے؟ شرعاً اس مکان کی کیا حیثیت ہے؟ توضیح فرمائیں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

المستفتی: (حافظ) ابوالکلام عباد اللہ مرحوم، آنند گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رشتہ کی نانی نے اپنی زندگی میں آپ کے لئے صرف زبانی ہبہ کیا ہے، آپ کا ان کی زندگی میں اس مکان پر قبضہ نہیں ہوا۔ اور ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوا کرتا۔ اور انتقال کے وقت جو پردھان وغیرہ کو بلوا کر انہوں نے اپنی بیٹی سے یہ کہا ہے کہ ''یہ مکان میں نے کلام کو دے دیا ہے، اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں'' یہ مرض الوفات میں کی گئی وصیت ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کا نفاذ صرف تہائی مال سے ہوا کرتا ہے، اس سے

زائد میں نہیں ہوتا، ہاں البتہ موت کے بعد اگر میت کے ورثاء تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت کے نافذ کرنے پر راضی ہوں، تو اب یہ وصیت تہائی مال سے زائد پر بھی نافذ ہوجائے گی؛ لہٰذا اگر وہی ایک مکان تھا، تو اس مکان کا دو تہائی مرحومہ کے وارثین کے لئے میراث ہے، پورا مکان کلام کو نہیں ملے گا۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ مرض الوفات کی وصیت کے بارے میں وارثین اور گواہان اقرار کرتے ہوں، ورنہ ایک تہائی کے بارے میں بھی وصیت نافذ نہ ہوگی اور کلام کو کچھ نہ ملے گا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض منه، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشک، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ٩/ ١٥٨، رقم: ١٢١٨٦)

عن سعد بن أبي وقاص –رضي الله عنه– قال: مرضت، فعادنى النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! أدع الله أن لايردني على عقبي، قال: لعل الله يرفعک، وينفع بک ناسا، قلت: أريد أن أوصي، وإنما لي ابنة، قلت: أوصى بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث، قال: الثلث، والثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، وجاز ذلک لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/ ٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

ولا يتم الهبة إلا مقبوضة. (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، هداية أشرفي ٣/ ٢٨٣، مختصر القدوري، ص: ١٣٥، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ٢/ ٩، دارالكتاب ديوبند ٢/ ١٠)

فإن الموصى إذا ترک ورثه قائما لا يصح وصيته بما زاد على الثلث إن لم تجز الورثة، وإن أجازوه صحت وصيته به. (البحرالرائق، كتاب الوصايا، زكريا ٩/ ٢١٢، كوئٹه ٨/ ٤٠٣)

رجل أوصى بجميع ماله للفقراء، أو لرجل بعينه لا تجوز ذلك إلا من الثلث –إلى قوله– وإن أجازوا بعد موته صحت الإجازة. (تاتارخانية، زكريا ١٩/ ٣٨١، رقم: ٣١٨٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۶/ ۱۴۳۳ھ

زبانی ہبہ کے لئے شرعی ثبوت لازم

سوال [۹۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زہرہ بیگم کا مکان بالعوض مہر دولہ جان خان نے اپنی زوجہ زہرہ بیگم کے نام کردیا تھا، زہرہ بیگم نے اپنا پورا مکان بڑی بیٹی زاہدہ بیگم جوکہ شادی شدہ تھی کو ۹؍ ۶؍ ۲۷؍ کو زبانی ہبہ کردیا تھا۔ اور چھوٹی بیٹی ساجدہ بیگم جو غیر شادی شدہ تھی اور بے سہارا تھی، اس کو ناحق کردیا، جس کی شادی کی ذمہ داری والدین کی ہوتی تھی؛ لیکن والدین میں والد کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری والدہ نے پوری نہیں کی اور دیگر رشتہ داروں نے یہ فرائض پورے کرتے ہوئے ۹؍ ۶؍ ۲۳؍ کو نکاح محمد فرید حیدر سے کرادیا، کیا ایسی حالت میں شرعاً یہ ہبہ زبانی جس کا کوئی گواہ نہیں صحیح ہوا یا غلط ہوا؟ ساجدہ بیگم شرعاً حق دار ہوگی یا نہیں؟

المستفتیة: ساجدہ بیگم مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زہرہ بیگم نے جو اپنا مکان اپنی بڑی بیٹی زاہدہ بیگم کو زبانی ہبہ کیا ہے، اس کے لئے ثبوت شرعی یعنی ہبہ نامہ یا شرعی گواہ کی ضرورت ہے؛ لہٰذا اگر زاہدہ بیگم کے پاس ثبوت شرعی یا شرعی گواہ نہیں ہیں، تو اس زبانی ہبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ وہ ترکہ میں شمار ہوگا۔ اور ساجدہ بیگم اس مکان میں حق دار ہوگی۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ۲۸۲]

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال. (هداية، كتاب الشهادة، أشرفي ۳/ ۱۵٤، البناية، اشرفيه ۹/ ۱۰٦، المبسوط، دارالكتب العليمة بيروت ۳/ ۱٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

زبانی ہبہ بغیر شہادت کے معتبر نہیں

سوال [۹۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چھوٹی نے اپنے ایک لڑکے انوار حسین کو ایک اپنا مکان ہبہ زبانی کیا انوار حسین ہبہ کے وقت نابالغ تھے؛ اس لئے انہوں نے انوار حسین کے تایا عبد السلام کو ولی بنا کر قبضہ ودخل دے دیا، پھر چھوٹی کے ایک لڑکا لئیق احمد پہلے شوہر سے تھا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ ہبہ صحیح ہوا یا نہیں؟ اور چھوٹی کا مکان انوار حسین کو ملے گا، یا کہ اس میں دوسرے شوہر والے لڑکے لئیق احمد کو بھی ملے گا؟ شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرما دیں۔

المستفتی: ابرار حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چھوٹی نے جو مکان انوار حسین کو زبانی ہبہ کیا ہے، اس کے ثبوت کے لئے شہادت شرعیہ کا موجود ہونا ضروری ہے، اگر شہادت شرعیہ موجود نہیں ہے، تو اس ہبہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور چھوٹی کے دونوں لڑکے برابر کے شریک ہوں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۶۷۱)

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ۲۸۲]

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامراتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال. (هداية، كتاب الشهادة، أشرفى ۳/ ۱۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۷٦٦)

زبانی ہبہ کرنے کے بعد تحریر لکھنے کا شرعی حکم

سوال [۹۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی صاحب اپنی صاحبہ کے نام زبانی ہبہ کریں اور ہبہ کر کے قریب ساڑھے تین سال بعد اپنی صاحبہ کی اس یادداشت کو گواہوں کے روبرو تحریر کردیں، تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: حاجی دولہ پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زبانی ہبہ کرنے کے بعد پھر تحریر بھی گواہوں کے سامنے لکھ دی ہے تو شرعی طور پر ہبہ صحیح ہو چکا ہے۔ اور گواہوں کے ذریعہ سے اس کا ثبوت بھی ہو جائے گا۔ اور اگر قبضہ بھی دے دیا ہے تو مالک بھی ہو چکی ہے؛ لیکن اگر قبضہ نہیں دیا ہے اور بغیر قبضہ دیئے ہبہ کرنے والا گذر گیا ہے، تو ہبہ مکمل نہ ہوگا۔

الهبة عقد مشروع –إلى قوله– وتصح بالإيجاب والقبول والقبض –إلى قوله– والقبض لابد منه لثبوت الملك. (هداية، كتاب الهبة، اشرفى ديو بند ۳/ ۲۸۳)

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد دیوبند ١/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧، شامي، كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ديوبند ٨/ ٤٩٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، جديد دارالكتب العليمة بيروت ٣/ ٤٩١، قديم ٢/ ٢٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/ جمادی الثانیہ ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٣٥٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٦/١٩ھ

زبانی وتحریری ہبہ نامہ کے بعد قبضہ دینے کی شرعی حیثیت

سوال [٩٤١٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چچا حامد حسین نے دو مکان خریدے، ایک مکان خود حامد حسین نے اپنے نام سے خریدا، دوسرا مکان اپنی زوجہ زیتون بیگم کے نام سے خریدا اوران دونوں مکانوں کی تعمیر بھی خود حامد حسین نے کرائی تھی اور حامد حسین لاولد تھے اور مسماۃ زیتون بھی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے مایوس تھی اور دونوں نے زیتون کے سگے بھائی نوشہ کےلڑکے ثواب جان کو گود لیا تھا اوراس کی پرورش کرکے اس کی شادی شہر مرادآباد میں زرکثیر خرچ کرکے کرادی تھی اور حامد حسین کا کاروبار بمبئی میں تھا اوران کے بمبئی میں ایک دوکان ایک رہائشی کمرہ خود خرید کر کے وہیں پر رہتے تھے، اور جب حامد حسین ضعیف العمر ہوگئے تو بمبئی کی دوکان اور رہائشی جگہ کا اپنے لے پالک ثواب جان کواس کا مالک اور ذمہ دار بناکر مرادآباد آگئے اور حامد حسین اپنے حقیقی بھتیجے نواب دولہ کو مرادآباد میں اپنے پاس رکھ لیا اور نواب دولہ حامد حسین اوران کی اہلیہ کی خدمت اطاعت کرتے رہے، سن ١٩٦١ء میں حامد حسین اور زیتون دونوں نے عید کے

موقع پر خاندان اور محلّہ کے بہت سے لوگوں کے سامنے مرادآباد کے دونوں مکان نواب دولہ کو ہبہ کر کے نواب دولہ کو قبضہ دے دیا اور نواب دولہ نے اس کو قبول ومنظور کر لیا، اور ساتھ میں اس بات کی تصریح کردی کہ بیوی کے بھتیجے نواب دولہ کو بمبئی کی جائیداد دے دی گئی ہے، مرادآباد کی جائیداد سے اس کا اور اس کے بچوں کو کوئی تعلق نہ رہے گا اور مرادآباد کی جائیداد نواب دولہ کو زبانی ہبہ کر دیا، اسی سال پندرہ بیس دن کے بعد اس زبانی ہبہ کو باضابطہ اسٹامپ پر تحریری شکل دے کر حامد حسین اور زیتون دونوں کے دستخطوں کے ذریعہ ہبہ نامہ پکا کر دیا اور اس ہبہ نامہ میں گواہان کے بھی دستخط اور انگوٹھے ہیں، اب اس واقعہ کے تقریباً نوسال بعد ۱۹۷۰ء میں زیتون کا انتقال ہو گیا اور زیتون کے انتقال کے چالیس دن کے بعد نواب جان عارف واصف چالیسویں میں شرکت کے لئے آئے اور موت کے بعد جنازہ میں شرکت کے لئے نہیں آئے اور جب چالیسویں میں یہ لوگ آئے تو نواب دولہ نے اپنے مکان میں ان لوگوں کو ٹھہرایا اور وہ لوگ رہتے رہے اور ٹھہرنے کے لئے ایک مکان خالی کر دیا تھا، پھر وہ لوگ اس میں رہتے رہے اور خالی کر کے بمبئی نہیں گئے، بعد میں پتہ چلا کہ وہ لوگ بمبئی کی ساری جائیداد بیچ کر آ گئے ہیں، اور جو مکان ٹھہرنے کے لئے ان کو دیا گیا تھا وہ خالی نہیں کیا اور اسی حالت میں ۲۰۰۱ء میں نواب جان کا انتقال ہو گیا اور ان کے دونوں بیٹے اس مکان پر قابض رہے جس میں ان کو ٹھہرنے کی اجازت دی گئی تھی، پھر سن ۲۰۱۲ء میں نواب جان کے لڑکے عارف واصف نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ جس مکان میں ہم رہ رہے ہیں اس مکان کے بارے میں زیتون نے ہمارے لئے وصیت کر دی ہے اور اب تک کسی قسم کی وصیت کا نہ چرچا تھا نہ نواب جان نے ذکر کیا، نہ ان لوگوں نے اتنا زمانہ گذرنے کے بعد وصیت کا دعویٰ کیا، یہ سن ۱۹۸۸ء کا لکھا ہوا ایک وصیت نامہ لکھالائے اور اس طرح کی وصیت کا زیتون نے اپنی زندگی میں نہ ہمارے سامنے اظہار کیا اور نہ ہی کسی اور کے سامنے ظاہر کیا اور نہ کوئی تبصرہ

تھا، تو ایسی صورت میں اس وصیت نامہ کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ جب کہ نواب دولہ کے نام سے ضابطہ شرعی کے مطابق ہبہ اس مکان کے بارے میں ہو چکا تھا، اور نواب دولہ نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تھا اور اس ہبہ کے نو سال کے بعد میں حامد حسین کا انتقال ہوا اور اس ہبہ کے ۲۹/ سال کے بعد زیتون بیگم کا انتقال ہوا اور دونوں میں سے کسی نے بھی اپنی زندگی میں ہبہ نامہ کے خلاف نہ کبھی تحریر کی نہ کسی قسم کی گفتگو کی ہے۔ اور زیتون بیگم کے مرنے تک زیتون کے اخراجات اور سارے خرچوں کی کفالت نواب دولہ نے کی ہے اور اس بارے میں نواب جان اور اس کے دونوں لڑکوں کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور یہ لوگ بمبئ میں رہتے تھے اور ان کی موت میں بھی شریک نہیں ہوئے چالیسویں میں آنے کے بعد ان کو ٹھہرنے کے لئے جو جگہ دی گئی تھی وہ ہمارے گلے کی ہڈی بن گئی، خالی نہیں کی اور زیتون کے تقریباً ۲۱/سال بعد وصیت نامہ نکال کر لائے؛ اس لئے مفتیان کرام سے گزارش ہے کہ شرعی طور پر اس وصیت نامہ کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اور اگر اعتبار ہوگا تو کہاں تک ہوگا؟

المستفتی: نواب دولہ محلّہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہبہ نامہ وصیت نامہ اور سوال نامہ پر بار بار غور کیا گیا ہے۔ اور ان تحریرات سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ سن ۱۹۶۱ء میں حامد حسین اور زیتون دونوں نے بخوشی مشترکہ طور پر نواب دولہ کو مذکورہ جائیداد زبانی اور پھر بعد میں تحریری طور پر ہبہ کر کے قبضہ دے کر مالک بنا دیا ہے۔ اور ہبہ مکمل ہو جانے کے بعد ان لوگوں کی طرف سے پوری زندگی میں کسی بھی موقع پر اس ہبہ کو منسوخ کرنا ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہبہ کو منسوخ کرنے کے بارے میں کوئی تحریر ہے، اور نہ ہی اس بارے میں گواہان ہیں؛ اس لئے ہبہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہوا ہے۔ اور اس ہبہ نامہ کی رو سے نواب دولہ مذکورہ جائیداد کے شرعی مالک ہیں۔ اور پھر اس ہبہ کے نو سال کے بعد سن ۱۹۷۰ء میں حامد حسین کا انتقال

ہوگیا، پھر ۱۹۹۰ء میں زیتون کا بھی انتقال ہوگیا، تقریباً ۲۹؍سال کے درمیان اس ہبہ کے خلاف کسی قسم کا کوئی دعویٰ، یا کوئی تحریر سامنے نہیں آئی ہے۔ اور زیتون کے انتقال کے وقت میں بھی وصیت نامہ کے دعویٰ کرنے والے مرادآباد میں موجود نہیں تھے، اور چالیسویں کے زمانہ میں مدعیان آئے ہوئے تھے، اور ان کو ٹھہرائے جانے کے بعد بھی دسیوں سال تک وصیت نامہ کا کہیں سے تذکرہ بھی نہیں آیا ہے، پھر زیتون کے انتقال کے تقریباً بیس سال کے بعد وصیت نامہ دکھا کر جو دعوی کیا جارہا ہے، اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔ اور مذکورہ جائیداد کا نواب دولہ ہی شرعی مالک ہوگا؛ اس لئے کہ زیتون نے اپنی پوری زندگی میں وصیت نامہ لکھنے یا لکھوانے کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ١٠/ ٥٢٠، رقم: ٢٠٤٩٥)

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرك يجوز ذلك فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشك، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ٩/ ١٥٨، رقم: ١٢١٨٦)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، مصري قديم ٢/ ٢٥٣)

ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة. (هندية، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (تاتارخانية، زكريا ١٤/ ٣/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

الهبة عقد مشروع –إلى قوله– وتصح بالإيجاب والقبول والقبض. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۳۳ھ

ہبہ میں قبضہ کی شرعی حیثیت

سوال [۹۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبد المجید صاحب کا انتقال ہوا، انہوں نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی وحیداً، چار لڑکے: (۱) محمد نعیم (۲) محمد اکرام (۳) محمد اسلام (۴) محمد یامین، ایک بیٹی، وارث چھوڑے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ عبد المجید کی بیوی وحیداً اور ان کی ایک بیٹی کا کتنا کتنا حصہ ہوگا؟ کیوں کہ ان دونوں نے اپنا اپنا حصہ محمد اسلام کی بیوی ننھیا کے نام ہبہ رجسٹری کر دیا ہے، آپ بتائیں کیا یہ ہبہ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؛ لیکن یہ واضح رہے کہ اس ہبہ پر ننھیا کو قبضہ نہیں دیا ہے؛ بلکہ ان لوگوں کے حصے مشترکہ جائیداد میں شامل ہیں۔

المستفتی: محمد مبین محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کل ترکہ ۷۲؍ سہام میں تقسیم ہوکر لڑکوں کو ۱۴-۱۴؍ ملیں گے اور بیوہ کو ۹؍ اور لڑکی کو ۷؍ سہام ملیں گے۔ اور جب بیوہ نے اپنا حق ہبہ کر کے قبضہ نہیں دیا ہے، نیز بیٹی نے بھی ہبہ کر کے قبضہ نہیں دیا ہے، تو ننھیا وحیداً اور عبد المجید کی بیٹی کے حصہ کی مالک نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ ہبہ کے کامل ہونے کے لئے شرعی طور پر قبضہ شرط ہے۔ اور یہاں قبضہ نہیں ہوا ہے۔

والقبض لا بد منه لثبوت الملک. (هداية، كتاب الهبة، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۸۲)

الهبة تتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديوبند ۱/ ٤٦٢، رقم المادة: ۸۳۷)

يملک الموهوب له الموهوب بالقبض. (شرح المجلة ۱/ ٤٧٣، رقم المادة: ۸٦۱)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ۸/ ٤٩۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

ہبہ میں قبضہ کا شرعی حکم

سوال [۹۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اصغر حسین مرحوم کی پہلی بیوی نے ایک لڑکا تولد کر کے خدا کو پیاری ہوگئی، اس کے بعد اصغر حسین مرحوم نے دوسری شادی کی اس کے بطن سے چار لڑکے، چار لڑکیاں موجود ہیں، اب اصغر حسین مرحوم کی وراثت میں ایک بیوی اور ۵؍ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، مرحوم نے ۱۵۲؍ گز زمین چھوڑی ہے، اب ماں نے ساڑھے ۱۴؍ گز زمین لڑکیوں میں سے تیسری لڑکی کے نام میں کردی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ ماں نے جو ایک لڑکی کے نام زمین ساڑھے ۱۴؍ گز رجسٹری کردی یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارشاد حسین پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترکہ تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کرنے سے قبل مرحوم اصغر حسین کی دوسری بیوی کا اس میں سے کچھ حصہ اپنی تیسری لڑکی کے نام ہبہ اور رجسٹری کرنا صحیح نہیں؛ اس لئے کہ ہبہ مکمل ہونے کے لئے قبضہ دینا شرط ہے؛ لہٰذا پہلے مرحوم

اصغر حسین کی موروثہ ۱۵۲؍گز زمین شرعی طریقہ سے تقسیم ہوگی اور جب تمام وارثین کے حصے الگ الگ ہوجائیں تب وہ اپنے مقررہ حصہ میں سے جسے چاہے ہبہ نامہ یا رجسٹری کرواسکتی ہے۔

وشرائط صحتها (أي صحة الهبة) في الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع، مميزا غير مشغول. (درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، مصري، قديم ٢/ ٢٥٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/ ٢٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۲۸۹۶)	۹؍۶؍۱۴۱۷ھ

کیا ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے؟

سوال [۹۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والدمحترم کا انتقال ہوا ۱۹۵۴ء میں، اس وقت ہمارے گھر کی حالت نہایت پریشان کن مفلسی کا دور تھا، کافی قرض بھی تھا، وہ اس لئے کہ والدمحترم کافی عرصہ سے جلندھر کے مرض میں مبتلا رہے، میں یعنی سب سے بڑا لڑکا عمر اٹھارہ سال ہم سے چھوٹی بہن عمر پندرہ سال اس سے چھوٹی بہن عمر بارہ سال ایک بہن کا انتقال ہوگیا، پھر اس سے چھوٹا بھائی چھ سال اس سے چھوٹی بہن تین سال اس سے چھوٹا بھائی پانچ ماہ کا تھا اور والدہ محترمہ تھیں، گھر میں بنائی کا کام ہوتا تھا، والدصاحب کے وقت سے ہی والدہ محترمہ نے بھی بننے کا کام سیکھ لیا تھا، بہر حال جتنا ہوسکتا وہ بھی کام کرتی تھیں، میں یعنی بڑا بھائی والدمحترم کے انتقال کے وقت گھر پر موجود نہیں تھا، مالیگاؤں روزی روٹی کے چکر میں گیا ہوا تھا، وہیں مالیگاؤں میں پاورلوم

چلاتا تھا، محنت مشقت کر کے گھر والوں کے پیٹ بھرنے کا انتظام کرتا تھا، قرض بھی تھا؛ اس لئے والد صاحب کے انتقال کے فوراً بعد میں گھر نہیں آیا؛ بلکہ محنت کر کے جو قرض تھا وہ ادا کر کے لگ بھگ دوسال بعد گھر آیا، پھر جلد ہی مالیگاؤں واپس چلا گیا، پھر ایک سال بعد آیا، تو میری شادی کی والدہ کو فکر ہوئی، گھر بہت چھوٹا سا تھا، اس لئے لڑکی ملنے میں بھی کافی دقت ہوئی، بہرحال ایک سال کے بعد ہماری اور ہم سے جو چھوٹی بہن تھی اس کی شادی ہوئی، اس کے بعد یہیں ہمارے قصبہ سے تین چار کیلومیٹر پر ایک قصبہ ہے مئوائمہ وہاں بھی پاورلوم چلنا شروع ہو گیا تھا، اب میں وہیں مستری کے طور پر کام کرنے لگا، اس وقت وہاں پر کوئی بڑا کارخانہ تو نہ تھا، چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں مستری یعنی مقاومی کرتا تھا، سائیکل لے لی تھی، اور سب میں دوڑتا رہتا، جیسی ضرورت پڑتی اسی دوران کارخانہ دار دو بھائی ایک زمین خرید رہے تھے، ہم سے کہا تم بھی لے لو؛ اس لئے کہ ہمارا مکان بہت چھوٹا ہے، ان کو معلوم تھا، ہمیں خیال ہوا مشورہ ٹھیک ہی ہے، زمین بھی اس وقت سستی تھی، پچاس روپئے بسوہ چار بسوہ ہم نے بھی لے لی، دوسو روپئے میں، بقیہ ان دونوں بھائیوں نے لے لی، اور ساتھ ہی رجسٹری ہوگئی، مگر وہ زمین گھر کی مناسبت سے ہم کو پسند نہ تھی؛ اس لئے دوسری زمین کا ہم کو چکر لگا تھا، تبھی تین چار سال بعد ایک شخص ہم سے ملا اور اپنی زمین بیچنے کے لئے کہا، جو نہایت مناسب جگہ پر تھی، تین بسوہ تھی، دام وغیرہ معلوم کیا اور اس سے کہا کہ کم سے کم تین ماہ کا موقع دے دو، تو ہم لے سکتے ہیں، اس نے ایک ہزار روپئے کا سوال کیا اور کہا ایک ہزار روپئے دے کر بیع نامہ لکھا لو، پھر تین ماہ بعد رجسٹری کرا لینا، بہرحال معاملہ طے ہو گیا، ایک ہزار اس کو دے دیا، پھر اپنی پرانی زمین بیچ کر جس میں کافی نفع بھی ہوا اور دوسری زمین رجسٹری کرا لی، ابھی تک بھائی کا کوئی تعاون ہم کو نہیں ملا تھا؛ اس لئے کہ وہ ابھی تک پڑھنے لکھنے میں لگا رہا اور پھر میں نے اس زمین پر تعمیر بھی شروع کر دی؛ اس لئے کہ ہمارے پاس دو چار پاورلوم ہو گئے تھے، اور وہ دوسروں کے یہاں چل رہے تھے، اور ہم نے کارخانہ کی شکل میں بنوایا تھا،

اوپر رہنے کے لئے نیچے لوم کے لئے، اب جس بھائی کی عمر ہم نے چھ سال لکھی تھی، آٹھ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دو سال حافظہ پڑھا، مگر حافظہ میں نہیں چل سکا، تو اس کو بھی ہم نے کام میں لگالیا، پھر دو سال کے بعد ہم نے اس کی شادی کی، شادی کے پانچ سال کے بعد گھر میں فتنہ کھڑا ہو گیا، اس دوران میں تو مئوائمہ والے نئے مکان کارخانہ والے میں رہتا، وہ آبائی مکان پرانے میں رہتا تھا، کہ ایک دن تین آدمیوں کو لے کر آیا اور نئے مکان میں بٹوارہ ہو گیا، پھر چھوٹا بھائی بھی اپنے بچوں کے ساتھ نئے والے مکان میں رہنے لگا، اب بات کرنا چھوڑ دیا، میں نے تو بہت کوشش کی کہ بات چیت ہوتی رہے، علاحدہ رہنا کوئی برا نہیں، مگر وہ شخص کسی طرح راضی نہ ہوا، پھر میں نے چھوٹے بھائی کے ایک دوست سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ اپنا حصہ جو اس کو ملا ہے، ہم سے رجسٹری کرالے، تو اس کے دوست نے ہم سے کہا کہ رجسٹر کا آدھا پیسہ تم کو دینا ہوگا، میں نے کہا: میں اپنی کمائی کی رجسٹری کی زمین بھی دوں اور خرچہ بھی کروں، یہ تو ہم سے نہ ہوگا، اس کے بعد چھوٹے بھائی نے دوسری زمین جو اس بٹوارے کی کل زمین سے زیادہ ہے، خود خرید کر اپنا الگ مکان تعمیر کرلیا اور ان کے بچے اس میں رہنے لگے، وہ یہاں بھی رہتے وہاں بھی رہتے؛ اس لئے کہ کھانا وہیں ان کے مکان میں تھا، پھر کبھی رجسٹری کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی اور وہ دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کے بچے اپنے نجی مکان میں رہتے ہیں، متضاد مکان خالی پڑا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کے بیچ جو معاہدہ ہوا تھا وہ رد ہو گیا کہ نہیں اس مکان کا مالک کون ہے، چھوٹے بھائی کے لڑکے یا بڑا بھائی خود جس کے نام سے رجسٹری ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ کی پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو زمین بڑے بھائی نے اپنے خون پسینہ کی کمائی سے خریدی ہے، وہ پوری زمین اور مکان اسی بڑے بھائی کی ملکیت ہے، پھر گھر میں اختلاف پیدا ہونے کے بعد تین آدمیوں کی موجودگی میں بڑے

بھائی نے بخوشی بٹوارہ کر کے اپنی ملکیت کی زمین اور مکان کا جوحصہ چھوٹے بھائی کی ملکیت میں دے دیا ہے اور مزید بڑے بھائی نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اپنے حصہ کا مجھ سے رجسٹری کروالے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جوحصہ بٹوارہ کر کے چھوٹے بھائی کو دے دیا ہے وہ بڑے بھائی کی طرف سے بطور ہبہ چھوٹے بھائی کی ملکیت میں منتقل ہو گیا ہے۔اور چھوٹے بھائی نے باضابطہ قبضہ کر کے رہائش بھی اختیار کرلی ہے اور صرف سرکاری پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے رجسٹری کا مسئلہ باقی تھا، اس صورت حال میں وہ حصہ چھوٹے بھائی کی ملکیت ہو چکا ہے اور چھوٹے بھائی کے انتقال ہوجانے کے بعد وہ حصہ چھوٹے بھائی کے وارثین کی ملکیت شمار ہوگی اور دونوں بھائیوں کے بٹوارہ کا معاہدہ بدستور باقی شمار ہوگا؛ اس لئے کہ ہبہ شدہ حصہ پر قبضہ ہو چکا تھا، ہاں البتہ اب بھی رجسٹری کا خرچ ان کے وارثین پر لازم ہے۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ۱۰/ ۵۲۰، رقم: ۲۰۴۹۵)

الهبة تمليک العين بلا عوض، وحكمها ثبوت الملک للموهوب له، وتتم الهبة بالقبض الكامل في محوز مقسوم. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۴۸۸-۴۹۵، کراچی ۵/ ۶۸۷-۶۸۸)

وليس له حق الرجوع بعد التسليم في ذي الرحم المحرم، وفيما سوى ذلک له حق الرجوع إلا أن بعد التسليم لاينفرد الواهب بالرجوع بل يحتاج فيه إلى القضاء أو الرضاء. (هندية، كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، زكريا ۴/ ۳۸۵، جديد ۴/ ۴۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۱)

کیا قبضہ دینے سے ہبہ تام ہوجاتا ہے؟

سوال [۹۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے ایک بیوی دو عمر اور بکر لڑکے ایک لڑکی چھوڑی اور میراث میں کچھ زیور ایک زمین کا ٹکڑا جس کا عرض ۳۵ رگز اور طول ۴۵ رگز ہے چھوڑا، جس میں دو پختہ مکان بنے ہوئے ہیں۔ اور فاضل زمین میں لپٹس کے درخت لگے ہیں، اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے۔ اور باپ نے اپنی زندگی ہی میں مکان کا بٹوارہ کردیا تھا، اور ایک ایک مکان دونوں لڑکوں کو دے دیا تھا، اب میت کی بیوی کے گذارنے کی کیا صورت ہے؟ اور گزارہ کس طرح ہو آیا گزارے کا خرچ مثلاً ۷۵-۷۵ر روپئے دونوں لڑکوں پر ماہانہ تقسیم کردیا جائے اور ماں یہ رقم لے کر جس کے پاس چاہے رہے یا الگ پکا کر کھائے یا باری باری دونوں لڑکوں کے گھر پر کھانا کھائے، مگر ماں کا دل چھوٹے لڑکے بکر سے لگا ہوا ہے؛ کیوں کہ بڑے لڑکے عمر نے ماں کو بہت ستایا اور وہ اس سے ناراض ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی حد تک باپ کا ترکہ اور اس کی جائیداد سمجھی جائے گی؛ کیوں کہ لڑکوں نے جوان ہونے تک اور شادی ہونے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک ایک ساتھ اور ایک جگہ رہ کر کمایا ہے، کیا لڑکے اپنی اپنی کمائی ترکہ میں سے نکال لیں اور ترکہ میں شمار نہ ہو؟

(۳) نیز اگر کوئی لڑکی یا لڑکا اپنے باپ کا کٹر دشمن ہے اور اپنے باپ کو خوب گالیاں دیں اور خوب مارتا پیٹتا رہا تب بھی اس کو ترکہ میں حصہ دیا جائے گا؟

(۴) اور کیا باپ کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں وصیت کرجائے کہ نافرمان اولاد کو ترکہ نہ دیا جائے؟

(۵) کیا وہ اپنی زندگی میں یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی ساری جائیداد روپیہ پیسہ نافرمان مغضوب لڑکے کو چھوڑ کر باقی اولاد کو تقسیم کردے، یا ان کے نام کرادے؟ شریعت کے مطابق

نہایت واضح اور صاف عبارت میں جواب اسی پرچہ کے پشت پر عنایت فرمادیجئے۔

المستفتی: خلیل احمد انصاری، محلّہ ٹنڈولہ ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال اگر باپ نے اپنی حیات میں بحالت صحت دونوں مکان لڑکوں کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا ہے، تو دونوں لڑکے اپنے اپنے قبضہ شدہ مکان کے مالک ہوچکے ہیں، ان مکانات میں دیگر ورثاء کا حق نہیں ہوگا۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدرالمختار، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣، هندية زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١)

اور ماں کا خرچ شرعاً دونوں لڑکوں پر واجب ہے۔ اور نفقہ کی مقدار اور ماں کی رہائش کے بارے میں آپسی مشورہ سے طے کیا جائے، باری باری کے طریقے سے اور کسی ایک کے پاس رہ کر اور کسی دوسری جگہ رہ کر آپسی صلح ورضا مندی سے ہر طرح جائز ہے، خرچ ہر حال میں دونوں لڑکوں پر لازم ہے۔

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه، وأجداده، وجداته إذا كانوا فقراء.

(هداية، كتاب الطلاق، باب النفقة، أشرفي ديوبند ٢/ ٤٤٥)

(۲) باپ کے ساتھ رہ کر لڑکوں نے جو کمایا ہے وہ سب شرعاً باپ کی ملکیت ہے، باپ کے ترکہ میں سے اپنی کمائی کی مقدار الگ کرنے کا حق لڑکوں کو شرعاً نہیں ہوگا؛ بلکہ سب باپ کے ترکہ میں شمار ہوگا۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

(۳) وراثت کا حق شرعاً غیر اختیاری ہے، باپ کے نافرمان لڑکے کو بھی باپ کی موت کے بعد ترکہ میں سے شرعاً حصہ ملتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۶۳، جدید ڈابھیل ۲۰/۴۸۷)

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة ردالمحتار، کتاب الدعویٰ، مطلب: واقعة الفتوی کراچی ۷/ ۵۰۵، زکریا ۱۱/ ۶۷۸)

(۴) نافرمان اولاد کو ترکہ میں سے حصہ نہ دینے کی وصیت کو عرف میں عاق کرنا کہا جاتا ہے، شرعاً یہ وصیت معتبر نہیں ہوتی ہے۔ اور اولاد نافرمان کو بھی ترکہ میں سے حصہ مل جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۳۱۸)

(۵) نافرمان اولاد کو نہ دے کر اپنی زندگی میں نیک صالح اولاد کو دے دینا جائز ہے۔

لا بأس بأن یعطی من أولادہ من کان عالما متأدبا، ولا یعطی منهم من کان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، قدیم ۲/ ۳۵۸، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۴۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۵/ ۱۴۱۱ھ

ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے

سوال [۹۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زہرہ بیگم بیوہ نے اپنی حیات میں اپنا مکان نمبر ایک اپنی اکلوتی بیٹی جمیلہ بیگم کو تحریری طور پر بگواہ خلیل الرحمٰن، عزیز الرحمٰن، غلام مصطفیٰ، محمد سلیمان، عبد الخالق، نور الحق، حبیب الحق، مظہر الحق، حفیظ الرحمٰن، محمد انوار، محمد ادریس، سراج الحق ہبہ کر دیا اور مکان پر جمیلہ کو قبضہ بھی کرا دیا؛ لہٰذا جمیلہ مع اہل وعیال اور والدہ زہرہ بیگم کے رہنے لگی اور دوسرا مکان جو زہرہ بیگم نے اپنی حیات میں اپنے نواسوں (محمد صالح، احتشام الحق، تنویر الاسلام کو تحریری طور پر مذکورہ بالا بارہ گواہوں کی گواہی کے ساتھ ہبہ کر دیا؛ لیکن وہ مکان ہبہ سے پہلے سے کسی کو کرایہ پر دے رکھا ہے اور کرایہ دار اس میں اسکول چلاتے ہیں اور کرایہ تینوں نواسے وصول کرتے ہیں۔ اور تیسرا

مکان زہرہ بیگم نے اپنے چوتھے نواسے محبوب الحق کو ہبہ کردیا؛ لیکن وہ مکان ہبہ سے پہلے سے کسی غیر کے قبضہ میں ہے، اس کے تخلیہ کے لئے زہرہ بیگم نے اپنے داماد اور نواسے کے ذریعہ مکان پر قابض شخص سے عدالت میں مقدمہ چلایا اور مقدمہ کا فیصلہ عدالت نے زہرہ بیگم کے نام کردیا؛ لیکن مکان خالی نہیں ہوسکا کہ زہرہ بیگم کا انتقال ہوگیا، اب نواسے محبوب الحق کا لڑکا چلا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زہرہ بیگم کا اپنے تینوں مکانوں کا شکل مذکورہ بالا میں ہبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور جن کے نام ہبہ کیا گیا ہے وہ ان مکانوں کے مالک ہوئے یا نہیں؟ بیوہ زہرہ بیگم اپنی بیٹی داماد اور نواسوں کے پاس ہی رہتی تھیں، اور وہی سب ان کے نان ونفقہ کسوہ کا بار اٹھاتے تھے، دوسرے نمبر کے مکان میں رہ رہے کرایہ دار سے کہا گیا کہ یا تو کرایہ بڑھا کردیجئے یا مکان خالی کردیجئے؛ لیکن انہوں نے تاہنوز نہ ہی کرایہ بڑھایا نہ ہی مکان خالی کیا ہے، کچھ عرصہ سے محمد صالح، احتشام الحق اور تنویر الاسلام نے کرایہ لینا موقوف کردیا، نیز کرایہ دار جب تک کرایہ دیتے رہے جب تک کرایہ کی رسید پر مالک مکان بنام زہرہ بیگم ہی رہا، تیسرا مکان جس کا عدالتی فیصلہ زہرہ بیگم کی حیات میں زہرہ بیگم کے حق میں ہوگیا تھا؛ لیکن مکان تاہنوز موہوب الیہ محبوب الحق بھی خالی نہیں کراسکے۔ اور ۱۹۸۷ء میں زہرہ بیگم کا انتقال بھی ہوگیا اور محبوب الحق کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور اب محبوب الحق کے لڑکے شہاب عادل، تابش مسلم مکان کے تخلیہ کے لئے مقدمہ چلا رہے ہیں۔

المستفتی: تنویر الاسلام، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زہرہ بیگم نے اپنی اکلوتی بیٹی جمیلہ بیگم کو جو تحریری طور پر گواہوں کی موجودگی میں مکان ہبہ کیا ہے، جس پر جمیلہ کو اپنی زندگی میں قبضہ بھی دلادیا ہے، تو یہ ہبہ شرعاً معتبر ہے اور جمیلہ اس کی مالک ہوگئی۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک یجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله

عنه- قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشک، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ٩/ ١٥٨، رقم: ١٢١٨٦)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، هندية زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥، بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ١٧٦، كراچی ٦/ ١٢٣، هداية أشرفي ٣/ ٢٨٣، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٤٢، رقم: ٥٧)

وقال: جعلت لک هذه الدار، أو هذه الدار لک، فاقبضها، فهو هبة هكذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الهبة، زكريا قديم ٤/ ٣٧٥، جديد ٤/ ٣٩٦)

(۲) اور زہرہ بیگم نے جو دوسرے نمبر کا مکان اپنے تین نواسوں: محمد صالح، احتشام الحق، تنویر الاسلام کو تحریری طور پر گواہوں کی موجودگی میں ہبہ کیا ہے اور زہرہ کی زندگی میں ہی ان تینوں کی طرف اس کا کرایہ منتقل ہونے لگا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زہرہ نے ان کو قبضہ بھی دے دیا؛ لہٰذا یہ ہبہ بھی شرعاً معتبر ہے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، هندية زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥، بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ١٧٦، كراچی ٦/ ١٢٣، هداية أشرفي ٣/ ٢٨٣، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٤٢، رقم: ٥٧)

(۳) زہرہ بیگم نے تیسرے نمبر کا مکان جو اپنے چوتھے نواسہ محبوب الحق کو ہبہ کیا ہے، یہ قبضہ نہ دلانے کی وجہ سے ہبہ تام نہیں ہوا؛ اس لئے یہ ہبہ نا قابل اعتبار رہوگا۔ اور اس مکان میں زہرہ بیگم کے شرعی ورثاء کا حق متعلق ہو جائے گا۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر -رضي الله عنه- ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ١٠/ ٥٢٠، رقم: ٢٠٤٩٥)

ومنها: أن يكون الموهوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض. (هندية، كتاب الهبة، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

کیا الگ الگ کمروں میں رہائش دینے سے ہبہ مکمل ہوجاتا ہے؟

سوال [۹۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایک مکان مع صحن دار چند کمروں مع برآمدہ پر مشتمل ہے، نیچے کے دو کمروں میں دو لڑکوں کو رہائش کرادی اور تیسرے لڑکے کو اپنے کمرہ کے اوپر کمرہ بنوا دیا اور زید ان کمروں میں بھی متصرف رہا ہے، یعنی اپنی کتابیں صندوق اور اناج وغلہ وغیرہ ان ہی کمروں میں برابر رکھتے رہے ہیں اور کمروں کی برابر مرمت بھی کراتے رہے ہیں اور زید کی طرف سے کسی کو ان کمروں کا مالک بنانا اور قابض بنا کر خود بے دخل ہونے کی صراحت نہیں ہے، مکان کے قابل بٹوارہ ہونے کے باوجود زید نے مکان میں سے کسی کو کوئی چیز اپنے اور دوسرے لڑکوں کے درمیان محدود ومتعین ومفرغ کر کے الگ الگ نہیں کیا ہے؛ بلکہ تمام کمروں کی چھت اور اوپر کے کمروں میں جانے کا زینہ اور راستہ اور تمام کمروں کی دیواریں اور صحن سب مشترکہ ومشاع ہیں، مقاسمت کا عمل جو قبضہ تام کے لئے ضروری ہے زید کی طرف سے کبھی بھی نہیں ہوا ہے، زید کا انتقال ہو چکا ہے، اس بات کے معتبر گواہ موجود ہیں کہ جب ان سے مکان کے بٹوارہ

کرنے کو کہا گیا تھا، تو انہوں نے تقسیم کرنے سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ تقسیم میراث مرنے کے بعد ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں کسی ایک وارث کا ایسی چیز کو جو تملیک عین کے لئے قانوناً یا عرفاً موضوع نہیں ہے، ہبہ کا قرینہ قرار دے کر ہبہ کا دعویٰ کرنا کیا شرعاً درست ہے اور اس کو ایجاب ہبہ قرار دیا جاسکتا ہے جو کہ ہبہ کا رکن اعظم ہے، نیز صرف کیا دعویٰ کرنے سے ہبہ کا ثبوت ہو جائے گا؟ جب کہ کوئی شہادت بھی موجود نہیں ہے؟ اور دیگر وارثین ہبہ کے منکر ہیں یا پورے مکان کو ترکۂ زید قرار دے کر وارثین کے درمیان بقدر حصص شرعیہ تقسیم ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب با صواب سے نواز کر عنداللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد حنیف احمد آباد جمال پور، چیپاواڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کے الگ الگ کمروں یا الگ الگ منزلوں میں بیٹوں کو رہائش دینے سے باپ کی طرف سے نہ ہبہ شمار ہوتا ہے اور نہ ہی بیٹے رہائشی حصے کے مالک ہوتے ہیں۔ اور اس کو ہبہ کا قرینہ بھی نہیں قرار دیا جاسکتا؛ اس لئے باپ کے مرنے کے بعد رہائشی مکان کی ہر منزل میں ہر ایک شرعی وارث کا حق متعلق ہوگا۔ اور اسے شرعی طور پر تقسیم کرنا بھی لازم ہوگا۔ اور لڑکیاں بھی اس میں حصہ دار ہوں گی، اگر مکان قابل تقسیم نہیں ہے، تو اس کی قیمت لگا کر سارے حق داروں کے درمیان قیمت تقسیم کر دینا لازم ہے۔

وشرائط صحتها في موهوب: أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول، وركنها: هو الإيجاب والقبول. وتحته في الشامية: وذكر في الكرماني: أنها تفتقر إلى الإيجاب؛ لأن ملك الإنسان لا ينقل إلى الغير بدون تمليكه وإلى القبول؛ لأنه إلزام الملك على الغير. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ديوبند ٨/ ٤٩٠، كراچی ٥/ ٦٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲۰ھ

دستخط شدہ سادہ کاغذ پر دستخط کنندہ کی مرضی کے خلاف لکھوانا

سوال [۹۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کو اپنے انتقال سے ڈیڑھ سال پہلے پتھری کی بیماری ہوگئی تھی، تو آپریشن سے پہلے اپنے بھتیجے سے دو اسٹامپ پیپر منگوائے اور سادے کاغذ پر دستخط کر کے مجھے دے دیئے۔ اور کہا کہ اس میں جو چاہو لکھوا سکتی ہو، آج کل کی اولادوں کا کوئی بھروسہ نہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میں ان کی طرف سے ہبہ نامہ لکھوا سکتی ہوں اور اس کا شرعاً اعتبار ہوگا یا نہیں؟

المستفتیة: نسیم جہاں شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سادہ کاغذ پر دستخط کروانے کا کوئی اعتبار نہیں؛ بلکہ تحریر کے بعد دستخط کا اعتبار ہوتا ہے اور سادہ کاغذ پر دستخط کرا لینا اور لینے والے کا اپنی مرضی کے مطابق اس پر لکھنا اس آیت کریمہ کے مقصد کے خلاف ہے۔

فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ. [البقرة: ۲۸۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۸)	۱۵/۶/۱۴۱۶ھ

جس کا دماغی توازن درست نہ ہو اس سے ہبہ نامہ پر انگوٹھا لگوانا

سوال [۹۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریف احمد کے لڑکے کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے، کیا اس کی حیات میں اس کا حصہ کوئی دوسرا شخص لے سکتا ہے؟ اگر کوئی اس سے انگوٹھا لگوالے تو کیا ہبہ نامہ وغیرہ معتبر ہوگا؟

المستفتی: انصار احمد قاضی ٹولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریف احمد کے لڑکے کی موجودگی میں اس کا حصہ کوئی دوسرا شخص نہیں لے سکتا، اس کے مرنے کے بعد ہی اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا اور کسی کے شریف احمد کے لڑکے سے انگوٹھا لگوا لینے کی وجہ سے اس کا ہبہ معتبر نہ ہوگا؛ کیوں کہ ہبہ کے لئے عاقل وبالغ کا ہوش وحواس درست ہونا شرط ہے اوراس کے ہوش وحواس اور دماغی توازن درست نہیں؛ اس لئے اس کا ہبہ معتبر نہیں۔

وهل إرث الحي من الحي أم من الميت؟ المعتمد الثاني، وتحته في الشامية قوله من الحي: أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته. (شامي، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٣، كراچی ٦/ ٧٥٨-٧٥٩)

وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك فلا تصح هبة المجنون. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٤، زكريا ٧/ ٤٨٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٣٩٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤١٢، رقم: ٢١٥٣٦، شامي، زكريا ٨/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۶۰)	۱۴۲۴/۳/۵ھ

شرعی ثبوت کے بغیر محض سول جج کے فیصلہ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی

سوال [۹۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکیم نوشہ خان صاحب، چندہ خان صاحب، حامد علی خان صاحب اورسلیمان خان صاحب، یہ چار بھائی تھے، ان چاروں میں سے سب سے بڑے بھائی حکیم نوشہ خان صاحب اورسب سے چھوٹے بھائی سلیمان خان صاحب نے شادی نہیں کی، یہ دونوں لاولد رہے،

چندہ خان صاحب اور حامد علی خان صاحب نے شادی کی اور چندہ خان کے ایک لڑکا چار لڑکیاں اور حامد علی خان کے چھ لڑکے اور دولڑکیاں پیدا ہوئیں۔ضروری بات یہ ہے کہ چندہ خان اور حامد علی خان کے کوئی مکان اپنی ملکیت کا باقی نہیں رہا، جوتھا وہ خرد برد کرکے ختم کردیا۔اور حکیم نوشہ خان صاحب جنہوں نے شادی نہیں کی تھی ،ان کے دو مکان تھے، دونوں مکانوں میں سے ایک مکان واقع محلّہ بھٹی حامد علی کے دولڑکے حکیم شاکر علی خان اور کوثر علی کے نام ہبہ کرکے قبضہ دے دیا اور سول جج کے ذریعہ ہبہ کے اقرار نامہ پر حکیم نوشہ خان صاحب نے اقراری دستخط کیا ہے۔اور دوسرا مکان حامد علی کے لڑکے رحمت علی کے نام سول جج کے ذریعہ سے ہبہ کردیا اور سول جج کے فیصلہ کے مطابق سرکاری کاغذات موجود ہیں۔اور سب سے چھوٹے بھائی سلیمان خان کے چار مکان تھے،ان میں سے ایک مکان واقع محلّہ کھوکران سرائے کشن لال اپنے بڑے بھائی نوشہ خان صاحب کے نام وصیت کردی، پھر اس کے بعد نوشہ خان صاحب نے اپنے بھتیجے رحمت علی خان وشاکر علی خان کو زبانی ہبہ کردیا، پھر اس کے بعد نوشہ خان صاحب کے مشورہ سے دونوں موہوب لہ نے مدرسہ شاہی کے نام وقف کردیا۔باقی تین مکان واقع محلّہ بھٹی بڑے بھائی نوشہ خان صاحب کو وصیت کردی اور پھر نوشہ خان صاحب نے ان تینوں مکانوں کو اپنے چھوٹے بھائی حامد علی خان کے لڑکے رحمت علی اور شاکر علی کے نام رجسٹری وصیت کردی۔اور بقیہ بھتیجے زاہد علی خان، شرافت علی خان، شاہد علی خان، کوثر علی خان کے نام کچھ نہیں کیا۔اور چندہ خان کے بیٹے خورشید احمد خان کے نام بھی کچھ نہیں کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جن پانچ بھتیجوں کو کچھ بھی نہیں دیا گیا ہے، ان کو اس جائیداد میں سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟ وہ پانچ حسب ذیل ہیں:

حامد علی خان کے بیٹے زاہد علی ،شرافت علی خان، شاہد علی خان، کوثر علی خان، لیاقت علی خان عرف چندہ خان کے بیٹے خورشید احمد خان۔ یہ پانچوں اس بات کے دعویدار ہیں کہ جو کچھ بھی وصیت سے متعلق رحمت علی خان اور شاکر علی خان دعویٰ کرتے ہیں کہ سلیمان علی خان

نے نوشہ علی خان کو وصیت کرنے کی بات اسی طرح رحمت علی خان اور شاکر علی خان کے نام ہبہ کرنے کی بات اور شاہی مسجد کے نام وقف کرنے کی بات یہ سب فرضی کاغذات بنا کر فرضی دعویٰ ہے؛ اس لئے ان میں ہم لوگوں کا بھی مکمل طریقہ سے حصہ ہے اور فرضی کاغذات بنا کر فرضی دعویٰ پیش کرنا چاہتے ہیں ؛ لہٰذا شریعت اسلامیہ کا اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ اس سے ہم کو آگاہ کر دیا جائے کہ جن لوگوں کو ملا ہے وہی اس کے حق دار ہیں، یا جن کو نہیں ملا ہے وہ بھی حق دار ہیں؟

المستفتی: رحمت علی خان محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمام کاغذات کا بار بار مطالعہ کیا گیا، آخر ہم شرعی طور پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ حکیم نوشہ علی خان کے دو مکانوں کے بارے میں جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ انہوں نے ان دو مکانوں میں سے ایک مکان واقع محلّہ بھٹی حامد علی خان کے دولڑکے شاکر علی خان اور کوثر علی خان کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دیا اور سول جج کے فیصلہ نامہ پر حکیم نوشہ علی خان نے اقراری دستخط کر دیئے۔ اور دوسرا مکان حامد علی خان کے لڑکے رحمت علی خان کے نام سول جج کے ذریعہ ہبہ کر دیا، ان دونوں مکانوں کے بارے میں کاغذات پر خوب غور وخوض کر کے دیکھا گیا، تو اس میں نوشہ علی خان کی طرف سے ہبہ کی صراحت ہم کو نہیں ملی اور سول جج کا فیصلہ جو ہمارے پاس موجود ہے، اس میں شاکر علی خان اور کوثر علی خان کے نام سے ہبہ یا عویٰ کچھ نہیں ثابت ہے؛ اس لئے شاکر علی خان اور کوثر علی خان کے نام سے جو ہبہ کرنے کی بات ہے وہ ہمارے سامنے ثابت نہیں ہوسکی اور رحمت علی خان کے نام سے جو فیصلہ کی بات ہے، اس کے متعلق سول جج کا فیصلہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ سوال نامہ میں دعویٰ کیا گیا کہ نوشہ علی خان کے اس پر اقراری دستخط ہیں، سول جج کے فیصلہ میں ہمیں نوشہ علی خان کا اقراری دستخط نہیں ملا اور محض سول جج کے فیصلہ کی وجہ سے ملکیت کا ثبوت نہیں ہوتا، جب تک کہ اصل مالک کی طرف سے شرعی ہبہ کا ثبوت نہ ہوجائے اور اصل مالک کی

طرف سے شرعی ہبہ کا ثبوت ہم کو حاصل نہ ہوسکا؛ لہٰذا رحمت علی خان کے نام سے جس مکان کے ہبہ کا دعویٰ ہے وہ بھی شرعی طور پر ہمارے سامنے ثابت نہیں ہوسکا اور سلیمان خان کے چاروں مکانوں کے متعلق جو سوال نامہ میں ذکر ہے کہ سلیمان خان نے نوشہ علی خان کو چاروں مکانوں کی وصیت کردی تھی اور سلیمان خان لاولد تھے، تو سلیمان خان کے چاروں مکانوں کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ حکیم نوشہ علی خان شرعی طور پر سلیمان خان کے وارث ہیں اور شریعت کے نزدیک وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے حکیم نوشہ علی خان وصیت کے ذریعہ سلیمان خان کے چاروں مکانوں میں سے کسی ایک مکان کا بھی مالک نہیں ہوا، پھر اس کے بعد نوشہ علی خان کا موصیٰ لہ بن کر مالکانہ تصرف بھی صحیح نہیں ہوا؛ لہٰذا بعد میں ان چاروں مکانوں میں سے ایک مکان واقع محلّہ کھوکران سرائے کشن لال اپنے بھتیجے رحمت علی خان وشاکر علی خان کو زبانی ہبہ کردینا بھی درست نہ ہوا، پھر اس کے بعد نوشہ خان کے مشورہ سے دونوں موہوب لہ کا اس مکان کو مدرسہ شاہی کے نام وقف کردینا بھی درست نہیں ہوا؛ لہٰذا مدرسہ شاہی پر اصل واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ مکان وارثین کو واپس کردینا لازم ہے، اس میں سلیمان خان کے تمام وارثین کا حق متعلق ہے، جو بھی اس کے وارث بن سکتے ہوں۔ اور سلیمان خان کے باقی تین مکانات واقع محلّہ بھٹی نوشہ علی خان کا ان مکانوں کا موصی لہ بن کر اپنے بھتیجے رحمت علی اور شاکر علی کے نام وصیت کردینا بھی درست نہیں ہے، نیز نوشہ علی خان کو وراثت کے ذریعہ سے سلیمان خان کے مکانات میں سے جو کچھ بھی مل سکتا تھا، اس کی بھی دو بھتیجوں کے نام وصیت کردینا اور باقی پانچ بھتیجوں کو اپنی وراثت سے محروم کردینا درست نہیں ہوا؛ اس لئے تمام بھتیجے نوشہ علی خان کے وارث ہیں۔ اور بعض وارث کے حق میں شریعت میں وصیت درست نہیں ہے؛ اس لئے سلیمان خان کے چاروں مکانات اس کے شرعی وارثین کی وراثت میں منتقل ہوجائیں گے اور وصیت باطل ہوجائے گی، اسی طرح نوشہ علی خان کی وصیت بھی شرعی طور پر باطل ہوگی اور اس کی ملکیت کی چیزیں بھی اس کے تمام شرعی وارثین کے حق میں منتقل

ہوجائیں گی؛ لہٰذا مذکورہ مکانات کے مالک صرف رحمت علی خان وشاکر علی خان نہیں ہوسکتے؛ بلکہ ساتوں بھتیجے، رحمت علی خان، شاکر علی خان، شرافت علی خان، کوثر علی خان، شاہد علی خان، لیاقت علی خان، خورشید احمد خان، حقیقی بھائی کے زندہ نہ ہونے کی صورت میں سب برابر کے شریک ہوں گے اور یہ سب متفق ہوکر بلا کسی اختلاف کے بعد میں مدرسہ شاہی کے لئے کچھ وقف کرنا چاہیں تو وہ ان کے اختیار میں ہے۔ اوران پر کوئی زورا ورد باؤ نہیں ہوسکتا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشک، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸٦)

عن أبي أمامة الباهلي –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارک وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام، رقم: ۲۱۲۰، سنن ابي داؤد، باب في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹٦، دارالسلام، رقم: ۲۸۷۰، سنن الدارمي، دارالمغني للنشر والتوزيع ٤/ ٦۳، رقم: ۳۳۰۳)

والقبض لا بد منه لثبوت الملک. (هداية، كتاب الهبة، اشرفي ۳/ ۲۸۳)

ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام: إن الله أعطى كل ذي حق حقه، ألا لاوصية للوارث؛ ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض، ففي تجويزه قطيعة الرحم، ولأنه حيف بالحديث الذي رويناه. (هداية، كتاب الوصية، أشرفي ٤/ ٦٥٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۷/۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/رجب ۱۴۲۵ھ

شرعی گواہوں کی شہادت یا ثبوت کے بغیر ہبہ کے دعویٰ کا اعتبار نہیں

سوال [۹۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم حاجی محمد جان صاحب کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اپنے وارثین میں چھ لڑکیاں اور چار پوتے چھوڑے اور ملکیت چھوڑی، کچھ بمبئی میں اور کچھ اپنے وطن میں اور بمبئی کی ملکیت کی تفصیل یہ ہے کہ بمبئی میں پگڑی کا ایک مکان ایک گاڑی اور ایک دوکان میں حصہ تھا، مرحوم کا ایک لڑکا محمد عمر نامی تھا، جس کا انتقال اپنے والد صاحب سے قبل ہوگیا تھا، محمد عمر کے چار لڑکے تھے، اب محمد عمر کی بیوی حمیدہ کا کہنا ہے کہ جان محمد بھائی نے اپنے لڑکے محمد عمر کو بمبئی کی تینوں ملکیتیں بخشش کردی تھیں۔ اور پگڑی کے مکان کی کرایہ داری اپنے لڑکے کے نام منتقل کردی تھی اور کرایہ کی رسید بھی لڑکے کے نام پر ہی آئی تھی اور کرایہ بھی لڑکا ہی ادا کرتا تھا اور قبضہ بھی دے دیا تھا، یعنی لڑکا ہی گاڑی دومکان اور مکان میں مالکانہ تصرف کرتا تھا اور حاجی جان محمد اپنے وطن تینی واڑہ چلے آئے تھے، ہبہ کے تقریباً چار سال بعد جان محمد بھائی کا لڑکا محمد عمر کا انتقال ہوگیا، لڑکے کے انتقال کے بعد مذکورہ تینوں ملکیتیں مرحوم کی بیوی بچوں کے تصرف میں رہیں، اس کے بعد حاجی جان محمد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد بھی تقریباً ۱۹؍سال تک مذکورہ تینوں ملکیتیں محمد عمر کی بیوی بچوں کے تصرف میں رہیں۔ اب ۱۹؍سال کے بعد مرحوم حاجی جان محمد صاحب کی چھ لڑکیاں اپنے والد صاحب کی ملکیت میں حق وراثت مانگ رہی ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ہمارے والد نے ان کی کوئی ملکیت ہمارے بھائی کو بخشش نہیں کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہبہ کی منکر ہیں؛ اس لئے والد صاحب کی تمام ملکیت میں ہمارا حق وراثت لگنا چاہئے اور ۱۹؍سال تک حق وراثت کا مطالبہ نہ کرنے کی وجہ یہ بتلاتی ہیں کہ چونکہ ہمارے بھتیجے بہت چھوٹے تھے: اس لئے ہم نے حق وراثت مانگنا مناسب نہ سمجھا اور ہم اس پر مطمئن تھے کہ جب وہ بڑے ہوجائیں گے تو وہ خود ہی اپنی فکر سے دے دیں گے، مگر انہوں نے ہم کو کسی طرح کا حق نہیں دیا، صرف سات سات

ہزار بغیر حساب کے اندازے سے دے دئے؛ اس لئے ہمارا حق وراثت باقی ہے، مذکورہ تفصیل کے پیش نظر چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) صورت مسئولہ میں مدعی کون ہے اور مدعی علیہ کون؟ جب کہ محمد عمر کی بیوی اور بچے جان محمد صاحب کی ملکیت میں ہبہ کے دعویدار ہیں اور لڑکیاں ہبہ کی منکر ہیں؟

(۲) جان محمد صاحب کی لڑکیاں وراثت میں مطالبہ کررہی ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) لڑکیوں نے جو سات سات ہزار روپے لئے ہیں وہ بغیر حساب وکتاب کے اندازے سے لئے ہیں اور اس میں بھی ان کی رضامندی نہیں تھی، تو اس کو مصالحت قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: ابوبکر بھائی پٹیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مرحوم حاجی جان محمد صاحب کی ملکیت جوان کے لڑکے کی تحویل میں تھی اور لڑکا اس پر تصرف کررہا تھا، تو محض تصرف کرنے سے اس کی ملکیت نہیں سمجھی جائے گی اور حمیدہ (بیوی) کا یہ دعویٰ کرنا کہ جان محمد نے اپنے لڑکے محمد عمر کو بمبئی کی تینوں ملکیتیں ہبہ کردی تھیں تو اس کے لئے شرعی گواہوں کی شہادت یا اس کے ثبوت میں رجسٹری شدہ سرکاری طور پر پکا کاغذ ہونا لازم ہے، محض کسی کے نام پر کرایہ داری کو منتقل کردینے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی، اب جب کہ محمد عمر کے انتقال کے بعد حاجی جان محمد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا ہے، تو حاجی جان محمد صاحب کی ساری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اس کے تمام وارثین کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوگی۔ اور وراثت میں حاجی جان محمد کی تمام لڑکیوں کو مکمل حصہ ملے گا۔ اور لڑکیوں کو جو سات سات ہزار روپے دئے گئے ہیں، جب کہ لڑکیاں اس مصالحت پر راضی نہیں ہیں، تو اس کو مصالحت قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ اس کو ان کے حق وراثت میں مجریٰ کردیا جائے گا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه-

قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ١٠/ ٥٢٠، رقم: ٢٠٤٩٥)

وتتم الهبة بالقبض الكامل، ولو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به، والأصل أن الموهوب إن مشغولا بملك الواهب منع تمامها. (درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۸ھ

جائیداد تقسیم ہونے سے قبل ہبہ کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذکی الدین مرحوم کا انتقال ہوا، بوقت انتقال ان کے ورثاء میں صرف ایک بھائی تقی الدین تھے، پھر تقی الدین کا انتقال ہوا، انہوں نے اپنے ورثاء میں تین لڑکے محمد آصف، محمد خالد، محمد عثمان اور تین بیٹیاں نشاط پروین، نسرین فاطمہ، زرین فاطمہ اور بیوی تہذیب فاطمہ کو چھوڑا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ذکی الدین کا ترکہ مذکورہ وارثین میں شرعاً کس طرح تقسیم ہوگا، اور کس کو کتنے سہام ملیں گے؟ نیز واضح رہے کہ ذکی الدین

جو لا ولد فوت ہوگئے، انہوں نے اپنا حصہ اپنے بھتیجے محمد خالد کو ہبہ کردیا تھا، جب کہ جائیداد تقسیم نہیں ہوئی تھی ،تو شرعاً یہ ہبہ کیسا ہے؟

المستفتی: محمد آصف محلّہ تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ اور ہبہ نامہ دونوں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مرحوم ذکی الدین نے اپنا حصہ جو اپنے بھتیجے محمد خالد کو ہبہ کیا ہے، وہ مکان کے تقسیم ہونے سے پہلے ہبہ کیا ہے؛ لہٰذا جب انہوں نے تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ کئے بغیر ہبہ کردیا ہے،تو ایسا ہبہ شرعاً معتبر نہیں؛ اس لئے کہ ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے اور یہاں مال موہوب تقسیم شدہ نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ کے قابل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ہبہ درست نہیں ہوا۔

ومنها: أن يكون الموهوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض، وأن يكون الموهوب مقسوما إذا كان مما يحتمل القسمة، وأن يكون الموهوب متميزا عن غير الموهوب، ولا يكون متصلا ولا مشغولا بغير الموهوب. (عالمگيري، كتاب الهبة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥، شامي، زكريا ٨/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/ ٢٢٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، مصري قديم ٢/ ٢٥٣)

لہٰذا مرحوم ذکی الدین کی جائیداد ان کے شرعی وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

ذکی الدین میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
تہذیب فاطمہ	محمد آصف	محمد خالد	محمد عثمان	نشاط پروین	نسرین فاطمہ	زرین فاطمہ
۱			۷			
۹	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

مرحوم ذکی الدین کا ترکہ ۲۷ ر سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۹)

والد کا اپنے کچھ لڑکوں کے نام سے زمین خریدنا

سوال [۹۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار لڑکے ہیں، ایک لڑکا تین سال قبل کچھ رقم لے کر چلا گیا تھا، تین لڑکے ماں باپ کے ساتھ رہے اور کاروبار وغیرہ میں دلجمعی سے لگے رہے، جس کی وجہ سے تجارت میں ترقی ہوتی گئی، اب وہ لڑکا واپس آ گیا؛ لیکن تجارت یا گھریلو ذمہ داریوں کو قبول نہ کر کے مستقل نافرمانی اور باعث تکلیف ماں باپ ہے، اب اگر زید کوئی جائیداد خریدنا چاہتا ہے تو کیا (۱) تینوں لڑکوں کے نام خریدے؛ کیوں کہ ان کی محنت سے کاروبار میں ترقی ہوگی، اس میں کسی کی حق تلفی تو نہیں ہے؟

(۲) اگر چاروں لڑکوں کے نام خریدی جائے تو اس میں کوئی غیر انصافی کی بات تو نہیں؟ یا تینوں لڑکوں کی محنت اور حق کاٹ کر تو نہیں دیا گیا؟

(۳) اگر زید اپنی زندگی میں کسی کو جتنا چاہے دے دے وصیت کر جائے تو اس کا اختیار اس کو حاصل ہے؟

المستفتی: ابوعثمان کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کو اختیار ہے چاہے نافرمان لڑکا سمیت چاروں لڑکوں کے نام خریدے یا اس کو چھوڑ کر بقیہ تین لڑکوں کے نام خرید کر مالک بنا دے، شرعاً زید پر کوئی

چیز نہیں، جب کہ نافرمان کو محروم کردے۔ اور اگر دے دے تو دوسروں پر ظلم بھی نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۶۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۴۹۹)

وفي الخانية: ولا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنه عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار. (الدرالمختار، كتاب الهبة، كوئٹه ٤/ ٥٧٣، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١-٥٠٢، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، خانية جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٢٧٩)

وإن كان له ولد فاسق لا يعطيه، وينبغي أن لا يعطيه من قوته كي لا يصير معينا له على المعصية. (تاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥)

ولو كان ولده فاسقا، فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير له من تركة. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۱۹)

’’ایف ڈی‘‘ میں نام کرانے سے ہبہ کا ثبوت

سوال [۹۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) امام الدین کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ایک بیوی نور فاطمہ ایک لڑکا سراج الدین اور پہلی بیوی مرحومہ کے بطن سے ایک لڑکا علاء الدین، ایک لڑکی شاہدہ ہے، ترکہ میں تین لاکھ اکتالیس ہزار روپئے ہیں، جو والد نے اپنے نام ایف ڈی کرا رکھی ہے۔

(۲) میرے والد امام الدین نے دوسری ایف ڈی ایک لاکھ اکہتر ہزار -/1,71,000 روپئے کی کی، جس میں اپنا نام اور والدہ کا نام بھی ہے، مشترکہ ایف ڈی کرائی تھی۔

(۳) ایک تیسری ایف ڈی اس طرح کرائی تھی کہ صرف والدہ یعنی اپنی بیوی ہی کے نام کی تھی، جس میں ایک لاکھ انہتر ہزار-/1,69,000 روپئے ہیں۔ اور مذکورہ بالا تمام رقمیں والد صاحب ہی نے جمع کی تھیں؛ البتہ والد (اپنی دوسری بیوی) کا نام ڈلواتے تھے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ایف ڈی میں نام لکھوانے سے ملکیت و ہبہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ یا تمام ایف ڈی شدہ اپنے نام مشترکہ (شوہر و بیوی) یا صرف بیوی کے نام والی سب شوہر کی ملکیت ہوگی؟ یا جس میں بیوی کا نام ہے اس میں بیوی کا حصہ ہوگا؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سراج الدین درگاہ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ما تقدم مرحوم امام الدین کا ترکہ ان کے ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میـــت

	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
	نورفاطمہ	سراج الدین	علاء الدین	شاہدہ
	ا		ے	
سہام	۵	۱۴	۱۴	۷
ترکہ	۵۳۳۱۲	۱۴۹۲۷۵	۱۴۹۲۷۵	۷۴۶۳۷

مرحوم کا کل ترکہ ۴۰ ر برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے ترکہ کے سامنے درج ہے، نیز دوسری بیوی کی اولاد کے ہوتے ہوئے اس بیوی کے نام ایف ڈی کرانا گویا اس کو اپنے حصہ کا مالک بنانا ہے؛ لہٰذا بیوی کے نام کا حصہ اسی بیوی کی ملکیت ہوگی۔ اور شوہر و بیوی دونوں کے درمیان مشترکہ ایف ڈی دونوں کی ملکیت ہے؛ لہٰذا شوہر کا آدھا حصہ اس کے ترکہ میں شامل ہوکر حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا اور بیوی کا حصہ اس کی ملکیت ہے، اس میں کسی کو تصرف کا حق نہ ہوگا، نیز واضح رہے کہ ایف ڈی پر جو زائد رقم ملتی

ہے وہ سود ہے، وہ بلانیت ثواب غریبوں کو دے دینا لازم ہے۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣)

ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوى فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغا. (هندية، جديد زكريا ٤/ ٣٩٩، قديم زكريا ٤/ ٣٧٧، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٨٣)

الربا يقتضى أخذ مال الإنسان من غير عوض. (تفسير رازي، تحت تفسير الآية: ٢٧٥، من سورة البقرة ٧/ ٩٣)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۹)	۲۹/ ۱/ ۱۴۳۱ھ

موہو بہ مکان پر قبضہ کیا لیکن رجسٹری نہیں ہوئی

سوال [۹۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نذیر احمد نے اپنی بہن کلثوم بانو کو ان کے احسان کے بدلہ میں تیس گز زمین ہبہ کی اور اس زمین پر کلثوم بانو کا مالکانہ قبضہ کرا دیا، جس کے بعد کلثوم بانو نے اس زمین پر اپنی دوسری زمین ملا کر مکان تعمیر کر لیا اور نذیر احمد نے ہاؤس ٹیکس کی رسید بھی کلثوم بانو کے نام سے جاری کرادی؛ لیکن ابھی رجسٹری نہیں ہوئی تھی کہ نذیر احمد کا انتقال ہو گیا، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ہبہ شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟ اور کلثوم بانو اس مکان کی مالک بنی یا نہیں؟ جب کہ محلّہ والوں کا کہنا ہے کہ نہ یہ ہبہ صحیح ہے اور نہ ہی کلثوم بانو مکان کی مالک بنی ہیں؛ بلکہ یہ مکان مرحوم کے ورثاء کا حق ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سلطان خان محلّہ گلاب کا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذیر احمد نے جب بحالت صحت تیس گز زمین کلثوم بانو کو ہبہ کر کے مالکانہ قبضہ دے دیا ہے اور کلثوم نے اس پر مکان بھی تعمیر کرلیا ہے، تو ہبہ شرعاً صحیح ہو چکا ہے۔ اور ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے شرعاً رجسٹری شرط نہیں ہے؛ لہٰذا نذیر احمد کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کا اس میں حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی محلّہ والوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہبہ صحیح نہیں ہوا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

صحة الهبة بالإيجاب والقبول في حق الموهوب له؛ لأنه عقد فينعقد بهما كسائر العقود. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٥، زكريا ٧/ ٤٨٥، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٨٣، درمختار كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٢)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، قديم ٢/ ٣٥٣، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ٩١، زكريا ديوبند ٦/ ٤٩، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ٢/ ٩، دارالكتاب ديوبند ٢/ ١٠، هندية زكريا ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، درمختار كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۴/۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

ہبہ صحیح ہونے کے لئے رجسٹری کی شرعی حیثیت

سوال [۹۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص بدرالدین نامی قصبہ بھگوان پور کا تھا، تجارت اس کا پیشہ تھا، اس کے منافع سے اس نے بتیس بیگہ زمین خریدی، جس کے دو پلاٹ تھے، ایک اٹھائیس بیگہ کا اور دوسرا چار بیگہ کا یہ زمین اس کی زرخرید تھی، دادالٰہی نہیں ہے، بدرالدین کا ایک لڑکا تھا شمس الدین بدرالدین کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا، پھر دوسری شادی کرلی اس سے دو لڑکے ہوئے ایک جمیل احمد اور ایک عبدالرشید، ان میں سے جمیل تو پاکستان چلا گیا، اب یہاں عبدالرشید رہ گیا، بدرالدین نے اپنی ہی زندگی میں کل جائیداد عبدالرشید کے نام بیع کردی، شمس الدین کو کچھ نہیں دیا، یہ بات اب سے چالیس سال پہلے کی ہے، بدرالدین کے انتقال کے بعد شمس الدین نے کہا کہ زمین میں کچھ حق ہم رکھتے ہوں گے، اب چونکہ بیع نامہ رشید احمد کے نام ہے، کچھ برادری اور کنبہ کے لوگ اکٹھا ہوئے اور انہوں نے رشید احمد سے کہا کہ ان کو کچھ دے دو، ان کے کہنے کے مطابق چار بیگہ دے دی؛ لیکن بیع نامہ نہیں کیا اور نہ ہی کاغذات پٹواری میں درج کرایا گیا، یہ بات اب سے پندرہ سولہ سال پہلے کی ہے۔ شمس الدین میں اور عبدالرشید میں کسی کے کہنے سننے سے کشیدگی ہوگئی ہے، عبدالرشید نے جو زمین چار بیگہ دی تھی ان سے قبضہ غاصبانہ چھڑا کر یہ زمین خیل پور نصراللہ پور کی مسجد کو وقف بیع کردی، اب خیل پور نصراللہ پور کی مسجد کے لوگ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ زمین مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی کاشتکار اپنی زمین کسی کاشتکار کو محض زبانی طریقہ پر دے جس کا کوئی تحریری معاہدہ نہ ہو اور کاغذات سرکاری میں اس کاشتکار کے قبضہ کا کوئی ذکر نہ ہو، تو سرکار اس قبضہ کو غاصبانہ مانتی ہے اور وہ ہر وقت بے دخلی کے قابل ہے۔

المستفتی: حافظ اسرار ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عبدالرشید نے لوگوں کی موجودگی میں زبانی ہبہ کرکے شمس الدین کو قبضہ دے دیا ہے، تو اگرچہ بیع نامہ رجسٹری وغیرہ نہیں ہوا وہ زمین شرعی طور پر شمس الدین کی ملکیت میں داخل ہوچکی ہے، اب شمس الدین کی مرضی کے بغیر وہ زمین

مسجد کی ملکیت نہیں بن سکتی، مسجد والوں کو چاہیے کہ وہ زمین شمس الدین کو واپس کردیں یا قیمت دے دیں؛ کیوں کہ شریعت میں زبانی ہبہ بھی معتبر ہوجاتا ہے۔

وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ. [القصص: ٦٠]

الهبة عقد مشروع، وتصح بالإيجاب والقبول والقبض. (هداية، كتاب الهبة، اشرفيه ٣/ ٢٨٣، مختصر القدوري، ص: ١٣٥، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٢)

لہٰذا ہبہ صحیح ہونے کے لئے سرکاری کاغذات شرط اور لازم نہیں ہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۱۰/۳۱)

رجسٹری کے طور پر مکان ہبہ کرنا

سوال [۹۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد محترم کا چند دن بیشتر انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مکان اپنی لڑکی کے نام رجسٹرڈ کردیا اور زبانی اقرار کیا تھا کہ یہ تیرا مکان ہے اور میں تجھے ہبہ کرتا ہوں، دراں حالانکہ یہ مکان ابھی تیار شدہ نیا ہے، مزید انہوں نے ایک مرتبہ یہ کہا کہ میں چونکہ فی الحال ایک کرایہ کے مکان میں ساکن ہوں، اب میں تیرے اس نئے مکان میں رہوں گا اور اس کا کرایہ تجھے دے دوں گا، اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مکان اس لڑکی کا ہے یا وارثین میں تقسیم ہوگا؟

المستفتی: حبیب اللہ بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد کا نئے مکان کو لڑکی کے نام رجسٹری کرکے ہبہ کردینا اور یہ کہنا کہ یہ مکان تیرا ہے اور فی الحال کرائے کے مکان میں ساکن ہوں اور تیرے مکان میں

تجھے کرایہ دے کر رہوں گا، یہ سب باتیں ہبہ کے تام ہونے کی دلیل ہیں اور غیر منقول اشیاء میں ہبہ تام ہونے اور قبضہ شمار کئے جانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ باپ بیٹی کو ہبہ کردہ مکان میں کرایہ دے کر رہے، نیز سرکاری رجسٹری سے بھی آج کے زمانے میں قبضہ شمار ہوتا ہے؛ لہٰذا باپ کے انتقال کے بعد مذکورہ مکان دیگر وارثین کے درمیان میراث کی حیثیت سے تقسیم نہ ہوگا؛ بلکہ اس پورے مکان کی مالک وہی لڑکی ہے جس کے نام رجسٹری کی گئی ہے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرك أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

والقبض الكامل في المنقول ما يناسبه، وفي العقار ما يناسبه. (شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٤٦٣، رقم المادة: ٨٣٧)

وتفسير التسليم والقبض، فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية، والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلما، والمشتري قابضا له. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، تفسير التسليم والقبض، زكريا ٤/ ٤٩٨، كراچی ٥/ ٢٤٤)

والمراد بالقبض الكامل في المنقول ما هو المناسب، وفي العقار أيضا ما يناسبه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٢، مصري قديم ٢/ ٣٥٤، اللباب ٢/ ١٧١، لسان الحكام ١/ ٣٦٩، دررالحكام شرح غرر الحكام ٢/ ٢١٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

کسی کے نام جائیداد رجسٹری کرانے سے ہبہ کا ثبوت

سوال [۹۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ارشد ایک عالم دین ہے، ارشد کے دادا کی بہن نے اپنی کچھ جائیداد اپنی حیات میں ارشد کے نام کردی تھی اور ارشد کے پاس اس کا بیع نامہ موجود ہے، ارشد کی دادی نے ان کو وہ جائیداد اس نیت سے دی تھی کہ وہ اس میں مدرسہ قائم کرکے صدقہ جاریہ کا سلسلہ شروع کرے گا، ارشد کے دادا کی بہن کے وارثین میں صرف ان کے تین بھتیجے موجود ہیں اور کوئی نہیں ہے، نہ تو ان کا شوہر ہے اور نہ کوئی اولاد ہے، دادی کے بڑے بھتیجے ارشد کے گھر والوں سے کہہ رہے ہیں کہ مذکورہ جائیداد ہماری ہے، اس میں مدرسہ قائم نہیں کیا جاسکتا، تو مفتی صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جائیداد میں دادی کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بھتیجے کا اپنے لئے اس جائیداد میں دعویٰ کرنا درست ہے؟ جب کہ دادی نے وہ جائیداد ارشد کے نام اپنی حیات میں بخوشی کردی تھی، اب ارشد ان کی منشا کے مطابق مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے، اس بارے میں جو بھی حکم شرعی ہو بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتی: محمد ارشد، ساکن ذاکر کالونی ہاپوڑ روڈ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاف طور پر وضاحت ہے کہ ارشد کے نام بیع نامہ کرکے رجسٹری کردی ہے، تو ایسی صورت میں ارشد اس کا مالک ہوچکا ہے، اب اس میں اور کسی کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔

کل یتصرف في ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد دیوبند ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء. (بیضاوي شریف، کتب خانه رشیدیه دهلی ۱/ ۷)

لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (شامي، کتاب البیوع، مطلب في تعریف المال والملك والمتقوم، کراچی ۵/ ۵۰۲، زکریا ۷/ ۱۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۷؍۱۴۳۴ھ

کسی کے نام رجسٹری کرانے سے کیا وہ مالک ہو جائے گا؟

سوال [۹۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زندگی میں ایک لڑکی کے نام زمین کا ایک حصہ رجسٹرڈ کردیا ہے، اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ آیا زمین کے اس حصے کو بھی تقسیم ترکہ میں شامل کیا جائے گا یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ چونکہ زید نے لڑکی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے؛ اس لئے وہ اس کی ملکیت نہیں ہوئی؛ لہٰذا اس زمین کے حصے کو بھی ترکہ میں شامل کیا جائے گا، بکر کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد قریشی، بنگلور کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی زندگی میں ایک لڑکی کے نام زمین کا ایک حصہ رجسٹری کر کے مالک بنا دیا ہے، تو وہ لڑکی اس حصہ کی مالک بن گئی اور زمین جائیداد میں سرکاری رجسٹری کر کے اس کے کاغذات پر قبضہ دے دینا زمین پر قبضہ کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا زید کے مرنے کے بعد زمین کا جو حصہ لڑکی کے نام رجسٹری کر دیا گیا ہے میراث میں شامل نہیں ہوگا؛ بلکہ اس حصہ کی مالک وہی لڑکی ہے اور اس حصہ کو چھوڑ کر دیگر ترکہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک یجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قضی في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم یقبض، فهو میراث، قال: فدعوت یزید الرشک، فقسمها. (السنن الکبری للبیهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفکر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸۶)

والقبض الکامل في المنقول ما یناسبه، وفي العقار ما یناسبه. (شرح المجلة رستم، مکتبه إتحاد ۱/ ۴۶۳، رقم المادة: ۸۳۷)

وتفسیر التسلیم والقبض، فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلیة، والتخلي وهو أن یخلي البائع بین المبیع والمشتري برفع الحائل بینهما علی وجه یتمکن المشتري من التصرف فیه. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، تفسیر التسلیم والقبض، زکریا ۴/ ۴۹۸، کراچی ۵/ ۲۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

کیا نام کرنے کے بعد رجسٹری بیع نامہ کرانے سے ہبہ تام ہوجاتا ہے؟

سوال [۹۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عبدالغنی کا انتقال ہوگیا وارثین میں بیوی دو بیٹے، بیوی انوری بیگم بیٹے عبیدالغنی، انور حسین، مال متروکہ دو مکان، مکان نمبر ۱، ۳۵؍لاکھ روپئے کا، یہ بیع نامہ ہے بیوی اور بڑے بیٹے کے نام ۔ مکان نمبر ۲، ۵۲؍لاکھ روپئے کا، یہ بیع نامہ خود مرحوم عبدالغنی کے نام ہے اور چھوٹے بیٹے کے نام بیع نامہ کچھ بھی نہیں اور دونوں مکان کا مالک عبیدالغنی ہے۔

(۲) عبیدالغنی کا انتقال ہوگیا، اس کے وارثین میں بیوی، والدہ، بھائی انور حسین گود لی ہوئی بیٹی تبسم ناز، مال متروکہ بارہ لاکھ روپئے، ان دونوں ترکوں کو تقسیم شرع کے مطابق فرمادیں۔

المستفتی: انور حسین پیشکار محلّہ نواب گلی دھوبیان کاس گنج، کاشی رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم عبدالغنی نے بیوی اور بڑے بیٹے کے نام پینتیس لاکھ روپئے کا جو مکان بیع نامہ رجسٹری کر رکھا ہے وہ اگر دونوں کے نام برابر برابر کر دیا تھا اور ان کو مالک بنانے کے لئے کیا تھا، تو وہ دونوں اس کے نصف نصف کے مالک ہیں۔ اور اگر ان دونوں کے نام مالک بنانے کے لئے بیع نامہ رجسٹری نہیں کیا تھا؛ بلکہ کسی مصلحت یا کسی سرکاری قانونی پیچیدگی سے بچنے کے لئے کیا تھا، تو ایسی صورت میں یہ دونوں اس کے مالک نہیں ہیں؛ بلکہ اس مکان کے مالک بھی شرعی طور پر عبیدالغنی ہی ہوں گے؛ لہٰذا اصل واقعہ اور اصل حقیقت کیا ہے؟ مستفتی خود سمجھے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۸)

اس کے بعد عبدالغنی اور عبیدالغنی کے ترکہ کی تقسیم ملاحظہ فرمائیں۔ عبدالغنی کا کل ترکہ اولاً آٹھ سہام میں تقسیم ہوکر اس کی بیوی انوری بیگم کو ایک اور دونوں بیٹوں کو سات ملیں گے، پھر اس کے بعد دو کو آٹھ میں ضرب دینے سے سولہ ہوجائیں گے، تو عبدالغنی کی بیوی کو دو ملیں گے اور دونوں لڑکوں کو سات سات حصے ملیں گے، جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

عبدالغنی میت

بیوی انوری بیگم	بیٹا عبیدالغنی	بیٹا انوار حسین
۱	۷	
۲	۷	۷

اور عبیدالغنی کا کل ترکہ بارہ سہام میں تقسیم ہوکر اس کی بیوی کو تین سہام اور اس کی والدہ کو چار سہام اور باقی پانچ سہام اس کے بھائی انوار حسین کو ملیں گے، جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

عبیدالغنی میت

بیوی	ماں	بھائی
۳	۴	۵

اور گود لی ہوئی بیٹی تبسم ناز شرعی طور پر وارث نہیں ہوتی ہے، ہاں البتہ اگر زندگی میں اس کے نام سے ہبہ کر دیا ہو تو وہ اس کو ملے گا یا وصیت کر دی ہو اور وصیت کی مقدار ایک تہائی یا اس سے کم میں ہو تو وہ بھی ملے گا۔ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے تب بھی ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی، اگر ہبہ یا وصیت کچھ نہیں کیا ہے، تو تبسم ناز کو وراثت کے طور پر کچھ بھی نہ ملے گا۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۸ھ

مکان کا رجسٹری بیع نامہ کر کے دینے سے ہبہ کا ثبوت

سوال [۹۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالحمید کے چار لڑکے: (۱) محمد یونس (۲) عبدالقیوم (۳) محمد یعقوب سروری کے بطن سے اور ایک لڑکا محمد یوسف (پہلی بیوی سے) اس کے علاوہ دو لڑکیاں تھیں: (۱) فاطمہ بیگم سروری کے بطن سے اور (۲) بسم اللہ پہلی بیوی سے، عبدالحمید اپنے لڑکے محمد یونس سے بہت زیادہ ان کی خدمت کی بنا پر خوش تھے؛ لہٰذا وہ اپنا ایک مکان محمد یونس کے نام کرنا چاہتے تھے، تو محمد یونس نے کہا کہ ہمارا چھوٹا بھائی عبدالقیوم ہے، اسے بھی ملنا چاہئے، تو والد صاحب نے دو لڑکوں محمد یونس اور عبدالقیوم کے نام مکان بیع نامہ رجسٹری کرا دیا، بقیہ اولادوں کو اس مکان میں سے کچھ نہیں دیا، تو شرعاً دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مکان میں صرف محمد یونس اور عبدالقیوم کا ہی حق ہوگا یا دیگر ورثاء کا بھی حق ہوگا؟ پھر اس مکان میں سے جو حصہ عبدالقیوم کو ملا اس نے اپنے بھائی محمد یونس کے نام ۱۲ ہزار روپئے لے کر دے دیا، تو اب یہ پورا مکان محمد یونس کا ہو گیا یا نہیں، جب کہ اس مکان میں ہمارے ایک بھائی محمد یعقوب بھی قابض ہیں، وہ خالی نہیں کرتے، تو شرعاً انہیں اس مکان کو خالی کر دینا چاہئے یا نہیں؟ شریعت اسلامیہ کا جو بھی فیصلہ ہو تحریر فرما دیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد یونس سرائے ترین سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال جب کہ عبدالحمید نے اپنی زندگی میں اپنے دولڑکوں محمد یونس اور عبدالقیوم کے نام جو مکان بیع نامہ کرا دیا تو شرعاً محمد یونس اور عبدالقیوم اس مکان کے مالک ہیں، باپ کے مرنے کے بعد اس میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور عبدالقیوم نے بارہ ہزار روپئے لے کر جو اپنا حصہ محمد یونس کو دے دیا، تو اب شرعاً پورے مکان کا مالک محمد یونس ہے، آدھے کا باپ کے بیع نامہ کر دینے سے اور آدھے کا شریک بھائی سے خرید لینے کی وجہ سے، اب اس حصہ پر محمد یعقوب کا قبضہ شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ ملک غیر میں تصرف ہے جو جائز نہیں۔ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

عن سعيد بن زيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أخذ شبرا من الأرض ظلما، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/ ۳۳، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۴، رقم: ۳۰۹۴، ف: ۳۱۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۸)

موہوب لہ کے لئے ہبہ کے بعد ملکیت کا ثبوت

سوال [۹۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کی تین لڑکیاں تھیں، لڑکا کوئی نہیں تھا، زید کے انتقال کے وقت تینوں لڑکیاں حیات تھیں، زید کی وفات پر زید کے ان رشتہ داروں نے جن کا حصہ زید کی جائیداد میں ہوتا تھا، انہوں نے اپنا حصہ زید کی تینوں لڑکیوں کے حق میں برابر برابر چھوڑ دیا، یعنی اپنا حصہ نہیں

لیا، زید کے انتقال کے بعد زید کی دولڑکیوں کا انتقال ہوگیا، مگران دونوں لڑکیوں کے لڑکے حیات ہیں، زید اپنی جائیداد میں ایک مکان چھوڑ گیا تھا۔

(۲) زید کی بیوی ہندہ نے اپنی حیات میں ایک وصیت تحریر کروائی تھی، مکان کے تین برابر حصے ہوں گے، ایک حصہ میری حیات لڑکی کا ہوگا، دوسرا وتیسرا حصہ میری مرحوم لڑکیوں کے لڑکوں کا ہوگا، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ مکان کی تقسیم کس طرح ہو؟

المستفتی: محمد طاہر آزاد نگر ہلدوانی ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) زید کی موت کے بعد زید کی جائیداد میں سے زید کے تمام ورثاء کو حصہ ملے گا، اگر کسی حصہ دار نے مذکورہ طرز پر تقسیم کر دیا ہے تو صرف اس حصہ دار کا حصہ تینوں لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم ہو جائے گا، باقی دوسرے حصہ داروں کے حصے تقسیم نہیں ہوں گے؛ بلکہ شرعی طریقہ سے دوسروں کے حصے دوسروں کو ملیں گے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، أشرفي ١١٠، رقم: ٢٦٩، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١، شرح المجلة رستم مكتبه إتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧)

(۲) زید کی بیوی ہندہ کی وصیت زید کے مکان میں صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ہندہ کی ملکیت کا نہیں ہے اور غیر ملک میں شرعاً وصیت درست نہیں ہوتی؛ اس لئے زید کے ورثاء کے درمیان مذکورہ مکان شرعی طریقہ سے تقسیم ہو جائے گا، اس میں کسی کی وصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

لأنه تمليک مضاف إلى حال زوال مالكيته. (هداية، كتاب الوصايا، أشرفي ٤/ ٦٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۴۴)

غیر شرعی طریقہ سے ہبہ کا نفاذ

سوال [۹۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہاجرہ بی بی نے اپنے والدین کی جانب سے ملا ایک مکان اپنی زندگی میں اپنے چار لڑکوں میں سے ایک لڑکے انوار الحسن کو ہبہ کردیا، جس کی سرکاری طور پر اسٹامپ پر تحریر دے کرر جسٹری بھی کروادی، سرکاری قانون کے مطابق ریکارڈ میں نام تبدیل کروانے کے وقت ہاجرہ بی بی کے دولڑکے اسرار الحق اور مظہر الحق نے اپنی رضا اور رغبت سے بغیر کسی عذر دستخط کردیا ہے، ایک لڑکے محمد ظہیر کا انتقال ہاجرہ بی بی کی زندگی میں ہوگیا تھا۔

ہاجرہ بی بی کے شوہر نعمت اللہ کی ملکیت کا ایک مکان ہے، جس کو چند سال قبل پنچوں کے سامنے چاروں بھائی محمد ظہیر اور اسرار الحق اور مظہر الحق اور انوار الحق کے مابین برابر تقسیم کردیا گیا، ایک بھائی اسرار الحق نے اپنا حصہ اپنے بھائی محمد مظہر کو قیمت لے کر دے دیا۔ اور انوار الحق کے حصہ میں آیا ہوا مکان مظہر الحق کے مکان میں شامل کردیا اور اب بھی مظہر الحق کے مکان میں شامل ہے۔ اب انوار الحق اپنا حصہ جو والد کے مکان سے ملا ہے، چاہتا ہے تو تین بھائی یہ کہتے ہیں کہ کیوں تم کو تو ایک پورا مکان مل گیا ہے؛ اس لئے اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، جب کہ وہ مکان والدہ کا تھا، اسے اس کی والدہ نے اپنی زندگی میں ہبہ کردیا تھا، اور دوسرا مکان جس میں سے انوار الحسن اپنا حصہ چاہتا ہے وہ والد کا تھا اور اس کی تقسیم میں انوار الحق کو برابر شریک کیا گیا تھا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۲) ہاجرہ بی بی نے اپنی زندگی میں جو مکان اپنے ایک لڑکے انوار الحق کو ہبہ کردیا تو کیا دوسرے لڑکوں کی موجودگی میں جب کہ وہ راضی بھی ہوں صرف ایک کے نام ہبہ کیا جاسکتا ہے، جس کو ہبہ کیا گیا وہ شرعی طور پر اس کا مالک ہے؟ اور اب دوسرے لڑکوں کو اس میں سے اپنا حق مانگنے کا حق حاصل ہے؟

(۳) دوسرے بھائیوں کا یہ کہنا ہے کہ پہلے انوار الحق کو والدہ کی طرف سے ہبہ کئے گئے مکان میں سے ہمارا حق ہے، تب اس مکان میں سے جو والد کی ملکیت تھی، اس میں سے حق

ملے گا، کیا یہ کہنا صحیح ہے؟ جب کہ تقسیم ترکہ کے وقت اسے برابر شریک کیا گیا تھا اور اس طرح سے ہبہ کہہ کر اس کا حق نہ دینا دوسرے بھائیوں کے لئے جائز ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: انوار الحق بن نعمت اللہ اسماعیل پورہ، کامٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر ہاجرہ بی بی نے اپنی زندگی میں بحالت صحت اپنا مکان اپنے لڑکے انوار الحق کو ہبہ کرکے قبضہ دے دیا ہے، تو اگرچہ ہاجرہ بی بی کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا؛ لیکن شرعاً انوار الحق اس پورے مکان کا مالک ہو چکا ہے، اس سے دوسرے بھائی کا کوئی حق وابستہ نہیں رہا ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من فر من میراث وارثه قطع اللّٰه میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجة، باب الحیف في الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دارالسلام، رقم: ۲۷۰۳)

عن سلیمان بن موسی قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من قطع میراثا فرضه اللّٰه قطع اللّٰه میراثه من الجنة. (سنن سعید بن منصور، باب من قطع میراثا فرضه اللّٰه، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

رجل وهب في صحته کل المال للولد جاز في القضاء، ویکون آثما فیما صنع. (فتاوی قاضي خان، زکریا جدید ۳/ ۱۹٤، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۷۹، فتاوی بزازیة، زکریا جدید ۳/ ۱۲۳، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۲۳۷، هندیة زکریا قدیم ٤/ ۳۹۱، جدید ٤/ ٤۱٦، شامي، زکریا ۸/ ۵۰۲، کراچی ۵/ ٦۹٦)

(۲) موہوب لہ لڑکا ہبہ میں قبضہ شدہ مکان کا شرعی طور پر مالک ہو چکا ہے، اس میں دوسروں کا کوئی حق ثابت نہیں ہے۔

(۲) دوسرے بھائیوں کا مذکورہ دعویٰ شرعاً درست نہیں ہے، انوار الحق کو باپ کی جائیداد میں سے اپنا حصہ شرعاً ملے گا اور کسی کے لئے اس کو روکنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کے حوالے سے واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۴۵)

۲/ باب ما یجوز من الھبة و مالا یجوز

آدمی کو اپنی جائیداد میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے

سوال [۹۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب کے چار بھائی تھے: (۱) عطرت علی (۲) شرافت علی (۳) شوکت علی (۴) مختار احمد نابینا، ان چاروں میں دو بھائیوں کی شادی ہوئی اور دو بغیر شادی کے رہے، بغیر شادی والوں میں سے ایک بھائی کا انتقال ہو گیا اور جن دو بھائیوں کی شادی ہوئی ان کے اولادیں پیدا ہوئیں، عطرت علی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دو لڑکے، پانچ لڑکیاں چھوڑیں، اب ان بچوں اور بیوہ کے گذر اوقات کی ذمہ داری حافظ مختار نابینا نے سنبھالی اور بچوں کی پرورش کرتے رہے، جب ان بچوں نے ہوش سنبھالا، کام کرنے لگے، تو اب حافظ مختار احمد کی خدمت کرنے لگے، ان کے دوسرے بھائی شوکت علی خرچ اور مدد تو کیا کرتے بھائی ماننے ہی سے انکار کردیا اور باپ کی وراثت سے دور رکھنا چاہتے ہیں، حافظ مختار احمد نے عطرت علی کے بچوں کے نام اپنی کل جائیداد گھر اور جنگل کا بیع نامہ کر دیا، اس کے بعد شوکت علی کے بچوں کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا، پنچایت وغیرہ منعقد ہوئی اور حافظ مختار احمد کو بلا کر سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنی ملکیت کا کل اپنے بھائی کے بچوں کو دے دیا اور دوسرے بھائی کے بچوں کو کیوں محروم رکھا؟ حافظ مختار احمد نے کہا میرے تمام اخراجات یہ یتیم بچے اٹھاتے ہیں اور ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اور شوکت خود یا اس کے بچے میری کوئی بات نہیں سنتے اور نہ کھانے پینے یا کسی طرح کا خرچ اٹھاتے ہیں اور اوپر سے میرے بھائی ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں؛ اس لئے میں نے اپنی کل جائیداد عشرت علی وحشمت علی کو بیع نامہ کر دیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح یہ بیع نامہ کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ مختار اپنی جائیداد کے تنہا مالک ہیں، ان کو اختیار ہے کہ اپنی جائیداد جس کو چاہیں دے دیں اور جہاں چاہیں دے دیں، شرعی طور پر کسی کو اعتراض کرنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس کا اپنی تمام جائیداد صرف دو بھتیجوں کو بیع نامہ کر کے مالک بنا دینا شرعاً جائز اور درست ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک.

(بیضاوي شریف ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۸۴)

کیا والد کو اپنی جائیداد ہر طرح تقسیم کرنے کا حق ہے؟

سوال [۹۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم چار بھائی ہیں: (۱) الطاف حسین (۲) مشتاق حسین (۳) فیاض حسین (۴) ممتاز حسین۔ مشتاق والطاف کے اپنے اپنے مکانات ہیں، والد صاحب کا ایک مکان ہے، جس میں فیاض حسین رہتے ہیں، ممتاز حسین پردیس میں رہتے تھے، فیاض حسین نے والد صاحب سے وہ مکان خرید کر کے اپنے نام لکھوالیا، فیاض حسین کا کہنا ہے کہ جس نے کوئی پیسہ نہیں دیا والد صاحب کو، ممتاز کا کئی سال سے کوئی پتہ نہیں تھا، ممتاز کے آنے پر والد صاحب سوچنے لگے کہ میں نے یہ غلط کیا، مکان ایک بیٹے کے نام کر دیا، کہنے لگے والد صاحب یہ مکان میرا جس میں سے اپنے چھوٹے بیٹے کو بھی دینا چاہتا ہوں نہیں تو میں اپنی جان دے دوں گا، بہت ناراض رہے، اسی بات پر گھر چھوڑ کر نکل گئے، میرا چھوٹا بھائی کمزور ہے، اس کا کوئی مکان نہیں، میں اس مسئلہ سے آزاد ہونا چاہتا ہوں، تو ممتاز کا حق بنتا ہے کہ نہیں، ممتاز سے بھی کہا کہ فیاض سے آدھا مکان اپنے نام کرالے، میں نے ایسا نہیں کیا، مکان آج بھی میرے پاس

موجود ہے۔

المستفتی: فیاض حسین کٹار شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر فیاض نے اپنے باپ سے مکان مذکور خریدا ہے تو فیاض پر لازم ہے کہ اس مکان کی پوری قیمت باپ کو ادا کردے، تاکہ باپ اپنی دوسری اولاد کو بھی جائیداد میں سے دے سکے، یا باپ جس طرح چاہے مکان کو اسی طرح تقسیم کردے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ١١٠، رقم: ٢٦٩، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، شامي، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۱۹ھ

اپنا سارا سرمایہ ہبہ کرکے وارثین کو بے یارومددگار چھوڑنا

سوال [۹۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تین بھائی ہیں، سب سے بڑے جمیل اس کے بعد خلیل، اس کے بعد رفیق، تینوں کے حصے میں ۵۷-۵۷/ گز زمین ہے، جس میں سے جمیل نے خلیل کا حصہ ان کی زندگی میں خرید کے رفیق کے بچوں کے نام کردیا؛ کیوں کہ جمیل کی دو بیٹیاں ہیں، خلیل کے کوئی بچہ نہیں تھا، رفیق کے چار لڑکے ہیں، اب جمیل یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنا حصہ بھی رفیق کے بچوں کے نام

کردوں، جب کہ جمیل کی بیٹیاں ناراض ہیں اس بات سے؛ اس لئے آپ بتائیے کہ شریعت کے حساب سے ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ یا باپ کا حصہ دونوں لڑکیوں ہی کو ملے گا؟

المستفتی: محمد مستقیم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمیل اپنے مال کا اپنی حیات میں خود مالک ہے، وہ جس طرح اس میں تصرف کرنا چاہے کرسکتا ہے، اس کو اختیار ہے؛ البتہ جمیل کے اوپر لازم ہے کہ اپنے بھتیجوں کے مقابلے میں اپنی بیٹیوں کو ترجیح دے؛ اس لئے کہ جمیل کے مرنے کے بعد حقیقی وارث اس کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو بے یار ومددگار نہ چھوڑے اور سب سے بڑا ثواب ان ہی پر خرچ کرنے کا ہے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص -رضي الله عنه- كان رسول الله ﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتد بي -إلى أن قال- إنك أن تذر ورثتك أغنياء، خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس، وإنك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت بها، حتى ما تجعل في في امرأتك.

(بخاري شريف، باب رثاء النبي صلى الله عليه وسلم سعد بن خولة، النسخة الهندية ١/ ١٧٣، رقم: ١٢٨١، ف: ١٢٩٥)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء؛ لأن كون الشيء ملكا لرجل يقتضي أن يكون مطلقا في التصرف فيه كيفما شاء. (شرح المجلة للأتاسي ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

کچہری میں پیشکارکولوگوں کاہدیہ دینا

سوال [۹۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں کچہری میں پیشکار ضلع جج ہوں، لوگوں کے جس دن مقدمات چھوٹتے ہیں، وہ خون اور قتل کے معاملوں سے بری ہوجاتے ہیں، تو ان کے گھر والے سبھی کو کورٹ میں پیسے بانٹتے ہیں اور خوشی میں چپراسی بابو اور مجھے بھی دیتے ہیں، کبھی کبھی چپراسی خود مانگ لیتے ہیں، تو یہ روپیہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جب دوفریقوں میں کورٹ میں چل رہے قتل وخون، زنا کاری وغیرہ کے مقدمات میں فیصلہ ہوجاتا ہے، سمجھوتا ہوجاتا ہے، تو خلاف فریق دوسرے کے موافق بیانات دیتا ہے، تو وہ فیصلہ ہوجانے کی وجہ سے بیانات لکھنے کے بعد سرکاری وکیل کے ساتھ خوشی میں پیشکار کو بھی کچھ روپیہ دیتا ہے۔ اور اب تو فیصلہ ہونے پر لکھے گئے بیانات کے بعد فریق جس کے حق میں فیصلہ ہوجاتا ہے وہ ضرور پیشکار کو کچھ نہ کچھ رقم دیتا ہے، کبھی کبھی چپراسی یا سرکاری وکیل بھی کہہ دیتے ہیں کہ بھائی تم لوگوں کا فیصلہ ہوگیا ہے، کچھ دو خرچ کرو، تو یہ رقم میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور پیش کار ضلع جج، کاس گنج ریٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کچہری میں مقدمات جیت جانے کے بعد جس کے حق میں فیصلہ ہوچکا ہوتا ہے، وہ کسی کے دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے بابو چپراسی اور پیشکار کو کچھ پیسہ دے کر آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ پیسہ ان لوگوں کے لئے حلال ہے۔ اور اگر کوئی نہیں لیتا ہے تو وہ اس کا اپنا تقویٰ ہے؛ اس لئے کہ وہ رشوت نہیں ہے بلکہ رشوت تو وہ ہوتی ہے جو فیصلہ سے پہلے دی جاتی ہے، تاکہ اس کے حق میں فیصلہ ہوجائے۔

ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع، فأهدى إليه بعد ذلك فهو

حـلال لا بـأس بـه، وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فورع. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، كراچی ٥/ ٣٦٢، زكريا ٨/ ٣٥)

وفـي الـمـصباح: الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره؛ ليحكم له أو يحمله على ما يريد. (شامي، كراچی ٥/ ٣٦٢، زكريا ٨/ ٣٤)

(۲) فیصلہ ہوجانے کے بعد بابو چپراسی وغیرہ کو جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہو وہ کچھ پیسہ اپنی خوشی سے دے دے تو وہ رشوت نہیں ہوتی ہے۔ اور اس پیسے کے لینے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر جس کے حق میں فیصلہ ہو گیا ہوان کے اوپر دباؤ ڈالا جائے اور مطالبہ کیا جائے اور وہ دباؤ میں آکر کچھ دے دے، تو اس کا لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ بطیب خاطر خوشی سے یہ پیسہ نہیں دیا جارہا ہے؛ بلکہ دباؤ میں دیا جارہا ہے۔

ألا لا يـحـل مـال امـرئ مسـلـم إلا بطيب منه. رواه البيهقي وغيره.

(مشـكـوة/ ٢٥٥، شـعـب الإيـمـان لـلبيهـقـي، دارالـكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

وإن طـلـب مـنـه أن يسـوى أمـره ولم يذكر له الرشوة وأعطاه بعد ما يسـوى اختـلفوا فيه، قال بعضهم: لا يحل له أن يأخذ، وقال بعضهم: يحل، وهو الصحيح. (البـحـر الرائق، زكريا ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢، تاتارخانية، زكريا ١١/ ٧٨، رقم: ١٥٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۴۱)

بادشاہوں کی طرف سے قضاۃ کو دی گئی زمین فروخت کرنا

سـوال [۹۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک تحصیل کے قاضی صاحب جن کے متعلق تین تحصیلوں کے قضاۃ کی ذمہ

داری ہے، ان کو اپنے پچھلے قاضی حضرات سے کچھ زمین وجائیداد ورثہ میں ملتی آئی ہیں، یعنی یکے بعد دیگرے قاضی سے قاضی کو یہ زمینیں منتقل ہوتی ہوئی آئی ہیں، تو کیا موجودہ قاضی صاحب اس زمین کو فروخت کرکے اپنی آل اولاد میں تقسیم کرنے کا شرعاً حق رکھتے ہیں، جب کہ پچھلے قاضی صاحبان ان زمینوں کی کاشت وغیرہ سے استفادہ کرتے رہے ہیں، کیا اس طرح کی زمین فروخت کی جاسکتی ہے؟ ایک فریق کا کہنا ہے کہ قضاۃ کی زمین فروخت نہیں ہوتی ہے، مذکورہ زمینیں قاضی حضرات کو بادشاہوں اور نوابوں کی طرف سے بطور نذرانہ وتحفہ کے ملی تھیں۔

المستفتی: سیدزواراحمد، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بادشاہوں کی طرف سے زمینیں قاضیوں کو بطور تحفہ اور ہدیہ کے ملی ہیں اور بادشاہوں کی طرف سے قبضہ دے کر مالک بنا دیا گیا ہے، تو قاضی حضرات ان زمینوں کے شرعی مالک ہو چکے، پھر ان کے بعد کے ورثاء میں بطناً بعد بطن منتقل ہوتی ہوئی آئی ہیں۔ اور جن جن وارثین کو شرعی وراثت کے طور پر وہ زمینیں ملی ہیں، ان کو ان زمینوں میں مکمل مالکانہ تصرف کا حق ہے؛ لہٰذا بیچنے کا بھی حق ہے، کسی کو تحفہ اور ہدیہ میں بھی دینے کا حق ہے اور کسی کا یہ کہنا کہ قضاۃ کی زمین فروخت نہیں ہوتی وہ درست نہیں ہے، ہاں البتہ یہ اس وقت درست ہوسکتا ہے کہ جب بادشاہوں کی طرف سے ہبہ یا تحفہ کے طور پر نہ دی گئی ہو؛ بلکہ زمین صرف قضاۃ کے لئے وقف کی گئی ہو اور اس زمین کی پیداوار اور آمدنی قاضیوں کو ملیں گی اور یہاں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے۔

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧، شامي كراچى ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، قديم ٢/ ٢٥٣)

یملک الموهوب له الموهوب بالقبض. (شرح المجلة ۱/ ۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱)

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء. (بیضاوي، سورة فاتحة، کتب خانه رشیدیه دهلي ۱/ ۷، شرح المجلة رستم باز، إتحاد دیو بند ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

ہیجڑے کا ہدیہ قبول کرنا

سوال [۹۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو پیدائشی اعتبار سے بالکل صحیح وسالم انسان ہے، کسی قسم کی کمی نہیں، کچھ عرصہ پہلے ان کی شادی بھی ہوئی تھی، بال بچے بھی موجود ہیں؛ لیکن اب وہ دوسرا پیشہ اختیار کر چکے ہیں، جسے ''زنخا'' کہتے ہیں، یعنی ہجڑا پن، لوگوں سے پیسہ لیتے ہیں اور اپنی روزگاری اسی طرح چلاتے ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اب اگر مذکورہ زید اپنی اس کمائی میں سے اپنے بہن، بہنوئی کو کچھ تحفہ دینا چاہیں تو ان کے بہن بہنوئی کے لئے اس کمائی میں سے تحفہ تحائف لینا کیسا ہے؟ نیز اس کے اس عمل کی بنیاد پر اس سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ادریس، مدرسہ انصار العلوم قصبہ نرولی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہیجڑے کی کمائی حلال اور طیب نہیں ہے؛ لہٰذا زید اپنے اس روپیہ میں سے اگر اپنے بہن بہنوئی کے لئے ہدیہ کرنا چاہے تو ایسے ہدیہ کا قبول کرنا درست نہیں ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

أهدى إلى رجل شيئا، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦، تاتارخانية زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧، البناية شرح الهداية، أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٦-١٨٧)

نیز زید کا یہ عمل شرعاً قبیح ہے، جس کی وجہ سے تعلقات کے انقطاع کی گرچہ اجازت ہے؛ لیکن قطع تعلق اس دور میں زیادہ مفید نہیں ہے، میل جول رکھ کر اصلاح کی کوشش زیادہ مؤثر ومفید ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم/ ۲۹۹، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۱۶۷، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱/ ۹ ۲۷ تا ۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۰۵)	۱۰/ ۳/ ۱۴۲۲ھ

آبائی زمین بیچ کر لڑکوں کے لئے رہائشی مکان تیار کر دینا

سوال [۹۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس اپنا ذاتی مکان نہیں ہے، آبائی مکان بھائیوں کے حصہ میں آگیا تھا، زید کو کچھ پیسہ اور کچھ زمین ملی، زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں آبائی زمین میں سے کچھ حصہ فروخت کر کے اس پیسہ سے لڑکوں کے لئے رہائش کے لئے فی الحال زمین خرید دے، زید کے لڑکیاں بھی ہیں، بعض شادی شدہ ہیں اور لڑکے بھی بعض شادی شدہ ہیں، ان کو رہائش کے لئے پریشانی ہے، اس ضرورت کے پیش نظر سب لڑکوں کو ان کی رہائش کی ضرورت کے لئے آبائی زمین میں سے کچھ بیچ کر زمین خرید دے تو شرعاً اس طرح صرف لڑکوں کے لئے ان کی ضرورت کی وجہ سے کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یہ واضح رہے کہ آبائی زمین کا اکثر حصہ اس

طرح کرنے کے بعد بھی باقی رہے گا، ابھی باقاعدہ پوری جائیداد کی تقسیم کا ارادہ نہیں ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالاحد گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنی حیات میں اپنی زمین کا مالک ومختار ہے؛ لہٰذا زید کو اپنے حصہ میں آئی ہوئی زمین میں سے کچھ حصہ فروخت کر کے ضرورت مند بچوں کو زمین خرید کر کے دینے کی شرعاً اجازت ہے، البتہ جب لڑکوں کو دے کر مالک بنانا ہے، تو لڑکیوں کو بھی زندگی میں لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے اور لڑکیوں کی بخوشی اجازت اور مرضی کے بغیر صرف لڑکوں کو دینے میں باپ گنہگار ہوگا۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٤، ف: ٢٥٨٦)

وروي المعلى عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، وهو المختار. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، شامي، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٢٠١-٢٠٢، قاضي خان، فصل في هبة الوالد لولده الخ، جديد زكريا ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/۱۱/۱۴۳۴ھ

اپنی جائیداد بیوی کو ہبہ کر کے دخیل بنانا

سوال [۹۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) ایک جائیداد جو بنیادعلی کی خرید کردہ تھی، انہوں نے اپنی دوسری بیوی منی بیگم کو بذریعہ تحریر ہبہ نامہ قابض ودخیل بنادیا تھا، اس جائیداد میں کرایہ دار رہتے تھے، کرایہ بھی منی بیگم تاحیات وصول کرتی رہیں، پھر منی بیگم کے ایک لڑکے واجد علی نے اسی جائیداد کو کرایہ دار سے تقریباً ٦ رسال مقدمہ کے بعد چھڑالیا، مقدمہ والدہ منی بیگم کی حیات ہی میں شروع ہوگیا تھا، پھر یہ مقدمہ واجد علی نے جیت لیا تھا، منی بیگم کے ورثاء میں ایک لڑکا شفاعت خاں پہلے شوہر ایاز خاں سے اور ایک لڑکی اچھی بیگم بنت ایاز پہلے شوہر سے، اور دوسرے شوہر بنیاد علی سے دولڑکے (۱) واجد علی (۲) امجد علی ہیں۔

(۲) واجد علی نے جو مکان کرایہ دار سے چھڑانے میں مقدمہ وغیرہ میں خرچ کیا وہ اسے ملے گا؟ اور دیگر وارثان کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: واجد علی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) بنیادعلی نے اپنی مملوکہ جائیداد اپنی زوجہ ثانیہ منی بیگم کو ہبہ کرکے اپنی زندگی ہی میں کلی اختیار دے کر مکمل قابض اور دخیل بنادیا تھا اور بنیادعلی کی حیات ہی میں وہ موہو بہ جائیداد کے کرایہ کی خود مالک اور مختار تھیں، تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا تھا اور منی بیگم اس کی مالک تھیں۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۴۹۳، كراچی ۵/ ۶۹۰)

وتصح الهبة بالإيجاب والقبول، والقبض ...... والقبض لابد منه لثبوت الملك. (هداية، كتاب الهبة، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۸۳)

لہٰذا اس جائیداد میں منی بیگم کے تمام شرعی ورثاء حسب حصص شرعیہ حصے دار ہوں گے۔

ويقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته، أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة -إلى قوله- ويستحق الإرث، ولو لمصحف به يفتى برحم، ونكاح، وولاء. الخ (شامي، كتاب الفرائض، زكريا ۱۰/ ۴۹۷، كراچی ۶/ ۷۶۲)

اور بشرط صحت سوال و بعد ادائے حقوق ما تقدم و عدم موانع ارث مذکورہ جائیداد ورثائے مذکورہ میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

نوٹ: یہ جواب اس وقت ہے جب کہ سوال عین واقعہ کے مطابق ہو۔

میـــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
شفاعت خان	واجد علی	امجد علی	اچھی بیگم
۲	۲	۲	۱

منی بیگم کا ترکہ ۷؍ سہام میں منقسم ہو کر لڑکوں کو دو دو اور لڑکی کو ایک سہام ملے گا۔

(۲) واجد علی نے مقدمہ پر جو خرچ کیا تو چونکہ مرحومہ منی بیگم کی طرف سے واجد علی کو مقدمہ لڑنے کی اجازت تھی؛ لہٰذا وہ بقیہ ورثاء سے حسب حصص خرچ وصول کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۸۵)

شركة الملك أن يملك إثنان عينا إرثا، أو شراء –إلى قوله– وكل أجنبي في قسط صاحبه، أي كل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك إلا بإذنه لعدم تضمنها الوكالة.

(البحر الرائق، كتاب الشركة، كوئٹه ۵/ ۱٦۷، زكريا ۵/ ۲۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۱ ٦۲)

ترکہ سے ملا ہوا حصہ بیوی کو ہبہ کرنا

سوال [۹۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو اپنے والد کی طرف سے ایک مکان کا حصہ ترکہ میں ملا، زید کا اس پر قبضہ ہے، تو زید اس حصہ کو اپنی بیوی کے نام ہبہ کرنا چاہتا ہے، تو شرعاً اس کے لئے ہبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیداپنے حصہ کامالک ہے، اپنی بیوی کوہبہ کرسکتا ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوي شريف، كتب خانه رشيديه دهلي ۱/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۲)

دو بیوی میں سے لاولد بیوی کو بطور ہبہ کوئی خاص چیز دینا

سوال [۹۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اور وہ شخص سرمایہ دار ہے، دونوں بیویوں کو الگ الگ رہائش دے رکھی ہے، اور دونوں کے خرچ واخراجات کے معاملہ میں برابری ہے، شب باشی میں بھی دونوں کے ساتھ برابری ہے، نیز دونوں کے سکون اور راحت رسانی میں بھی بالکل برابری کا معاملہ ہے، کسی قسم کا فرق نہیں، مگر ایک کے پاس اولاد ہے، دوسرے کے پاس نہیں ہے، جس کے پاس اولاد نہیں ہے، اس کے بعد کے سہارا کے لئے کوئی خاص چیز بطور ہبہ اس کو دینا چاہتا ہے، تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟ اس میں دوسری کو نقصان پہنچانا ہرگز مقصد نہیں ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خرچہ اخراجات رات گذاری اور راحت رسانی میں برابری کا معاملہ ہے، تو شوہر کے لئے کسی ایک بیوی کو مخصوص اشیاء یا جائیداد کا ہبہ کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اس کی وجہ سے اللہ کے یہاں شوہر سے باز پرس نہیں ہوگی اور نہ شوہر گنہگار ہوگا، ہاں البتہ دوسری بیوی کی دلجوئی اور اس کو خوش کرنے کے لئے اس کو بھی ہبہ میں کچھ دے دیتا ہے، تو یہ شوہر کی طرف سے احسان ہے۔

إذا قام الزوج بالواجب من النفقة، والكسوة لكل واحدة من زوجاته، فهل يجوز له بعد ذلك أن يفضل إحداهن عن الأخرى في ذلك أم يجب عليه أن يسوي بينهن في العطاء فيما زاد على الواجب من ذلك كما وجبت عليه التسوية في أصل الواجب -إلى قوله- إن أقام لكل واحدة من زوجاته ما يجب لها، فلا حرج عليه أن يوسع على من شاء منهن بما شاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/ ۱۸۶، إرشاد الساري، دارالفكر ۶/ ۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۶ھ

والدہ کا اپنی چھوٹی بیٹی کو زمین دینا

سوال [۹۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حامد، محمود اور ساجد تینوں حقیقی بھائی ہیں، ان میں حامد اور محمود دونوں کی ساس ام سلمہ ہیں، جو کہ کٹرا میں رہتی تھیں، بعد میں انہوں نے اپنا گھر فروخت کردیا اور اپنی لڑکیوں کے یہاں آکر گونڈہ رہنے لگیں، ان بھائیوں کے والد نے گھر کی ایک زمین ام سلمہ کے ہاتھ چار ہزار روپئے میں فروخت کردی، ساجد نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد ان کے سارے زیورات فروخت کردیئے اور قیمت اپنے استعمال میں لے آئے اور حامد نے سعودیہ جاتے وقت ام سلمہ یعنی اپنی ساس کے زیورات فروخت کر کے اپنا کرایہ پورا کیا، اس طرح محمود کو کچھ نہیں ملا، نہ ماں کا نہ ساس کا، اب ام سلمہ اس زمین کو اپنی چھوٹی بیٹی کے نام کرنا چاہتی ہیں، بڑے داماد اور بڑی بیٹی دونوں انتقال کرچکے ہیں، ان کے بچے موجود ہیں، اب حامد کے بچے اور ساجد دونوں اس کی مخالفت کررہے ہیں، تو کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے کہ وہ اپنی مذکورہ زمین صرف اپنی چھوٹی بیٹی کے نام کرسکتی ہیں، چھوٹی بیٹی داماد شروع یعنی ۱۹۷۱ء سے ہی اب تک

برابران کی خدمت اور علاج کرتے چلے آرہے ہیں اور ابھی کررہے ہیں، بڑی بیٹی داماد سے کوئی مطلب نہیں رہا، بس کبھی کبھی سو یا پانچ سو روپئے دے دیا کرتے تھے، واضح فرما دیں کہ شرعی اعتبار سے ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: ابو منہاج فیض آباد روڈ، گونڈہ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر شخص اپنی مملوکہ چیز میں مالکانہ تصرف کرنے کا مکمل طور پر اختیار رکھتا ہے، چنانچہ ام سلمہ کو شرعی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین چھوٹی بیٹی کو اگر دینا چاہے تو دے سکتی ہے، اس پر بڑی بیٹی کے بچوں اور کسی دوسرے کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، كراچی ٥/ ٥٠٢، زكريا ٧/ ١٠)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ١/ ٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۷۲)	۱۴۳۲/۱/۵ھ

بحالت صحت مکان اپنی لڑکیوں کو ہبہ کرنا

سوال [۹۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چار بھائی اور دو بہنیں ہیں، میں نے اپنے والد کی چھت پر اپنے ذاتی پیسوں سے

مکان تعمیر کرایا اور نیچے کے حصہ میں دوسرے بھائی رہتے ہیں، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ جو میرا مکان ہے، وہ میرے مرنے کے بعد میری لڑکیوں کو ملے، میرے تین لڑکیاں ہیں، لڑکے نہیں ہیں، تو اس صورت میں کیا کروں کہ میری میراث صرف میری لڑکیوں کو ہی ملے؟

المستفتی: ضمیر الحسن کٹار شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے والد کے مکان کی چھت پر ان کی اجازت سے یا ہبہ کے بعد اپنے ذاتی پیسوں سے جو مکان تعمیر کیا ہے، آپ کے مرنے کے بعد اس مکان میں لڑکیاں دوثلث کی حق دار رہوں گی، پورا مکان ان کو نہیں ملے گا، ہاں البتہ پورا مکان ملنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں بحالت صحت لڑکیوں کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیں۔

ولا ترث الكل بالعصوبة. (البحرالرائق، كتاب الفرائض، زكريا ۹/ ٤۹۷)

قال رحمه الله تعالى: وللبنت النصف؛ لقوله تعالى: ﴿وان كانت واحدة فلها النصف﴾ قال رحمه الله تعالىٰ: وللأكثر الثلثان، وهو قول عامة الصحابة رضي الله عنهم، وبه أخذ علماء الأمصار. (البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۷٤، كوئٹه ۸/ ٤۹٤، تبيين الحقائق ٦/ ۲۳٤)

صحت الهبة بالإيجاب والقبول في حق الموهوب له؛ لأنه عقد فينعقد بهما كسائر العقود. الخ (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ٤۸٥، كوئٹه ۷/ ۲۸٥)

لابد من القبض فيها لثبوت الملك لا للصحة، والتمكن من القبض كالقبض. (البحرالرائق، زكريا ۷/ ٤۸٥، كوئٹه ۲۸٥)

لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، والمراد نفى الملك. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۲/ ۹۱، زكريا ديوبند ٦/ ٤۹، درمختار مع الشامي، كراچی ٥/ ٦۹۰، زكريا ۸/ ٤۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۸ھ

بیوہ کا اپنی اکلوتی لڑکی کے نام مکمل جائیداد کرنا

سوال [۹۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بیوہ کی ایک لڑکی تھی، اس نے اپنی تمام زمین وجائیداد کو اپنی لڑکی کے نام کردیا، کچھ دنوں کے بعد بیوہ کی موجودگی میں ان کی لڑکی مرگئی اور چند دنوں کے بعد اس بیوہ کا بھی انتقال ہوجاتا ہے، ان کے مال متروکہ میں اب کن لوگوں کا حصہ ہوگا؟ آیا ان کے بھتیجے کو متروکہ مال میں سے کچھ ملے گا کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد سلیمان گوگرااررہ کورٹ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر بیوہ نے اپنی ملکیت کی تمام زمین جائیداد لڑکی کے نام کرکے مالک بنادیا تھا اور قبضہ دے کر داخلی وخارجی ہرطرح کا اختیار دے دیا تھا، تو شرعی طور پر لڑکی تمام جائیداد کی مالک بن چکی ہے، لہٰذا کل جائیداد میں سے ایک تہائی لڑکی کی ماں کو ملے گا اور دو تہائی لڑکی کے چچا تایا وغیرہ کو ملے گا اور بیوہ کے انتقال کے بعد بیوہ کا حصہ اس کے والدین کو ملے گا۔ اور اگر والدین نہیں ہیں، تو اس کے بھائی بہنوں کو شرعی حصہ کے اعتبار سے ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن بھی نہیں ہیں تو بھتیجوں کو ملے گا۔

أولهم بالميراث جزء الميت، أي البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا، ثم أصله، أي الأب، ثم الجد، أي أب الأب وإن علا، ثم جزء أبيه، أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجي، ص: ۲۲)

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من

التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧، شامي كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۷ھ

والدہ کا اپنی بیٹی اور نواسی کے نام مکان ہبہ کرنا

سوال [۹۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان محلّہ باغ گلاب رائے میں ہے، جو میری والدہ رئیسہ خاتون نے ۱۹۴۲ء میں خریدا تھا، میری والدہ رئیسہ خاتون کی چار اولادتھیں، دو لڑکے، دو لڑکیاں محمودہ خاتون، مقصودہ خاتون، افسر علی، ظفر علی، محمودہ خاتون افسر علی اور ظفر علی کا انتقال والدہ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا، میری والدہ رئیسہ خاتون کے چار بھائی تھے، ریاست علی، مختار علی، لیاقت علی، احسان علی، تین بھائیوں کا انتقال میری والدہ رئیسہ خاتون کی زندگی میں ہوگیا تھا، سب سے چھوٹے بھائی احسان علی کا انتقال رئیسہ خاتون کے بعد ہوا، ان کی شادی نہیں ہوئی تھی؛ کیوں کہ وہ دماغی کمزور تھے، میرے والد نے میری شادی کردی اور میں اور میرے شوہر والدہ کے ہی پاس رہتے تھے، شادی کے دو سال کے بعد میرے شوہر کے والد پاکستان جانے لگے، تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانے کو کہا؛ لیکن میری والدہ نے نہیں بھیجا، اس میں میری بھی مرضی تھی؛ کیوں کہ میں پاکستان جانا نہیں چاہتی تھی؛ لہٰذا میرے شوہر مجھے طلاق دے کر اپنے والدہ کے ہمراہ پاکستان چلے گئے، میری گود میں ایک لڑکی تھی فریدہ خاتون، میں اور میری بچی والدہ کے پاس رہتے رہے، میں نے دوسری شادی بھی نہیں کی، بچی فریدہ خاتون بڑی ہوگئی، میری والدہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ میرے والد یا والدہ کا کوئی عزیز میری والدہ کے بعد مجھے مکان کے بارے میں نہ ستائے؛ اس لئے والدہ نے اپنی زندگی میں ہی مکان کو میرے اور میری بچی

فریدہ خاتون کے نام بذریعہ رجسٹری ہبہ کردیا، والد نے فریدہ کی شادی بھی کردی، فریدہ اور اس کے شوہر اس مکان میں رہتے ہیں؛ کیوں کہ آدھا فریدہ خاتون کے نام ہبہ ہے، ہبہ کرنے کے تقریباً ۱۲؍سال بعد میری والدہ رئیسہ خاتون کا انتقال ہوا ہے؛ کیوں کہ میری والدہ نے اپنی زندگی ہی میں میرے اور فریدہ کے نام ہبہ کردیا تھا، تو اب والدہ یا والد کا کوئی عزیز حق دار تو نہیں بنتا یہ بتائیے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتیۃ: مقصودہ خاتون وفریدہ خاتون، محلّہ باغ گلاب رائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں پورا مکان آپ کی والدہ کی ملکیت تھی اور جب انہوں نے زندگی میں آپ کو اور آپ کی لڑکی کو باقاعدہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا اور اس میں آپ اور آپ کی لڑکی مع شوہر کے رہنے لگیں تو شرعی طور پر وہ مکان آپ ہی دونوں کا ہوگیا، اس میں کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

الهبة: عقد مشروع -إلى قوله- والعقد ينعقد بالإيجاب والقبول، وقبضه لابد منه لثبوت الملك. (هداية، كتاب الهبة، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٨٢ شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧، درمختار كراچی ٥/ ٦٨٠، زكريا ٨/ ٤٩٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، بدائع الصنائع، كراچی ٦/ ١٢٣، زكريا ٥/ ١٧٦) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۱۲/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۶۲)

والدہ کا دو بیٹوں سے قرض معاف کرکے بقیہ سے وصول کرکے دوسروں کو دینا

سوال [۹۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والدہ اور ۶؍بیٹوں کے درمیان مشترکہ کاروبار میں والدہ کے پیسے ہر بیٹے کے پاس نکل

رہے ہیں، والدہ نے اپنے دو بیٹوں کے اوپر سے واجب پیسوں کو معاف کر دیا اور بقیہ بیٹوں سے اپنے پیسے لے کر انہیں دو بیٹوں کو دینا چاہتی ہیں، تو کیا والدہ کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ دو بیٹوں کے علاوہ کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہے؟ شرعی حکم واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد سلیم کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماں باپ پر اپنی حیات میں اولاد کو کچھ روپئے پیسے یا دیگر اموال و جائیداد ہبہ کرنے میں برابری کرنا لازم ہے، برابری نہ کرنے کی صورت میں والدین گنہگار ہوں گے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں والدہ کا صرف دو بیٹوں کا قرض معاف کرنا اور بقیہ چار لڑکوں سے قرض وصول کر کے ان ہی دو لڑکوں کو ہبہ کر دینا ناانصافی ہے، ایسا کرنے کی وجہ سے والدہ گنہگار ہوں گی؛ البتہ اگر وہ چاروں بیٹے والدہ کے نافرمان ہوں اور والدہ ان سے ناراض ہوں، تو وہ ان بیٹوں کے ساتھ مذکورہ معاملہ کر سکتی ہیں۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أنه قال: أن أباه أتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما كان لي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكل ولدك نحلته مثل هذا؟ فقال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فارجعه. (مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، النسخة الهندية ٢/ ٣٦، بيت الأفكار، رقم: ١٦٢٣)

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين، وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء، وهو آثم. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضيخان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۱)

زندگی میں بحالت صحت اپنی اولاد کو کچھ دینا

سوال [۹۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب نے اپنے ذاتی سرمایہ سے ایک مکان خریدا تھا، ان کی اولاد میں صرف ہم دو لڑکیاں ہیں اور ہماری والدہ صاحبہ ہمارے والد صاحب کے دو بھائی ایک بہن ہے، ہمارے والد صاحب نے اپنی اور والدہ صاحبہ کی زندگی میں چند احباب کے سامنے ہبہ زبانی کر دیا اور ہم دونوں بہنوں کا اس مکان پر قبضہ بھی دے دیا اور کہہ دیا کہ اس مکان کی مالک ومختار دونوں میری بیٹیاں ہیں اور مکان میں برابر برابر حصہ دار ہیں، والد صاحب کے مرنے کے بعد ہمارے چچا صاحب نے ہم پر اور والدہ صاحبہ پر تقسیم مکان کا عدالت میں دعویٰ کر دیا اور کہا کہ ہم بھی حصہ دار ہیں، اس کے بعد ہمارے چچا صاحب کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ بعد ہماری والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا، پھر چچا کے وارثوں میں سے چچا کی بیوی یعنی ہماری چچی اور ان کی ایک لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور چچا نے دو کو وارث بنا دیا، اب بتائیے گا کہ یہ دعوئے تقسیم اور یہ وارثان قائم کرنا جائز ہے اور کس طرح جائز ہے؟ یا اس مکان میں ان کا حصہ شرعاً ہے یا نہیں؟

المستفتیه: دختران قمر جہاں وچندہ بیگم، فیل خانہ تحصیل اسکول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر والد صاحب نے اپنی زندگی میں بحالت صحت دونوں لڑکیوں کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا ہے، تو شرعی طور پر دونوں لڑکیاں مالک ہو چکی ہیں، اس میں اب کسی کا کوئی حق وابستہ نہ ہوگا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو

میراث، قال: فدعوت یزید الرشک، فقسمها. (السنن الکبری للبیهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفکر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸۶)

والقبض لا بد منه لثبوت الملک الخ. (هدایة، کتاب الهبة، أشرفي دیوبند ۳/ ۲۸۳، مختصر القدوري، ص: ۱۳۵)

لہٰذا اب عدالت کے ذریعہ اگر زبردستی حصہ دار بنتا ہے، تو وہ غاصب ہوگا۔

عن أبي حمید الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لا یجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ۱۱۰، رقم المادة: ۲۶۹، شرح المجلة رستم، إتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۱)

کسی ایک وارث کے نام مکان ہبہ کرنا

سوال [۹۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد احمد مرحوم کے پاس ۹۸/ گز جگہ تھی، جس میں سے ۴۹/ گز اپنے چھوٹے بھائی کو دی تھی اور ۴۹/ گز جگہ اپنی بھتیجی کو (محمدی بیگم) کو دی، انہوں نے اپنا حصہ بیچ دیا اور اسی رقم سے کرولہ پر ۶۲/ گز کا بنا ہوا مکان خریدا۔ محمدی بیگم بیوہ ہیں، ان کے دولڑکے ہیں اور دولڑکیاں ہیں، سب کی شادی ہوچکی ہے، یہ چاہتی ہیں کہ ۶۲/ گز کا مکان اپنے چھوٹے بیٹے کے نام کردیں اور اسی لڑکے کے ساتھ رہتی ہیں، کیا شرعی اعتبار سے ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: محمدی بیگم کی یہ جائیداد ان کے چچا سے ملی ہوئی ہے، شوہر کی یہ جائیداد نہیں ہے، اس صورت کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

المستفتی: محمد فیصل کوہ نورتراہہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمدی بیگم کا ۶۲؍ گز کا مکان اس کی ملکیت ہے، اس کے مرنے کے بعد اس کے چاروں بچے شرعی حق دار بنیں گے، صرف ایک بچے کو دے کر دوسروں کو محروم کرنا ماں کی طرف سے ظلم ہے، جب کہ دوسرے بچے نافرمان نہ ہوں، ہاں البتہ دوسروں کی مرضی سے کچھ حصہ چھوٹے بچے کو زائد دینا درست ہوسکتا ہے، دوسرے بچے جب کہ نافرمان نہ ہوں، ان کو سرے سے محروم کردینا شریعت میں مشروع نہیں ہے۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٤، ف: ٢٥٨٦)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣، مشكوة/ ٢٦٦)

وروى المعلى عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم ...... وهو المختار. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، شامي زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

والد کی جانب سے بیٹے کو ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال [۹۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد صاحب نے مجھ کو ۳۶ رگز زمین میں مکان بنا کر علیحدہ کردیا تھا اور میں نے اس میں اپنے طور پر بڑی جفاکشی سے کافی تصرفات والد صاحب کی زندگی ہی میں کر لئے تھے اور اس کو دو تین منزلہ بنالیا تھا، میں نے اس مکان میں والد صاحب کی تقریباً بیس بائیس سالہ زندگی گذار دی، اب گذشتہ سال والد صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے، واضح رہے کہ زمین کا بیع نامہ والد صاحب ہی کے نام ہے اور والد صاحب کی اس کے علاوہ بھی کچھ زمین ہے، جس میں دو بھائی رہتے ہیں، اس میں دریافت یہ کرنا ہے کہ والد صاحب نے جو اپنی زندگی میں ۳۶ رگز میں مکان بنا کر مجھے علیحدہ کردیا تھا اور اس میں ان کی بیس بائیس سالہ زندگی میں تصرفات کرتا رہا، تو کیا شرعاً یہ میرے لئے ہبہ ہے یا نہیں؟ یا میرے دو بھائی اور دو بہنیں بھی اس میں حق دار ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: نثار احمد، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد صاحب کے مکان دینے پر جو آپ نے اس میں تصرفات کئے ہیں اور والد صاحب نے اس پر کوئی روک تھام نہیں کی اور نہ دیگر بھائی بہنوں نے اس پر کوئی اشکال ونکیر کی، تو یہ ہبہ پر دال اور قرینہ ہے؛ لہٰذا اس طرح ہبہ کی تکمیل ہوگئی؛ اس لئے اب اس میں دوسرے ورثاء کا حق نہیں ہے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک یجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي اللّٰه عنه– قضی في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم یقبض، فهو میراث، قال: فدعوت یزید الرشک، فقسمها. (السنن الکبری للبیهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفکر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸۶)

والمراد بالقبض الكامل في المنقول ما هو المناسب، وفي العقار أيضا ما يناسبه. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٢، مصري قديم ٢/ ٣٥٤، شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٤٦٣، رقم المادة: ٨٣٧، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٩٨، كراچی ٥/ ٢٤٤)

هي لك حلال لا يكون هبة إلا إذا دلت قرينة على إرادتها. (بزازية، كتاب الهبة، الباب الأول، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

لڑکے کو بھائی بہنوں کی رضامندی سے مکان ہبہ کرنا

سوال [۹۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ درپیش یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب نے اپنی حیات میں چند پراپرٹیاں خریدی تھیں، ان میں سے ایک مکان انہوں نے ہماری والدہ کو ہبہ کردیا تھا، جو والدہ کے تصرف میں تھا، والد صاحب نے الحمد للہ ہماری بہنوں کی شادیاں بڑے اچھے طریقہ سے کردی تھیں اور اپنے تین بیٹوں میں سے بڑے کی شادی کردی تھی، عمر کے آخری دور میں والد صاحب نے اپنی پراپرٹیوں میں سے بڑے بھائی (بیٹے) کو ایک دوکان، گوڈاؤن مع اموال تجارت دے کر ہبہ کردیا اور درمیانی بھائی کو ایک فلیٹ دے دیا اور چھوٹے بھائی کو دینے کے لئے کچھ نہیں تھا، تو والدہ نے کہا کہ میں یہ مکان چھوٹے کو دوں گی، یہ بات شروع سے کہی جارہی ہے اور سب جانتے ہیں کہ والدہ اپنا مکان چھوٹے کو ہی دیں گی، یہ اس کا حق ہے، الحمد للہ ساری بہنیں خوشحال ہیں اور اس طرح والد والدہ کی تقسیم پر راضی ہیں۔

والدہ نے چھوٹے بیٹے سے کئی مرتبہ کہا کہ یہ مکان تمہارا ہی ہے؛ لیکن مکمل ہبہ عمل میں نہیں آیا تھا کہ والدہ کی طبیعت بگڑ گئی اور انہیں تقریباً آج سے ۸-۹/ مہینے پہلے لقوہ کا جھٹکا آیا، علاج ہوا اور طبیعت سنبھل گئی؛ لیکن پھر تقریباً تین ماہ بعد لقوہ کا بڑا جھٹکا آیا اور والدہ بستر پر آگئیں، فی الحال یہ حال ہے کہ زبان سے صاف بول نہیں سکتیں، کھانا وغیرہ خود پوری طرح کھا نہیں سکتیں، ہم کھلاتے ہیں، طبیعت کئی مرتبہ اچھی ہوئی، پھر خراب ہوئی، یہی معاملہ چل رہا ہے، اس طرح تقریباً ۸-۹/ ماہ ہو چکے ہیں۔

چند دنوں پہلے گھر والوں میں یہ بات نکلی کہ دوسرے بیٹوں کو تو ان کے مطابق کچھ نہ کچھ مل گیا، چھوٹے بیٹے کو تو ابھی تک کچھ نہیں ملا۔ اور والدہ کی حیات میں ان کے گھر کے متعلق فیصلہ ہو جائے اور وہ مکان چھوٹے بیٹے کو دے دیں، تو اس چھوٹے کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا؛ لہٰذا گھر والوں نے ارادہ کیا کہ والدہ سے پوچھا جائے (الحمد للہ والدہ سب کچھ پوری طرح سمجھتی ہیں) چنانچہ پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنا مکان (جو فی الحال کرائے پر دیا ہوا ہے) چھوٹے بیٹے کو دیتی ہیں، تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا کہ ہاں دیتی ہوں، دراصل ان سے کہا گیا تھا کہ اگر دینا ہو تو ہاتھ اٹھاؤ اور نہ دینا ہو تو ہاتھ نہ اٹھاؤ، خیر انہوں نے اشارہ سے ہبہ کر دیا اور اب سب کا ارادہ ہے کہ پیپر بنا کر ان کے انگوٹھے کا نشان لے لیا جائے۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کئی سالوں سے چھوٹا بیٹا والدہ کے اس مکان کا سالانہ ٹیکس اور ماہانہ میٹنینس بھرتا ہے، کیوں کہ وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ گھر تو اسی کا ہے اور اسی کا ہوگا اور والدہ بھی خوش رہیں ان پر کوئی بوجھ نہ ہو، مگر اب چھوٹے بیٹے کے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ اس حالت میں جو ہبہ ہو رہا ہے وہ معتبر ہے یا نہیں؟ کہیں یہ مرض الموت تو نہیں؟ حالانکہ یہ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ مرض الوفات ہے؛ لیکن بہر حال ہو تو کچھ بھی سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض مرض الوفات ہو اور والدہ خود اور دیگر بھائی بہن تقریباً سب اس ہبہ پر راضی ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ نیز کوئی متبادل شکل ہو جس سے گھر چھوٹے بیٹے کو مل جائے، کیا ہو سکتی ہے؟ کیا کچھ رقم کے عوض چھوٹا بیٹا وہ مکان اپنی والدہ سے خرید لے تو یہ شکل ہو سکتی ہے مرض الوفات کے ہبہ سے بچنے کی؟

تفصیل بالا سے آپ حالات سے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ والدہ اور سب مکان دینا چاہتے ہیں، تو کون سی شکل اختیار کی جائے؟ براہ کرم جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبدالرشید، اندھیری، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل کے مطابق جب والدہ وہ مکان چھوٹے بیٹے کو دے رہی ہیں اور اس پر سب بھائی بہن راضی ہیں، تو ایسی صورت میں اگر مرض الوفات ہی کیوں نہ ہو یہ ہبہ جائز اور درست ہوگا۔ اور بہتر یہی ہے کہ ایک کاغذ پر اس ہبہ کی وضاحت لکھ کر اس میں سب بھائی بہنوں کے دستخط کرا لئے جائیں، تاکہ بعد میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته صح. (شرح المجلة رستم ١/ ٤٨٤، رقم المادة: ٨٧٩)

إن هبة المريض في مرض الموت لأحد ورثته لا تجوز إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت الواهب. (شرح المجلة لخالد الأتاسي ٣/ ٤٠٣، بحواله فتاوى محموديه مطبوعه ڈابھيل ١٦/ ٤٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۷/۱۴۳۱ھ

بڑے لڑکے کے نام بندوق منتقل کرنا

سوال [۹۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ساجد نے اپنی بندوق اپنے بڑے لڑکے فیصل کے نام پر منتقل کر دی ۱۹۷۲ء میں، جب کہ ساجد کے دو لڑکے عادل اور زاہد نابالغ تھے، جن کی عمر علی الترتیب ۹؍اور ۷؍سال تھی، پھر ۱۹۷۸ء

میں بڑے لڑکے فیصل کی شادی کردی، ۱۹۸۰ء میں فیصل کو علیحدہ کردیا اور ۱۹۸۴ء میں ساجد کا انتقال ہوگیا، تو کیا بندوق میں فیصل اور عادل اور زاہد تینوں حصے دار ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: صبغت اللہ خان سٹھلہ موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساجد نے اگر اپنی بندوق اپنے بڑے لڑکے فیصل کے نام پر منتقل کر کے اپنی زندگی ہی میں اس پر اس کا قبضہ دے دیا تھا، تو ہبہ تام ہونے کی وجہ سے اس میں عادل اور زاہد حصہ دار نہیں ہوں گے؛ لیکن اگر بغرض حفاظت دیگر دونوں نابالغ لڑکوں کو چھوڑ کر فیصل کے نام منتقل کیا ہے کہ میرے مرنے کے بعد سرکار بندوق پر قبضہ نہ کرلے اور نہ ہی اس پر فیصل کا قبضہ دلایا ہے، تو بندوق میراث ہے اور تینوں بھائی اس میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۸/ ۳۴۵، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۴۹۵)

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري، أن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: ما بال أقوام ينحلون أولادهم نحلة، فإذا مات أحدهم قال: مالي في يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد دون الوالد، فإن مات ورثه. (سنن الكبرى للبيهقي الهبات، باب يقبض للطفل أبوه، دارالفكر ۹/ ۱۵٦، رقم: ۱۲۱۷۹)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک الباطن كأن يظهر بيع داره لئلا يستولى عليها السلطان. (مجمع لغة الفقهاء، كراچی، ص: ۱٤٤)

دفع مالا لابنه ليتصرف فيه، ففعل و كثر ذلک، فمات الأب إن أعطاه هبة، فالكل له وإلا فميراث. (الدر مع الرد، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، زكريا ۱۲/ ٦٦٦، كراچی ٥/ ۷۰۹)

وإن لم يعطه هبة بأن أعطاه قرضا أو دفع إليه ليعمل للأب فميراث.

(تكملة شامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، زكريا ١٢/ ٦٦٦، كراچی ٨/ ٤٩٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۷/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴/۴۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۱۵ھ

زندگی میں صرف ایک بیٹے کو جائیداد دینا

سوال [۹۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والدین نے اپنی حیات میں کچھ زمین اپنی اولادوں میں سے ایک لڑکے مظہر الحق کو دے دی تھی اوراس زمین کی رجسٹری بھی مظہر الحق کے نام کرادی تھی اور پھر زندگی میں ہی اس پر قبضہ ودخل بھی دے دیا تھا،اب والدین کے انتقال کے بعداس رجسٹری شدہ زمین میں دیگر ورثاء حصہ کا مطالبہ کررہے ہیں،جب کہ اس زمین کے علاوہ بھی دیگرزمین ومکان وغیرہ والدین کے ترکہ میں ہے جوسب اولادوں میں تقسیم ہو چکا ہے،اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مظہر الحق کی رجسٹری والی زمین میں دیگر ورثاء کا حق ہوگا یا صرف مظہر الحق ہی اس کا مالک ہوگا،شرعی حکم واضح فرمادیں؟

المستفتی:مظہر الحق سفیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کی زندگی میں ان کے مال وجائیداد میں کسی وارث کا کوئی حق نہیں تھا اور والدین کو اپنے مال میں ہر طرح تصرف کرنے کا حق تھا؛ لہٰذا اگر واقعی انہوں نے اپنی حیات میں جیسا کہ سوال نامہ میں وضاحت ہے اپنی کچھ زمین اپنے ایک لڑکے مظہر الحق کو ہبہ کرکے اس کے نام رجسٹری کرادی تھی اور قبضہ ودخل بھی دے دیا تھا،تو بلا شبہ اس زمین کا مالک تنہا مظہر الحق ہے،دیگر وارثین کا اس زمین میں شرعاً کسی طرح کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لئے اس زمین میں سے اپنا حصہ مانگنا جائز ہے۔

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

المـالك هـو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، سورة الفاتحة، كتب خانه رشيديه دهلي ١/ ٧)

وشـرائـط صـحتـه في الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٨٨، زكريا ٨/ ٤٨٩)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣)

وتتم بالقبض الكامل؛ لقوله عليه السلام: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۸۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۴ھ

چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی دوکان کو پختہ بنا کر رقم لینا

سوال [۹۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ساجد کے انتقال کے بعد گھر کی تمام ذمہ داری بڑے لڑکے فیصل پر تھی اور تینوں لڑکے بے روزگار تھے؛ لہٰذا سب نے متفق ہوکر گھر کا بیع نامہ کر دیا اور جو قرض اس درمیان لیا اس کو ادا کر دیا اور باقی رقم ایک بھائی کو دے دی اور ڈرائیوری کے لئے سعودی عرب بھیج دیا اور اس کے لئے بھی کچھ قرض لینا پڑا، تاکہ وہ سعودیہ جا کر کمائے اور بڑے بھائی فیصل کو برائے روزگار دوکان کرا دے، اب چونکہ ساری ذمہ داری اس سعودیہ والے پر تھی، تو اس نے گھر کے خرچ کے لئے وہاں سے روپئے بھیجے اور جب واپس آیا تو بڑے بھائی کے حصہ کی دوکان کو پختہ کرا دیا اور بڑے بھائی نے بینک سے قرض لے کر

خرید وفروخت کا سامان رکھ لیا، اب کافی عرصہ کے بعد دوکان میں لگائی ہوئی رقم واپس مانگتا ہے، تو کیا یہ رقم اس کو مانگنے کا شریعت میں حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: صبغت اللہ خان سٹلہ موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں جب انہوں نے اپنے بڑے بھائی فیصل کے بغیر طلب کئے اس کی خام دوکان پکی بنادی اور اخراجات لئے بغیر دوکان اسکو سپرد کردیا اور نہ ہی بعد میں لینے کی کوئی شرط لگائی ہے، تو ہبہ تام ہوگیا؛ لہٰذا وہ اب اس رقم کو اپنے بڑے بھائی فیصل سے واپس لینے کا حق دار نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: العائد في هبته كالعائد في قيئه. (صحيح البخاري، هبة، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، النسخة الهندية ١/ ٣٥٧، رقم: ٢٥٤٧، ف: ٢٦٢١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: الرجل أحق بهبته مالم يثب منها. (سنن ابن ماجة، باب من وهب هبته رجاء ثوابها، النسخة الهندية ٢/ ١٧٢، دارالسلام، رقم: ٢٣٨٧)

ليس له حق الرجوع بعد التسليم في ذي الرحم المحرم. (عالمگيري، كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، زكريا جديد ٤/ ٤٠٩، قديم ٤/ ٣٨٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۷/۴ھ

صرف ایک بھائی کی اولاد پر خرچ کرنے کا حکم

سوال [۹۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: حاجی عبدالعزیز صاحب جو زندہ ہیں، ان کی ایک بیوی ہے، اور کوئی اولاد نہیں، اپنے ایک بھتیجے محمد شریف کو گود میں لے کر پالا ہے اور شریف کے علاوہ دوسرے بھتیجے بھی ہیں، حاجی صاحب موصوف اپنی ملکیت جائیداد نقد رقم سب شریف احمد کی اولاد پر خرچ کیا کرتے ہیں، دوسرے بھتیجوں پر خرچ نہیں کرتے، تو حاجی صاحب کے لئے جائز ہے اور حاجی صاحب کی ایک بہن بھی ہے، کیا بہن کا بھی حق ہوگا یا نہیں؟ صاف صاف واضح فرمائیں اور حاجی عبدالعزیز صاحب کے کوئی بھائی نہیں ہے صرف حاجی صاحب زندہ ہیں۔

المستفتی: عبدالعزیز، محلہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حاجی عبدالعزیز صاحب شرعاً اپنی تمام جائیداد اور نقد رقم کے خود مالک ہیں، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں، حاجی صاحب موصوف اپنی زندگی میں جس پر چاہیں خرچ کریں اور جس پر چاہیں خرچ نہ کریں، ان پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے؛ لہٰذا صرف شریف احمد کی اولاد پر خرچ کرتے رہیں اور دوسروں پر خرچ نہ کریں تو ان کو اختیار ہے۔ اور بہن کا اگر شوہر موجود ہے، تو اس کے اخراجات کا ذمہ دار شوہر ہوگا، حاجی صاحب پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك.

(بيضاوي شريف، سورة الفاتحة، كتب خانه رشيديه دهلي ۱/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ر صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱٦۴٦)

پوتی کو اپنی زندگی میں ہبہ کرنا

سوال [۹۴۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک صاحبزادے نے پہلی زوجہ کو طلاق دے دی، اس کی چھوٹی بچی تھی، شاید عمر

ایک سال رہی ہوگی، اس وقت اس کی پرورش کے لئے یکمشت رقم زوجہ کو دے دی گئی تھی؛ لیکن ۷/سال بعد بچی کی پرورش وتعلیم کے سلسلہ میں صاحبزادے نے کوئی قدم نہیں اٹھایا اور بچی نانی کی دیکھ بھال میں پلتی رہی ہے، ادھر نانا کا بھی انتقال ہوگیا، مالی حالت بھی کوئی خاص نہیں، بچی کی تعلیم وغیرہ پر کوئی خاص توجہ کون دیتا نہ معلوم اس معصوم کا کیا حال ہے، یہ تو دو تین برس ہوئے بچی نے مجھے فون پر بتایا کہ ان کے والد کوئی خاص امداد نہیں کررہے ہیں، ایک ہزار روپیہ کچھ عرصہ پہلے بھجوایا تھا، میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ صاحبزادے مذکور کا جو شرعی حصہ میرے مکان میں ہوسکتا ہے وہ میں اس بچی کو منتقل کردوں، صاحبزادے مذکور کے پاس دہلی میں اپنے ذاتی دو تین مکان ہیں اور مالی حالت بھی اچھی خاصی ہے اور ان کی دوسری زوجہ سے دو لڑکے ہیں۔ کیا میری یہ سوچ بچی کی اشک شوئی کے لئے مناسب ہوگی یا میں خود جائز وارث کو محروم کرنے کا مجرم ٹھہروں گا کہ میری ذمہ داری اس بچی کو حق پہنچانے کی نہیں ہے یا ہے؟

المستفتی: تلخیص احمد قاضی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بچی کا سوال نامہ میں ذکر ہے، اس کے خرچ اخراجات شرعی طور پر باپ کے ذمہ لازم ہے، اور جب تک آپ زندہ ہیں تو آپ کی جائیداد میں کوئی بھی شرعی حصہ کا مالک نہیں ہے، آپ حالت صحت میں اپنی جائیداد میں سے جس کو چاہیں، جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، اس بارے میں شرعاً آپ کو اختیار ہے اور یہ سوچ کر دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی موت کے بعد صاحبزادے کا جو شرعی حق بنے گا وہی آپ اس بچی کو دے دیں؛ کیوں کہ موت سے پہلے یہ فیصلہ کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ کی موت سے پہلے صاحبزادے کی موت واقع ہوجائے، تو ایسی صورت میں صاحبزادہ آپ کا وارث ہی نہیں بنے گا، نیز مذکورہ بچی اپنے باپ کی اس طرح وارث شرعی ہے، جس طرح اس کی دوسری بیوی کی اولاد وارث ہوسکتی ہے، ایسی حالت میں

اس بچی کوبطور شفقت کے آپ اپنی مرضی سے اپنی ملکیت میں سے جو چاہیں، جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، آخرت میں آپ کے اوپر اس بارے میں کسی قسم کی دار وگیر نہ ہوگی۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي ٦)

الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال، زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠)

أما إذا كان الولد أنثى، فإن نفقتها تجب على والدها سواء كانت صغيرة أو كبيرة. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل، ص: ١٠٩٠)

قال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحرالرائق، كتاب الفرائض، زكريا ٩/ ٣٦٤، كوئٹه ٨/ ٤٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/۱/۱۴۳۵ھ

یتیم پوتے پوتیوں کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ

سوال [۹۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا اپنے باپ کی زندگی میں، اس لڑکے کی اولادیں موجود ہیں، اور دیگر بھائی بہن بھی ہیں، تو دادا کو اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟ کیا جائیداد سے کچھ دینا چاہئے یا اس حقیقی اولاد کو دیں؟

المستفتی: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں دادا کو چاہئے کہ مرحوم بیٹے کی اولاد کو جتنا حصہ بھی دینا ہوگا اتنے کا ہبہ کرکے ان کو قبضہ دے کر مالک بنادے، اس طرح مرحوم بیٹے کی اولاد محروم نہ ہوں گی، اگر ایسا نہ کیا گیا تو دادا کے انتقال کے بعد پوتیوں کو کچھ بھی نہ ملے گا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرك أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث.
(المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار على الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، هداية، اشرفی ٣/ ٢٨٣، مختصر قدوري، ص: ١٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۳۴۱)

متوفی لڑکے کا حصہ اس کی اولاد کو دینا

سوال [۹۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جس کے پانچ لڑکے تھے، ان میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا، اب وہ شخص چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرے تو کیا وہ شخص اپنے متوفی لڑکے کا حصہ اس کی اولاد یعنی اپنے پوتوں کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: جاوید احمد، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص اپنی زندگی میں ساری جائیداد اور ساری دولت کا مالک ہے، مرحوم بیٹے کی اولاد شخص مذکور کی وارث نہیں ہوگی؛ اس لئے اپنی زندگی میں ان پوتوں کو جو کچھ بھی ہبہ کرکے قبضہ دے دے گا تو پوتے اس کے مالک ہو سکتے ہیں، اس کے بعد بقیہ جائیداد موجودہ چاروں بیٹوں کے درمیان برابر تقسیم کرکے دے سکتے ہیں۔

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة تسليم رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ١/ ٧)

لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، كراچى ٥/ ٥٠٢، زكريا ٧/ ١٠)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچى ٥/ ٦٩٠، هداية، اشرفى ٣/ ٢٨٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱۹)	۱۷/۵/۱۴۳۴ھ

نانا کا تبرعاً نواسہ کو کچھ دینا

سوال [۹۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے نانا عبدالکریم حیات ہیں اور ہماری والدہ مصطفائی کا انتقال ہوگیا ہے، تو کیا میں اپنے نانا سے کچھ مانگ سکتا ہوں اور وہ ہمیں بطور احسان دے سکتے ہیں اور ہمارے ایک ماموں اور خالہ بھی ہیں؟

المستفتی: محمد سالم لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کے نانا کی اولاد موجود ہے تو آپ اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے اور نہ ہی بطور حق نانا سے مانگنے کا حق ہے؛ البتہ نانا کی مرضی ہے وہ چاہیں تو دے دیں اور چاہیں تو نہ دیں، آپ کو ان سے کسی طرح کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة تسليم رستم باز، إتحاد ديو بند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۵/۱۴۱۵ھ

ماموں کا اپنے بھانجے کو زمین ہبہ کرنا

سوال [۹۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد صدیق ولد بدھن نے دو نکاح کئے، جس میں سے پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا، دوسری بیوی حیات ہے، جس کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور پہلی بیوی سے صرف ایک لڑکا ہے، پہلی بیوی کا لڑکا جس کا نام شفیق احمد ہے، اس کے ماموں جو اس کی ماں کا سگا بھائی ہے شفیق کو زمین بطور ہبہ اسٹامپ پر لکھ دی تھی اور اس میں جتنے بھی روپئے آج تک لگے ہیں وہ سب شفیق نے صرف اپنی کمائی کے لگائے ہیں، اب شفیق کے والد محمد صدیق اپنے نام کرانا چاہتے ہیں، مہربانی کرکے اس کا فتویٰ ارسال کردیجئے۔

المستفتی: محمد اسلم پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شفیق کو جو زمین اس کے ماموں نے بطور ہبہ اسٹامپ پر لکھ کردی تھی، اس پر شفیق کی ملکیت ثابت ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب اس کی رضامندی کے بغیر وہ زمین اس سے کسی کا لینا جائز نہیں ہے۔

كما في الدر: وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدرالمختار، كتاب الهبة،

کراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٩٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٧، جديد ٤/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١)

وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم. (تنوير الأبصار، كراچی ٥/ ٦٨٨، زكريا ٨/ ٤٩٠، تاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

عن أبي حميد الساعدي –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

وفي الشامية: لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (الشامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچی ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، الموسوعة الفقهية ٢١/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

نکاح کے موقع پر دیا جانے والا کپڑا نکاح سے پہلے پہننا

سوال [۹۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کا جو کپڑا آتا ہے، کیا نکاح ہونے سے پہلے لڑکی اس کپڑے کو پہن سکتی ہے؟ اگر لڑکی پہن لے تو اس کپڑے سے اس کی نماز درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالوحید مدرسہ اصلاح المسلمین مجھنا ملک، مہراج گنج، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت نکاح لڑکے کی طرف سے جو کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہے، وہ بطور ہبہ یا ہدیہ کے ہوتا ہے؛ لہٰذا قبضہ کرنے کے بعد اس کا استعمال درست ہے۔

وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول كما سيتضح. (در مختار مع شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۳٥۳، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩١، هندية، زكريا جديد ٤/ ۳۹٥، قديم ٤/ ۳٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲۹ھ

ہبہ کی ایک صورت کا حکم

سوال [۹۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجیدن زوجہ علیم کا انتقال ۴/مئی ۱۹۸۰ء میں ہوا، بوقت انتقال شوہر کو چھوڑا اور کوئی اولاد نہیں تھی، مجیدن کے والد والدہ کا انتقال بھی پہلے ہی ہو چکا تھا، مجیدن کے چار بھائی تھے: (۱) عبد الحمید (۲) نظیر (۳) مجید (۴) منو، ان میں سے مجید اور منو کا لاولد ہونے کی حالت میں انتقال ہوگیا تھا اور عبد الحمید اور نظیر کی اولاد موجود ہیں، ان چاروں بھائیوں کا انتقال مجیدن کی حیات ہی میں ہوگیا تھا، بھائی عبد الحمید کی اولاد میں چھ لڑکے ہیں اور ایک لڑکی ہے: (۱) عبد الوحید (۲) عبد العزیز (۳) محمد رفیق (۴) محمد شفیق (۵) محمد شریف (۶) محمد جمیل۔ اور لڑکی منی اور نظیر کی اولاد میں دو لڑکے: (۱) صدیق (۲) بنے اور کوئی لڑکی نہیں ہے۔

اس کے بعد علیم زوج مجیدن کا انتقال بروز جمعرات ۴/جون ۱۹۸۷ء کو ہوا، بوقت انتقال کوئی اولاد نہیں تھی، وارثین میں سے علیم کے دو بھتیجے (۱) پیر بخش (۲) معشوق علی اور ایک بھتیجی عقیدن موجود ہے۔

نوٹ: علیم نے اپنی حیات میں ایک جگہ خرید کر اپنی زوجہ مجیدن کے نام کر دی تھی اور بیع نامہ کرا دیا تھا، اس کے بعد علیم نے یہ وصیت کرائی تھی کہ اس جگہ کی مالک جیتے جی مجیدن رہے گی

اور مرنے کے بعد میں (علیم) مالک رہوں گا، تو اس وصیت کا شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اور مجیدن کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: معشوق علی، محلّہ کٹھراڑ پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو علیم نے جو جگہ خرید کر اپنی بیوی مجیدن کے نام کردی تھی اور یہ وصیت کی تھی کہ مجیدن صرف جیتے جی تک مالک رہے گی، اس کے بعد علیم خود اس کا مالک بن جائے گا اور بعد میں جو وصیت کی شکل ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مجیدن کے نام کسی مصلحت کی بناء پر بیع نامہ کردیا تھا، اس قسم کی بیع کو اسلامی شریعت میں ''بیع تلجئہ'' کہتے ہیں، اس صورت میں مجیدن کے لئے ملکیت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ علیم کی ملکیت ہی میں باقی رہی ہے، مجیدن کے ورثاء کو اس میں سے کچھ حق نہیں ملے گا، پوری جگہ علیم کے ورثاء کو ملے گی، یہی صورت سوال نامہ اور حالات سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷ - ۳۸)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل.

(الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، كوئٹه ٤/ ٢٧٢، كراچى ٥/ ٢٧٣، زكريا ٧/ ٥٤٢، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچى ٥/ ١٧٦)

اور اگر ۱۲/ شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ میں لکھے ہوئے فتوے ۲۳/ ۴/ ۲۷/ کے مطابق بیع نامہ کو مصلحت پر محمول نہ کیا جائے؛ بلکہ ہبہ حقیقی مان لیا جائے تو بعد میں علیم کی ملکیت میں لوٹ آنے کی شرط شرعاً باطل ہے، اس طرح کے معاملہ کو شریعت میں عمریٰ کہا جاتا ہے۔ اور اس صورت

میں مجیدن کے ورثاء کو بھی حق مل جائے گا جو بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانعِ ارث حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا:

مجیدن میـــــــــــــــــــــــــــــت

زوج			بھتیجا					بھتیجی	
علیم	عبدالوحید	عبدالعزیز	رفیق	شفیق	شریف	جمیل	بنے	صدیق	منی
ا				ا					
۸	ا	ا	ا	ا	ا	ا	ا	ا	محروم

علیم میـــــــــــــــــــــــــــــت

بھتیجا		بھتیجی
پیر بخش	معشوق علی	عقیدن
ا	ا	محروم
۴	۴	

خرید کردہ جائیداد کے بیع نامہ کو اگر ہبہ تسلیم کرلیا جائے تو کل ۱۶/سہام میں تقسیم ہوکر مجیدن کے بھتیجوں کو ایک ایک اور پیر بخش کو چار اور معشوق علی کو چار سہام ملیں گے۔ اور اگر ہبہ تسلیم نہ کیا جائے؛ بلکہ بیع نامہ کے ذریعہ مصلحتاً نام کردینا سمجھا جائے جو زیادہ واضح بھی ہے، تو کل جائیداد ۲/سہام میں تقسیم ہوکر پیر بخش اور معشوق علی کو ایک ایک ملے گا۔ اور مجیدن کے تمام وارثین محروم ہوجائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۲۴ ۲۶۶ ۷)

عرصۂ دراز کے بعد مقبوضہ اراضی پر دعویٰ باطل

سوال [۹۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص بنام غلام رسول ایک کافی بڑے مکان کے ایک حصہ میں تقریباً سو سال سے رہائش اختیار کئے ہوئے ہے اور اس پر قابض ہے اور اس میں اپنا مالکانہ تصرف کرتا آیا ہے اور یہ مکان ۱۹۶۲ء میں بنایا گیا تھا، اسی وقت سے مکان کے مذکورہ حصہ میں غلام رسول کا مالکانہ قبضہ رہا ہے، اس کے دولڑکے تھے: حمایت اللہ اور ولایت حسین، غلام رسول کے انتقال کے بعد غلام رسول کا یہ مکان اس کے دونوں لڑکے حمایت اللہ اور ولایت حسین کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوا، اس کے بعد حمایت اللہ نے اپنا حصہ آج سے تقریباً بارہ سال قبل فروخت کردیا، اس پر کسی نے دس بارہ سال کے درمیان کوئی اعتراض نہیں کیا؛ اس لئے کہ سب یہی سمجھتے تھے کہ حمایت اللہ کا دادالٰہی مکان ہے اور ولایت حسین کا انتقال ہوجانے کے بعد اس کی دولڑکیاں تھیں، انہوں نے اپنے باپ کا حصہ آج سے تقریباً بارہ سال قبل محمد عثمان اور محمد عمر کو فروخت کردیا، اس پر بھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور آج بڑا مکان جس کا ایک حصہ غلام رسول کی اولاد نے فروخت کیا ہے، وہ پورا مکان خاندان کے درمیان تقسیم ہورہا ہے اور اب خاندان کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ غلام رسول ہمارے خاندان کے آدمی نہیں تھے؛ لہٰذا غلام رسول کے ورثاء نے اپنا دادالٰہی سمجھ کر جو حصہ فروخت کیا ہے وہ صحیح نہ ہونا چاہئے؛ لہٰذا غلام رسول کے ورثاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے درمیان فروخت شدہ حصہ بھی تقسیم میں شامل ہونا چاہئے، اب مذکورہ تفصیل کے تحت حسب ذیل سوالات مطلوب ہیں:

(۱) کیا مذکورہ تفصیل کی روشنی میں غلام رسول کے ورثاء کا اپنا حصہ فروخت کرنا شرعاً غلط ہے؟ جب کہ پورے محلّہ اور پڑوس کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مکان غلام رسول کا ہے۔

(۲) اتنے لمبے عرصے تک غلام رسول اور اس کے ورثاء نے تقریباً سو سال تک اس مکان میں مالکانہ تصرف کیا ہے اور اس درمیان میں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور آج اتنے عرصے کے بعد کسی کا یہ دعویٰ کرنا صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ مکان غلام رسول کا نہیں تھا؛ بلکہ ہمارا ہے، شرعاً یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے؟

(۳) بارہ اور آٹھ سال پہلے اس مکان کو غلام رسول کے ورثاء نے فروخت کیا ہے اور اس پر

کسی نے کوئی اعتراض یا اشکال نہیں کیا اور اب فروختگی کے اتنے سال بعد اس قسم کا اشکال اور دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان میاں سرائے سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) غلام رسول اور اس کے ورثاء نے جب اتنے لمبے عرصے تک تصرف کیا ہے اور اس اثناء میں کسی نے کسی قسم کا حق یا ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور غلام رسول کے انتقال کے بعد اس طرح دعویٰ کیا جارہا ہے، تو شریعت اسلامی میں اس کا دعویٰ معتبر اور مسموع نہیں ہوتا ہے۔ اور ملکیت جس کے تصرف میں ہے اس کی ہوا کرتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ دعویٰ ناقابل اعتبار اور باطل ہوگا۔

رجل تصرف في أرض زمانا، ورجل أخر يرى تصرفه فيها، ثم مات المتصرف ولم يدع الرجل حال حياته لا تسمع دعواه بعد وفاته. (شامي، كتاب الخنثى مسائل شتى، زكريا ١٠/ ٤٦٨، كراچى ٦/ ٧٤٢، كوئٹه ٥/ ٥٢٤)

نیز جب غلام رسول کے تصرف کے زمانہ میں موجودہ مدعی کے مورث اور والد نے کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے اور اسی حالت میں مورث اور والد کا انتقال ہوچکا ہے، تو بعد میں اولاد کا مدعی بن کر دعویٰ کرنا شرعاً معتبر اور قابل سماعت نہ ہوگا اور غلام رسول کے ورثاء کا اپنا حق ثابت کرکے فروخت کرنا شرعی طور پر صحیح اور درست ہے۔

رجل تصرف زمانا في أرض، ورجل أخر يرى الأرض والتصرف، ولم يدع ومات على ذلك لا تسمع بعد ذلك دعوى ولده، فتترك على يد المتصرف. الخ (شامي، كتاب الخنثى مسائل شتى، زكريا ١٠/ ٤٦٨، كراچى ٦/ ٧٤٢، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ٣)

(۳) جب غلام رسول کے ورثاء جس وقت فروخت کررہے تھے، اس وقت کسی نے کوئی شرعی ثبوت کے ساتھ دعویٰ نہیں کیا ہے اور خریدار کے خرید کر تصرف کرتے ہوئے پڑوس کے

لوگوں نے دیکھا اوران کومعلوم تھا،اس کے باوجود بوقت فروختگی دعویٰ نہیں کیا ہے اورآج عرصۂ دراز کے بعددعویٰ کرتے ہیں،توان کادعویٰ شرعاً ناقابل اعتبار اورمخدوش ہوگا۔

باع عقاراً، أو حيوانا، أو ثوبا -إلى قوله- سكت الجار وقت البيع والتسليم، وتصرف المشتري فيه زرعا وبناء، فحينئذ لا تسمع دعواه على ماعليه الفتوى قطعا للإطماع الفاسدة. الخ (شامي، كتاب الخنثى مسائل شتى، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٨، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٥٤، كوئٹه ٨/ ٤٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۷۸)

۳/ باب هبة المشاع

ہبۂ مشاع

سوال [۹۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد فرید احمد (متوفی) کے ترکہ میں ان کی وفات کے وقت ہم پانچ بھائی اور ایک بہن شامل تھے۔ والد کے انتقال کو تقریباً ۲۲/سال کا عرصہ گذر چکا ہے، والد کے انتقال کے ۴/سال بعد والدہ کا بھی انتقال ہوگیا؛ لہٰذا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک بیکری والد مرحوم نے اپنی حیات ہی میں تین بھائیوں کے نام پاٹنرشپ بنایا اور اس کو رجسٹرڈ کرا دیا اور سارے کاغذات والد صاحب نے میرے حوالے کر دیئے کہ لو تم اس کو رکھو اور والدہ صاحبہ کے سامنے صراحتاً بتایا کہ پچاس فیصد شمس الدین کا اور پچیس پچیس نظام الدین اور علیم الدین کا ہے، والدہ نے اعتراض کیا کہ علیم الدین بعد میں لڑائی کر کے لے لے گا، تو والد مرحوم نے کہا کہ جب میں نے کاغذات شمس الدین نظام الدین اور علیم الدین کے نام بنوائے ہیں، تو وہ کیسے لے لے گا، پولیس کے ڈنڈے کھائے گا۔ اور واضح رہے کہ والد صاحب جائیداد کے سارے کاغذات اپنے پاس رکھتے تھے اور اسی بیکری کے کاغذات خاص طور سے مجھے دئے اور کہا کہ لے جاؤ اور اپنے گھر پر رکھو؛ کیوں کہ میں اس وقت ماں باپ اور دیگر بھائیوں سے علاحدہ رہتا تھا؛ لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ تفصیلات کی رو سے شرعی اعتبار سے یہ بیکری تینوں بھائیوں کی ملکیت ہوگی یا والد مرحوم کا ترکہ ہوگا۔

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال جب آپ کے والد صاحب نے اپنی حیات میں ایک بیکری مشترک طور پر حصے متعین کر کے آپ تینوں بھائیوں کے نام رجسٹرڈ کرا دی اور بطور پاٹنرشپ استعمال کے لئے آپ تینوں بھائیوں کے سپرد کر دی تو وہ بیکری والد

صاحب کی جانب سے آپ تینوں بھائیوں کے نام ہبہ ہوگئی اور ہر بھائی اپنے ذکر کردہ حصے (یعنی شمس الدین پچاس فیصد اور نظام الدین وعلیم الدین پچیس پچیس فیصد حصے) کے مالک ہوگئے ؛ لہٰذا والد کی وفات کے بعد یہ بیکری بطور میراث تقسیم نہیں کی جائے گی ،بیکری کا ہبہ اگر چہ درست ہو چکا ہے؛ لیکن باپ اس وجہ سے گنہگار ہوگا کہ اس نے تینوں لڑکوں کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں کیا۔

هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة صحيحة عندهما . (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني، زكريا جديد ٤/ ٤٠٠، قديم ٤/ ٣٧٨)

ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوى فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغا. (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، زكريا جديد ٤/ ٣٩٩، قديم ٤/ ٣٧٧)

الهبة للولد الكبير لا تتم إلا بقبضه. (البحر الرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨)

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون التخلية، والتمكين من اليد والتصرف. (الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٥٩)

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة. (البحرالرائق، كتاب الهبة كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، وهكذا في البزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، شامي، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچى ٥/ ٦٩٦)

نوٹ:- سوال نامہ میں پانچ بھائیوں کا ذکر ہے اور باپ نے صرف تین بھائیوں کے نام بیکری ہبہ کی، دوسرے دو بھائیوں کو بیکری کے ہبہ میں کیوں شریک نہیں کیا؟ اگر ان دو بھائیوں کو اسی کے برابر کوئی دوسری چیز ہبہ کردی تو ٹھیک ہے، ورنہ باپ گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۶۲)

ہبۂ مشاع اور اس میں تصرف کا حکم

سوال [۹۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب الحاج عبد اللطیف صاحب مرحوم جن کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اور صرف ایک ہی لڑکی حمیرہ خاتون تھی جو ہم سب علی الترتیب: (۱) محمد عبد اللہ (۲) طاہرہ خاتون (۳) سائرہ خاتون (۴) عباد اللہ (۵) ہاجرہ خاتون (۶) ابو القاسم (۷) محمد مسعود (۸) حبیب المرسلین (۹) صالحہ خاتون کی والدہ حقیقی تھیں۔ حمیرہ خاتون کے شوہر جناب محمد فاروق صاحب ہیں، جو ہم سب کے والد حقیقی ہیں۔

ہمارے نانا جناب الحاج عبد اللطیف صاحب مرحوم کی ایک زمین جس کا رقبہ تین ہزار تین سو اسکوائر فٹ ہے، جسے انہوں نے انتقال سے قبل مشترکہ طور پر اپنی لڑکی حمیرہ خاتون اور داماد محمد فاروق صاحب کے نام لکھ کر ہندوستان کے قانون کے مطابق رجسٹرڈ کر دیا، اس جگہ میں دو پختہ کمرے تعمیر شدہ ہیں اور باقی ایک چوتھائی میں تقریباً خام کھپریل کا مکان تھا، جو اب زمین بوس ہو چکا ہے، اب سے تقریباً دس سال قبل ۱۹۹۰ء میں حمیرہ خاتون نے اپنی ایک لڑکی (۳) سائرہ خاتون کو گھر نہ ہونے کی مجبوری کے پیش نظر ایک پختہ کمرہ اور خام کھپریل کا سارا حصہ اس نیت سے دینا چاہا کہ مکان کے خام حصہ کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی اور وقتی طور پر سائرہ خاتون کی مشکل بھی آسان ہو جائے گی، مگر حمیرہ خاتون کے دیگر لڑکے اور لڑکیوں نے نمبروار ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، نے سختی سے مخالفت کی۔ ۸-۹/ نابالغ اور ناسمجھ تھے، صرف ہر دو جانب ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ اور گھر نہیں دیا گیا، چند دنوں کے بعد حمیرہ خاتون کے بڑے لڑکے جو بسلسلہ ملازمت دوسرے شہر میں مقیم تھے، گھر آئے اور ساری صورت حال ان کے سامنے آئی تو انہوں نے تمام بھائیوں اور بہنوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ شرعی طور پر جو حصہ ماں باپ کی جائیداد میں بنتا ہے وہ آج نہیں تو کل سائرہ خاتون کو دیا جانا ہی ہے اور چونکہ ضرورت آج ہے؛ اس لئے بعد میں جب جائیداد کی تقسیم ہوگی اور پتہ نہیں کب ہوگی؛ اس

لئے اس وقت دینے سے کیا فائدہ ہوگا، ہوسکتا ہے اس وقت تک ان کو سائرہ خاتون کو مکان کی ضرورت باقی نہ رہے۔

بڑے لڑکے (ا) کی بات دیگر تمام بھائیوں اور بہنوں کے دل کو لگی اور گھر مع ایک پختہ کمرہ سائرہ خاتون کو رہنے کے لئے دے دیا گیا کہ گھر کے خام کھپریل کے حصہ کی دیکھ بھال بھی کرتی رہیں گی اور سائرہ خاتون نے یہ وعدہ بھی کرلیا کہ جب ہمارے شوہر کا اپنا گھر ہوجائے گا وہ اس گھر کو چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ حمیرہ خاتون جو دل کی مریضہ تھیں اور اکثر و بیشتر بیمار رہتی تھیں، اچانک دل کا دورہ پڑ جاتا تھا اور بیہوش ہوجایا کرتی تھیں، ایسے ہی اچانک دل کا دورہ پڑا اور بیہوش ہوگئیں اور ۹/ دن بیہوشی کی حالت میں گذار کر ۱۵/ نومبر ۱۹۹۳ء کو بیہوشی کی حالت میں ہی انتقال فرما گئیں، انتقال سے پہلے حمیرہ خاتون نے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ سائرہ خاتون کو ۱ پختہ کمرہ اور اس کی سیدھ سے جو خالی جگہ سڑک تک کی ہے وہ سائرہ خاتون کو تم لوگ دے دینا، بڑے لڑکے ۱ نے والدہ حمیرہ خاتون سے کہا کہ جو جگہ اور جتنی آپ کہہ رہی ہیں وہ اس مقدار سے جوان کو شرعی طور پر ملنی چاہیے بہت زیادہ ہوجائے گی، اس پر والدہ محترمہ حمیرہ خاتون خاموش ہوگئیں بعد میں ایک مرتبہ پھر کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کمرہ ۱ کے سامنے سیدھی جگہ جو سڑک تک ہے وہ سائرہ کو مل جائے۔ الغرض مکان کا خام حصہ جو سائرہ خاتون کے زیر استعمال تھا، آہستہ آہستہ منہدم ہونے لگا، جس کی وجہ سے جگہ کی تنگی محسوس کرتے ہوئے کمرہ ۲ پختہ جو کمرہ ۱ پختہ سے ملحق تھا، جس کا دروازہ کمرہ ۱ کے اندر سے تھا، سائرہ خاتون نے کھول لیا، کمرہ ۲ جسے سائرہ نے بعد میں کھولا تھا، اس میں گھر کا مختلف سامان بغرض حفاظت رکھا ہوا تھا اور حمیرہ خاتون کے بڑے لڑکے محمد عبداللہ کا بھی تھوڑا سامان تھا، ایک مرتبہ محمد عبداللہ اپنا سامان دیکھنے گئے تو سائرہ خاتون نے کہا کہ کھپریل کا حصہ رہنے کے قابل نہیں ہے، جگہ کی تنگی محسوس ہوتی تھی؛ اس لئے اس کمرہ کو استعمال کررہی ہوں اور آپ کا سامان یہ ادھر رکھا ہوا ہے، اس کی بھی دیکھ بھال کرتی رہتی ہوں۔ محمد عبداللہ نے از راہ ہمدردی سائرہ خاتون کی پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کمرہ ۲ کے کھولے جانے پر کوئی

اعتراض نہ کیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ ان تمام معاملات کے طے ہونے اور اس پر عمل ہونے (سائرہ خاتون کو گھر دینے نہ دینے کے سلسلہ میں) والد محترم نے کوئی کلیدی کردار ادا نہ کیا اور بظاہر لاتعلق رہے۔ والدہ محترمہ حمیرہ خاتون کے انتقال کے بعد کمرہ ۲ کے کھلنے کی اطلاع جب عباداللہ ۱ کو ملی تو بہنوں بھائیوں میں سب سے بڑی ہونے کے ناطے چونکہ ۱ محمد عبداللہ موجود نہیں تھے، عباداللہ نے طاہرہ ۲ خاتون کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ کمرہ ۲ کھول لیا گیا ہے اور کسی سے اجازت نہیں لی گئی ہے، جیسا بند تھا ویسا بند رہنا چاہئے، طاہرہ نے جواباً کہا کہ میرے کچھ کہنے سے میری بدنامی ہوگی، تم خود کہو یا والد صاحب کے سامنے یہ بات رکھو۔ عباداللہ نے والد صاحب جناب محمد فاروق صاحب سے ادباً واحتراماً کوئی بات نہیں کی اور معاملہ جوں کا توں رہا۔

کمرہ ۲ میں جو سامان بغرض حفاظت رکھا ہوا تھا، اس میں کا کچھ سامان سائرہ خاتون نے نکال کر خام کھپریل کے حصہ میں رکھ دیا، اب تک خام کھپریل کا تقریباً نوے فیصد حصہ منہدم ہو چکا ہے۔

اب ۲۰۰۰ء میں والد صاحب جناب محمد فاروق صاحب کی توجہ محمد عبداللہ نے اور دوسرے لڑکوں لڑکیوں نے اس جانب مبذول کرائی کہ تمام لڑکوں لڑکیوں کو ان کے حصہ کی نشاندہی کردیں جو ان کا شرعی طور پر ہوتا ہے، تاکہ ہر ایک کو ان کے حصے اور ان کی جگہ معلوم ہوجائے اور وہ اپنی جگہ میں مکان تعمیر کرکے رہائش اختیار کرسکیں اور آئندہ کسی قسم کا اختلاف نہ ہو اور جس طرح اب تک سب بھائی بہن باہم میل ومحبت سے رہتے چلے آئے ہیں وہ آئندہ اسی طرح قائم رہے۔

والد محترم محمد فاروق صاحب نے سب کی اس بات کو تسلیم کرلیا۔ اور والدہ محترمہ حمیرہ خاتون کے تمام وارثین جمع ہوئے بات چیت خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ اور جب اس جگہ کی پیمائش کی گئی جس میں سائرہ خاتون قیام پذیر ہیں اور جتنی جگہ والدہ محترمہ نے انتقال سے قبل سائرہ کو دینے کی بات کہی تھی، تو وہ اس سے بہت زیادہ بلکہ دوگنی سے بھی زائد نکلی، جو انہیں شرعی طور پر

تقسیم کیے جانے پر ملتی ہے۔ اب سائرہ خاتون بضد ہیں کہ مجھے اتنی ہی جگہ دی جائے جس قدر والدہ محترمہ نے دینے کی وصیت کی تھی۔ جناب محمد فاروق صاحب کا بھی کہنا ہے کہ حمیرہ خاتون کی وصیت پوری کی جائے گی، باقی جگہ کو تم لوگ شرعی اعتبار سے تقسیم کرلو۔ نیز والد جناب محمد فاروق صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ مجھے اختیار ہے جتنا چاہیں سائرہ کو دے سکتے ہیں، کسی سے مشورہ کی مجھے ضرورت نہیں ہے، نہ ہی کسی کے مشورہ کا پابند ہوں، جب کہ سارے بھائی بہن بخوشی اس بات پر رضامند ہیں کہ سائرہ خاتون کو شرعی اعتبار سے جو جگہ ملتی ہے وہ دی جائے گی۔ سائرہ خاتون کا یہ بھی کہنا ہے کہ کمرہ ۲ بھی والدہ محترمہ نے مجھے دیا تھا، جب کہ اس سلسلے میں کوئی واضح بات کسی کو معلوم نہیں ہے اور وارثین بھی اس بات سے منکر ہیں کہ والدہ محترمہ حمیرہ خاتون نے کمرہ ۲ سائرہ خاتون کو دیا تھا، وارثین سائرہ خاتون کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، یہ بات بھی واضح کردوں کہ والد صاحب اپنے تمام لڑکوں کے ہمراہ ہی رہتے ہیں اور سائرہ خاتون اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اس گھر میں رہتی ہیں، جس کا تفصیلی ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ تفصیلات سے متعلق دریافت طلب امور:

(۱) کیا مرحومہ حمیرہ خاتون صاحبہ کا سائرہ کے حق میں وصیت جب کہ وہ ان کی لڑکی تھیں معتبر ہے؟

(۲) ایسی صورت حال میں جب کہ تمام حصہ دار و وارثین حمیرہ خاتون اس بات پر بخوشی تیار ہیں کہ سائرہ خاتون کا جو جائز شرعی حصہ بنتا ہے دیا جائے گا، جناب محمد فاروق صاحب کا سائرہ خاتون کو زیادہ دینا یا دلوانا باصرار درست ہے؟

(۳) کیا پختہ کمرے ۱، ۲ تنہا سائرہ خاتون کو اس حال میں کہ دو بھائیوں کو رہنے کے لئے جگہ نہیں ہے، باصرار جناب محمد فاروق صاحب دے دینا درست ہے؟

(۴) کیا سارے وارثین پختہ کمروں میں حصہ دار ہیں یا صرف سائرہ خاتون؟

(۵) کیا سائرہ خاتون کا منہدم شدہ خام حصہ کی اشیاء مثلاً لکڑی وغیرہ کا جلانا بغیر وارثین کی اجازت کے جائز ہے؟

(۶) اگر نہیں تو وارثین اس سلسلے میں استفسار کرنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟

(۷) کیا شرعی حصہ سے زائد جگہ جب کہ دوسرے وارثین رضا مند نہیں ہیں، سائرہ خاتون کو دینا جائز ہے؟

(۸) کیا محمد فاروق صاحب کا ایسے وقت جب کہ وہ اپنی تمام جائیداد بشمول مشترکہ جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ آئندہ ساری اولاد میں محبت و بھائی چارگی قائم رہے اور کسی قسم کی نااتفاقی نہ ہو صرف سائرہ خاتون کو زیادہ دینا درست ہے؟

(۹) کیا محمد فاروق صاحب کو از روئے شرع یہ اختیار حاصل ہے کہ جتنا چاہیں سائرہ خاتون کو بغیر رضامندی دیگر وارثین دے دیں؟

(۱۰) کیا محمد فاروق صاحب کا اپنی اور مرحومہ حمیرہ خاتون کی مشترکہ جائیداد کے بٹوارہ کے اور تقسیم کے وقت محمد عبداللہ یا دیگر وارثین سے مشورہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱۱) کیا محمد فاروق صاحب مذکورہ جائیداد کے بٹوارہ کے سلسلے میں کسی کے مشورہ کے پابند نہیں ہیں؟

(۱۲) کیا محمد فاروق صاحب کا مرحومہ حمیرہ خاتون کی وصیت کو اسی طرح جس طرح ان کی مرضی تھی پوری کرنا ضروری ہے؟

(۱۳) کیا سائرہ خاتون کا یہ وعدہ کرنا کہ جب میرے اپنے شوہر کا گھر ہوجائے گا چلی جاؤں گی، جب کہ ان کی اپنے گھر کی جگہ موجود ہے، وہاں نہ جانا اور جو جگہ ان کو رہنے کی لئے دی گئی تھی، اسے نہ چھوڑنا اور جو شرعی حصہ بنتا ہے اس سے دوگنے کا مطالبہ کرنا یہ سب درست ہے؟

(۱۴) اگر تین ہزار تین سو اسکوائر (مربع) فٹ جگہ جناب محمد فاروق صاحب اپنی تمام اولاد: جن میں اول الذکر ۵ رلڑکے اور ۴ رلڑکیاں ہیں، شرعی اعتبار سے تقسیم کرنا چاہیں تو کس کس کو کتنی کتنی جگہ ملے گی؟ والسلام مع الاحترام

المستفتی: محمد عبداللہ قاسمی، امام وخطیب مسجد ابراہیم شاہ صاحب کمہار پیٹ، بنگلور ۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شکل میں حمیرہ کے والد نے اگر بطور ہبہ حمیرہ اور اس کے شوہر کے نام منتقل کردیا تھا اور ان دونوں نے اس کے اوپر قبضہ بھی کرلیا تھا، تو حضرات صاحبین ؒ کے قول پر بلا شبہ یہ ہبہ درست ہو چکا ہے۔ اور وہ دونوں اس جائیداد کے برابر مالک ہو چکے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مشترکہ ہبہ درست نہیں ہوا؛ بلکہ یہ ہبہ فاسد ہوا ہے؛ لیکن اس فاسد شدہ ہبہ کو اپنی جگہ برقرار رکھا گیا ہے اور دونوں موہوب لہما نے اس پر اپنا قبضہ بھی جما لیا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی ان دونوں کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے۔ اب دوسرے درجے میں ان دونوں کے تصرف کی بات ہے، تو تصرف کے اندر حمیرہ نے اپنے مرض وفات میں دوسرے ورثاء کی رضامندی کے بغیر سائرہ کے حق میں جو وصیت کی ہے وہ شرعاً نافذ نہیں ہوئی؛ لہٰذا حمیرہ کا حصہ اس کے تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ اب رہی محمد فاروق کے حصہ کی بات تو وہ اگر صحیح اور تندرست ہے اور صرف ایک وارث کو اپنے حصہ میں سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دینا چاہتا ہے اور دوسرے ورثاء اس پر راضی بھی نہیں ہیں، تو اس کا اپنی ملکیت کے حصہ میں سے زیادہ دینا جائز تو ہوگا؛ لیکن ساتھ ساتھ محمد فاروق اولاد کے درمیان برابری نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار بھی ہوگا۔ نیز یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ محمد فاروق کو حمیرہ کے حصہ میں کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں ہے اور نہ اس میں سے دوسرے ورثاء کی رضامندی کے بغیر سائرہ کو دینا جائز ہوگا، ہاں البتہ بیوی کی وراثت میں سے جو چوتھائی حصہ اس کا بیٹھتا ہے، اس میں سے دے سکتا ہے۔ اصل مسئلہ کا جواب تو یہی ہے؛ لیکن سوال نامہ میں جو نمبروار سوالات کئے گئے ہیں ان کے جوابات نمبروار درج ہیں:

(۱) حمیرہ نے جو سائرہ کے حق میں وصیت کی ہے، وہ شرعاً معتبر نہیں ہے؛ اس لئے کہ وارث کے حق میں دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت درست نہیں ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى لكل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام، رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد، باب في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دارالسلام، رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجة، باب لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۵، دارالسلام، رقم: ۲۷۱۳، سنن الدارمي، دارالمغني للنشر و التوزيع ٤/ ۲٦۳، رقم: ۳۳۰۳)

(۲) محمد فاروق صاحب کو حمیرہ کی جائیداد میں سے سائرہ کو زیادہ دینا جائز نہیں، ہاں البتہ اپنی جائیداد میں سے اگر دے دیں گے تو مالک تو ہوجائے گی؛ لیکن برابری نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار رہوگا۔

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون آثما فيما صنع كذا في فتاوى قاضى خان. (كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ۳۹۱، جديد ٤/ ٤١٦، بزازية، زكريا جديد ۳/ ۱۲۳، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲۳۷، قاضيخان، زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، الدر مع الرد، زكريا ۸/ ۵۰۲، كراچى ۵/ ٦۹٦)

(۳) اگر یہ حمیرہ کا حصہ ہے، تو مطلقاً جائز نہیں۔ اور اگر یہ محمد فاروق کا حصہ ہے، تو بے انصافی کی وجہ سے ایسا کرنے سے محمد فاروق گنہگار رہوگا۔ اور اگر مشترکہ شکل ہے محمد فاروق اور حمیرہ کا حصہ الگ الگ نہیں ہوا ہے، تو امتیاز سے پہلے محمد فاروق کو اس میں سے کوئی حصہ کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۴) تقسیم سے پہلے پختہ اور کچا اور خالی زمین سب کے اندر ہر ایک وارث کا حق متعلق ہے۔

(۵) چونکہ ہر چیز کے اندر تمام ورثاء کا حق متعلق ہے؛ اس لئے تنہا ایک وارث کا تصرف جائز نہیں ہے۔

(٦) جی ہاں! حق رکھتے ہیں۔ (۷) جی نہیں۔ (۸) جی نہیں۔ (۹) اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ (۱۰) جی ہاں! ضروری ہے۔ (۱۱) ذاتی حصہ میں پابند نہیں ہیں، حمیرہ کے حصہ میں پابند ہیں۔ (۱۲) حمیرہ کی وصیت نافذ نہیں ہوئی، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

(۱۳) یہ اس کی طرف سے وعدہ خلافی ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔
(۱۴) الحاج عبداللطیف کی دی ہوئی جائیداد درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

(۱) عبداللطیف میت

موہوب لہ محمد فاروق	موہوب لہا حمیرہ خاتون
۱	۱
۵۶	

(۲) حمیرہ خاتون میت

شوہر	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
محمد فاروق	عبداللہ	عباداللہ	ابوالقاسم	محمد مسعود	حبیب المرسلین	طاہرہ	سائرہ	ہاجرہ	صالحہ
۱				۳					
۱۴	۶	۶	۶	۶	۶	۳	۳	۳	۳

الإحیاء

محمد فاروق	عبداللہ	عباداللہ	ابوالقاسم	محمد مسعود	حبیب المرسلین	طاہرہ	سائرہ	ہاجرہ	صالحہ
۷۰	۶	۶	۶	۶	۶	۳	۳	۳	۳

نوٹ: عبداللطیف کی جائیداد ۱۱۲؍سہاموں میں تقسیم ہوکر اسی تناسب سے جائیداد میں سے ہر ایک وارث کو اتنا حصہ ملے گا جو کہ اس کے نام کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۴ھ

ہبۃ المشاع

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

مسئلۂ ہبہ میں قبضۂ تام کا حکم زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور قبضۂ تام ہی کی وجہ سے ہبۂ مشاع میں ائمۂ ثلاثہ اور حنفیہ کے درمیان معرکۃ الآراء اختلاف پیش آیا ہے، پھر حنفیہ کے درمیان بھی جزئی اختلاف ہے؛ لہٰذا ہبۂ مشاع کے جواز کے بارے میں کیا کیا اختلاف اور جواز کی کیا کیا شکلیں نکل سکتی ہیں؟ اس بارے میں یہ مضمون پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''عقار'' اور ''اموال منقولہ'' دونوں کے ہبۂ مشاع کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے؛ لہٰذا اگر اس طریقہ سے ہبہ کیا جائے کہ وہ مالِ موہوب مشاع ہو، یعنی شئ واحد کو متعدد افراد کے درمیان اس طریقہ سے ہبہ کر دیا جائے کہ کس کا کون سا حصہ ہے امتیاز نہ ہو، اسی طرح شئ واحد میں پہلے ہی سے متعدد شرکاء شریک ہوں اور تقسیم سے پہلے کوئی شریک اپنا حصہ کسی ثالث کو ہبہ کر دے، تو اس طرح کا ہبہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مسئلہ تفصیل طلب ہے اور شئ مشاع دو قسموں پر ہے: (۱) نا قابلِ تقسیم (۲) قابلِ تقسیم۔

نا قابل تقسیم اشیاء کا ہبۃ المشاع

اگر شئ موہوب ایسی ہے کہ اس میں تقسیم ممکن نہیں ہے، تو ایسی اشیاء کے بارے میں سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ مشاع ہونے کی حالت میں اس کا ہبہ جائز اور درست ہے، مثال کے طور پر کنواں، غسل خانہ اور بہت ہی چھوٹا کمرہ، کار، بس، اسکوٹر وغیرہ۔ ایسی اشیاء میں

جب دو یا دو سے زیادہ افراد مالکانہ طور پر شریک ہوں اور ان شرکاء میں سے کوئی شخص اپنا حق کسی ثالث کو ہبہ کرنا چاہے، یا ایک شخص ان اشیاء میں سے کسی ایک چیز کا مالک ہے اور وہ شخص دو یا دو سے زیادہ افراد کو ہبہ کرنا چاہے، تو سب کے نزدیک یہ ہبہ بغیر تقسیم کے جائز ہے اور شرکاء ان اشیاء سے باری قائم کرکے اپنی اپنی باریوں سے فائدہ اٹھائیں گے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ ہندیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيمَا لا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ تَجُوزُ مِنَ الشَّرِيكِ، وَمِنَ الأَجْنَبِيِّ. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٤٠٠)

ایسی مشترک اور شائع شدہ اشیاء جن میں تقسیم کا احتمال نہ ہو، شریک کے ہاتھ اور اجنبی شخص کے ہاتھ ہبہ کردینا جائز اور درست ہے۔

صاحب بدائع نے اس کی علت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جو اشیاء قابل تقسیم نہیں ہیں، ان میں سے بعض کے ہبہ کرنے کی کبھی ضرورت پیش آتی ہے؛ لیکن بعض حصہ کو الگ کرکے قبضہ میں دینا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں تقسیم کا احتمال ہی نہیں ہوتا؛ اس لئے ضرورتاً شریعت نے بغیر تقسیم کے ہبہ کی اجازت دی ہے۔

بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَهٰكَذَا نَقُولُ فِي الْمُشَاعِ الَّذِي لَا يُقْسَمُ أَنَّ مَعْنَى الْقَبْضِ هُنَاكَ لَمْ يُوجَدْ لِمَا قُلْنَا، إِلَّا أَنَّ هُنَاكَ ضَرُورَةً؛ لِأَنَّهُ يُحْتَاجُ إِلٰى هِبَةِ بَعْضِهِ، وَلَا حُكْمَ لِلْهِبَةِ بِدُونِ الْقَبْضِ، وَالشِّيَاعُ مَانِعٌ مِنَ الْقَبْضِ

ایسا ہی ہم ایسی شئ مشاع کے بارے میں کہتے ہیں جو تقسیم نہیں ہوسکتی کہ بے شک قبضہ کا معنی یہاں پایا نہیں جاتا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے یہاں بیان کی، مگر یہ کہ یہاں پر ضرورت ہے؛ کیوں کہ کبھی اس کے بعض حصہ کے ہبہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور بغیر قبضہ کے ہبہ کا حکم نہیں لگایا جاتا اور شئ کا مشاع

الْـمُمْكِنِ لِلتَّصَرُّفِ، وَلَا سَبِيْلَ إِلٰى إِزَالَةِ الْمَانِعِ بِالْقِسْمَةِ لِعَدَمِ احْتِمَالِ الْقِسْمَةِ، فَمَسَّتِ الضَّرُوْرَةُ إِلَى الْجَوَازِ، وَإِقَامَةِ صُوْرَةِ التَّخْلِيَةِ مَقَامَ الْقَبْضِ الْمُمْكِنِ مِنَ التَّصَرُّفِ. (بدائع زكريا ٥/ ١٧١، كراچی ٦/ ١٢٠، الموسوعة الفقهية ٤٢/ ١٢٩)

ہوجانا ایسے قبضہ سے مانع ہے، جس میں تصرف پرقدرت ہواورتقسیم کے ذریعہ سے اس مانع کوزائل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس میں تقسیم کااحتمال نہ ہونے کی وجہ سے؛ لہٰذا جائز قرار دینے کی ضرورت پیش آ گئی۔ اور دست برداری کی شکل کوایسے قبضہ کے قائم مقام قرار دیا گیاہے،جس میں تصرف ممکن ہو۔

اور''الفقہ الإسلامي وأدلتہ''میں اس کوان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَتَجُوْزُ الْهِبَةُ إِذَا كَانَ مُشَاعًا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ كَالسَّيَّارَةِ، وَالْحَمَّامِ، وَالْبَيْتِ الصَّغِيْرِ، وَالْجَوْهَرِ، وَجَوَازِ الْهِبَةِ لِلضَّرُوْرَةِ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إِلٰى هِبَةِ بَعْضِ ذٰلِكَ، وَيَكْتَفِي بِصُوْرَةِ التَّخْلِيَةِ مَقَامَ الْقَبْضِ. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٦٨٦)

ایسی شئ مشاع کا ہبہ جائز ہے جس میں تقسیم کا احتمال نہ ہو، جیسا کہ گاڑی، غسل خانہ، چھوٹا کمرہ اور جواہرات وغیرہ۔ اورضرورت کی وجہ سے اس ہبہ کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ کبھی اس طرح ناقابل تقسیم شئ کے بعض کی ہبہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور دست برداری کی شکل کو قبضہ کی قائم مقامی کے لئے کافی قرار دیا جاتا ہے۔

قابل قسمت اشیاء کا ہبۂ مشاع

جو اشیاء تقسیم کے لائق ہیں، ایسی قابل قسمت اشیاء کا ہبۂ مشاع تقسیم سے پہلے جائز ہے یانہیں؟ اس سلسلہ میں مسئلہ کی وضاحت انتہائی ضروری ہے اوراس بارے میں اولاً ائمۂ اربعہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو واضح کرنا ضروری ہے، چنانچہ ائمہ اربعہ کے درمیان دو فریق ہوچکے ہیں:

فریق اول: ائمہ ثلاثہ: حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس طرح نا قابل تقسیم اشیاء کا ہبہ مشاع جائز ہے، اسی طرح قابل قسمت اشیاء کا بھی ہبۂ مشاع ان کے نزدیک جائز ہے؛ لہٰذا ائمۂ ثلاثہ کے یہاں ہبۂ مشاع اور غیر مشاع کا کوئی فرق نہیں ہے۔ "**بداية المجتهد**" میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَاخْتَلَفُوا فِيْ هٰذَا الْبَابِ فِيْ جَوَازِ هِبَةِ الْمُشَاعِ غَيْرِ الْمَقْسُوْمِ فَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْ ثَوْرٍ: تَصِحُّ، وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَاتَصِحُّ، وَعُمْدَةُ الْجَمَاعَةِ أَنَّ الْقَبْضَ يَصِحُّ فِيْهَا كَالْقَبْضِ فِي الْبَيْعِ، وَعُمْدَةُ أَبِي حَنِيْفَةَ أَنَّ الْقَبْضَ فِيْهَا لَايَصِحُّ إِلَّا مُفْرَدَةً كَالرَّهْنِ. (بداية المجتهد ۲/ ۳۲۹)

غیر مقسوم اشیاء کے ہبۂ مشاع کے جواز کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابوثور وغیرہ نے فرمایا: کہ جائز اور درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: کہ ہبۂ مشاع صحیح نہیں ہے۔ اور جمہور کی بنیاد یہ ہے کہ ہبۂ مشاع میں اسی طرح قبضہ صحیح ہو جاتا ہے جس طرح بیع میں قبضہ صحیح ہو جاتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کی بنیاد یہ ہے کہ شئ مشاع میں قبضہ صحیح نہیں ہوتا؛ الّا یہ کہ تقسیم کر کے الگ کر دیا جائے، جیسا کہ رہن کا قبضہ مشاع میں درست نہیں ہوتا۔

اور ائمۂ ثلاثہ کے قول کو "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَقَالَ الْمَالِكِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ: إِنَّ هِبَةَ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ كَالْبَيْعِ، فَإِنَّ الْقَبْضَ فِيْ هِبَةِ الْمُشَاعِ يَصِحُّ كَالْقَبْضِ فِي الْمَبِيْعِ الْمُشَاعِ. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٦٨٦)

اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ بے شک شئ مشاع کا ہبہ بیع کی طرح جائز ہے؛ اس لئے کہ شئ مشاع کے ہبہ میں قبضہ اسی طرح صحیح ہو جاتا ہے جس طرح مبیع مشترک اور مشاع میں قبضہ صحیح ہو جاتا ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کے دلائل

ائمۂ ثلاثہ کی طرف سے مختلف روایات بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں، ہم یہاں پر ان کی طرف سے دو روایات پیش کرتے ہیں:

(۱) جب ہوازن کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مال اور اپنے قیدیوں کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میرے اور بنوعبد المطلب کے حصہ میں آیا ہے، وہ ہم تم کو دے دیتے ہیں، حالاں کہ جو حصے آپ ﷺ نے دینے کو فرمایا ان میں کوئی تعیین نہیں کہ کس کا مال کس کے یہاں پہنچا اور کتنا کس کے یہاں پہنچا؟ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے حصہ اور بنوعبد المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا تھا ان کو دینے کو فرمانا ایسی اشیاء کا ہبۂ مشاع ہے جو قابل تقسیم ہیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ: أَنَّهٗ وَفْدُ هَوَازِنَ لَمَّا أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ وَقَدْ أَسْلَمُوا إِلٰى قَوْلِهٖ: فَلَمَّا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ، قَامُوْا فَكَلَّمُوْهُ بِمَا أَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ.

(مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۴۷۳، رقم: ۶۷۲۹، تغليق التعليق على صحيح البخاري ۳/ ۴۷۳)

حضرت عمرو بن شعیب ''عن ابیہ عن جدہ'' کے طریق سے مروی ہے کہ: بے شک ہوازن کا وفد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام قبول کر کے مقام جعرانہ میں پہنچا (اور اپنے مال اور قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا) الی قولہ: پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا کر فراغت حاصل کر لی تو ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں گفتگو کی، جس پر آپ نے ان کو حکم فرمایا تھا، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہر حال میرے اور بنوعبد المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ تمہارے لئے ہے۔

اور ''بخاری شریف'' کے ترجمۃ الباب میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ هَوَازِنَ حِيْنَ سَأَلُوا الْمَغَانِمَ، فَقَالَ: نَصِيْبِي لَكُمْ. (بخاري، وكالة، باب إذا وهب شيئا لوكيله ١/ ٣٠٩)

حضور ﷺ کا وفد ہوازن سے فرمانا جس وقت ان لوگوں نے مال غنیمت کی واپسی کا سوال کیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرا حصہ تمہارے لئے ہے۔

(۲) حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی جگہ کو بنونجار کے لوگوں سے خرید کر لینے کی بات طے کر رکھی تھی اور وہ جگہ حضرت اسعد بن زرارہؓ اور ان کی قوم کے دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ حضور ﷺ کو ہبہ کر دیا، اس کے بعد پھر دوسرے دونوں آدمیوں نے بھی اپنا اپنا حصہ حضور ﷺ کو ہبہ کر دیا اور آپ ﷺ نے پہلے اسعد بن زرارہؓ کے حصہ کو قبول فرمایا، پھر اس کے بعد دوسرے دونوں آدمیوں کا بھی حصہ قبول فرما لیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث شریف سے حضور ﷺ کا ایسی چیز کے ہبۂ مشاع کو قبول فرمانا ثابت ہے، جو قابل تقسیم ہے۔ روایت ملاحظہ فرمائیے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ نَظَرَ إِلٰى مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ فَوَجَدَه بَيْنَ أَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ وَبَيْنَ رَجُلَيْنِ مِنْ قَوْمِهٖ، فَوَهَبَ أَسْعد -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- نَصِيْبَه لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ وَهَبَ الرَّجُلَانِ نَصِيْبَهُمَا مِنْهُ أَيْضًا، فَبَنَى الْمَسْجِدَ. (مبسوط سرخسي ١٢/ ٦٤، بدائع زكريا ٥/ ١٧٠، كراچی ٦/ ١٢٠، ١٢١)

بے شک رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے، تو مسجد نبوی کی جگہ کو دیکھا تو اس کو حضرت اسعد بن زرارہؓ اور ان کی قوم کے دوسرے دو آدمیوں کے درمیان مشترک اور شائع پایا، تو حضرت اسعد بن زرارہؓ نے (پہلے) اپنا حصہ حضور ﷺ کو (ہبۂ مشاع کے طور پر) ہبہ کر دیا، اس کے بعد پھر ان کی قوم کے دونوں آدمیوں نے بھی اپنا اپنا حصہ آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا (آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے اس ہبۂ مشاع کو قبول فرما کر اس جگہ پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔

ان روایات سے واضح ہوگیا کہ قابل تقسیم اشیاء میں بھی ہبۂ مشاع جائز ہے۔

فریق ثانی: حضرات حنفیہ: حضرات حنفیہ کے نزدیک ایسی چیز میں ہبۂ مشاع جائز اور درست ہے، جو قابل تقسیم نہ ہو، جیسا کہ ماقبل میں اس کی وضاحت ہوچکی ہے اور جو اشیاء قابل تقسیم ہوتی ہیں ان کو تقسیم کرنے سے پہلے مشترکہ حالت میں ان میں سے بعض کا ہبہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہبہ کی صحت کے لئے قبضۂ تام لازم ہے اور قبضہ تام کے لئے آزادانہ طور پر شئ موہوب پر قبضہ کرکے تصرف کے دائرہ میں لانے کا امکان موہوب لہ کے لئے واضح طور پر ثابت ہونا لازم ہے۔ اور مشاع اور مشترک حالت میں یہ شرط پائی نہیں جاتی اور چاہے ہبۂ مشاع کے طور پر واہب نے اپنے شریک کو ہبہ کردیا ہو یا اپنے شریک کے علاوہ کسی غیر کو ہبہ کیا ہو، دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ اگر مذکورہ شرط کے بغیر تقسیم سے پہلے مشترک اشیاء کے بعض حصہ کو مشاع کی حالت میں ہبہ کردیا جائے اور اسی حالت میں اس پر موہوب لہ قبضہ کرلے تو مفید ملک ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ مفید ملک نہیں ہے؛ لیکن مفتی بہ اور راجح قول یہی ہے کہ چونکہ عقد باطل نہیں ہوتا؛ بلکہ فاسد ہوتا ہے؛ اس لئے مفید ملک ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيْمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ تَجُوْزُ، سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ شَرِيْكِهٖ أَوْ مِنْ غَيْرِ شَرِيْكِهٖ، وَلَوْ قَبَضَهَا هَلْ تُفِيْدُ الْمِلْكَ؟ ذَكَرَ حُسَامُ الدِّيْنِ فِيْ كِتَابِ الْوَاقِعَاتِ: أَنَّ الْمُخْتَارَ أَنَّهُ لَا تُفِيْدُ الْمِلْكَ، وَذَكَرَ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ: أَنَّهُ تُفِيْدُ الْمِلْكَ مِلْكًا

اور ان چیزوں میں جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہیں مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے، چاہے اپنے شریک کے ہاتھ ہبہ کرے یا شریک کے علاوہ غیر کے ہاتھ میں۔ اور اگر ایسے ہبہ میں قبضہ ہوجائے تو ملکیت کا فائدہ دے گا یا نہیں؟ تو امام حسام الدین نے کتاب الواقعات میں ذکر کیا ہے: کہ قول مختار یہ ہے کہ ملکیت کا

فَاسِدًا، وَبِهٖ يُفْتَى، كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ. (الفتاوى الهندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٤٠٠، وهكذا في مجمع الأنهر بيروت ٣/ ٤٩٤، الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٢٤، رقم: ٢١٥٨٠)

فائدہ نہیں دے گا۔ اور دوسری جگہ بیان فرمایا کہ ملک فاسد کے طور پر ملکیت کا فائدہ دے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حنفیہ کی طرف سے استدلال میں تین حدیثیں اور ایک اجماع پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے، جس میں حضور ﷺ نے قابل تقسیم اشیاء کو ہبہ کرنے کی صورت میں ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط لگائی کہ ہبہ سے پہلے اس کو الگ کردے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع ہونے کی حالت میں ہبہ مشروع نہیں ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَّمَا رَجُلٌ نَحَلَ ابْنَه نَحْلًا، فَبَانَ بِهٖ الابن، فَاحْتَاجَ الْأَبُ، فَالابْنُ أَحَقُّ بِهٖ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَانَ بِهٖ الابْنُ فَاحْتَاجَ الأَبُ، فَالْأَبُ أَحَقُّ بِهٖ. (المعجم الأوسط، دارالكفر ٣/ ٧١، رقم: ٣٨٩٥، إعلاء السنن بيروت ١٦/ ٩٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جو بھی آدمی اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردے، پھر اس کو بیٹا الگ کرکے اس پر قبضہ کرلے اس کے بعد باپ کو اس کی ضرورت پیش آجائے تو بیٹا ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اگر بیٹے نے اس کو الگ کرکے قبضہ نہیں کیا ہے، پھر باپ کو ضرورت پیش آجائے تو باپ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مؤطا امام مالک اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں مروی ہے، جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عوالی اور غابہ کے علاقہ میں جو ہبہ کیا تھا، اس کا واقعہ مذکور ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ كَانَ نَحَلَهَا جِدَادَ عِشْرِيْنَ وَسَقًا مِنْ مَالِهِ بِالْغَابَةِ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ: وَاللّٰهِ يَا بُنَيَّةُ! مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ غِنًى بَعْدِيْ مِنْكِ وَلَا أَعَزَّ عَلَيَّ فَقْرًا بَعْدِيْ مِنْكِ، وَإِنِّيْ كُنْتُ نَحَلْتُكِ جَادَّ عِشْرِيْنَ وَسَقًا فَلَوْ كُنْتِ جَدَدْتِيْهِ وَاحْتَزْتِيْهِ كَانَ ذٰلِكَ، وَإِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ مَالُ وَارِثٍ. (موطا امام مالك، أقضية، باب ما لا يجوز من النحل/ ٣١٤، نصب الرأية ٤/ ١٢٢، إعلاء السنن ١٦/ ٨٩، المصنف لابن أبي شيبة جديد ١٠/ ٥٢٢، رقم: ٢٠٥٠٦، بدائع زكريا ٥/ ١٦٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ کے عوالی کے باغ میں سے بیس وسق کھجور تڑائی کے وقت میں ہبہ کرنے کو فرمایا (کھجور نہیں توڑی گئی تھی) پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ لوگوں میں کوئی آدمی میرے نزدیک مال داری میں تم سے زیادہ محبوب ترین نہیں ہے اور مجھ پر تمہارے فقر وفاقہ سے زیادہ بھاری کسی کا نہیں ہے، اور میں نے تم کو کٹائی کے وقت بیس وسق کھجور ہبہ کردی تھی؛ لہٰذا اگر تم نے اسے توڑ کر الگ کر کے قبضہ کیا ہوتا تو تمہارے لئے ہوتی (تم نے توڑ کر الگ نہیں کیا) اس لئے بے شک وہ آج وارثین کا مال ہوگیا۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ اپنی اولاد کو ہبہ کر کے قبضہ نہیں دیتے، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ میرا اپنا مال ہے؛ اس لئے یاد رکھو کہ وہ ہبہ معتبر ہوگا جس پر بیٹا یا باپ نے قبضہ کرلیا ہو۔

حضرت عمر کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيْ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَنْحَلُوْنَ أَبْنَاءَهُمْ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنی اولادوں کو کوئی چیز ہبہ کرتے ہیں، پھر اپنے پاس روکے رکھتے

نَحۡلاً، ثُمَّ يُمۡسِكُونَهَا، فَإِنۡ مَاتَ ابۡنُ أَحَدٍ قَالَ: مَالِيۡ بِيَدِيۡ، لَمۡ أُعۡطِهِ أَحَدًا، وَإِنۡ مَاتَ هُوَ قَالَ: هُوَ لِابۡنِيۡ قَدۡ كُنۡتُ أَعۡطَيۡتُهُ إِيَّاهُ مِنۡ نَحۡلٍ نَحَلۡتُهُ، فَلَمۡ يُخَيِّرۡهَا الَّذِيۡ نَحَلَهَا حَتّٰى يَكُوۡنَ إِنۡ مَاتَ لِوَرَثَتِهِ فَهِيَ بَاطِلٌ. (موطا مالك، أقضية/ ٣١٤، بالفاظ ديگر مصنف ابن أبي شيبة ١٠/ ٥٢٠، رقم ٢٠٤٩٥، إعلاء السنن بيروتي ١٦/ ٩٠، رقم: ٥٢٦٠، مصنف عبدالرزاق ٩/ ١٠٢، رقم: ١٦٥٠٩، حاشية تاتارخانية ١٤/ ٤٢٥، رقم: ٢١٥٨٠)	ہیں، پھر اگر کسی کا بیٹا مر جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا مال میرے قبضہ میں ہے، میں نے کسی کو نہیں دیا۔ اور اگر وہ خود مر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ مال میرے بیٹے کا ہے، میں نے اس کو اس عطیہ میں سے دیا ہے جو عطیہ میں نے بطور ہبہ اس کو دے دیا ہے، پس اس کو اختیار نہیں دیتا ہے، جس کو اس نے ہبہ کیا ہے، یہاں تک کہ اگر خود مر جاتا ہے تو وہ اس کے وارث کے لئے ہے، تو ایسا ہبہ باطل ہے۔

(۴) سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر صحابہ کا اجماع ہے۔ صاحب بدائع نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَرُوِيَ عَنۡ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ قَالَ: مَنۡ وَهَبَ ثُلُثَ كَذَا أَوۡ رُبُعَ كَذَا لَا يَجُوۡزُ مَا لَمۡ يُقَاسِمۡ، وَكُلُّ ذٰلِكَ بِمَحۡضَرٍ مِنۡ أَصۡحَابِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَلَمۡ يُنۡقَلۡ أَنَّهُ أَنۡكَرَ عَلَيۡهِمۡ مُنۡكِرٌ، فَيَكُوۡنُ إِجۡمَاعًا؛	سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ جو شخص اپنی قابل قسمت چیزوں میں سے ایسا تہائی یا ایسا ایسا چوتھائی حصہ ہبہ کردے، تو وہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک تقسیم کر کے الگ نہ کردے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی موجودگی میں فرمایا ہے۔ اور کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ ان پر کسی نکیر

وَلِأَنَّ الْقَبْضَ شَرْطُ جَوَازِ هٰذَا الْعَقْدِ، وَالشُّيُوْعُ يَمْنَعُ مِنَ الْقَبْضِ؛ لِأَنَّ مَعْنَى الْقَبْضِ هُوَ التَّمَكُّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِي الْمَقْبُوْضِ، وَالتَّصَرُّفُ فِي النِّصْفِ الشَّائِعِ وَحْدَهُ لا يُتَصَوَّرُ. (بدائع زکریا ۵/ ۱۷۱، کراچی ٦/ ۱۲۰)

کرنے والے نے نکیر کی ہو؛ لٰہذا یہ مسئلہ صحابہ کے اجماع سے ثابت ہوگیا۔ اور اس لئے بھی جائز نہیں ہے کہ اس عقد کے جواز کی شرط میں سے قبضہ تام ہے اور شیوع وشرکت قبضہ سے مانع ہے۔ اور اس لئے بھی جائز نہیں ہے کہ قبضہ تام کا مطلب یہ ہے کہ شئ مقبوض میں تصرف پر قدرت ہو اور شرکت اور شائع شدہ اور مشاع ہونے کی حالت میں صرف ایک نصف میں تصرف متصور نہیں۔

ائمۂ احناف کے یہاں ہبۂ مشاع فاسد ہے یا ناتمام؟

حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شئ مشاع کا ہبہ تقسیم اور علاحدگی سے پہلے جو ناجائز کہا گیا وہ مطلقاً نہیں اور نہ ہی شئ مشاع کا ہبہ باطل یا فاسد ہے؛ بلکہ شیوع کے سبب سے قبضۂ تام نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ ناقص رہ جاتا ہے، اس ہبہ غیر تام کو بعضِ فقہاء نے ''فاسد'' کے الفاظ سے اور بعض فقہاء نے ''لا یجوز'' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے؛ لٰہذا اگر قابل تقسیم اشیاء کو تقسیم سے پہلے مشاع کی حالت میں ہبہ کردیا جائے اور پھر قبضہ سے پہلے اس کو تقسیم کرکے قبضہ تام کے قابل بنادیا جائے تو بالاتفاق ہبہ درست ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں حنفیہ کے درمیان میں بھی کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَاخْتَلَفَ عِبَارَةُ الْمَشَايِخِ فِي بَيَانِ مَعْنَى ذٰلِكَ بَعْضُهُمْ قَالُوا: بِأَنَّ هِبَةَ الْمُشَاعِ عِنْدَنَا غَيْرُ فَاسِدٍ إِلَّا أَنَّهَا غَيْرُ تَامَّةٍ

اسی معنی کو بیان کرنے میں مشائخ کی عبارت مختلف ہے، بعض مشائخ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ہبۂ مشاع ہمارے نزدیک (حنفیہ کے نزدیک) فاسد نہیں ہوتا ہے، ہاں

لِانْعِدَامِ الْقَبْضِ عَلٰى وَجْهِ التَّمَامِ بِسَبَبِ الشُّيُوْعِ، فَإِذَا انْعَدَمَ الشُّيُوْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ ذٰلِكَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ فَعَمِلَتْ الْهِبَةُ السَّابِقَةُ عَمَلَهَا وَبَعْضُهُمْ قَالُوا: بِأَنَّ التَّسْلِيْمَ فِي مَعْنَى شَرْطِ الْعَقْدِ فِي الْعَقْدِ فِيْ بَابِ الْهِبَةِ، فَإِذَا أَزَالَ الشُّيُوْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ صَارَ كَأَنَّ الْعَقْدَ وَقَعَ عَلَى الْمُفْرَزِ الْمَقْسُوْمِ. (الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٢٥، رقم: ٢١٥٨١)

البتہ شیوع کے سبب سے علی وجہ التمام قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے غیر تام ہوتا ہے، لہٰذا جب اس کے قبضۂ تام سے پہلے شیوع کی علت ختم ہوجائے تو سابقہ ہبہ صحیح ہوکر نافذ ہوجائیگا۔ اور بعض مشائخ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ بابِ ہبہ میں صلب عقد کے اندر عقد کے شرط کے مفہوم کے اندر تسلیم کا معنی پایا جاتا ہے؛ لہٰذا جب قبضہ سے پہلے شیوع کی علت زائل ہوجائے تو ایسا سمجھا جائے گا کہ عقد ہبہ تقسیم شدہ شئ پر واقع ہوا ہے۔

حنفیہ کے درمیان ہبۂ مشاع کے جواز اور عدم جواز کا اختلاف

قابل تقسیم اشیاء میں تقسیم سے پہلے مشاع اور مشترک حالت میں ہبہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں جو مسئلہ ہے وہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مشاع اور مشترک چیزوں کا تقسیم شدہ ہونا عقد ہبہ کے وقت میں کسی کے نزدیک بھی لازم یا شرط نہیں ہے؛ بلکہ قبضہ اور سپردگی کے وقت میں تقسیم شدہ ہونا لازم ہوتا ہے، تاکہ اس ہبہ کی وجہ سے مفضی الی المنازعہ لازم نہ آئے۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شئ موہوب صرف قبضہ کے وقت غیر منقسم اور مشاع ہوتو ناجائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بوقت نفس عقد اور بوقت قبضہ دونوں میں بیک وقت مشاع ہوتو ناجائز ہے، اگر بیک وقت دونوں میں مشاع نہیں ہے تو جائز ہے۔ اس تمہید کے بعد صاحبین اور امام ابوحنیفہ کے درمیان کا اختلاف ملاحظہ فرمائیے۔

اوراختلاف کی کئی شکلیں ہیں، ان میں سے چار شکلیں یہاں پیش کی جارہی ہیں:

شکل(۱):- اگر قابل تقسیم اشیاء کو تقسیم سے پہلے مشاع کی حالت میں ایک یا دو شخص نے دو یا دو سے زیادہ افراد کے ہاتھ ہبہ کر دیا ہے، تو حضرات صاحبین کے نزدیک ہبہ صحیح ہوجائے گا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہبہ باطل تو نہیں ہوگا؛ لیکن ایسا فاسد ہوگا جو قبضہ کے وقت مفید ملک ہوگا، یعنی امام صاحب کے نزدیک قبضہ تام پر ہبہ موقوف رہتا ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک موقوف نہیں رہتا ہے؛ بلکہ نافذ ہوجاتا ہے۔

اس کو صاحب تاتارخانیہ اور ہندیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ مِنْ رَجُلَيْنِ أَوْ مِنْ جَمَاعَةٍ عِنْدَهُمَا صَحِيْحَةٌ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَاسِدَةٌ، وَلَيْسَتْ بِبَاطِلَةٍ حَتّٰى يُفِيدَ الْمِلْكَ عِنْدَ الْقَبْضِ. وَفِي الْغَيَاثِيَةِ: هُوَ الْمُخْتَارُ الخ.

(هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٤٠٠، الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٢٤، رقم: ٢١٥٧٩)

قابل تقسیم اشیاء میں دو آدمیوں کے ہاتھ یا ایک جماعت کے ہاتھ غیر منقسم مشاع چیز کا ہبہ صاحبینؒ کے نزدیک جائز اور صحیح ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے، باطل نہیں، حتی کہ قبضہ کے وقت ملکیت ثابت ہوجائے گی اور غیاثیہ میں ہے کہ یہی قول مختار ہے۔

بدائع اور ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں اس کو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لَوْ وَهَبَ إِنْسَانٌ دَاراً مِنْ رَجُلَيْنِ، أَوْ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ، أَوْ أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ مِمَّا يُقْسَمُ، فَإِنَّهُ لا يَصِحُّ عِنْدَ أَبِي

اگر کسی انسان نے دو آدمیوں کے ہاتھ ایک مکان یا گیہوں کا ایک مُد، یا ایک ہزار درہم، یا اس جیسی قابل تقسیم چیز ہبہ کر دی ہے، تو

حَنِيُفَةَ، وَعِنُدَ الصَّاحِبَيُنِ يَصِحُّ.	حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہوجائے گا۔

(الفقه الإسلامي ٤/ ٦٨٧، بدائع زكريا ٥/ ١٧٣، كراچى ٦/ ١٢١)

شکل (۲):- حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اصولی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک شئ موہوب صرف قبضہ کے وقت مشاع اور مشترک ہوتو ناجائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نفس عقد کے وقت اور قبضہ کے وقت دونوں میں بیک وقت مشاع اور مشترک ہوتو ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے؛ لہٰذا اگر دوآدمیوں نے ایک آدمی کے ہاتھ تقسیم سے پہلے شئ مشاع کو ہبہ کردیا تو بوقت قبضہ مشاع اور شرکت کے نہ ہونے کی بناپر یہ صورت بالاتفاق جائز ہے؛ اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبضہ کے وقت مشاع نہیں ہے؛ کیوں کہ شئ موہوب مکمل فرد واحد کے قبضہ میں آگئی ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بیک وقت عقد اور قبضہ دونوں میں ساتھ ساتھ شیوع نہیں پایا گیا ہے؛ اس لئے ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إِنَّ أَبَا حَنِيُفَةَ يَعُتَبِرُ الشُّيُوُعَ عِنُدَ الُقَبُضِ مَانِعًا مِنُ صِحَةِ الُهِبَةِ، وَأَمَّا الصَّاحِبَانِ فَيَعُتَبِرَانِ الشُّيُوُعَ عِنُدَ الُعَقُدِ وَالُقَبُضِ مَعًا هُوَ الُمَانِعُ مِنُ صِحَةِ الُهِبَةِ، وَبِنَاءً عَلَيُهِ يَجُوُزُ هِبَةُ الاثُنَيُنِ مِنَ الُوَاحِدِ بِالاتِّفَاقِ لِعَدَمِ وُجُوُدِ الشُّيُوُعِ عِنُدَ الُقَبُضِ فِيُ رَأيِ أَبِيُ حَنِيُفَةَ، وَلانُعِدَامِ الشُّيُوُعِ فِي الُحَالَتَيُنِ مَعًا فِيُ	بے شک حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں جو صحت ہبہ کو مانع ہے۔ اور بہرحال صاحبین رحمہما اللہ عقد اور قبضہ دونوں کے وقت ساتھ ساتھ شیوع کا اعتبار کرتے ہیں جو صحت ہبہ کو مانع ہے۔ اور اسی بناپر دوآدمی کا ہبہ ایک آدمی کے ہاتھ بالاتفاق جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی رائے کے مطابق قبضہ کے وقت شیوع کے نہ ہونے کی وجہ سے اور صاحبین رحمہما اللہ کی رائے کے مطابق عقد اور قبضہ

رَأيِ الصَّاحِبَيْنِ؛ لِأَنَّ الشُّيُوْعَ وُجِدَ عِنْدَ الْعَقْدِ وَلَمْ يُوْجَدْ عِنْدَ الْقَبْضِ. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٦٨٧، بدائع زكريا ٥/ ١٧٣، كراچی ٦/ ١٢١)

دونوں حالتوں میں ساتھ ساتھ شیوع نہ ہونے کی وجہ سے؛ اس لئے کہ یہاں بوقت عقد شیوع پایا گیا ہے اور قبضہ کے وقت نہیں پایا گیا۔

شکل (۳):- جانبین میں مشاع اور شرکت ہو تو ایسی صورت میں بالاتفاق شئ مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے، مثال کے طور پر ہبہ کرنے والے دو شریک (پاٹنر) ہیں اور دونوں پاٹنر اپنی اپنی مشترکہ شئ مشاع اور شرکت کی حالت میں بلا تقسیم الگ الگ دو شخصوں کو ہبہ کردیں، تو ایسی صورت میں یکے بعد دیگرے دو شخصوں کے ہاتھ یہ ہبہ بالاتفاق صحیح نہیں؛ کیوں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بوقت قبضہ شئ موہوب کو مشاع پایا گیا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک بوقت عقد اور بوقت قبضہ دونوں حالتوں میں مشاع پایا گیا؛ اس لئے ہبہ مشاع کی یہ صورت باتفاق احناف درست نہیں۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فَالشُّيُوْعُ مِنَ الطَّرْفَيْنِ فِيْمَا يَحْتَمِلُ الْقَسْمَةَ مَانِعٌ صِحَةَ الْهِبَةِ وَتَمَامَهَا بِالإِجْمَاعِ. (الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٢٤، رقم: ٢١٥٧٩، فتاوى هنديه، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٤٠٠)

لہٰذا ایسی چیزوں میں جانبین سے شیوع اور شرکت جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہوں، صحت ہبہ اور تمام ہبہ کو بالاجماع مانع ہے۔

شکل (۴):- واہب کی طرف سے مال موہوب میں شیوع ہو تو سب کے نزدیک ہبہ مشاع درست نہیں ہے، یعنی ہبہ کرنے والا واہب بھی ایک ہو اور موہوب لہ بھی فرد واحد ہو، مگر مالِ موہوب، شئ مشاع ہو اور بوقت عقد بھی مشاع ہے اور بوقت قبضہ بھی، مثلاً کوئی شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ میں اپنی زمین یا مکان کا نصف حصہ تم کو ہبہ کردیتا ہوں، تو ایسی صورت میں

بوقت عقد شئ موہوب میں مشاع پایا گیا اور چونکہ تقسیم سے پہلے ہبہ پایا گیا ہے جو قبضہ تام کے لئے مانع ہے؛ اس لئے باتفاق ائمہ احناف یہ شکل بھی درست نہیں۔ اور یہی شکل عوام میں زیادہ رائج ہے؛ لہٰذا اگر ہبۂ مشاع کی یہ شکل مفضی الی النزاع نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اس پر علماء کو غور کرنا چاہئے۔ اس کی تفصیل ہبہ مشاع کے جواز کی تیسری شکل میں آرہی ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَإِذَا وَهَبَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ نَصِيْبًا مُسَمًّى مِنْ دَارٍ غَيْرَ مَقْسُوْمَةٍ وَسَلَّمَهُ إِلَيْهِ مُشَاعًا أَوْ سَلَّمَ إِلَيْهِ جَمِيْعَ الدَّارِ لَمْ يَجُزْ يَعْنِي لَا يَقَعُ الْمِلْكُ لِلْمَوْهُوْبِ لَهُ بِالْقَبْضِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عِنْدَنَا الخ. (مبسوط سرخسي ۱۲/ ٦٤)

اور جب کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اپنے مکان میں سے متعین حصہ بغیر تقسیم کئے مشاع کی حالت میں ہبہ کر کے حوالہ کردے، یا پورا مکان حوالہ کردے تو جائز نہیں، یعنی موہوب لہ کے لئے ہمارے نزدیک تقسیم سے قبل قبضہ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

اس کو صاحب بدائع نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَلَوْ وَهَبَ مِنْهُ نِصْفَ الدَّارِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ بِتَخْلِيَةِ الْكُلِّ، ثُمَّ وَهَبَ مِنْهُ النِّصْفَ الْآخَرَ وَسَلَّمَ لَمْ تَجُزْ الْهِبَةُ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هِبَةُ الْمُشَاعِ، وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيْمَا يُقْسَمُ لَا تَنْفُذُ إِلَّا بِالْقِسْمَةِ وَالتَّسْلِيْمِ، وَيَسْتَوِي فِيْهِ الْجَوَابُ فِيْ هِبَةِ الْمُشَاعِ بَيْنَ

اور اگر کسی نے دوسرے کو اپنے مکان کا نصف حصہ ہبہ کر کے سونپ دیا ہے، پورے مکان کے تخلیہ کے ساتھ پھر اس کے بعد مکان کا دوسرا نصف بھی ہبہ کر کے سونپ دے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک میں ہبہ مشاع کی شکل پائی گئی ہے اور قابل تقسیم اشیاء میں ہبہ مشاع نافذ نہیں ہوتا، ہاں البتہ تقسیم کے ذریعہ الگ کر کے سونپ دینے سے نافذ ہوتا ہے اور اس کے اندر مسئلہ

أَنْ يَكُوْنَ مِنْ أَجْنَبِيٍّ أَوْ شِرْكَةِ شَرِيْكِهٖ. (بدائع زکریا ٥/ ١٧٢، کراچی ٦/ ١٢١)	کا حکم برابر ہے، چاہے مشاع مالک اور اجنبی کے درمیان میں ہو، یا مالک اور شریک کی شرکت کے ساتھ ہو۔

صاحبینؒ کے درمیان اختلاف

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ماقبل میں ذکر کردہ چاروں شکلوں میں سے پہلی شکل جائز ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ناجائز ہے؛ لیکن پہلی شکل میں یعنی ایک آدمی دو آدمیوں کے ہاتھ قابل تقسیم چیز کو مشاع کے طور پر ہبہ کردے اور دونوں موہوب لہ کے درمیان نصفا نصفی ہو، تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن اگر دونوں موہوب لہ کے درمیان مال موہوب برابر نہ ہو؛ بلکہ کم وزیادہ ہو، مثلاً ایک کے لئے ثلث اور دوسرے کے لئے دو ثلث، اسی طرح ایک کے لئے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لئے تین چوتھائی ہو، تو ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: کہ دونوں موہوب لہ کے درمیان میں شئ موہوب میں تساوی اور برابری لازم ہے؛ اس لئے ان کے نزدیک یہ شکل جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تساوی شرط نہیں ہے؛ بلکہ تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے؛ اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک یہ شکل بھی جائز ہے؛ کیوں کہ جب دو موہوب لہ کے درمیان مشاع کے طور پر ہبہ کو جائز کہا گیا ہے، تو اس میں تساوی اور تفاضل کی کوئی شرط نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ علی الاطلاق جائز ہونا چاہئے؛ کیوں کہ جب نصفا نصفی جائز ہے تو ثلث اور ثلثان بھی جائز ہونا چاہئے؛ لہٰذا امام محمدؒ کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَلَوْ قَالَ: وَهَبْتُ لَكُمَا هٰذِهِ الدَّارَ ثُلُثُهَا لِهٰذَا وَثُلُثَاهَا لِهٰذَا لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَجَازَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ: أَنَّ الْعَقْدَ مَتٰى جَازَ لِاثْنَيْنِ يَسْتَوِي فِيْهِ التَّسَاوِيْ وَالتَّفَاضُلُ كَعَقْدِ الْبَيْعِ، وَجْهُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ: أَنَّ الْجَوَازَ عِنْدَ التَّسَاوِيْ بِطَرِيْقِ التَّفْسِيْرِ لِلْحُكْمِ الثَّابِتِ بِالْعَقْدِ، وَذٰلِكَ لَا يُوْجِبُ شُيُوْعًا فِي الْعَقْدِ، وَلَمَّا فَضَلَ أَحَدُ النَّصِيْبَيْنِ عَنِ الْآخَرِ تَعَذَّرَ جَعْلُهُ تَفْسِيْرًا. (بدائع الصنائع زكريا ٥/ ١٧٤، كراچی ٦/ ١٢٢، الفقه الإسلامي ٤/ ٦٨٨)

اور اگر کہا کہ میں نے تم دونوں کے لئے یہ گھر ہبہ کر دیا ہے اس کا ایک ثلث اس کے لئے اور دوثلث اس کے لئے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ بے شک جب عقد جائز ہوگیا دو آدمیوں کے لئے تو اس میں تساوی اور تفاضل دونوں کا حکم برابر ہوگا، جیسا کہ عقد بیع میں ہوتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ تساوی کے وقت جائز ہے عقد کے ذریعہ سے ثابت شدہ حکم کی تفسیر کے طور پر اور یہ عقد کے اندر شیوع کو لازم نہیں کرتا اور جب دونوں حصوں میں ایک حصہ دوسرے سے زائد ہو تو اس کو تفسیر قرار دینا مُتعذّر ہو جائے گا۔

ہبۃ المشاع کے جواز کی شکلیں

ہبۂ مشاع کے جواز کی تین شکلیں یہاں پیش کر دیتے ہیں۔

شکل (۱): قبضہ سے قبل تقسیم: قبضہ سے قبل تقسیم کے تفصیلی دلائل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شیٔ مشاع کو ہبہ کرنے کے بعد قبضہ دینے سے پہلے شیٔ موہوب کو تقسیم کر کے الگ کر دیا جائے، اس کے بعد موہوب لہ کے قبضہ میں دے دیا جائے، تو سب کے نزدیک ہبۂ مشاع درست ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر واہب نے اپنے شرکاء سے اپنا حصہ تقسیم کرکے الگ کرنے سے پہلے اپنا حصہ کسی کو ہبہ کردیا ہے اور موہوب لہ کو قبضہ دینے سے قبل تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ کرلیا ہے، اس کے بعد موہوب لہ کو قبضہ دے دیا ہے، تو بالاتفاق جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی ذاتی ملکیت کی جائیداد میں سے کچھ حصہ الگ کرنے سے پہلے دوسرے کو مشاع کی حالت میں ہبہ کردیا ہے اور قبضہ دینے سے پہلے اس حصہ کو الگ کرکے متعین کردیا ہے، اس کے بعد موہوب لہ کو قبضہ دے دیا ہے، تو اس طرح کا ہبہ مشاع سب کے نزدیک جائز اور درست ہے۔

یہ حکم حضرات فقہاء کے اس طرح کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے:

وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ كَوْنُ الْمَوْهُوْبِ مَقْسُومًا وَمُفَرَّغًا وَقْتَ الْقَبْضِ وَالتَّسْلِيْمِ لا وَقْتَ الْهِبَةِ (قوله) فَإِذَا انْعَدَمَ الشُّيُوْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ ذٰلِكَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ فَعَمِلَتِ الْهِبَةُ السَّابِقَةُ عَمَلَهَا (قوله) فَإِذَا أَزَالَ الشُّيُوْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ صَارَ كَأَنَّ الْعَقْدَ وَقَعَ عَلَى الْمُفَرَّغِ الْمَقْسُوْمِ (وقوله) وَلَوْ وَهَبَ نِصْفَ الدَّارِ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ قَسَّمَ وَسَلَّمَ جَازَ. (الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٢٥-٤٢٦، رقم ٢١٥٨٠ تا ٢١٥٨٢)

بے شک شئ موہوب کا تقسیم شدہ ہوکر الگ ہونا بوقت قبضہ اور بوقت تسلیم ہی شرط ہے، بوقت ہبہ شرط نہیں ہے؛ لہٰذا جب قبضہ سے قبل شیوع ختم ہوجائے یہی قبضہ تام کے لئے کافی ہے؛ لہٰذا سابقہ ہبہ پر ہی عمل جاری ہوجائے گا، پس جب قبضہ سے قبل شیوع زائل ہوجائے تو ایسا ہوجائے گا کہ تقسیم شدہ الگ شئ پر ہی عقد واقع ہوا ہے (مصنف کا قول) اگر نصف مکان کسی شخص کے ہاتھ ہبہ کردیا ہے، پھر اس کے بعد تقسیم کرکے موہوب لہ کو سونپ دیا ہے تو جائز اور درست ہے۔

ہبۃ المشاع میں آپس میں مل کر تقسیم کا جواز

شکل (۲):- اگر قابل تقسیم اشیاء کو واہب نے تقسیم سے قبل دو یا دو سے زیادہ افراد کے

درمیان ہبہ کردیا ہے اور موہوب لہم سے کہہ دیا کہ اپنے شریک کے ساتھ آپس میں مل کر تقسیم کر لینا اور تقسیم کر کے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لینا، تو ایسی صورت میں بھی ہبۃ المشاع بلاشبہ جائز ہے۔ یا واہب کا حصہ اپنے شریک کے ساتھ پہلے سے مشترک ہے اور اس کو تقسیم کر کے الگ کرنے سے قبل اپنا حصہ کسی کو ہبہ کردیا ہے، اور موہوب لہ سے کہہ دیا کہ ہمارے پاٹنر کے ساتھ مل کر تقسیم کرلو اور اس کے بعد اپنا حصہ قبضہ کر لینا، تو ایسی صورت میں بھی بلا شبہ ہبۃ المشاع جائز اور درست ہے۔ اس کو علامہ شامی نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فَإِنْ قَسَّمَهُ أَيِ الْوَاهِبُ بِنَفْسِهٖ أَوْ نَائِبُهُ أَوْ أَمَرَ الْمَوْهُوْبَ لَهُ بِأَنْ يُقَسِّمُ مَعَ شَرِيْكِهٖ كُلُّ ذٰلِكَ يَتِمُّ بِهِ الْهِبَةُ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ لِمَنْ عِنْدَهُ أَدْنٰى فِقْهٍ.

(شامی زکریا ۸/ ٤٩٥، کراچی ٥/ ٦٩٢)

لہٰذا اگر شئ موہوب کو خود واہب یا اس کے نائب نے تقسیم کردیا ہے، یا موہوب لہ سے کہہ دیا کہ اپنے شریک کے ساتھ ملکر آپس میں تقسیم کرلے، تو سب صورتیں ایسی ہیں جن سے ہبہ تام ہوجاتا ہے، جیسا کہ ان لوگوں کے لئے واضح ہے جو ادنی درجہ کا تفقہ اور ادنی درجہ کی سمجھ رکھتے ہیں۔

نزاع نہ ہو تو ہبۂ مشاع کا جواز

شکل (۳):- اگر شئ مشترک کو مشاع کی حالت میں ہبہ کردیا ہے اور موہوب لہ کے درمیان تقسیم اور قبضہ سے متعلق کوئی نزاع اور اختلاف نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ ہبۂ مشاع جائز اور درست ہوجائے گا؛ اس لئے کہ تقسیم سے قبل مشاع اور مشترک ہونے کی وجہ سے شئ موہوب کی تعیین میں جو جہالت مفضی الی النزاع ہوتی ہے وہ قبضۂ تام کے لئے مانع ہوتی ہے اور جو جہالت تقسیم اور قبضہ کے بارے میں مفضی الی النزاع نہ ہو وہ قبضۂ تام کے لئے مانع نہیں ہوتی۔ اور یہاں جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ اس لئے یہ ہبۂ مشاع جائز اور درست ہوجائے گا۔ یہ مسئلہ مبسوط سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے:

وَإِنْ وَهَبَ عَبْدَهُ لِرَجُلَيْنِ، أَوْ وَهَبَ رَجُلانِ لِرَجُلٍ، أَوْ وَهَبَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ لِشَرِيكِهِ أَوْ لِأَجْنَبِيٍّ وَسَلَّمَهُ، فَهُوَ جَائِزٌ كُلُّهُ؛ لِأَنَّ الْمَوْهُوبَ مَعْلُومٌ وَلا أَثَرَ فِي الشُّيُوعِ فِي الْمَنْعِ مِنَ الْهِبَةِ فِي هٰذَا الْمَحَلِّ، وَإِنْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ لِرَجُلٍ: قَدْ وَهَبْتُ لَكَ نَصِيبِي مِنْ هٰذَا الْعَبْدِ فَاقْبِضْهُ وَلَمْ يُسَمِّه لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْهُ إِيَّاهُ لَمْ يَجُزْ بِجَهَالَةِ الْمَوْهُوبِ، وَهٰذِهِ الْجَهَالَةُ تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الشَّرِيكِ الآخَرِ، وَلِأَنَّ الْمَجْهُولَ لا يَجُوزُ تَمْلِيكه بِشَيْءٍ مِنَ الْمَعْقُودِ قَصْداً الخ. (مبسوط السرخسي ١٢/ ٧٤)

اور اگر کسی نے اپنے غلام کو دو آدمیوں کے درمیان ہبہ کردیا ہے، یا دو آدمیوں نے ایک شخص کو ہبہ کردیا ہے، یا دونوں میں سے کسی ایک نے اپنا حصہ اپنے شریک کے ہاتھ ہبہ کردیا ہے، یا کسی اجنبی کو ہبہ کردیا اور اسی حالت میں حوالہ کردیا ہے، تو یہ سب صورتیں جائز ہیں؛ اس لئے کہ شئ موہوب معلوم ومتعین ہے اور اس جگہ شیوع مانعِ ہبہ کو مؤثر نہیں ہے۔ اور اگر دونوں شریک میں سے ایک نے کسی اجنبی آدمی سے کہا کہ میں نے اس غلام میں سے اپنا حصہ تم کو ہبہ کردیا؛ لہٰذا تم اس پر قبضہ کرلو اور اس کا نام اس کو نہیں بتلایا اور نہ ہی اس کو متعین کر کے اس کو بتلایا ہے، تو یہ شئ موہوب کی جہالت کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور یہ ایسی جہالت ہے جو اس کے اور دوسرے شریک کے درمیان اختلاف کو کھینچ کر لاتی ہے اور اس لئے بھی کہ بالقصد کسی بھی عقد کے ذریعہ مجہول شئ کا مالک بنانا جائز نہیں ہے۔

لہٰذا مبسوط کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ شئ مشاع کو ہبہ کرنے میں اگر آپس میں قبضہ کرنے میں کسی قسم کا نزاع اور اختلاف نہیں ہے تو شئ مشاع کا ہبہ جائز اور درست ہے۔

مقالہ کا خلاصہ اور سوالات کے جوابات

اب یہاں سے اختصار کے ساتھ سوالات کے جوابات پیش کئے جاتے ہیں

شئ موہوب کے مقسوم میں ائمہ کا اختلاف

سوال نمبر ا:- شئ موہوب کے مقسوم ہونے کے بارے میں حضرات ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قابل تقسیم اشیاء کی تقسیم سے قبل مشاع کی حالت میں ہبہ کردینا جائز اور درست ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک قابل تقسیم اشیاء کا ہبہ تقسیم سے قبل جائز نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے اپنے مدعیٰ کے ثبوت میں کئی روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں سے ہم نے اسی مقالہ کے شروع میں ان کی دو دلیلیں پیش کردیں ہیں:

(۱) وفد ہوازن کا واقعہ ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حصوں کو الگ کرنے سے پہلے فرمایا تھا کہ میرا حصہ اور بنی عبدالمطلب کا حصہ (فھولکم) تمہارے لئے ہماری طرف سے ہبہ ہے۔ یہ تفصیلی روایت ''مسند احمد ۲/ ۱۸۴، رقم: ۷۲۹، تغلیق التعلیق ۳/ ۳۷۴'' کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

(۲) مسجد نبوی کی جگہ حضرت اسعد بن زرارہ اور دیگر دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ تقسیم سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاع کی حالت میں ہبہ کردیا تھا اور آپ نے اس کو قبول فرمالیا، پھر اس کے بعد دوسرے دونوں نے بھی اپنا اپنا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردیا تھا اور آپ نے ان کے حصہ کو بھی بعد میں قبول فرمالیا تھا۔ اس سے ہبۂ مشاع کے جواز کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے ''بدائع ۵/ ۱۷۰، اور مبسوط سرخسی ۱۲/ ۶۴'' کے حوالہ سے پیش کردیا ہے۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے بھی متعدد روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں سے تین دلیلیں ہم نے ماقبل میں پیش کی ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرنے کا واقعہ ہے، جس کے تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے وارثین کے لئے میراث میں شامل ہوجانے کی بات ہے۔ اس کو "موطا امام مالک/۲۱۴، نصب الرایہ ۴/۱۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۵۲۲، رقم: ۲۰۵۰۶، بدائع ۵/۱۶۳، اعلاء السنن ۱۶/ ۸۹" کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت جس کو "المعجم الاوسط ۳/ ۱۷، رقم: ۳۸۹، اعلاء السنن ۱۶/ ۹۹" کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، جس کو "موطا مالک/۳۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۵۲۰، رقم: ۲۰۴۹۵، اعلاء السنن ۱۶/ ۹۰، رقم: ۵۲۶۰" کے حوالہ سے پیش کر دیا ہے۔ نیز بدائع ۵/ ۱۷۱/ میں حضرت علیؓ کے قول پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا گیا ہے اور اجماع صحابہ بھی حجت ہے۔

ہبہ میں قبضہ کی حیثیت

ہبہ میں قبضہ کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ ہبہ میں ملکیت کے ثبوت کے لئے ایسا قبضہ شرط کے درجہ میں ہے، جس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو، مثلاً ملک غیر کے ساتھ مشغول اور مشاع نہ ہو اور ایسی جہالت نہ ہو جو قبضہ تام کے لئے مفضی الی النزاع ہو، ہاں البتہ نفس عقد ہبہ قبضہ سے قبل سب کے نزدیک جائز ہے، مگر قبضہ تام کے بغیر ہبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَشَرَائِطُ صِحَّتِهَا فِي الْمَوْهُوْبِ أَنْ يَكُوْنَ مَقْبُوضًا غَيْرَ مُشَاعٍ، وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ: وَأَمَّا الْقَبْضُ فَلا بُدَّ مِنْهُ لِثُبُوْتِ الْمِلْكِ إِذَا الْجَوَازُ ثَابِتٌ قَبْلَ الْقَبْضِ	شئ موہوب میں قبضہ کی شرائط میں سے ایسا قبضہ مشروط ہے جو شرکت کی وجہ سے مشاع نہ ہو اور اس کے نیچے تکملہ شامی میں ہے اور بہر حال قبضہ ثبوت ملک کے لئے لازم ہے؛ اس لئے کہ ہبہ کا جواز قبضہ سے قبل بالاتفاق ثابت

بِالاتِّفَاقِ، وَهٰذَا يُفِيْدُ أَنَّ الْقَبْضَ شَرْطٌ لِثُبُوتِ الْمِلْكِ لا لِلصَّحَةِ الخ. (تكمله شامي زكريا ١٢/ ٥٦٦، كراچی ٨/ ٤٢٣-٤٢٤)

ہے۔ اور یہ اس بات کو مستفاد ہے کہ قبضہ ثبوت ملک ہی کی شرط ہے نہ کہ صحت ہبہ کی۔

نابالغ کو ہبہ میں قبضۂ جدید کی ضرورت نہیں

اگر نابالغ کو ولی نے ہبہ کر دیا ہے، مثلاً باپ، یا باپ کا وصی، اسی طرح باپ کے نہ ہونے کی صورت میں دادا یا چچا یا بھائی وغیرہ نے ہبہ کر دیا ہے، جب کہ نابالغ انہیں لوگوں کی پرورش میں ہو، تو واہب کا موجودہ قبضہ بحیثیت ولی اور گارجین کے نابالغ کی طرف سے قبضہ کے لئے کافی ہے۔ اور قبضۂ جدید کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ واہب نے جب ہبہ کر دیا تو ہبہ ہوتے ہی محض عقد ہبہ سے ہبہ تام ہوگیا، پھر نابالغ کے بالغ ہو جانے کے بعد قبضۂ جدید کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ قبضۂ جدید کی بات کسی بھی فقیہ نے نہیں کہی؛ اس لئے بلوغت کے بعد قبضۂ جدید کی ضرورت نہ ہوگی؛ بلکہ سابقہ قبضہ جو ولی نے بحیثیت گارجین کیا ہے، وہی کافی ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی اجنبی شخص نے صبیٔ نابالغ کو ہبہ کر دیا ہے اور نابالغ کے ولی نے اس پر قبضہ کر لیا ہے، تو ولی کا قبضہ کافی ہو جائے گا اور بعد بلوغ جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَهِبَةُ مَنْ لَهُ وَلَايَةٌ عَلَى الطِّفْلِ فِي الْجُمْلَةِ وَهُوَ كُلُّ مَنْ يَعُوْلُهُ فَدَخَلَ الْأَخُ وَالْعَمُّ عِنْدَ عَدَمِ الْأَبِ لَوْ فِيْ عَيَالِهِمْ، تَتِمُّ بِالْعَقْدِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ

اور اس شخص کا ہبہ جس کو نابالغ بچے پر فی الجملہ ولایت حاصل ہو، اور وہ ہر ایسا شخص ہے جس نے نابالغ کی پرورش کی ذمہ داری لے رکھی ہے؛ لہٰذا اس میں نابالغ کا بھائی، اس کا چچا وغیرہ باپ کے نہ ہونے کی حالت میں داخل ہو جائیں گے، اگر نابالغ ان کی فیملی میں ہو محض ہبہ سے عقد تام ہو جائے گا

يَتَوَلَّاهُ الْوَاحِدُ يَكْتَفِي فِيهِ بِالإِيجَابِ، وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ تَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهِ. (الدر المختار زكريا ١٢/ ٥٩٩، كراچی ٨/ ٤٤٩)

اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کی دونوں جانب کی ذمہ داری ایک ہی شخص لے سکتا ہے، اس میں عقد صرف ایجاب کے ذریعہ سے کافی اور تام ہوجاتا ہے۔ اور اگر اجنبی شخص نے نابالغ کو ہبہ کردیا ہے تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجاتا ہے۔

اس کو علامہ ابن عابدینؒ اور علاء الدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

أَنْ يَهَبَ مَنْ لَهُ الْوَلَايَةُ عَلَى الطِّفْلِ لِلطِّفْلِ يَتِمُّ بِالْعَقْدِ وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْقَبْضِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَقْبِضُ لَهُ، فَكَانَ قَبْضُه كَقَبْضِهِ، وَصَارَ كَمَنْ وَهَبَ لآخَرَ شَيْئًا وَكَانَ الْمَوْهُوبُ فِي يَدِ الْمَوْهُوبِ لَهُ، فَإِنَّهُ لَا يُحْتَاجُ إِلَى قَبْضٍ جَدِيدٍ. (تكمله شامی زكريا ديوبند ١٢/ ٥٩٩، كراچی ٨/ ٤٤٩)

جس شخص کو نابالغ بچہ پر ولایت حاصل ہے وہ بچہ کو کوئی شئ ہبہ کردے تو محض ہبہ سے عقد تام ومکمل ہوجائے گا اور الگ سے اس کی طرف سے قبضہ کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ یہی وہ شخص ہے جو نابالغ کے لئے قبضہ کرتا ہے؛ لہٰذا اس کا قبضہ اسی کے قبضہ کی طرح ہے، اور وہ اس شخص کی طرح ہوجائے گا، جو دوسرے کو کوئی چیز ایسی حالت میں ہبہ کردے کہ شئ موہوب پہلے سے موہوب لہ کے قبضہ میں تھی؛ لہٰذا قبضۂ جدید کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نابالغ کی طرف سے صحتِ قبضہ کی شرائط

نابالغ کی طرف سے ولی کے قبضہ کے درست ہونے کے لئے تین شرطیں زیادہ اہم ہیں:

(۱) نابالغ کو ہبہ کردینے کے بعد ماحول اور خاندان میں اس کا اعلان کردینا لازم اور ضروری ہے۔

(۲) شئ موہوب معلوم اور متعین ہو، مجہول اور نامعلوم نہ ہو۔

(۳) اس پر شرعی گواہ بنالینا، اور گواہ بنالینا صحتِ عقد کی شرط نہیں ہے؛ بلکہ عقد تو بغیر گواہ کے بھی صحیح ہوجاتا ہے، مگر بعد میں آگے چل کر عقدِ ہبہ سے انکار کے خطرے سے حفاظت کے

لئے گواہ کوضروری کہا گیا ہے، تاکہ آئندہ اگر قابض کی نیت خراب ہو اور باپ کی موت کے بعد ورثاء اس ہبہ کا انکار کردیں تو گواہوں کے ذریعہ سے ثابت کر سکے۔ اس کو تکملہ شامی میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَإِذَا وَهَبَ أَحَدٌ لِطِفْلٍ يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَ، وَهٰذَا إِذَا أَعْلَمَهُ يَشْهَدُ عَلَيْهِ، وَالإِشْهَادِ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْجُحُودِ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَالإِعْلَامُ لَازِمٌ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْقَبْضِ (وقوله) قَالَ مُحَمَّدٌ كُلُّ شَيْءٍ وَهَبَهُ لابْنِهِ الصَّغِيرِ وَاشْهَدَ عَلَيْهِ، وَذٰلِكَ الشَّيْءُ مَعْلُومٌ فِي نَفْسِهِ فَهُوَ جَائِزٌ. (تکملہ شامی زکریا ۱۲/ ۶۰۰، کراچی ۸/ ۴۴۹)

اور جب کوئی شخص نابالغ بچے کو کوئی شئ ہبہ کردے تو مناسب یہی ہے کہ اس پر گواہ بنالے اور یہ اس وقت ہے کہ اس کا (خاندان) میں اعلان کر کے اس پر گواہ بنایا ہو اور گواہ بنانا اس کی موت کے بعد (ورثاء) کے انکار سے حفاظت کے لئے ہے اور اعلان کرنا لازمی شرط ہے؛ اس لئے کہ یہی اعلان بمنزلۂ قبضہ کے ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر وہ شئ جس کو اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کرتا ہے اور اس پر گواہ بنا لیا ہے اور وہ شئ فی نفسہ معلوم اور متعین ہے تو وہ ہبہ جائز اور درست ہے۔

نابالغ کو ہبۂ مشاع

اگر باپ نے نابالغ بچے کو شئ مشاع کا ہبہ کردیا ہے اور ہبہ کے بعد اس کو تقسیم کر کے الگ نہیں کیا ہے اور شئ موہوب باپ کے استعمال میں مشغول ہے، یا دیگر شخص کے استعمال میں مشغول ہے، تو ہبہ جائز اور درست ہوجاتا ہے، مثلاً باپ نے نابالغ کو اپنا رہائشی مکان ہبہ کردیا ہے اور ہبہ کے بعد بھی باپ نے اس سے اپنا قبضہ چھوڑا نہیں اور اس میں اپنی رہائش بدستور باقی رکھی ہے، یا باپ نے کسی اجنبی شخص کو اس میں بلا اجرت رہائش کے لئے دے رکھا ہے اور اس نے اس میں رہائش کر رکھی ہے، تو ان سب صورتوں میں یہ ہبۂ مشاع صحیح اور درست ہے۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

هِبَةُ الْمَشْغُوْلِ لاتَجُوْزُ إِلاَّ إِذَا وَهَبَ الأَبُ لِطِفْلِهٖ. وَتَحْتَهُ فِي تَكْمِلَتِهٖ: وَهَبَ لِاِبْنِ الصَّغِيْرِ دَارًا وَفِيْهَا مَتَاعُ الْوَاهِبِ أَوْ تَصَدَّقَ لِابْنِهٖ الصَّغِيْرِ بِدَارٍ وَفِيْهَا مَتَاعُ الأَبِ، وَالْأَبُ سَاكِنٌ فِيْهَا يَجُوْزُ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى أَوْ أَسْكَنَهَا غَيْرَه بِلا أَجْرٍ، وَالأُمُّ كَالأَبِ (قوله) وَالصَّدَقَةُ فِي هٰذَا كُلِّهٖ كَالْهِبَةِ. (الدر المختار مع تكملة الشامي زكريا ١٢/ ٥٨٥، كراچی ٨/ ٤٣٨)

شئ مشغول اور شئ مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ جب باپ اپنے چھوٹے بچے کو (شئ مشاع) ہبہ کردے تو (درست ہے) اس کے نیچے تکملہ میں ہے: اپنے چھوٹے بچے کو رہائشی مکان ہبہ کردیا ہے اور اس میں واہب کا سامان موجود ہے، یا اپنے چھوٹے بچے کو کوئی رہائشی مکان صدقہ کردیا ہے اور اس میں باپ کا سامان ہے اور باپ خود اس میں رہائش پذیر ہے، تو یہ ہبۂ مشاع اور صدقۂ مشاع جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، یا باپ نے اس مکان کو کسی اجنبی شخص کو رہائش کے لئے بغیر اجرت کے دے رکھا ہے تب بھی جائز ہے اور ماں کا حکم اس مسئلہ میں باپ کی طرح ہے، ان سب میں صدقہ کا حکم ہبہ کی طرح ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ ہبۂ مشاع کو نہ مطلقاً جائز کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی مطلقاً ناجائز؛ بلکہ قیود وشرائط کے ساتھ جواز کی بہت سی شکلیں ہیں، جیسا کہ اس مدلل مضمون سے واضح ہوگیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین.

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

شبیر احمد صاحب قاسمی عفا اللہ عنہ
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی (الہند)
۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

۴/ باب الرجوع في الهبة

شئ موہوب کوواپس لینا

سوال [۹۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد نے اپنے دولڑکوں کے درمیان اپنے ایک مکان کا زندگی میں تقسیم نامہ ۱۷/۶/ ۱۹۸۲ء کوکیا تھااور مکان کا نقشہ بھی قائم کر دیا گیا تھااور قبضہ بھی دے دیا تھا؛ لیکن ان میں سے بڑے لڑکے نے والد سے چھوٹے بھائی کی غیر موجودگی میں پچھلے تقسیم نامہ کی خلاف ورزی کر کے کچھ جگہ مزید اپنے کاغذ میں بڑھوالی اوراس کاعلم اپنے چھوٹے بھائی کو جب دیا جب کہ والدانتقال فرما چکے تھے،تو چھوٹے بھائی کی غیر موجودگی میں والدصاحب سے کئے گئے پچھلے بٹوارے کی خلاف ورزی کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: فہموداحمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی میں جائیدادا وردولت تقسیم کرنے میں تمام اولاد کو برابر برابر دینا لازم ہے، حتی کہ لڑکیوں کوبھی لڑکوں کے برابر دینا ضروری ہے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (شامي، كتاب الهبة، كراچى ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، هندية، الباب السادس في الهبة للصغير قديم زكريا ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان فصل في هبة الوالد لولده الخ جديد زكريا ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٢٧٩)

اگر پچھلے تقسیم نامہ کی خلاف ورزی بڑے بیٹے نے باپ پر دباؤ ڈال کر کی ہے اور مزید حصہ بڑھوالیا ہے، تو بڑے بھائی اور باپ دونوں گنہگار رہوں گے۔ اور اگر باپ نے اپنی مرضی سے کیا ہے تو دونوں بیٹوں کے درمیان برابری کا معاملہ نہ کرنے کی وجہ سے باپ سخت گنہگار رہوگا، نیز چونکہ پہلی تقسیم کے بعد قبضہ دے یا تھا، اس سے ہبہ بھی مکمل اور تام ہو چکا تھا اور بیٹے کو ہبہ کرکے واپس لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے چھوٹے بھائی کے حصہ میں سے جتنا باپ کے توسط سے بڑے بھائی کے پاس گیا ہے اس کو واپس کر دینا واجب ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن سمرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزاز مصطفى الباز بيروت ٣/ ٨٧٦، رقم: ٢٣٢٤، قديم ٢/ ٥٢، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٩/ ١٨١، رقم: ١٢٢٥٧، سنن الدارقطني، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٩، رقم: ٢٩٥٥)

وإن وهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها. (هداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه وما لا يصح، اشرفي ديو بند ٣/ ٢٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۶ھ

موہوبہ مکان کو واپس لے کر وقف کرنے کا حکم

سوال [۹۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے تین لڑکے ہیں، زید نے زمین خرید کر تینوں لڑکوں کے لئے الگ الگ راستہ

کے ساتھ الگ الگ پوزیشن سے تین مکانات بنائے اور ہر ایک لڑکے سے یہ کہہ کر ایک ایک مکان پر قبضہ دے دیا کہ یہ مکان تمہارا ہے، تم کو دے دیا ہے، اس میں کسی کا حق نہیں ہے، چنانچہ باپ کے دینے پر ہر ایک بیٹے نے اپنے مکان پر اسی طریقہ سے قبضہ کرلیا اور قبضہ کرکے باقاعدہ طور پر خودمختارانہ قبضہ کے ساتھ رہائش اختیار کرلی، اب بعد میں کسی بات پر باپ کی بیٹوں سے ناراضگی ہوگئی، تو باپ نے ناراض ہوکر ان مکانات کو مزارات کے نام وقف کردیا، تو کیا دئے ہوئے مکانات کو بیٹوں سے واپس لینا شرعی طور پر جائز ہے اور ان کو مزارات پر وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ہر ایک مکان کے سامنے خالی زمین پڑی ہوئی ہے، زید نے ہر ایک بیٹے کو مکان دیتے وقت خالی زمین اسی بیٹے کی ملکیت میں دے دی ہے۔

(۳) اور مکانات کے نیچے آٹھ دوکانیں بنی ہوئی ہیں، ان تمام دوکانوں کو چھوٹے بیٹے کی ملکیت میں دے دیا ہے اور سب دوکانوں کی تالی بھی چھوٹے بیٹے کے حوالہ کردی ہے؛ لیکن اب بعد میں والد زید ناراض ہوکر وہ بھی چھوٹے بیٹے سے واپس لے کر بڑے لڑکے کے نام کردینا چاہتا ہے، تو کیا شرعی طور پر یہ جائز ہوگا؟

المستفتی: تحسین الٰہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں کے درمیان مذکورہ جائیداد تقسیم کرکے مالک بنا دیا ہے، اس کو زبانی ہبہ کہا جاتا ہے، جس میں رجسٹری وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ایسے ہبہ کے کامل ہونے کے لئے قبضہ کرنا شرط ہے۔ اور سوال نامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ لڑکوں نے مکانات میں سے دئے ہوئے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر ہبہ مکمل ہوجاتا ہے اور شرعی طور پر اولاد کو اس طرح ہبہ میں دی ہوئی چیزوں کو واپس لینا باپ کے لئے جائز

نہیں ہے؛ اس لئے واپس لے کر مزارات وغیرہ پر وقف کر دینا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ مکانات ان ہی لڑکوں کی ملکیت میں ہی بدستور باقی رہیں گے۔

عن سمرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۳/ ۸۷٦، رقم: ۲۳۲٤، قديم ۲/ ٥۲، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ۹/ ۱۸۱، رقم: ۱۲۲٥۷، سنن الدارقطني، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۹، رقم: ۲۹٥٥)

وإن وهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها. (هداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه وما لا يصح، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۹۰)

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ۱/ ٤٦۲، رقم المادة: ۸۳۷، شامي كراچی ٥/ ٦۹۰، زكريا ۸/ ٤۹۳، بدائع الصنائع، كراچی ٦/ ۱۲۳، زكريا ٥/ ۱۷٦)

(۲) خالی زمین بھی مذکورہ تفصیل کے ساتھ لڑکوں کی ملکیت میں داخل ہوچکی ہے، واپس لینا جائز نہیں ہوگا۔

(۳) دوکانیں بھی مذکورہ تفصیل سے چھوٹے بیٹے کی ملکیت میں داخل ہوچکی ہیں، واپس لینا جائز نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۳۰)

لڑکے کے انتقال کے بعد جائیداد واپس لینا

سوال [۹۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جناب سید عبدالوحید صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے تین صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کے درمیان اپنی جائیداد اپنی مرضی سے برابر طریقہ پر تقسیم کردی، بعد ازاں سید عبدالوحید صاحب کے ایک فرزند جناب سید عبدالمنان صاحب کا سید عبدالوحید صاحب کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا، اب سید عبدالوحید صاحب اس فیصلہ سے مکر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ باپ کی زندگی میں بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے؛ اس لئے بیٹا میری جائیداد کا وارث نہیں ہوسکتا اور میں اپنی جائیداد مرحوم بیٹے کی بیوی اور بچوں یعنی پوتوں کو نہیں دوں گا، فیصلہ کی کاپی منسلک ہے، اس پر غور کرتے ہوئے فتویٰ جاری کریں کہ اس فیصلہ کی روشنی میں سید عبدالوحید کا یوں کہنا صحیح ہے؟ اور کیا اب دوبارہ از سر نو تقسیم کرنی چاہئے؟

المستفتی: محمد ریاض الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سید عبدالوحید صاحب نے جب اپنی اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کردی، تو یہ ہبہ تام ہوکر اولاد اس کی مالک ہوگئی، اب عبدالوحید کا اپنے مرحوم بیٹے عبدالمنان کے حصہ کو واپس لینا جائز نہیں؛ بلکہ وہ مال عبدالمنان کا ترکہ ہوگا جو اس کے شرعی ورثاء کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا، نیز رجوع فی الہبہ کا جو مسئلہ ہے وہ غیر قرابت داروں کے متعلق ہے، قرابت داروں کو ہبہ کر کے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

عن سمرة –رضي الله عنه– عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٣/ ٨٧٦، رقم: ٢٣٢٤، قديم ٢/ ٥٢)

وإن وهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها؛ لقوله عليه السلام: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. (هداية، كتاب الهبة، باب ما يصح رجوعه وما لا يصح، الأمين كتابستان ٣/ ٢٩٠ ديو بند، هندية، زكريا جديد ٤/ ٤١١، قديم ٤/ ٣٨٦، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٥٠٠، كوئٹه ٧/ ٢٩٤، بدائع الصنائع،

زکریا ٥/ ١٩٠، کراچی ٦/ ١٣٢، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٥٠٠، شرح المجلة رستم باز، إتحاد دیوبند ١/ ٤٧٦، رقم المادة: ٨٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۰۶)

اولاد کو ہبہ کر کے واپس لینے کا حکم

سوال [۹۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالمجید ٹھیکیدار کے چار لڑکے ہیں، عبدالمجید ٹھیکیدار نے اپنے چاروں لڑکوں کو اپنی زندگی میں ایک مکان الگ الگ نام کردیا تھا، جن میں سے ایک لڑکے کو علیحدہ سے ایک مکان خرید کردے دیا تھا اور تینوں لڑکوں کے ایک مکان میں تین حصے الگ الگ مقرر کردئے تھے، ایک لڑکے نے جس کو الگ مکان خرید کر دیا تھا، اس نے اپنا مکان باپ کی موجودگی میں فروخت کردیا اور جب اس لڑکے کو پریشان دیکھا، تو باپ نے ایک لڑکے کے حصہ میں سے اس کی عدم رضا مندی اس لڑکے کو تھوڑا سا حصہ بنوا دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ لڑکا اب اس حصہ کا مالک ہوگا یا نہیں؟ اور اگر مالک ہوگا تو یہ لڑکا اسی حصہ کا مالک ہوگا جو باپ نے بنوا کردیا ہے یا برابر سرابر کا مالک ہوگا؟ صراحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باپ نے مذکورہ مکانات بطور ہبہ کے لڑکوں کو مالک بنا کر قبضہ دے دیا ہے، تو باپ کا کسی لڑکے کے حصے کو زبردستی لے کر دوسرے کو دے دینا شرعاً درست نہیں تھا؛ لہٰذا جس سے لیا ہے اس کو اس حصہ کی قیمت ملنی چاہئے یا اس سے معاف کرا لیا جائے اور جس کو باپ نے پریشان دیکھ کر دیا ہے وہ بھائی کے حصہ میں کسی طرح شریک نہ

ہوگا؛ اس لئے کہ باپ کا کسی لڑکے کو ہبہ کرکے قبضہ دینے کے بعد پھر اس سے واپس لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن سمرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزاز مصطفى الباز بيروت ٣/ ٨٧٦، رقم: ٢٣٢٤، قديم ٢/ ٥٢)

القاف القرابة فلو وهب لذي رحم محرم منه نسبًا ولو ذميًا، أو مستأمنًا لا يرجع. الخ (الدرالمختار، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، كراچی ٥/ ٧٠٤، زكريا ٨/ ٥١٢، هداية، أشرفى ٣/ ٢٩٠، هندية زكريا قديم ٤/ ٣٨٦، جديد ٤/ ٤١١، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٩٤، زكريا ٧/ ٥٠٠، بدائع الصنائع، كراچی ٦/ ١٣٢، زكريا ٥/ ١٩٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠٠، شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديو بند ١/ ٤٧٦، رقم المادة: ٨٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۳۰)

ہدیہ کی واپسی کا مطالبہ کرنا

سوال [۹۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کی ایک ناجائز بچی تھی، اس کو ہم نے پال پوس کر بڑا کیا اور اس کی شادی بھی کرادی، اس کے بعد ہم نے اس کو ورثہ بھی دے دیا اور اس نے چار افراد کے سامنے فیصلہ کرکے ورثہ قبول بھی کرلیا، جب کہ ہم کو معلوم تھا کہ اس کا ورثہ نہیں نکلتا ہے، پھر بھی ہم نے دے دیا، اب کچھ وقت کے بعد اس نے اور مانگنا شروع کردیا اور بدتمیزی کررہی ہے؛ لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ ہم نے جو کچھ اسے دیا ہے وہ ہم کو واپس مانگنے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمر رحمت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے والد کی جو ناجائز بچی ہے وہ شرعی طور پر آپ کے والد کی وارث نہیں ہے، آپ لوگوں نے جو کچھ بھی اس کو دیا ہے وہ تبرع اور ہدیہ ہے، مزید مانگنے کا اس کو کسی طرح حق نہیں ہے۔ اوراس کی بدتمیزی کی بنا پر دی ہوئی چیز واپس مانگنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس کے ناجائز مطالبہ اور بدتمیزی کا گناہ اس کے سر ہوگا، اس معاملہ میں آپ لوگ صبر کریں تو اجر وثواب کا باعث بنے گا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: العائد في هبته كالعائد في قيئه. (مسلم شريف، باب تحريم الرجوع في الهبة والصدقة، النسخة الهندية ٢/ ٣٦، بيت الأفكار، رقم: ١٦٢٢، صحيح البخاري، هبة، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، النسخة الهندية ١/ ٣٥٧، رقم: ٢٥٤٧، ف: ٢٦٢١)

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۵/۱۴۲۸ھ

باپ کا اولاد کو چھت ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرنا

سوال [۱۰۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) میرا مکان تین منزلہ ہے، میں اس کو تین بیٹوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، گرانڈ فلور پرانے طرز کا بنا ہوا ہے، باقی دو منزل نئے طرز کی بنی ہوئی ہیں، بڑے لڑکے کو گرانڈ فلور پر جو کہ پرانے طرز کا بنا ہوا ہے دیا تو بڑے لڑکے کا کہنا ہے کہ میں کرایہ پر نہیں دے سکتا؛ اس لئے مجھے مکان کی چھت پر دو کمرے بنانے کی اجازت دیجئے جس پر میں نے بنانے کی اجازت دے دی، کیا اس پر میرے دونوں لڑکوں کی رضا مندی ضروری ہے، کیا میں اپنی جائیداد کو اپنی مرضی سے جیسا چاہے ویسا تقسیم کرسکتا ہوں؟ کیا

شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

(ب): جائیداد کی تقسیم کے سلسلے میں آپس میں والد صاحب کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کے بعد دوبارہ زائد حصہ کا مطالبہ کرنا اور اس پر والد کی طرف سے اجازت مل جانا جس کی وجہ سے بڑے بھائی کا دونوں بھائیوں کے حصہ سے زائد حصہ ہوجا تا ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے ایسا کرنا درست ہے؟

(ج): مکان تقسیم کردیا تینوں بیٹوں میں، اور چھت مشترکہ ہے، بڑے بیٹے کے دو کمرے مکان کی چھت پر بنے ہوئے ہیں، بڑے بیٹے کا مطالبہ ہے کہ دونوں بھائیوں کے کرایہ دار چھت پر نہ آئیں یا کوئی وقت متعین کریں کہ فلاں وقت پر ہی آئیں گے؛ کیوں کہ چھت پر بڑے بیٹے کی فیملی رہتی ہے، ان کی بے پردگی ہوگی، جب کہ بڑے لڑکے کا گراؤنڈ فلور پر بھی مکان ہے اس پر دوسرے لڑکے راضی نہیں ہیں؛ کیوں کہ چھت مشترکہ ہے، اب کیا کرنا درست رہے گا شرعی اعتبار سے؟ والسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باپ نے سب بھائیوں کی موجودگی میں مکان کو تقسیم کردیا ہے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو اپنے اپنے حصے پر قبضہ دے دیا ہے اور چھت کو تینوں بھائیوں کے درمیان مشترک قرار دیا گیا ہے، تو اس اعتبار سے تینوں بھائی اپنے اپنے حصے کے مالک ہو چکے ہیں اور باب کا کوئی حق باقی نہیں رہا ہے اور باپ کے لئے اولاد کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کا حق نہیں ہوتا؛ لہٰذا جن شرائط کے ساتھ بیٹوں کو مالک بنادیا گیا ہے اور اس میں چھت مشترک قرار پائی ہے تو باپ کو چھت کا ہبہ واپس لے کر بڑے بیٹے کو دینے کا حق نہیں ہے؛ لہٰذا باپ نے جو چھت کے اوپر بڑے بیٹے کو دوسرے بیٹوں کی اجازت کے بغیر تعمیر کی اجازت دی ہے وہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس چھت کے اوپر تینوں بھائیوں کا حق

بدستور باقی ہے؛ اس لئے آپس میں تینوں بھائی بیٹھ کر اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ لیں، تیسرے بھائی نے جو چھت کے اوپر مکان بنایا ہے اس کے بارے میں صلح کرلیں، دیگر دونوں بھائیوں کا حق چھت کے اوپر باقی ہے، اس کے بارے میں قیمت دے دلا کر معاملہ نمٹالیں، ورنہ روز کی لڑائی سامنے رکھی ہوئی ہے۔

كل من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم …… لا يجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه. (شرح المجلة ١/ ٦٠١، رقم المادة: ١٠٧٥، مجمع الأنهر ٢/ ٣/ ٥٤٣)

من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمه أو لعمته أو لخاله أو لخالته شيئا فليس له الرجوع. (شرح المجلة ١/ ٤٧٦، رقم المادة: ٨٦٦، شامي، زكريا ٨/ ٥٥، كراچی ٥/ ٦٩٩)

ولو وهب لذي رحم محرم منه شيئا لا يرجع. (درمختار مع الشامي، زكريا ٨/ ٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۸۲)

۵/ باب: زندگی میں تقسیم جائیداد

زندگی میں تقسیم

سوال [۹۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں زیتون بیگم اپنا ترکہ اپنی زندگی میں اولادوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہوں، تو شرعاً کتنا کتنا حصہ دینا ضروری ہے؟ میرے دولڑکے چھ لڑکیاں ہیں، کس طرح تقسیم کروں؟ اور اپنے لئے کتنا رکھوں، چودہ لاکھ روپے ہیں۔

المستفتی: زیتون بیگم کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زیتون بیگم زندگی میں تقسیم کردینا چاہتی ہیں تو لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا ضروری ہے؛ اس لئے چودہ لاکھ روپے میں سے جتنا چاہیں اپنے لئے الگ کرکے رکھ لیں اور بقیہ رقم کو آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے لڑکے اور لڑکی سب کو برابر کرکے ایک ایک حصہ دے دیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ چودہ لاکھ روپے زیتون بی بی کی اپنی ملکیت کے ہوں؛ لیکن اگر یہ شوہر کی ملکیت کے ہوں اور شوہر فوت ہو چکا ہے، تو ایسی صورت میں چودہ لاکھ روپے اسی حصوں میں تقسیم ہوکر دس حصے زیتون بیگم کو ملیں گے اور لڑکوں کو چودہ چودہ اور لڑکیوں کو سات سات ملیں گے۔

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ۴۹۰، كراچی ۷/ ۲۸۸)

وروى المعلى عن أبي يوسف: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى الابن، وعليه الفتوىٰ. الخ (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم

٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، شامي، كراچى ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، قاضي خان جديد زكريا ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۳۴ھ

زندگی میں تقسیم جائیداد

سوال [۹۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم دین کے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، انہوں نے زندگی ہی میں اپنے لڑکے کو ایک منڈہ (بیگہ کا دسواں حصہ تقریباً ڈھائی ہزار اسکوائر فٹ) زمین دی، پھر کچھ سوچ کر انہوں نے لڑکیوں کو بھی ایک ایک منڈہ زمین دے دی، اس کے بعد ایک بڑی لمبی جائیداد منقولہ کے علاوہ مزید ساڑھے پانچ منڈہ، دو عدد بڑے مکانات موجود ہیں، لڑکیوں کو دینے کی مصلحت حسب ذیل ہے: (۱) "**تسوية بين الأولاد في النحل**" (۲) لڑکے کا مزاج جس کا اندازہ آگے کی سطور سے ہوگا، یوں بھی معاشرہ میں لوگ لڑکیوں کو باپ کے بعد کچھ نہیں دیتے، لڑکے کو زمین ملی تھی تو وہ بہت خوش تھا، لڑکیوں کو زمین ملی تو لڑکا بہت ناراض ہے، باپ پر ہر طرح دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ زمین لڑکیوں سے واپس لے لیں، کبھی کہتا ہے میں شریعت وریعت نہیں جانتا اور مانتا؛ لیکن ان تمام وجوہ اور دھمکیوں کے باوجود باپ نے لڑکیوں سے زمین واپس لینے سے انکار کر دیا، تو اس نے باپ کی تجوری کھول کر زمین کے کاغذات اور لڑکیوں کے ہبہ نامہ کی اصل کاپیاں اور ایک خطیر رقم غائب کر دی اور لڑکیوں نے اپنی زمین الگ کرنے کے لئے جو بنیاد بنوائی تھی، اس کو مسمار کر دیا، ان حالات میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) لڑکے کو باپ نے دے کر صحیح کیا اور لڑکیوں کو دینا غلط اور ناجائز تھا؟

(۲) باپ کے نہ رہنے پر کیا لڑکے کو لینا چاہئے اور ضرور لینا چاہئے اور لڑکیوں کو ہرگز نہیں لینا چاہئے ؟ کیا لینے اور نہ لینے میں لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی تفریق شریعت میں کی گئی ہے؟

(۳) اگر معاشرہ میں لڑکیوں کے دینے کا رواج نہ ہو اور یقین ہو کہ لڑکا کسی صورت میں کچھ نہیں دے گا، تو ایسی صورت میں ایک خداترس باپ کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۴) جو لڑکا یہ سوچتا اور کہتا ہو کہ بہنوں کو ہرگز ایک انچ زمین نہیں دیں گے اور اس سلسلے میں اوپر مذکور جملے بھی استعمال کرتا ہو، تو شرعاً ایسا آدمی کیسا ہے؟

(۵) موجودہ صورت میں کسی مرحلہ میں لڑکیاں اگر اپنا جائز حق قانون کے ذریعہ لے لیں تو کیا وہ شرعاً غلط کریں گی ؟

(۶) موجودہ صورت میں باپ اور بیٹے کے نام آپ کا کوئی پیغام؟

المستفتی: نیاز احمد قاسمی، کیاری ٹولہ، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زندگی میں جائیداد اور دولت تقسیم کرنی ہو تو شرعی حکم یہ ہے کہ جتنی لڑکے کو دی جائے اتنی ہی لڑکی کو بھی دی جائے، سب کو برابر دینا باپ کی ذمہ داری ہے، ورنہ باپ گنہگار بھی ہوسکتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں لڑکے کو دینے کے بعد لڑکیوں کو بھی دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور قانون شریعت پر عمل کیا ہے:

فسوی بینهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كوئٹه ٥/ ٦٩٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

(۱) لڑکیوں کو دے کر غلط نہیں بلکہ اچھا کیا ہے۔

(۲) باپ کے انتقال کے بعد لڑکیوں کو شرعی حق دینا واجب ہے، نیز باپ نے جو زندگی میں ہبہ کردیا ہے اس کو بھی قبضہ کرکے باپ کی زندگی میں مالک بن جانے کا حق ہے۔

(۳) زندگی میں دولت تقسیم کرنے میں لڑکوں اور لڑکیوں میں کوئی تفریق نہیں، سب کو برابر دینا چاہئے۔

(۴) یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ بلکہ مذکورہ جملہ موجب کفر ہے، توبہ کرکے ایمان کی تجدید کر لینا ضروری ہے۔

(۵) لڑکیوں کو اپنا حق قانون کے ذریعہ حاصل کر لینا بلاتردد جائز ہے۔

(٦) اگر بیٹا نافرمان بن جائے، تو اس کو کچھ بھی نہ دے کر سب کچھ لڑکیوں میں تقسیم کر دینے کی اجازت ہے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقًا فاجرًا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، ٢١٢٢٥، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۱۹ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا

سوال [۹۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک لڑکا عبداللہ اور تین لڑکیاں (۱) بشریٰ (۲) صبا (۳) عظمیٰ اور بیوی زاہدہ ہے، میں نے اپنے لڑکے عبداللہ اور تینوں لڑکیوں بشریٰ، صبا، عظمیٰ کی شادی کر دی ہے۔ میرے پاس کچھ نقد رقم کے علاوہ دو فیکٹری تین رہائشی مکان اور کھیتی کی کچھ اراضی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی حیات ہی میں اپنے لڑکے عبداللہ اور تینوں لڑکیاں: بشریٰ، صبا اور عظمیٰ اور بیوی

زاہدہ کو اپنی نقد رقم اور دیگر تمام غیر منقولہ جائیداد میں حصہ دے دوں، تاکہ میرے بعد آپس میں کسی قسم کی نااتفاقی نہ ہو، تو تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟ نیز بعد الموت ورثاء کے درمیان جس طرح کی تقسیم کی جاتی ہے اس طرح کی تقسیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی رو سے مدلل ومفصل وضاحت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: انور ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں تمام جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کے خود مالک ہیں، ان میں کسی کا کوئی حق یا مطالبہ نہیں ہے۔ اور اگر آپ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اولاً بیوی کو جتنا چاہیں دے کر چاروں اولادوں کے درمیان بقیہ جائیداد برابر تقسیم کردیں اور زندگی میں دینے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینے کا حکم ہے، تاکہ باپ کی طرف سے سب اولاد کے درمیان یکساں معاملہ رہے۔ اور اگر آپ کسی ایک اولاد کو زیادہ دینا چاہیں اور اس کا مقصد دوسری اولاد کو نقصان پہنچانا نہ ہو اور دیگر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہو، تو دینے کی گنجائش ہے، اس میں آپ گنہگار نہ ہوں گے، مثلاً کل جائیداد کو پانچ حصہ کرکے بیٹے عبداللہ کو دو حصہ دینا چاہیں اور تینوں بیٹیوں کو ایک ایک حصہ دینا چاہیں اور اس میں کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو تو جائز اور درست ہے۔

ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ما شاء. (شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٦٤٣، رقم المادة: ١١٦٢)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشيديه دهلى ١/ ٧)

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير –رضي الله عنهما– وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية، فقالت عمرة بنت رواحة: لا أرضى

حتـی تشهـد رسـول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلـم فـقـال: إنـي أعـطيـت ابـني من عمرة بنت رواحة عطية، فأمرتني أن أشهـدک يـا رسول الله! قال: أعطيت سائر ولدک مثل هذا؟ قال: لا، قال: فـاتـقـوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

لا بـأس بتـفـضيـل بـعض الأولاد في المحبة، وكذا في العطايا إذا لم يقصد به الإضرار ...... يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١-٥٠٢، کراچی ٥/ ٦٩٦)

ولـو وهـب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعـض -إلـى- روى الـمعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا بأس به إذا لـم يـقـصـد بـه الإضـرار -إلى- يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الـفتـوى، هـكـذا فـي فتـاوى قـاضـى خان، وهو المختار كذا في الظهيرية.

(هداية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

اورآپ کی موت کے بعد اگر یہ چاروں اولاد اور بیوی زندہ رہے تو کل جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ۴۰؍حصوں میں تقسیم ہوکر بیوی زاہدہ کو پانچ اور لڑکے عبداللہ کو ۱۴؍اور تینوں لڑکیوں کو سات سات حصے ملیں گے۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾. [النساء: ١١]

أمـا لـلـزوجـات -إلـى- الثـمـن مـع الـولد، أو ولد الابن وإن سفل.

(سراجي، ص: ١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/۱۴۳۴ھ

زندگی میں جائیداد کی تقسیم میں لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا

سوال [۹۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے، اس کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں، تو وہ کس طرح تقسیم کرے گا، وراثت کے طریقے سے یا کسی اور طریقے سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر حصہ دے؛ کیوں کہ زندگی میں جائیداد وراثت کے طریقے پر تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی عثمانی ۳/ ۴۶۷، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۰۰، میرٹھ ۲۵/ ۴۱۵)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سووا بين أولادكم في العطية، فلو كانت مفضلا أحدا لفضلت النساء. (سنن كبرى بيهقي بيروت ١/ ١٧٧، بخاري، كتاب الهبة، باب الإشهاد في الهبة ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض في ذلک لا رواية في الأصل عن أصحابنا. وروى عن أبي حنيفة أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف –رحمه الله تعالىٰ– أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، زكريا ٤/ ٣٩١، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كراچى ٧/ ٢٨٨، قاضي خان، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

حكم هبة الوالد لولده إذا أعطى، أي الأب بعض ولده شيئا لم يجز

حتى يعدل يعني في العطايا للكل. (عمدة القاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۳/ ۱٤۲، زكريا ۹/ ٤۰۰، فتح الباري، اشرفيه ديوبند ٥/ ۲٦۹، دارالريان للتراث بيروت ٥/ ۲٥۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۷)

حالت حیات میں جائیداد تقسیم کرنا

سوال [۹۴۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ریاست علی اپنی حیات میں مکان مذکور کو اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، دس پر تقسیم کرنا ہے: (۱) محمد ندیم خان (۲) محمد جاوید خان (۳) محمد شاویز خان (۴) محمد پرویز خان (۵) شمیم اختر (٦) پروین اختر (۷) نسرین اختر (۸) رعنا جمال اختر (۹) فرزانہ شاہین (۱۰) سمیہ خان۔ یہ چار لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں، ان پر تقسیم ہونا ہے، مکان کی زمین کی پیمائش 89-86 ورگ میٹر ہے، کس کس کو کتنا ملے گا؟

المستفتی: ریاست علی کھوکران متصل مدینہ مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کردینے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے اور موت کے بعد لڑکیوں کو لڑکوں کا آدھا ملتا ہے؛ لہٰذا اس کا خیال رکھتے ہوئے اگر آپ اپنی زندگی میں سب اولاد کے درمیان مذکورہ مکان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو چار لڑکے اور چھ لڑکیوں کے درمیان دس حصوں میں تقسیم ہوگا، ہر لڑکے کو بھی ایک ایک اور ہر لڑکی کو بھی ایک ایک ملے گا۔

لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به فسوى بينهم يعطى البنت

كالابن عند الثاني، وعليه الفتوىٰ، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. وتحته في الشامية: وعليه الفتوى أي على قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذي هو قول محمد.

(درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٧٩، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۶)

زندگی میں تقسیم جائیداد کا حکم

سوال [۹۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے تین بیٹے ہیں، زید کی حیثیت اچھی ہے اور صاحب مال وجائیداد بھی ہے، کیا زید اپنی جائیداد و مال منقولہ وغیر منقولہ چیزوں میں سے اپنے بچوں میں سے کسی کو کم کسی کو زیادہ بھی بعض وجوہات کی بنا پر دے سکتا ہے؟ کیا اس طرح دینے کا شرعی حق ہے؟ یا تفریق کرنے کا زید کو اپنی زندگی میں حق نہیں ہے؟ کیا زندگی میں سب کو برابر دینا پڑے گا؟ اور اگر وہ بچوں کو برابر کا حق نہیں دیتا تو کیا شرعی اعتبار سے گنہگار رہے گا؟

(۲) اور اگر کوئی نالائق بچہ ہو اور باپ اپنی زندگی ہی میں کل جائیداد و مال کسی مدرسہ یا مسجد کو دے دے اور اپنے بچوں کو کچھ نہ دے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا بچوں کے لئے کچھ چھوڑنا ضروری ہے؟

(۳) وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تفصیل لکھیں۔

المستفتی: محمد ذاکر قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زندگی میں جائیداد تقسیم کرنی ہے، تو تمام اولاد کو برابر دینا باپ پر لازم ہے، ورنہ باپ گنہگار ہوگا، نیز لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے۔

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوىٰ، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢)

(۲) نافرمان اولاد کو نہ دے کر ثواب کے لئے مساجد و مدارس کو دینا جائز ہے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٣٥٨، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧)

اورفرماں بردار اولاد کے لئے چھوڑنا ضروری ہے۔

(۳) وارثین کو چونکہ میراث ملتی ہے؛ اس لئے ان کے لئے وصیت مشروع نہیں رکھی گئی ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فى خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارک وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، دارالسلام، رقم: ٢١٢٠، سنن أبي داؤد، باب في الوصية للوارث، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٦، دارالسلام، رقم: ٢٨٧٠)

ولا تجوز لوارثه لقوله صلى الله عليه وسلم: إن الله تبارک وتعالىٰ قد أعطى لكل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (هداية، كتاب الوصايا، أشرفي ديو بند ٤/ ٦٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۴)

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عزیز احمد نے اپنے چار بیٹوں (۱) رفیق احمد (۲) ظہیر احمد (۳) شریف احمد (۴) ضمیر احمد کے نام اپنا ایک مکان ۸۰ گز کا بذریعہ رجسٹری بیع کردیا اور یہ چاروں لڑکے اور خود عزیز احمد اسی مکان میں رہتے رہے، پھر ایک لڑکے ظہیر احمد کا انتقال ہوگیا، اب ظہیر نے ورثاء میں ایک لڑکا سمیر احمد اور ایک بیوی نوشادا بیگم کو چھوڑا اور باپ بھی باحیات ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ظہیر احمد کے نام والد کی طرف سے جو رجسٹری بیع شدہ مکان کا حصہ ہے وہ ورثاء کو ملے گا یا نہیں، اگر ظہیر احمد کے دیگر بھائی لوگ نہ دیں تو شرعاً ان کی گرفت ہوگی یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) عزیز احمد نے اپنی پانچ بیٹیوں کو جائیداد میں سے کچھ نہیں دیا تو کیا شرعاً آخرت میں مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زندگی میں جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنی ہوتو تمام اولاد کے درمیان برابری کرنی چاہئے اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی اولاد نافرمان سرکش ہوتو اس کو نہ دینے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا جن پانچ بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا ہے اگر وہ سب نافرمان سرکش نہ ہوں تو باپ گنہگار ہوگا۔ اور اگر نافرمان ہونے کی وجہ سے نہیں دیا ہے تو باپ کو اختیار تھا، نیز جن چار بیٹوں کے نام رجسٹری بیع کردیا ہے اور باقاعدہ ملکیت ان کی طرف منتقل کردی ہے اور وہ لوگ قبضہ کرکے اس میں رہ رہے ہیں، تو وہ اس کے مالک ہو چکے ہیں؛ لہٰذا ظہیر احمد کے انتقال کے بعد اس کے حصہ کے حق دار اس کا بیٹا سمیر احمد اور اس کی بیوی نوشادا بیگم ہی ہوں گے، بھائیوں کو نہ دینے کا حق نہ ہوگا۔

لا یجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، شرح المجلة رستم إتحاد ۱/ ٦۲، رقم: ۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۴/ ۱۴۱۸ھ

زندگی میں تقسیم جائیداد کی شرعی حیثیت

سوال [۹۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وغیرہ تقسیم کرنا چاہتا ہے، جب کہ اس کے ورثاء میں ایک بیوی ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں ہیں (جن میں تین غیر شادی شدہ ہیں) اور زید کی وراثت میں ایک ۷۰؍ کڑی پر مشتمل دو منزلہ مکان، ایک قطعہ زمین، جس کا احاطہ ۳۴؍ کڑی اور زید کے اپنے ایک مختصر کاروبار کی مختصر پونجی۔ اور زید ہی کا پچھلا کاروبار، کرائے کی ایک دوکان اور ایک لمبی پونجی جو اس کے بیٹے بکر کے قبضہ میں ہے۔ اب زید اس کڑی کے دومنزلہ مکان سے ۱۰؍ کڑی اپنا حصہ بچا کر بقیہ اپنے ورثاء کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ جائیداد و پونجی موجودہ ورثاء کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگی؟ ہر ایک کا حصہ واضح فرمائیں، کیا بکر جو زید کے پچھلے کاروبار و پونجی پر زبردستی قابض ہے، اس کے عوض میں زید کی مختصر پونجی میں سے اس کا حصہ منہا کیا جاسکتا ہے؟ شرعی نقطۂ نظر سے مسائل کو واضح اور بیان فرمائیں۔

المستفتی: رشید احمد بن انور حسن، مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعاً زید اپنی زندگی میں سارے سرمایہ کا مالک خود ہے اور زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا اس کے اختیار اور مرضی پر موقوف ہے، وہ نہ چاہے تو اس پر کسی کا کوئی دباؤ نہیں ہے، پھر بھی زید اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو شرعاً اس کا حکم

یہ ہے کہ زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنے کی صورت میں لڑکیوں کولڑکوں کے برابر ملتا ہے؛ لہٰذا اپنے لئے اور اپنی بیوی کے لئے جتنا مناسب سمجھے الگ کرلے، اس کے بعد بقیہ چیزیں ایک لڑکا اور پانچ لڑکیوں کے درمیان چھ حصوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کو ایک ایک سہام دے سکتے ہیں۔ اور زید ایسا بھی کرسکتا ہے کہ واقعتاً بیٹا اگر سخت نافرمان ہے تو نافرمان بیٹے کو نہ دے کر فرماں بردار اولادوں کو دے دے۔

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠)

وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، شامي، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦)

وعلى جواب المتأخرين، لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، قديم ٢/ ٣٥٨)

ولو كان ولده فاسقا، وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۳۱ھ

زندگی میں تقسیم کی دوصورتوں کا بیان

سوال [۹۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں بنام عبدالوحید اپنی حیات میں اپنی وراثت اپنے ورثاء میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں ورثاء کی تفصیل یہ ہے:

(۱) میں بنام عبدالوحید کا کتنا حصہ ہوگا؟ (۲) تین بیٹے ان کا کتنا حصہ ہوگا؟

(۳) ایک بیٹی اس کا کتنا حصہ ہوگا؟

تفصیل وراثت کی یہ ہے کہ آراضی صحرائی (جنگل کی زمین) بارہ بیگہ تقریباً (بارہ ہزار گز) آراضی سکنائی (گھر کی زمین) دوسوبیس گز ہے۔

حضرت والا سے درخواست ہے کہ شریعت کے مطابق وراثت کی تقسیم فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔ والسلام

المستفتی: عبدالوحید، ساکن محلّہ حکیم پورہ، قصبہ سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں اپنے مال کے تنہا مالک ومختار ہیں، آپ کے اوپر لازم نہیں ہے کہ زندگی میں ترکہ اولاد کے درمیان تقسیم کردیں، آپ جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، پھر بھی اگر آپ اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) آپ باضابطہ تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے کر فوری مالک بنا دینا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں اپنے لئے اور اپنی بیوی کے لئے جتنا مناسب ہو الگ کر لینے کے بعد بقیہ مال کو اولاد کے درمیان برابر تقسیم کردیں اور اس میں لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر دینا ضروری ہے؛ لہٰذا چار حصوں میں تقسیم کر کے تینوں لڑکوں کو ایک ایک حصہ اور لڑکی کو بھی ایک حصہ دینا چاہئے۔

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير –رضي الله عنهما– وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية، فقالت عمرة بنت رواحة: لا أرضي حتى تشهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية، فأمرتني أن أشهدک يا رسول الله! قال: أعطيت سائر ولدک مثل هذا؟ قال: لا، قال:

فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦)

يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الفتوى. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١، قاضي خان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

وعند أبي يوسف بينهما سواء هو المختار لورود الآثار. (خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠)

(۲) آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی موت کے بعد جائیداد کی تقسیم میں اولاد کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو اور ہر ایک کو اس کا حق شرعی طور پر مل جائے؛ اس لئے زندگی میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کی جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی، دو حصے لڑکوں کے لئے اور ایک حصہ لڑکی کے لئے، ان حصوں کے حساب سے تقسیم کر کے چاروں کے لئے الگ الگ جائیداد نامزد کر دی جائے اور ایک وصیت نامہ لکھ دیا جائے کہ میرے مرنے کے بعد چاروں اولادوں کو نامزد کی گئی جائیداد مل جائے گی، اس میں کوئی اختلاف بھی نہ ہوگا، تو اس طرح زندگی میں مرنے کے بعد کے واسطے سے تقسیم کر دینے کی گنجائش ہے۔

وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته، لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته؛ فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، مذهب الجمهور، التسوية بين الذكر والأنثى، اشرفيه ديوبند ٢/ ٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۳۵ھ

زندگی میں جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟

سوال [۹۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالشکور صاحب موجودہ وقت میں ایک مکان کے مالک ہیں، جس کے پورب پچھّم ۳۵/فٹ اور اتر دکھن ۷۰/فٹ ہے، بیچ میں پورب پچھّم ۳۷/فٹ ہے، اس طرح ۲۴۵۰/ ورگ فٹ جگہ ہے۔ عبدالشکور کی پہلی بیوی سے دو لڑکے ہیں، دوسری بیوی سے ۶/لڑکے ۴/ لڑکیاں ہیں، ماں باپ حیات ہیں اور عبدالشکور اور اس کی بیوی حیات ہیں، اس طرح ۸/ لڑکے ۴/لڑکیاں ہیں، اس میں لڑکوں کو کتنا کتنا ورگ فٹ زمین ملے گی اور لڑکیوں کو کتنے کتنے ورگ فٹ زمین ملے گی؟

(۱) کیا والد کی حیات میں بچے باپ سے بٹوارہ کرا سکتے ہیں؟

(۲) پہلی بیوی کے لڑکے ان کی شادی والد نے کردی ہے، دوسری بیوی سے چھ لڑکے ان میں سے ایک لڑکے کی شادی ہوئی ہے، ۵/لڑکوں کی شادی کرنی ہے، والد کی عمر ۶۵/ برس کی ہے اور والدہ بھی ۶۰/برس کی ہیں، مکان کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے کہ والد والدہ اپنی گذر اوقات چلاسکیں یا بیماری وغیرہ میں خرچ کرسکیں، دوسری بیوی کا ایک لڑکا مدد کرتا ہے، جس سے یہ خرچ پورے ہوتے ہیں، پہلی بیوی کے دونوں بچے ماں باپ سے علیحدہ رہتے ہیں، کوئی مدد نہیں کرتے ہیں، سبھی باتوں کا خیال کرتے ہوئے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالشکور محلّہ گورھائی پرو ریا، ضلع اٹاوہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عبدالشکور ازخود زندہ ہے اور اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو اس کو اختیار رہے کہ اپنے لئے جتنی چاہے روک لے اور اپنی بیوی کو جتنا چاہے دے دے، اس کے بعد بقیہ جائیداد تمام بچوں کے درمیان برابر کرکے تقسیم کردے۔ اور زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا چاہئے۔ اور یہ اختیار رہے کہ جو لڑکا خدمت میں لگا ہوا ہے اس کو سب سے زیادہ دے۔

ویـنـبـغـي أن یـعدل بین أولاده في العطایا، والعدل عند أبي یوسف أن یـعـطیهـم عـلی السواء، وإن کان بعض أولاده مشتغلا بالعلم دون الکسب لابـأس بأن یفضله علی غیره. (مـجـمـع الأنهر، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۴۹۷، مـصـري قـدیـم ۲/ ۳۵۸، بـزازیة، زکـریا جدید ۳/ ۱۲۳، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۲۳۷، البـحـرالـرائـق، کـوئـٹـه ۷/ ۲۸۸، زکریا ۷/ ۴۹۰، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۴/ ۴۶۲، رقم: ۲۱۷۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۶)	۱۹/۲/۱۴۱۷ھ

زندگی میں تقسیم جائیداد کا شرعی طریقہ

سوال [۹۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں احسان ایک ۲۰۸؍ گز جائیداد کا تنہا مالک ہوں، بحالت موجودہ میرے وارثان میں چار پسران: انور احسان، سرور احسان، یاور احسان، احمد احسان اور ایک دختر مسماۃ حنا کوثر حیات ہیں۔ اور میں اپنے جملہ پسران اور دختر کی شادی کے فرائض انجام دے چکا ہوں، میں احسان الٰہی اپنی حیات میں اپنی جملہ جائیداد کو اپنے پسران اور دختر کو دینا چاہتا ہوں، بموجب فرائض شرعی کس کو کتنا حصہ دیا جائے بتانے کی زحمت فرمائیں۔ میری بیوی شمس النساء کا انتقال ہو چکا ہے، زمین میں نے خریدی تھی، انور احسان وسرور احسان نے اپنے روپیوں سے مکان کی تعمیر کو انجام دیا، اس مکان کی تعمیر کرانے میں یاور احسان اور احمد احسان ودختر حنا کوثر کا کوئی پیسہ نہیں لگا؛ کیوں کہ یہ تینوں لوگ چھوٹے تھے، اور پڑھ رہے تھے، ان تینوں لوگوں کا اس مکان میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ مکان تعمیر کے وقت سب بیٹے والد کے ساتھ ہی ایک فیملی میں رہ کر کھانا پینا ساتھ کرتے تھے۔

المستفتی: احسان الٰہی ولد عبد الواحد مرحوم ہرتھلا مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اپنی حیات میں ہی اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر برابر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اور جن دولڑکوں سرور احسان اور انور حسان کا آپ نے ذکر کیا ہے، انہوں نے آپ کے ساتھ رہ کر جو پیسہ کمایا ہے وہ پیسہ شرعی طور پر آپ ہی کی ملکیت ہے، پھر آپ ہی کی سرپرستی میں رہ کر آپ ہی کی زمین پر بچوں کی محنت کا پیسہ لگایا گیا ہے، اس زمین پر جو مکان بنا ہے وہ مکان بھی شرعی طور پر آپ ہی کی ملکیت ہے؛ اس لئے اگر آپ اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو سب بچوں کو برابر دینا لازم ہوگا۔ اور اگر آپ کی موت کے بعد تقسیم ہوتی ہے تو ۹ر حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک لڑکے کو دو دو اور لڑکی کو ایک ملے گا۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، هندية، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢)

وفی حديث جابر -رضي الله عنه-: ”أنت ومالک لأبيک“ أضاف مال الابن إلى الأب بلام التمليک، وظاهره يقتضی أن يكون للأب فی مال ابنه حقيقة الملک، فإن لم تثبت الحقيقة فلا أقل من أن يثبت له حق التمليک عند الحاجة. (بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل في نفقة الأقارب، زكريا ٣/ ٤٣٩-٤٤٠، كراچی ٤/ ٣٠، مكتبة الباز، مكة المكرمة ٥/ ١٦٨)

يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الفتوى. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١، قاضي خان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦)

یکره تفضیل بعض الأولاد علی البعض في الهبة حالة الصحة.
(البحرالرائق، کتاب الهبة، زکریا ۷/ ۴۹۰، کوئٹه ۷/ ۲۸۸، بزازیة، زکریا جدید ۳/ ۱۲۳، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۲۳۷)

قال الطیبي: فیه استحباب التسویة بین الأولاد في الهبة، فلا یفضل بعضهم علی بعض. (شرح الطیبي، البیوع، باب الهبة، الفصل الأول، کراچی ۶/ ۱۸۱، تحت رقم الحدیث: ۳۰۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۰ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ

سوال [۹۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس دو لڑکے اور چند لڑکیاں ہیں، باپ نے اپنے بڑے لڑکے کو اپنی ذاتی رقم تجارت کی غرض سے سپرد کی، اس تجارت کے ذریعہ کچھ نفع حاصل ہوا، جس سے زید نے کچھ جائیدادیں خریدی، تو پوچھنا یہ ہے کہ زید اپنی زندگی میں وہ جائیداد صرف دونوں لڑکوں کو رجسٹری کرسکتا ہے یا لڑکے کے ساتھ لڑکیوں کو بھی دینا ضروری ہوگا؟ جب کہ باپ اور لڑکے ایک ہی فیملی میں رہتے ہیں اور کھانا پینا بھی ساتھ ہی ہوتا ہے۔

المستفتی: محمد شجاع الدین القاسمی، ۲۴؍ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: صورت مسئولہ میں زید نے اپنے بڑے لڑکے کے ذریعہ تجارت کرکے جو کچھ جائیداد خریدی ہے، وہ زید ہی کی ملکیت ہے اور اب زید اپنی زندگی میں وہ جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو اس پر لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی لڑکوں

کے برابر حصہ دینا ضروری ہے، ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔ اور اگر مرنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے، تو لڑکوں کو لڑکیوں سے دوگنا ملے گا۔

لما في القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له، ألا ترى! لو غرس شجرة تكون للأب. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، هندية، الباب الرابع، جديد ٢/ ٣٣٢، قديم ٢/ ٣٢٩)

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض ...... إن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى الابن، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۴ھ

ایضاً

سوال [۹۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب تقریباً ایک لاکھ ۹۹؍ ہزار نقد روپیہ اور ایک مکان کے مالک ہیں، جس کی قیمت تقریباً ساڑھے تین لاکھ ہے، ہم تین بھائی ہیں اور والد صاحب نے ایک لڑکی لے کر پالی تھی، اس طرح تین بھائی اور ایک بہن ہے۔ والد صاحب ابھی حیات ہیں، میں والد صاحب سے کھانے پینے اور کاروبار میں الگ ہوں؛ لیکن والد صاحب کے ساتھ ہی مکان میں رہتا ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ مال اور جائیداد سے میرا کتنا حصہ شرعاً نکلتا

ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: محمد عارف اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب تک آپ کے والد صاحب زندہ ہیں، تمام مال وجائیداد روپئے وغیرہ کے مالک آپ کے والد ہیں، ان کی زندگی میں کسی کو بھی حق مانگنے کا اختیار نہیں، ہاں اگر زندگی ہی میں روپئے وغیرہ تقسیم کرنا چاہیں تو تمام بیٹوں کو برابر دینا چاہئے، آپ کے والد صاحب نے جس لڑکی کو لے کر لے پالک بنایا ہے، شرعاً اس کا کوئی حصہ نہیں بنتا؛ البتہ آپ کے والد صاحب اپنی زندگی میں اس کو جو کچھ دینا چاہیں تو اس کا اختیار ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۵۲۰، جدید زکریا ۱۰/ ۲۵۶، معارف القرآن ۷/ ۸۴)

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ. [الأحزاب: ٤]

قال النبي صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية.

(صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد ١/ ٣٥٢، رقم الباب: ١٢)

وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسف أن يعطيهم على السواء. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، قديم ٢/ ٣٥٨، جديد دارالكتب العليمة بيروت ٣/ ٤٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۸)

ایضاً

سوال [۹۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل کے پانچ لڑکے ہیں اور تین لڑکیاں ہیں، سائل نے اپنے مکان کو بنیاد

ہی سے توڑ کر بنایا ہے، کچھ زمین خرید کر اس میں بھی بنایا ہے، ہر طرح کے بنانے اور خریداری میں سائل کے کسی لڑکے نے زیادہ روپیہ لگایا ہے، کسی نے کم روپیہ لگایا ہے، کسی نے بالکل بھی نہیں لگایا ہے، تو سائل اپنی زندگی میں کس طرح تقسیم کرسکتا ہے، تعمیر کے وقت سب لڑکے باپ کی فیملی میں رہا کرتے تھے؟ اس طرح اس مکان کی تعمیر وخریداری میں باپ نے بھی اپنی رقم لگائی ہے۔

المستفتی: ایم شریف وارثی، ولد کلن، مغل پورہ سقہ اول نزد امام باڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی خریداری اور اس کی تعمیر کے زمانہ میں جب سائل کے سب لڑکے سائل ہی کی فیملی میں تھے، تو سب کی کمائی اور سائل کی خود کی کمائی سب شرعی طور پر سائل ہی کی ملکیت ہے۔ اور جو زمین خریدی گئی وہ بھی سائل کی ملکیت ہوگی اور اس پر جو تعمیر کی گئی ہے وہ تعمیر بھی سائل ہی کی ملکیت میں شمار ہوگی، اب اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے، اب اگر سائل اپنی اولاد کے درمیان زمین یا تعمیر شدہ عمارت یا روپیہ پیسہ جو کچھ بھی تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو اس میں سائل کے ذمہ یہ لازم ہے کہ سب بچوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردے، جس نے خریداری کے وقت پیسہ لگایا ہے اس کو جتنا دیا جائے اتنا ہی اس کو بھی دینا ضروری ہے جس کا کوئی بھی پیسہ نہیں لگ پایا اور جو بچے اس زمانہ میں کمانے کے لائق نہیں تھے، ان کو بھی کمانے والوں کے برابر دینا ضروری ہے۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٤، ف: ٢٥٨٦)

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب

کله للأب إن کان الابن في عیاله؛ لکونه معینا له، ألا تری! لو غرس شجرة تکون للأب. (شامي، کتاب الشرکة، فصل في الشرکة، زکریا ٦/ ٥٠٢، کراچی ٤/ ٣٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۳؍۱۴۲۵ھ

زندگی میں جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟

سوال [۹۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل کے پاس ۶۰؍گز زمین ہے، میرے تین لڑکے ہیں اور تین لڑکیاں ہیں، ان سب کی شادی کردی ہے، اور میاں بیوی ہم دونوں بھی حیات ہیں، تو کس کے حصہ میں کتنی زمین آئے گی؟

المستفتی: سعید احمد قریشی اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: آپ کی زندگی میں ساری جائیداد کے مالک آپ از خود ہیں، اس میں کسی کا شرعی حق نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کو آپ کی زندگی میں مطالبہ کرنے کا حق ہے، ہاں البتہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے وارثین کا حق متعلق ہوگا؛ لہٰذا آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے کہ آپ اپنی ملکیت کی چیز میں ہوش وحواس کی حالت میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء. (بیضاوي ١/ ٧)

إن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (شامي، کتاب البیوع، مطلب في تعریف المال، زکریا ٧/ ١٠، ٢٣٥، کراچی ٤/ ٥٠٢، ٥/ ٥٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٤/ ٢٩)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٦٢، رقم: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۳۳ھ

جھگڑے کے خوف سے زندگی میں میراث تقسیم کرنا

سوال [۹۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرشید اس ڈر سے کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد میں میراث کی تقسیم باعث انتشار ہوگی؛ اس لئے وہ قرآن کے حکم کے مطابق میراث کو اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ کیا زندگی میں تقسیم میراث کی وجہ سے بیٹی اور بیٹے کا حق برابر ہو جاتا ہے یا پھر قرآن کے حکم کے مطابق بیٹے کو بیٹی سے دوگنا ہی ملے گا؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کا حکم زندگی میں میراث تقسیم کرنے کا نہیں ہے۔ آں جناب نے بار بار قرآن کے حکم کے مطابق تقسیم کی بات لکھی ہے، ایسا ہے نہیں؛ بلکہ قرآن کریم میں مرنے کے بعد ہی مرحوم کی میراث تقسیم کرنے کا حکم مذکور ہے۔ اور مرنے سے پہلے کسی کی جائیداد اور ملکیت میراث نہیں بنا کرتی، ہاں البتہ اگر زندگی میں اولاد کو دے کر فارغ البال ہونا چاہتا ہے، تو یہ دینا میراث نہیں ہے؛ بلکہ ہبہ ہے اور ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری کا حکم ہے۔ اور اس میں بیٹے بیٹی دونوں قسم کی اولادوں کے ساتھ یکسانیت کا حکم ہے، اگر یکسانیت نہ کی جائے تو باپ گناہ گار ہوگا۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية.

(صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد ١/ ٣٥٢، رقم الباب: ١٢)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.
(البحرالرائق، کتاب الهبة، زکریا ۷/ ۴۹۰، کراچی ۷/ ۲۸۸)

وفي السراجية: وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسف أن يعطيهم على السواء. (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، قدیم ۲/ ۳۵۸، جدید دارالکتب العلیمة بیروت ۳/ ۴۹۷)

اوراگر کوئی شخص صرف یہ چاہتا ہے کہ زندگی میں اولاد کو مالک بنانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مرنے کے بعد میراث کے جھگڑے سے بچانا مقصود ہے، تو ایسی صورت میں شرعی میراث کے مطابق تقسیم نامہ بنا کر شرعی گواہوں کے ساتھ وصیت نامہ تحریر کردیں اور مرنے کے بعد اس وصیت نامہ کے مطابق متروکہ میراث وارثین کے درمیان تقسیم ہوجائے گی۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [سورۃ النساء: ۱۱]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۳۱ھ

زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ

سوال [۹۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر کے نہ والدین ہیں اور نہ کوئی بہن بھائی، اس کی بیوی بھی اللہ کو پیاری ہوچکی ہے، اس کے دو شادی شدہ لڑکیاں اور دو شادی شدہ لڑکے ہیں، عمر کی غیر منقولہ جائیداد میں ایک فلیٹ ہے جو فی الحال خالی ہے اور ایک مکان ہے جس میں وہ اپنے دونوں لڑکوں کے ساتھ رہتا ہے، عمر چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں فلیٹ کو فروخت کردوں اور پھر رہائشی مکان دو حصے کرکے بذریعہ قرعہ اندازی دونوں لڑکوں کے نام الگ الگ کردوں اور دونوں کو کچھ رقم دے دوں کہ وہ اپنا اپنا حصہ تعمیر کرکے قریب قریب، لیکن الگ الگ رہ سکیں، میں سوچتا ہوں کہ دونوں

لڑکیوں کو بھی تقریباً مساوی رقم دے دوں (ان کے حالات کے پیش نظرابھی یہ طے نہیں کر پایا کہ فوراً دے دوں یا یہ رقم ان کے نام سے محفوظ کردوں) باقی منقولہ ورثاء کے بارے میں لڑکوں کی نیک نیتی اور دینی مزاج کے سبب پوری امید ہے کہ میرے انتقال کے بعد شرعی تقسیم کریں گے۔(انشاء اللہ)

حضرت والا سے معلوم یہ کرنا چاہتا ہوں کہ کیا غیر منقولہ جائیداد کی مذکورہ تقسیم صحیح ہے؟ اگر یہ تقسیم صحیح نہیں ہے تو صحیح طریقہ تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: ماسٹر افتخار احمد، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب زندگی میں بعض اولاد کو کچھ دینا ہے، تو سبھی کو برابر درجہ میں قرار دے کر سب کو دینے کا حکم ہے، لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینے کا حکم ہے، اگر غیر منقولہ جائیداد لڑکوں کو دیتے ہیں اور لڑکیوں کو روپیہ پیسہ کی شکل میں دینا ہے تو جس وقت لڑکوں کو دیا جائے اسی وقت لڑکیوں کو روپیہ پیسہ دے دینا چاہئے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية.

(صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد ١/ ٣٥٢، رقم الباب: ١٢)

في الدر المختار: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة ...... وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، عالمگيري جديد زكريا ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١)

اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی موت کے بعد شرعی تقسیم صحیح طور پر ہو جائے، تو چھ حصے کرکے لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک ملے گا، تو ایسی صورت میں غیر منقولہ جائیداد کو

لڑکوں کے نام نہ کریں؛ بلکہ ایک تفصیلی وصیت نامہ لکھ دیں کہ میری موت کے بعد میری منقولہ وغیر منقولہ جائیداد چھ حصوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک سہام ملیں گے۔ اور جو غیر منقولہ جائیداد مکان وغیرہ لینا چاہیں گے تو وہ دوسروں کے حصہ کی قیمت اس میں سے مجری کر کے صحیح طور پر ادا کردیں گے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡأُنۡثَيَيۡنِ. [سورة النساء: ۱۱]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۳۹)

زندگی میں مکان تقسیم کرنا

سوال [۹۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اور میری شریک حیات ایک قطعہ مکان رقبہ دوسو گز مربع عمارتی واقع محلّہ طباقیان کو اپنی اولادوں چھ لڑکیاں اور چار لڑکے جو سب بقید حیات ہیں اپنی حیات میں ہی تقسیم کرنا چاہتے ہیں، جواب سے نوازیں کس طرح تقسیم کریں؟

المستفتی: سید حامد علی ولد محمد علی طباقیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زندگی میں ہبہ کر کے قبضہ کرادینا چاہتے ہیں تو لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے، ہاں البتہ اگر اس طرح کرنا چاہیں کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد بچوں میں اختلاف وانتشار پیدا نہ ہو اور مرنے کے بعد جو شرعی حصہ بن سکتا ہے، اس کے بارے میں بطور وصیت کی جاتی ہے، تو لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں ڈبل دیا جائے گا۔ اور اس کی وصیت کردی جائے کہ جب تک ماں باپ زندہ رہیں گے وہی مالک رہیں گے اور

ماں باپ کی موت کے بعد اولادیں اپنے اپنے طے شدہ حصوں کے مالک ہوجائیں گی۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [سورة النساء: ١١]

قال النبي صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم . (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٠٨، رقم: ٨٦٩١)

يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الفتوى وهو المختار. (شامي، هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠)

﴿أو إصلاح بين الناس﴾ والمراد من الإصلاح بين الناس: التأليف بينهم بالمؤدة إذا تفاسدوا من غير أن يجاوز في ذلک حدود الشرع الشريف. الخ (روح المعاني، زكريا ٤/ ٢١٢)

والصلح خير: أي من الفرقة، وسوء العشيرة، أو من الخصومة. (روح المعاني، زكريا ٤/ ٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۶۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۴ھ

زندگی میں ہی والدہ کا مکان تقسیم کرنا

سوال [۹۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان آراضی تقریباً ۵۲؍گز مربع، تعمیر شدہ ہے جس کی موجودہ قیمت لگ بھگ آٹھ لاکھ روپئے ہے، ملکیت ہماری والدہ زبیدہ خاتون جو کہ بقید حیات ہیں اور اس مکان کی بلا

شرکت غیر مالک ہیں، وارثان حسب ذیل ہیں: محمد اسحاق شوہر، اقبال فاطمہ، حسین فاطمہ، شمیم فاطمہ، نسیم فاطمہ لڑکیاں، محمد سلیم خان، محمد عارف خان لڑکے سائرہ لڑکی، کوثر لڑکی، ہماری والدہ زبیدہ خاتون اپنی حیات میں ہی ہر ایک کا حصہ دینا چاہتی ہیں، شریعت کی رو سے کس کا کتنا حصہ بنتا ہے؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ مکان زندگی میں آپ کی والدہ کی ملکیت ہے، اس میں کسی کا حق نہیں اوران کی زندگی میں کسی کواس میں سے کسی جزو کے مطالبہ کا حق نہیں؛ البتہ کسی کے دباؤ کے بغیر تقسیم کرنا چاہتی ہیں تو شوہر کے لئے جتنا حصہ نکالنا چاہیں نکال لیں اور مابقیہ لڑکیوں اورلڑکوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیں۔

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. قوله عليه الفتوى: أي على قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذي هو قول محمد. (الدرالمختار، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۱۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرکے ہبہ کرنا

سوال [۹۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی خلیل احمد صاحب نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی کے بطن سے دو لڑکے: (۱)

جمیل احمد (۲) عزیز احمد۔ پہلی بیوی کا انتقال حاجی خلیل احمد کی حیات میں ہی ہوگیا، پھر دوسری شادی بسم اللہ بیگم سے کی اس کے بطن سے ایک لڑکا حمید احمد ہے۔

(۲) ابھی حاجی خلیل احمد حیات ہی تھے کہ انہوں نے اپنی حیات میں تینوں لڑکوں اور اپنی بیوی بسم اللہ بیگم کو اپنے نئی بستی کے مکان کے شرعاً چار حصے کرکے دے دئے تھے، جن پر حاجی خلیل احمد کی حیات ہی میں تینوں لڑکوں اور بسم اللہ بیگم نے قبضہ کرلیا تھا، حاجی خلیل احمد کی یہ تقسیم اپنی حیات ہی میں صحیح ہوئی یا نہیں؟

(۳) حمید احمد نے اپنا حصہ اپنی بیوی شہناز بیگم کے نام ہبہ کردیا اور قبضہ بھی دلوادیا تو یہ ہبہ درست ہوا یا نہیں؟

(۴) بسم اللہ بیگم کا انتقال حمید احمد کے اپنے مکان کا ہبہ اپنی بیوی شہناز بیگم کے نام کرنے کے بعد ہوگیا، تو بسم اللہ بیگم کے ورثاء میں ان کا ایک حقیقی لڑکا حمید احمد ہے، تو کیا حمید احمد ہی بسم اللہ بیگم کے چھوڑے گئے حصہ کے صحیح وارث ہوئے یا نہیں؟

المستفتیة: شہناز بیگم، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) حاجی خلیل احمد صاحب کی اپنی زندگی میں مذکورہ تقسیم درست ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء. (بیضاوي، کتب خانه رشدیه دهلی ۱/ ۷)

(۳) حمید احمد کا اپنی بیوی شہناز بیگم کو اپنے حصے کا ہبہ درست ہے۔

وتتم الهبة بالقبض الکامل. (شامي، کتاب الهبة، زکریا ۸/ ۴۹۳، کراچی ۵/ ۶۹۰، هندیة، زکریا قدیم ۴/ ۳۷۷، جدید ۴/ ۳۹۹، مختصر القدوري، ص: ۱۳۵، هدایة، اشرفي ۳/ ۲۸۳)

(۴) بسم اللہ بیگم کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء میں چونکہ صرف حمید احمد ہے؛ اس لئے ان کے کل ترکہ کا حق دار شرعاً حمید احمد ہے۔

ثـم الـعـصبات من جهة النسب، والعصبة كل من يأخذ ما أبقتهاأصحاب الفرائض، وعند الإنفراد يحرز جميع المال. (سراجی/ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱۱/۱۴۲۱ھ

زندگی میں اپنی جائیداد متعلقین میں تقسیم کرنا

سوال [۹۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی آدمی اپنی ملکیت مثلاً سونا چاندی زمین وغیرہ کو اپنے متعلقین مثلاً بیٹا، پوتا، پوتی، بہن وغیرہ کو اپنی حیات کے اندر ہی دینا چاہے، تو کیا سب کو برابر برابر دیا جائے گا یا کچھ کمی بیشی کے ساتھ جیسا کہ وراثت میں ورثاء کے حصے متعین ہیں؟ تو کیا مذکورہ صورت میں بھی وراثت کے مطابق ہی مال تقسیم کیا جائے گا؟ نیز حالت حیات میں اصحاب الفرائض کے علاوہ کو بھی مال دیا جاسکتا ہے؟ اگر دیا جاسکتا ہے تو کتنا کتنا اور حالت صحت اور مرض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ فرحت صاحب، استاذ مدرسہ تجوید القرآن سیانہ بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی آدمی اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وغیرہ تقسیم کرنا چاہے، تو اولاد میں برابری ضروری ہے، جتنا لڑکے کو دے اتنا ہی لڑکی کو دے، یہاں لڑکے کو لڑکی سے دوگنا نہیں ملے گا، جیسا کہ وراثت میں ملتا ہے۔

سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، وعليه الفتوىٰ. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦،

قاضي خان جديد زكريا ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۲۷۹البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۲۸۸، زكريا ۷/ ٤٩٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩۷، مصري قديم ۲/ ۳٥۸)

ہاں البتہ بھائی بہنوں میں سے جس کو جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، ان کو دینے میں آپ کو اختیار ہے، برابری کے ساتھ دیں یا کمی بیشی کے ساتھ، آپ اپنے مال کے مالک ہیں۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ۱/ ۷)

لیکن حالت مرض میں اصحاب فرائض کے علاوہ کو تہائی مال سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے۔

وهب المريض شيئا لا يخرج من الثلث، يرد الموهوب له مازاد على الثلث بلا خيار. (بزازية، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض وغيره، زكريا جديد ۳/ ۱۲٦، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲٤٠)

هبة المريض وصدقته ...... لم يجز إلا من ثلثه. (جامع الفصولين ۲/ ۱۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٥۹)

زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم ترکہ

سوال [۹۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے خسر جناب عزیز الرحمٰن سیفی کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ عزیز الرحمٰن کی ملکیت کل اس طرح ہے، تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ عزیز الرحمٰن صاحب اور ان کی بیوی بھی حیات ہیں، اپنی زندگی میں شریعت پر تقسیم چاہتے ہیں:

(۱) ایک مکان سرائے شیخ محمود میں ہے، آراضی تین سو گز	10,00,000/-
(۲) چار مکان محلّہ گوئیاں باغ میں ہیں آراضی ۳۲۰ر گز	3,00,000/-
(۳) دو کانیں محلّہ گنج قصائی میں ہیں، آراضی ۹۵ر گز	2,00,000/-
(۴) ایک دوکان بازار گنج کی ابھی فروخت ہوئی قیمت وصول ہوئی	1,50,000/-
(۵) دو دکانیں بازار گنج میں ہیں	6,00,000-
(٦) کرولہ پر ۱٦۰ر گز کا ایک پلاٹ	30,000/-
(۷) بینک میں جمع شدہ رقم	5,00,000/-
(۸) ایک کلو سونا موجود ہے	4,00,000/-
دو کلو چاندی بھی موجود ہے	31,80,000/-

مذکورہ رقوم تقسیم مابین مذکورہ بالا سات لڑکے اور تین لڑکیوں کے شریعت مطہرہ کے اعتبار سے سہام نکالنے کی زحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: اشتیاق حسین، سرائے شیخ محمود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر جناب عزیز الرحمٰن صاحب سیفی اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان دولت تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو اولاً اپنے اختیار سے بیوی کو جو دینا چاہتے ہیں دے کر بقیہ ساری جائیداد نقد رقم، سونا چاندی کو دس سہام میں برابر تقسیم کر کے ہر ایک لڑکا لڑکی کو ایک ایک دے دیں۔ اور شرعاً زندگی میں اولاد کے درمیان دولت تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا ضروری ہے، ورنہ باپ گنہگار ہوتا ہے۔

سوی بینهم یعطی الابنة مثل ما یعطی للابن. قوله: رجل وهب في صحته کل المال للولد جاز في القضاء، ویکون آثما فیما صنع. (قاضی خان کتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده وهبة الصغیر، زکریا ۳/ ۱۹٤، وعلی هامش الهندیة،

زکریا ۳/ ۲۷۹، شامي، زکریا ۸/ ۵۰۱، ۵۰۲، کراچی ۵/ ٦٩٦، هندية، زکریا قدیم ۳/ ٤٩٧، مصري قدیم ۲/ ۳٥٨، بزازية، زکریا جدید ۳/ ۲۳/ ۱، وعلی هامش الهندية ٦/ ۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۱/۱۴۱۰ھ

زندگی میں اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم

سوال [۹۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شمس العارفین اپنی زندگی میں اپنا حصہ اپنے بچوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، ان کے ورثاء میں ایک بیوی پھول جہاں، چار لڑکے: (۱) محمد شعیب (۲) محمد جنید (۳) محمد زبیر (۴) محمد سہیل۔ دو لڑکیاں: (۱) سابقہ (۲) صادقہ۔ دریافت یہ ہے کہ کس کے حصہ میں کتنی زمین آئے گی؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد جنید چکر کی ملک، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شمس العارفین اگر اپنی زندگی میں جائیداد اور ترکہ اپنی اولاد اور بیوی کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو اپنی بیوی کو اپنی مرضی کے مطابق جتنا چاہے دے دے، اس کے بعد بقیہ تمام سرمایہ چار لڑکے اور دو لڑکیوں کے درمیان برابر کرکے تقسیم کردے؛ لہٰذا چھ سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ایک ایک دے دے، لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا ضروری ہے؛ اس لئے کہ زندگی میں تقسیم کرنے میں باپ کے اوپر لازم ہوجاتا ہے کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دے۔

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين، وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء، وهو آثم

-إلى قوله- وفي الخلاصة، المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، شامي، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧)

اور اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد وارثین کو جتنا ملنا ہے وہ زندگی میں متعین کردے، مگر ملکیت اپنی رہے گی، تو ایسی صورت میں شمس العارفین کا کل ترکہ مرنے کے بعد اس نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا جو ذیل میں درج ہے:

شمس العارفین میــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا		لڑکی	لڑکی
ا					۷		
۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴		۷	۷

شمس العارفین کا کل ترکہ اسی سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۶ھ

زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم

سوال [۹۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ محمد اسحاق اپنی زندگی میں اپنا ایک مکان جو فروخت ہو چکا ہے، اس کی قیمت ۳۹/ لاکھ ۲۱/ ہزار روپئے اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، ان کے دو بیٹے تھے، ایک بیٹا بمبئی میں رہتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا اور ان کا ایک مکان بمبئی میں تھا، مرحوم بیٹے کے بیوی بچوں کو بمبئی کا مکان دے دیا، اب جس مکان کی قیمت تقسیم کرنی ہے وہ

مکان پنچ مڑی میں ہے، دوسرا بیٹا زندہ ہے، ان کا نام شیخ محمد ناصر ہے۔ اور دولڑکیاں ہیں: سلطانہ بیگم اور رخسانہ قمر۔ اور شیخ محمد اسحاق کی بیوی کا انتقال پہلے ہو چکا ہے، اب ان تین اولادوں کے درمیان پنچ مڑی کے مکان کی قیمت تقسیم کرنا چاہتے ہیں، کس کو کتنا کتنا ملنا چاہئے؟ شریعت کی رو سے حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: رخسانہ قمر اہلیہ قمر شاہد، محلّہ لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شیخ محمد اسحاق صاحب اپنی تمام جائیداد اور مال کے خود مالک ہیں، وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کرسکتے ہیں، اگر وہ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کی قیمت تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو جتنا مناسب سمجھیں اپنے لئے الگ کرلیں، پھر مابقیہ مال ایک لڑکے اور دولڑکیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیں؛ لہٰذا مابقیہ کو اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس کو برابر تین حصوں میں تقسیم کرکے لڑکے کو ایک حصہ اور دونوں لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا، یاد رکھیں کہ یہ تقسیم زندگی میں اولاد کو ہبہ کرنے کی شکل میں ہے۔ اور موت کے بعد جو میراث تقسیم ہوتی ہے، اس کا حکم دوسرا ہے، اس میں بجائے تین حصے کے چار حصے ہوں گے، دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو ملے گا۔

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک.

(بيضاوي، كتب خانه رشيديه دهلى ١/ ٧)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠)

وإن قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى.

(درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كوئٹه ٥/ ٦٩٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

سوی بینهم یعطی الابنة مثل ما یعطی للابن، وعلیه الفتوی. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۱۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۳۱ھ

زندگی میں اولاد کے مابین ترکہ کی تقسیم

سوال [۹۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، زید اپنے پانچ بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے کا حصہ اپنی ملکیت میں سے نکال کر دے چکا ہے، اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی حیات میں باقی چار بیٹے اور تین بیٹیوں کا حصہ حسب منشاء شرع نکال دے۔ اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ والدین کی موجودگی میں ان کی اولاد یعنی چاروں بیٹے اور تینوں لڑکیوں کو کتنا اور والدین کو کتنا حصہ ملے گا؟

المستفتی: محمد عبد اللہ جھبو کا نالہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنی زندگی میں اپنی ملکیت کے اندر تصرف کرنے کا مختار ہے؛ لہٰذا اگر زید اپنی زندگی میں اپنی ملکیت کو اولاد کے درمیان ہبہ کرنا چاہے، تو کرسکتا ہے۔ اور جو کچھ اپنے لئے رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے؛ لیکن لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان تقسیم کرنے میں برابری کرنا اور بڑے لڑکے کو جتنا حصہ دیا ہے اتنا حصہ سب کو دینا ضروری ہوگا، کمی بیشی کرنے کی صورت میں زید گنہگار ہوگا۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– قال: أتى بي أبي إلى رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فقال: إني نحلت ابنی هذا غلاما، فقال: أكل بنيك نحلت، قال: لا، قال: فاردده. (مسلم شريف، كتاب الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۲۳، بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ۱/ ۳۵۲، رقم: ۲۵۱٤، ف: ۲۵۸٦)

قال الطيبي: فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، فلا يفضل بعضهم على بعض -إلى قوله- ولو وهب بعضهم دون بعض، فمذهب الشافعي ومالک وأبي حنيفة أنه مكروه، وليس بحرام، والهبة صحيحة، ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز قضاء، وهو آثم نص عليه محمد. (شرح الطيبي، كتاب البيوع، باب الهبة، الفصل الأول، كراچی ٦/ ۱۸۱، تحت رقم الحديث: ۳۰۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۹۶)

اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم زندگی میں کرنے کا شرعی حکم

سوال [۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے تین لڑکے: (۱) محمد شاہد (۲) محمد راشد (۳) محمد مجاہد اور دولڑکیاں: (۱) شبانہ نور (۲) اورفاطمہ نور، ایک بیوی دودانہ بیگم، میرے والد والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، مکان سامان وغیرہ کو اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، کس طرح تقسیم ہوگا؟

المستفتی: محمد شاہد شمسی لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو حسب مرضی بیوی کو جو کچھ دینا چاہیں دے دیں، اس کے بعد لڑکیوں

کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوگا۔

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، كراچى ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

لہٰذا تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کے درمیان کل جائیداد پانچ حصوں میں تقسیم ہوگی، ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد کس کو کتنا کتنا ملے گا تو کل ترکہ ۶۴ر سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو آٹھ اور لڑکوں کو چودہ چودہ اور لڑکیوں کو سات سات حصے ملیں گے، جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

میـــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
دودانہ	محمد شاہد	محمد راشد	محمد مجاہد	شبانہ	فاطمہ
ا			ے		
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

دونوں طرح کے مسئلے ہم نے بیان کر دیئے، اب آپ کو اختیار ہے جو طریقہ چاہیں اختیار کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۳/ ۱۴۲۳ھ

زندگی میں اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم کا طریقہ

سوال [۹۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض کہ میرے نانا عنایت حسین کی دادا الٰہی ملکیت کی میری والدہ تنہا وارث تھی، میں دولر خان اپنی والدہ کے حصہ کے مکان کا تنہا وارث ہوں، یہ مکان دوسو گز آراضی پر تھا، جس میں

میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ سکونت پذیر تھا، میں نے اپنے تینوں بیٹوں کی شادی کردی اور دو بیٹیوں کی بھی شادی کردی اور پانچویں بیٹے نے اپنے بدمعاش ساتھیوں کے ساتھ ان میں سے ایک کوقتل کردیا، اس سلسلے میں پولیس نے مقدمہ بازی میں اس کی پٹائی بھی کی؛ اس لئے ان پریشانیوں سے بچ کر میں نے اپنا پورا مکان ۸/ لاکھ روپئے میں فروخت کردیا اور شہر کے کنارے چھ لاکھ کا مکان خریدلیا، بقیہ دو لاکھ میں سے پچاس ہزار روپئے پانچویں بیٹے کے مقدمہ میں لگائے اور بقیہ رقم سے میں نے اور میری اہلیہ نے حج کیا، اب دوبارہ مکان کو بیچ دیا ہے۔ اور اب میرے بڑے دو بیٹے اپنا حصہ مانگ رہے ہیں اور دونوں دوسری جگہ ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا اسی فروخت ہوئے مکان میں مجھے اور میری اہلیہ کو شریعت محمدی میں کتنا حصہ ملتا ہے؟ اور بیٹوں کو کتنا؟ تینوں بہنوں کو حصہ نہیں دیا جارہا ہے، شرعی فتوی دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: دولر خان محلّہ بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب تک آپ کی زندگی ہے، تو ساری جائیداد روپئے وغیرہ آپ کی ملکیت ہے، کسی کو اس میں سے حق مانگنے کا اختیار نہیں ہے، آپ جتنا چاہیں اور جہاں چاہیں، خرچ کرسکتے ہیں، آپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے کسی کو کچھ دینا چاہیں تو اس کا بھی اختیار ہے، ہاں البتہ اگر اپنی جائیداد وروپیہ پیسہ وغیرہ اپنی زندگی میں ہی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہیں، تو اس تقسیم کے اندر لڑکیوں کو بھی شامل کیا جائے اور لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان جائیداد روپئے پیسہ وغیرہ کو برابر برابر تقسیم کیا جائے، انصاف کی بات یہی ہے، ہاں آپ کے مرنے کے بعد منجانب شریعت لڑکیوں کو لڑکوں کے بالمقابل آدھا ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ٦١، ڈابھیل ١٦/ ۴۹۷، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۱۸۰، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۳٦١)

وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، أن يعطيهم على السواء.

(مـجـمـع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، بـزازية، زكـريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى، اشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۱۰/۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۷ھ

زندگی میں کاروبار اور مکان تقسیم کرنا

سوال [۹۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنے کاروبار اور مکان وغیرہ کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں، ہم میاں بیوی ہیں اور چار لڑکے ایک لڑکی ہے، ان کی شادی وغیرہ سے فارغ ہو چکا ہوں، ایک لڑکے کا حصہ میں دے چکا ہوں، تین لڑکے اور ایک لڑکی اور دو ہم میاں بیوی ہیں، شرع کے حساب سے کس طرح تقسیم کروں؟

المستفتی: راحت علی گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ابھی زندگی میں اپنی ساری دولت کے مالک تنہا آپ ہی ہیں اور آپ کی موجودگی میں نہ آپ کے لڑکے مالک ہیں نہ آپ کی لڑکی نہ آپ کی بیوی؛ بلکہ تنہا آپ ہی مالک ہیں، ہاں اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان دولت تقسیم کردیں، تو پہلے اپنے لئے جتنا چاہیں الگ کرلیں اور بیوی کو بھی جتنا چاہیں دے دیں، اس کے بعد بقیہ مال تمام اولاد کے درمیان برابر تقسیم کردیں اور لڑکی کو بھی لڑکوں کے برابر ملے گا؛ لہٰذا پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ایک ایک حصہ چاروں لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیں گے۔ اور جس لڑکے کو پہلے جتنا حصہ دے چکے ہیں بقیہ لڑکوں

کو بھی اس سے کم نہیں دینا چاہئے۔

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠، بزازية زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

وإذا ثبت هذا، فالتسوية المستحبة عند البعض أن يقسم بينهم علي حسب قسمة الله تعالى الميراث ...... وقال أبوحنيفة ومالك والشافعي وابن المبارك: تعطى الأنثى مثل ما يعطى الذكر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال لبشير بن سعد سو بينهم. (إعلاء السنن، كتاب الهبة، باب التسوية المستحبة بين الأولاد، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ١٢٠، كراچی ١٦/ ٩٧)

قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثى في حالة الحياة أقوى وأرجح من حيث الدليل. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبة، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، أشرفيه ديوبند ٢/ ٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۴۴/۳۸)

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں والدہ کا اپنے لئے کچھ باقی رکھنا

سوال [۹۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان سوگز کا میری والدہ کا ہے، ان کے چھ لڑکے چار لڑکیاں ہیں، والدہ زندگی میں اپنا مکان اپنی اولادوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں، تو کیا تقسیم کرسکتی ہیں؟ اور اپنے لئے رکھ سکتی ہیں؟ اور اولادوں کو کتنا کتنا دیں؟ میرے والد تین سال سے لاپتہ ہیں۔

المستفتی: ظہیر عالم کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کی والدہ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولادوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہتی ہیں تو اپنی مرضی سے اپنے لئے جتنا چاہیں روک لیں باقی مکان لڑکے اور لڑکی سب کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیں اور یہ بات یاد رکھیں کہ مرنے کے بعد تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو لڑکوں کے مقابلہ میں آدھا آدھا ملتا ہے اور زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر ملتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۲۰/ ۱۴۸)

ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء. (شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٦٤٣، رقم المادة: ١١٦٢)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديو بند ٤/ ٤٠٠)

وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسف أن يعطيهم على السواء، وهو المختار. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

والدین کا اپنی جائیداد بچوں کے درمیان تقسیم کرنا

سوال [۹۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جس کا رقبہ ۱۳۸/ گز ہے، جس کی قیمت ۳۰/ لاکھ روپئے ہیں، جس میں والدین کے علاوہ ۴/ لڑکے اور ۵/ لڑکیاں حق دار ہیں، والدین اپنی ہی حیات میں سبھی کو ان کا

حصہ تقسیم کرنا چاہتے ہیں، مکان کی والدہ مالک ہیں، والد بھی حیات ہیں؛ لہٰذا قرآن وشریعت کی روشنی میں سبھی کا حصہ متعین فرمائیں۔

المستفتی: نفیسہ بیگم، لائن نمبر ۱/۲۷ آزادنگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدہ زندگی میں اپنی جائیداد کی خود مالک ہیں؛ لہٰذا انہیں اختیار ہے جتنا چاہیں اپنے لئے روک لیں، ان کے اوپر کسی کو دباؤ کا حق نہیں ہے، پھر بھی اگر وہ زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں، تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنے کی صورت میں لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر ملتا ہے۔

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كراچی ۷/ ۲۸۸، زكريا ۷/ ۴۹۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۷)

ويكره تفضيل بعض على البعض في الهبة حالة الصحة. (البحرالرائق، كراچی ۷/ ۲۸۸، زكريا ۴۹۰)

لہٰذا اپنے لئے جتنا مناسب سمجھیں الگ کر کے بقیہ چار لڑکے اور پانچ لڑکیوں کے درمیان نو حصے بنا کر برابر برابر تقسیم کر دیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۸۰/۳۸)

زندگی میں ورثاء کے لئے وصیت اور ان کے درمیان تقسیم کا حکم

سوال [۹۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی زندگی میں اپنے ورثاء میں کسی کے نام کوئی وصیت کی ہے اور سب ورثاء بالغ ہیں اور وہ مرحوم کی محبت میں اسی وصیت پر عمل کریں تو کیا حکم ہے؟

(۲) مرحوم زید کی پانچ شادی شدہ لڑکیاں ہیں، جن کی شادی زید اپنی زندگی میں کرچکے، اب زید کے انتقال کے بعد زید کا ماں سے سوتیلا اور باپ سے سگا بھائی جو لڑکیوں کے چچا ہوئے، ایک لڑکی کے لئے تقریباً پونے دوسو گز زمین کا ٹکڑا بحیثیت وصیت نکلوانا چاہتے ہیں، جس کی کوئی تحریر نہیں ہے اور میراث سے علیحدہ کردیا ہے؟

(۳) مرحوم زید نے اپنی زوجہ (جو کہ دوسری بیوی ہے اور لڑکیوں کی سوتیلی ماں ہے) کے نام کچھ وصیت کی جو کہ تحریر ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۴) زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ میں نے اپنی جائیداد پر تمہارے فوٹو لگوا دئے ہیں، جس کے تمام کاغذات سوتیلی لڑکیوں نے اپنے قبضے میں کرلئے ہیں، اب وہ جائیداد کس کی ہوگی؟

(۵) مرحوم زید کے کچھ پیسے ڈاک خانہ میں ہوں مرحوم اور دوسری بیوی کے نام سے، اور وہ اس کو بیوی کے لئے کہہ گئے ہوں اور اس کی کتابوں پر بھی بیوی ہی قابض ہو، اب وہ رقم اسی کی ہے یا پھر اس رقم کا بھی بٹوارہ ہوگا؟

(۶) گھر کا پورا ہاؤس ٹیکس زید کی پہلی بیوی یعنی سوتیلی لڑکیوں کی سگی ماں کے نام تھا، پھر زید ہی نے اپنی دوسری بیوی کے نام کرادیا، اس کے بعد آدھا اپنے نام کرالیا اور آدھا دوسری بیوی کے نام یعنی لڑکیوں کی سوتیلی ماں کے نام کرادیا، جس پر وہ قابض ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے، یعنی اپنے پورے گھر پر اور ہاؤس ٹیکس کی رسید پر بھی ایک نام تو زید کا ہے؛ لیکن وہ کسی اور کا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ سو گز زمین پر کسی کا گھر بنوایا جاچکا ہے، کاغذ نہیں ہوا، زید کے ہی نام پر ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر وصیت رجسٹرڈ ہوا اور باقی کام اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ وہ تو خود ہوجائے گا، یعنی نام تو خود ہی ہوجائے گا، تو کیا حکم ہے؟ عبدالعلیم صاحب کی بیوی اپنی رائے پیش کرنا چاہتی ہے، اگر جائز ہو تو علماء اس کو مان لیں؛ کیوں کہ وہ مرحوم کو کسی عذاب آخرت میں مبتلا نہیں چھوڑنا چاہتی، عبدالعلیم صاحب کی دوسری بیوی نے ہاؤس ٹیکس کی رسید 2000 کی گھر کی رسیدوں میں دیکھی تھی، جو کہ بلقیس بیگم (جو کہ عبدالعلیم کی مرحومہ بیوی تھیں) کے نام سے تھی، اگر ہاؤس ٹیکس کو ہی مان لیا جائے تو ماں کے نام ہاؤس ٹیکس

ہونے کے ناطے گھر کی حق دار پانچوں لڑکیاں اور عبدالعلیم صاحب خود حصہ دار ہوتے ہیں، یہ مان کر جو لڑکیوں کا حق نکلتا ہے وہ لڑکیوں کو اور جو عبدالعلیم صاحب کا حق نکلتا ہے وہ اس کی دوسری بیوی کو دے دیا جائے؛ کیوں کہ پورا ہاؤس ٹیکس دوسری بیوی کے نام کر دیا تھا، یہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ میرے نام پورے گھر کا ہاؤس ٹیکس ہے، پھر کوئی درخواست لکھ کر اس پر دستخط کرائے، جس کی کاربن کاپی اس کو مل گئی، جس میں لکھا تھا کہ ہاؤس ٹیکس آدھا آدھا کر دیا جائے، بلقیس بیگم کے انتقال کے بعد ان کے نام کی ہر چیز وارثوں کی ہوگی، اس طرح یہ لڑکیوں اور عبدالعلیم صاحب کی ہوئی، بنا سوچے زید نے قانوناً نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے دوسری بیوی کے نام پورا ہاؤس ٹیکس کرا دیا، پھر خود ہی آدھا کر دیا، جس کا عبدالعلیم صاحب کی بیوی کو بعد میں علم ہوا، مرحوم عبدالعلیم صاحب کے ذمہ اسلامی لحاظ سے کچھ قرض نکلتا ہے، زید کی دوسری بیوی یہ چاہتی ہے کہ خاموشی سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔

عمل کا دار ومدار نیت پر ہے، علیم صاحب نے اپنی زندگی میں یہ کہا کہ کھیتی کی زمین بیوی کی ہوتی ہے، کھیتی کی زمین تمہاری ہے، اس کو تم سے کوئی نہیں لے سکتا اور شاید ہر جگہ اس کے فوٹو لگوا دئے ہیں (جو کہ ساتھ میں روانہ ہے) جس کی کوئی رسید اس کے پاس نہیں ہے، ہاں زبانی کہا ہے، تو اس کا بٹوارہ کیوں ہوگا؟

سو گز زمین پر ایک لڑکی کا گھر بنا ہوا ہے، جس کا کاغذ نہیں ہوا تھا، اس کا بٹوارہ کیوں ہوگا؟ ایک ٹرک زید کے نام سے ہے، جس کا پیسہ داماد نے تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کیا اور اب بھی کچھ باقی ہے، اس کا بٹوارہ کیوں ہوگا؟ میری عقل ناقص کے حساب سے جو چیز یا مال دے دیا گیا ہو اس کا بٹوارہ نہیں ہونا چاہئے۔

ڈاک خانہ کا پیسہ جو کہ دونوں کے نام سے ہے، اس میں سے مرحوم کا قرض نکال کر آدھا زید کی بیوی کا ہوا اور آدھے کا بٹوارہ کرلیا جائے تو کیسا ہے؟ اگر علماء کی سمجھ میں میرا مشورہ کتاب وسنت کی روشنی میں درست ہو تو اس کو مان لیا جائے، جو کمی بیشی ہو اس کو آپس میں معاف

کر دیا جائے؛ کیوں کہ ہم ابھی زندہ ہیں اور سب وارث بالغ ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) کسی کے نام وصیت سے کیا مراد ہے؟ اگر غیر وارث مراد ہے تو غیر وارث کے لئے ثلث مال میں وصیت نافذ ہوجاتی ہے۔ اور اگر وارث مراد ہے تو وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، جب کہ اس سے دوسرے ورثاء کا حق مارا جارہا ہو۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام، رقم: ۲۱۲۰، سنن ابن ماجة، باب لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۵، دارالسلام، رقم: ۲۷۱۳، سنن أبي داؤد، باب في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دارالسلام، رقم: ۲۸۷۰)

لا تجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجيزها الورثة. (عالمگيري، كتاب الوصايا، زكريا قديم ٦/ ٩٠، جديد ٦/ ١٠٦)

(۲) کسی وارث کے لئے وصیت نافذ نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، اس لئے زبانی وصیت کی بنیاد پر کسی ایک لڑکی کے لئے جائیداد کا کچھ حصہ الگ سے نکالنا شرعاً جائز نہیں، اگر زبردستی کی جائے گی تو وہ لوٹ اور غصب کے درجہ میں ہوجائے گا، جیسا کہ اوپر کی دلیل سے واضح ہوتا ہے۔

(۳) بیوی بھی وارث ہوتی ہے؛ اس لئے میراث سے الگ زائد چیز کے لئے وصیت نافذ نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر کی دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

(۴) جس جائیداد کا ذکر سوال نامہ میں کیا جارہا ہے وہ جائیداد زید کے مرنے کے بعد تمام ورثاء کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوگی، شرعی طور پر جس کا جتنا جتنا حصہ بنتا ہے اس کو اتنا اتنا ملے گا۔

(۵) اگر زندگی میں بیوی کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا ہے، تو وہ بیوی ہی کی ہے؛ اس لئے کہ یہ وصیت نہیں بلکہ ہبہ ہے۔ اور سرکاری بینک وغیرہ میں جمع شدہ رقم پر قبضہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس رقم کو کسی دوسرے کے نام سرکاری قانون کے اعتبار سے منتقل کر دیا جائے۔ اور جب سرکاری ضابطہ کے مطابق بیوی کے نام منتقل کر دیا گیا ہے اور اس کا اکاؤنٹ بیوی کے نام سے بیوی کے قبضہ میں ہے، تو وہ بیوی کے نام سے ہبہ تام ہو چکا ہے؛ اس لئے وہ رقم بیوی ہی کی ہے، اس میں دوسروں کے لئے وراثت جاری نہ ہوگی۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک یجوز لک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضی في الأنحال أن ما قبض منه فهو جائز، وما لم یقبض فهو میراث، قال: فدعوت یزید الرشک، فقسمها. (السنن الکبری للبیهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفکر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸۶)

وتتم الهبة بالقبض الکامل. (شامي، کتاب الهبة، زکریا ۸/ ۴۹۳، کراچی ۵/ ۶۹۰، هدایة، اشرفي ۳/ ۲۸۳، مختصر القدوري، ص: ۱۳۵)

(۶) اگر مذکورہ مکان زید کی ملکیت ہے اور زید اس کا آدھا حصہ دوسری بیوی کو زندگی میں ہبہ کرنا چاہتا ہے اور ہبہ ہی کے واسطے ہاؤس ٹیکس کے کاغذات اس کے نام منتقل کر دیا ہے، تو آدھا مکان دوسری بیوی ہی کا ہے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضی في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم یقبض منه فهو میراث.

(المصنف لابن أبي شیبة، البیوع والأقضیة من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جدید ۱۰/ ۵۲۱، رقم: ۲۰۵۰۲)

وتتم الهبة بالقبض الکامل. (شامي، کتاب الهبة، زکریا ۸/ ۴۹۳، کراچی

/۵ ۴۹۰، هداية، اشرفي ۳/ ۲۸۳، مختصر القدوري، ص: ۱۳۵)

جس ٹرک کا ذکر کیا جارہا ہے وہ زید کے نام کیوں ہے؟ کسی اور کا ٹرک ہے، تو زید کے نام کیوں ہے؟ اس کو واضح کریں۔ سوگز زمین پر کسی دوسرے کا مکان بنایا گیا ہے، وہ زمین زید کی ہے یا کسی دوسرے کی؟ دوسرے کے لئے اس پر مکان کیوں بنایا گیا ہے؟ مستفتی سے گزارش ہے کہ ایسے سوالات نہایت غیر مناسب ہیں، ان سوالوں سے کیا مفتی کا امتحان لیا جارہا ہے؟ نہایت مہمل سوال ہے، اگر یہ واقعہ ہے تو بات کھل کر لکھنا چاہئے، کسی کے نام سے ٹرک کا کیا مطلب ہے؟ کسی دوسرے کے نام مکان کا کیا مطلب ہے؟ ان سب باتوں کو کھل کر وضاحت سے لکھنا چاہئے، اگر وصیت رجسٹرڈ ہو اور نام تو خود ہو جائے گا، یہ بھی غیر مناسب سوال ہے، اس کی بھی حقیقت ہے، تو حقیقت کو واضح کر کے واقعہ لکھنا چاہئے، تا کہ مفتی حقیقت پر واقف ہونے کے بعد حکم شرعی لکھ سکے، دو ایک مقامی علماء کو بٹھا کر مسئلہ کے ہر پہلو اور نزاکت کو سامنے رکھ کر جائیداد تقسیم کی جائے، اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کا حق نہ مارا جائے؛ لیکن ڈاک خانہ اور بیلنس میں جو پیسہ ہے، اگر وہ بیوی کے نام زندگی میں منتقل کر دیا ہے، تو وہ زندگی ہی میں اس کے نام سے ہبہ ہو چکا ہے، اس کے اختیار میں ہے کہ وہ چاہے تو دوسرے وارثین کو اپنی خوشی سے دے دے، یا نہ دے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲۲/۳۸)

زندگی میں تمام اولاد کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنا

سوال [۹۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ محمد یونس کے دولڑکے پانچ لڑکیاں ہیں، سب ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور کھانا پینا سب کا الگ الگ ہے، ایک بیٹی ساتھ رہتی ہے، ساری جائیداد حافظ محمد یونس کے قبضہ میں

ہے،حافظ یونس اپنی ایک بیٹی سے ناراض ہیں،توان کواپنی جائیداد سے الگ کرنا چاہتے ہیں، ان سے مکان خالی کرانا چاہتے ہیں،تو کیا شرعاً ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے،یا لڑکی کو اس مکان میں رہنے کا حق ہے،شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

نوٹ:- مستفتی سے زبانی معلوم ہوا داماد سے خفا ہونے کی بناء پر لڑکی کو مکان میں نہیں رہنے دینا چاہتے۔

المستفتی:عبدالمنان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ یونس ابھی بحالت صحت صحیح تندرست ہے،تو وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے،جس کو چاہے رکھے اور جس کو چاہے نکال دے۔

والمالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک.

(بیضاوي، کتب خانه رشدیه دهلی ۱/ ۷)

لیکن اگر زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا ہے اوران میں کوئی نافرمان نہیں ہے،تو سب کو برابر دینا لازم ہے،اگر یہ بیٹی نافرمان نہیں ہے؛ بلکہ صرف داماد سے ناراض ہونے کی وجہ سے بیٹی سے بھی ناراض ہے تو بیٹی کو محروم نہ کرنا چاہئے ؛البتہ داماد کو کچھ نہ دے وہ اپنا انتظام خود کرے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجة، باب الحیف في الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دارالسلام، رقم: ۲۷۰۳)

عن سلیمان بن موسی قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع میراثا فرضه الله قطع الله میراثه من الجنة. (سنن سعید بن منصور، باب من قطع میراثا فرضه اللّٰه، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

وروى المعلى عن أبي يوسف: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي الابن، وقال محمد -رحمه الله تعالى- يعطي للذكر ضعف ما يعطي للأنثى، والفتوى على قول أبي يوسف. (قاضي خان، الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۲۷۹، هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ۳۹۱، جديد ٤/ ٤۱٦، شامي، زكريا ۸/ ۵۰۱، ۵۰۲، كراچی ۵/ ٦۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

زندگی میں تقسیم کرنے کی صورت میں اولاد کے درمیان برابری

سوال [۹۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے والد بزرگوار نے ایک نصف مکان چھوڑا ہے، جس کا میں اور میری بہن مالک ہیں اور باقی نصف مکان میرے چچا صاحب نے صرف میرے نام کردیا ہے، کوئی اس میں شریک نہیں، اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری بہن کا کتنا حق ہے اور میرا کتنا حق ہے؟

(۲) اس کے بعد وہ نصف حصہ باقی حصہ میں شامل کردیا جائے؟

(۳) اور میرے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، وہ ان میں تقسیم کردیا جائے اور بتائیں لڑکیوں کا کتنا حق ہے اور کتنا حق لڑکوں کا ہے؟

المستفتی: عبدالخالق ولد عبدالہادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے سوال نامہ کے مطابق کل مکان چھ سہاموں میں تقسیم ہوکر آپ کی بہن کو ایک ملے گا، باقی ۵؍سہام آپ کو ملیں گے اور اب اگر آپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوتا ہے، تو کل چھ اولاد کے درمیان چھ حصوں میں تقسیم ہوگا اور کل مکان ۳۶؍سہام میں تقسیم ہوکر آپ کی بہن کو ۶؍سہام اور آپ کی چھ اولاد میں سے ہر ایک کو ۵-۵؍ملے گا۔

سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى الابن. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان جديد زكريا ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٧٩، شامي، زكريا ٨/ ٥٠١-٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍صفر ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۸۱)	۲۲/ ۲/ ۱۴۱۸ھ

زندگی میں تقسیم کی صورت میں برابری کا حکم

سوال [۹۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل اپنی حیات میں اپنی تمام جائیداد اپنی اولاد لڑکے اور لڑکیوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، سائل کے مکانات مختلف جگہوں پر اور مختلف رقبہ کے ہیں، جو نا قابل تقسیم بھی ہیں اور سب مکانات کی مالیت بھی مختلف ہے، ایسی صورت میں سب لڑکے اور لڑکیوں کو اگر ایک ایک مکان دیا جائے تو کسی کے پاس زیادہ مالیت کا مکان جائے گا اور کسی کے پاس کم مالیت کا، کیا سائل کو ایسا کرنے کا حق ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے بتانے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: احقر جمیل احمد پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ زندگی میں اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ آپ جتنا مال جائیداد ہر لڑکے کو دیں اتنا ہی ہر لڑکی کو بھی دیں، اگر مکانات مختلف مالیت کے ہیں، تو برابری کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس لڑکے یا لڑکی کے حصہ میں کم مالیت کا مکان آئے اس کو نقد پیسے الگ سے دے کر دوسروں کے حصے کے برابر کر دیا جائے۔

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير –رضي الله عنهما– وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية –إلى– أعطيت سائر ولدك مثل هذا، قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته.

(صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢)

وروى المعلى عن أبي يوسف: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى الابن، وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضيخان. (عالمگيري، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضی خان، الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، زكرى جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٧٩)

وإذا كان أرض وبناء فعن أبي يوسفؒ أنه يقسم كل ذلك على اعتبار القيمة؛ لأنه لا يمكن اعتبار المعادلة إلا بالتقويم، وعن أبي حنيفة أنه

يقسم الأرض بالمساحة؛ لأنه هو الأصل في الممسوحات، ثم يرد من وقع البناء في نصيبه أو من كان نصيبه أجود دراهم على الآخر ، حتى يساويه، فتدخل الدراهم في القسمة ضرورة كالأخ لا ولاية له في المال، ثم يملك تسمية الصداق ضرورة التزويج، وعن محمد -رحمه الله تعالى- أنه يرد على شريكه بمقابلة البناء ما يساويه من العرصة، وإذا بقي فضل ولا يمكن تحقيق التسوية بأن لا تفى العرصة بقيمة البناء حينئذ يرد للفضل دارهم؛ لأن الضرورة في هذا القدر فلا يترك الأصل إلا بها، وهذا يوافق رواية الأصل. (هداية، كتاب القسمة، فصل في كفية القسمة ٤/ ٤١٦-٤١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۳۹)

زندگی میں تقسیم کرنے میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم

سوال [۹۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) زید کے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ان کے علاوہ ان کا کوئی شرعی وارث نہیں ہے، زید کو شبہ ہے کہ میری وفات کے بعد ان میں مخالفتیں پیدا ہوں گی؛ اس لئے اس نے اپنی زندگی میں ہی ان مکانات کو تقسیم کر کے اپنے بیٹوں کو ہبہ کر دیا اور مالکانہ قبضہ دے دیا اور وہ سب اس پر راضی ہو گئے اور ان لڑکوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی بہنوں کو مبلغ پندرہ ہزار روپیہ فی کس ادا کریں گے، اس طرح ہر لڑکی کو تیس ہزار روپئے مل جائیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ عمل ہبہ خلاف شرع تو نہیں اور زید عند اللہ ماخوذ تو نہ ہوگا؟ جب کہ ان مکانات کا وہ خود مالک ہے اور ان لڑکوں کی کوئی جانی اور مالی محنت ان میں نہیں لگی۔

(ب): نیز ایک لڑکا نہایت ہی نافرمان اور تقریباً پچیس سال سے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے

اور مقابلہ آرائی پر تیار رہتا ہے، زید نے اس کو بھی بلا کر سب بھائیوں کے برابر اس کو بھی دینا چاہا، مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور لکھنے سے بھی منع کر دیا، تب زید نے وہ مکان بھی اپنے دو فرماں بردار بیٹوں کو دے دیا اور کہہ دیا کہ اگر وہ لینا چاہے تو اس کو دے دینا، ورنہ وہ بھی تمہاری ہی ملکیت ہے، زید کا یہ عمل خلاف شرع تو نہیں ہے اور زید عنداللہ ماخوذ تو نہ ہوگا؟

(ج): زید کے دو بیٹے نہایت فرماں بردار ہیں اور سات آٹھ سال سے زید اور اس کی زوجہ یعنی ماں باپ انہیں دونوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ہر قسم کی خدمت جانی اور مالی کرتے رہتے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے، زید نے اپنی تمام اشیاء منقولہ انہیں فرماں بردار بیٹوں کو ہبہ کر دی ہیں، یہاں تک کہ اپنے پہننے کے کپڑے بھی انہیں دونوں کو ہبہ کر دئے ہیں اور کہہ دیا ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں تم سے مستعار لے کر پہن لیا کریں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ زید کی ملکیت میں اب کوئی چیز باقی نہیں ہے، تو کیا اب بھی زید کی وفات کے بعد مسئلہ میراث جاری ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محی الدین نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) زید نے اپنے چھ لڑکوں کے درمیان جو جائیداد اپنی زندگی میں تقسیم کر کے مالک بنا دیا تو زید کا یہ فعل شرعاً درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم میں برابری کرنے کا حکم ہے۔ اور سوال میں ذکر کردہ صورت میں زید نے مکانات کو صرف مذکر اولاد ہی میں تقسیم کیا، لڑکیوں کو کچھ نہیں دیا اور تیس تیس ہزار روپیہ لڑکیوں کو بھائیوں کی جانب سے دینے سے متعلق صرف وعدہ اور امید کا اظہار ہے، عملاً لڑکیوں کو کچھ نہیں ملا، اور زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنے کی صورت میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر ملتا ہے؛ اس لئے باپ کی طرف سے یہ تقسیم شرعاً درست نہیں ہوئی اگرچہ اس تقسیم سے لڑکے اپنے اپنے حصے کے مالک بن چکے ہیں، مگر اس سے باپ گنہگار ہوگا۔

عن النعمان بن بشير –رضى الله عنه– قال: تصدق علي أبي ببعض ماله –إلي– فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: اتقوا الله واعدلوا في أولادكم، فرجع أبي فرد تلك الصدقة. (صحيح مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الوالد في الهبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۲۳)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دارالسلام، رقم: ۲۷۰۳)

عن سليمان بن موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه اللّٰه، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ٤۹۰، كوئٹہ ۷/ ۲۸۸، خلاصة الفتاوی، اشرفيه ديوبند ٤/ ٤۰۰)

يعطى للابنة مثل ما يعطى للابن، وقال محمد رحمه الله: يعطى للذكر ضعف ما يعطى للأنثى، والفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله. (قاضي خان، فصل فى هبة الوالد لولده، والهبة للصغير، زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹)

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز، وهو آثم نص عليه محمدؒ. (بزازية، كتاب الهبة، زكريا جديد ۳/ ۱۲۳، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲۳۷، قاضي خان، زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، شامي، زكريا ۸/ ۵۰۲، كراچی ۵/ ٦۹٦، هندية، زكريا قديم ٤/ ۳۹۱، جديد ٤/ ٤۱٦)

زید نے جو اپنے نافرمان بیٹے کو مکان دینا چاہا اور اس نے لینے سے انکار کردیا تو اپنے دو فرماں بردار بیٹوں کو دے دیا اس کا یہ عمل خلاف شرع نہیں ہے؛ اس لئے کہ نافرمان اور فاسق

بچہ کو نہ دینے میں باپ پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

وإن كـان فـي ولـده فاسق لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معينا له في المعصية. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

ج: میراث میت کے چھوڑے ہوئے مال میں جاری ہوتی ہے، جب زید نے حیات ہی میں اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیدا داپنی اولاد کو دے دیا اور زید کی ملکیت میں کچھ رہا ہی نہیں تو میراث بھی جاری نہ ہوگی۔

لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال. (شامي، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٣، كراچی ٦/ ٧٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۳۵)

زندگی میں تقسیم کی صورت میں اولاد کے درمیان مساوات کرنا

سوال [۹۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وصیت نامہ اپنی آراضی کا اس کے میں تین حصہ کرنا چاہتا ہوں، ایک حصہ لڑکے کا، ایک حصہ برابر لڑکی کا، ایک حصہ خود کا، ان حصوں کے بعد میں اپنا حصہ مسجد میں دینا چاہتا ہوں، اگر زندگی میں مجھے کبھی ضرورت پڑ جائے تو یہ مکان میں فروخت کرسکتا ہوں، اپنا حصہ میں بیس ہزار روپئے مسجد کو دے دوں گا، باقی حصہ جس کو چاہوں دے سکتا ہوں، اگر لڑکی کو ضرورت پڑی تو جب چاہے رہ سکتی ہے۔ اور اگر آپس میں مکان دونوں میں سے خریدنا چاہیں تو پہلے میرا حصہ نکال دیں مسجد کو، پھر آپس میں باٹیں، اگر کرایہ دار اس میں انہوں نے

رکھا تو تین حصوں میں جو میرا حصہ بنے مسجد کو پہنچا ئیں، اگر لڑکی اس میں رہی تو پچاس روپے لڑکا اور پچاس روپے لڑکی مسجد کو پہنچا ئیں، اور اگر مکان خالی رہے تو پچاس روپے مہینہ لڑکے کو مسجد کو دینا ہے میرے حصہ میں سے، قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیں۔

المستفتی: عبدالمجید، مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ اپنی زندگی میں ہی لڑکا لڑکی کو حصہ دینا چاہتے ہیں، تو دونوں کو برابر کر کے دینا جائز ہے۔ اور تین حصہ کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھنا اور اس کے بارے میں اس طرح وصیت کرنا بھی جائز ہے کہ زندگی میں ضرورت کے وقت فروخت کر کے اقرار کردہ رقم بیس ہزار روپے مسجد کو دے دے۔ اور اس کے ساتھ یہ وصیت بھی درست ہے کہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کا ایک تہائی مسجد کو دے دیا جائے، مگر اگر زندگی میں لڑکا لڑکی دونوں کو دے کر قبضہ نہیں دیا ہے اور مرنے کے بعد برابر ملنے کی وصیت ہے، تو مسجد کے حق میں ایک ثلث کی وصیت درست ہوگی، مگر لڑکی کو لڑکے کے برابر دینے کی وصیت درست نہ ہوگی؛ بلکہ ترکہ میں سے لڑکی کو لڑکے کا آدھا ملے گا؛ اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام، رقم: ۲۱۲۰) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۳ھ

زندگی میں تقسیم کی صورت میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم

سوال [۹۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حاجی عبدالقدیر صاحب اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنی ایک بیوی تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، جائیدادان کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۲) کیا ان مذکورہ ورثاء کا حق سائل (عبدالقدیر) کے مال اور نقدی میں بھی ہے، اگر ہے تو کس طرح اور کس کس کا؟

(۳) انہیں کی ایک دوکان پگڑی کی ہے، تو کیا اس پر بھی ورثا کا حق ہے اور دوکان میرے اور میرے لڑکے کے نام ہے؟

(۴) اور جو مکان ہے وہ میری بیوی کے نام ہے، اسی مکان میں دو حصہ دار ہیں: (۱) میری پھوپھی کے لڑکے کی بیوی (۲) اور میری بیوی؛ لیکن سب کرایہ کے ہیں؛ البتہ نصف مکان میرے حصہ میں ہے۔

المستفتی: محمد ایوب مدرسہ اشاعت العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زندگی میں دولت تقسیم کرنا ہے، تو اپنی بیوی کو اپنی مرضی سے جتنا چاہیں دے دیں، اس کے بعد بقیہ مال کو لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیں؛ لہٰذا بقیہ مال کے چار سہام بنا کر ہر ایک لڑکی کو ایک ایک اور لڑکے کو ایک سہام دے دیں؛ اس لئے کہ زندگی میں تقسیم کرنے سے لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوتا ہے، ورنہ باپ گنہگار رہوتا ہے۔

فسوی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثاني، وعلیه الفتوی، ولو وهب في صحته کل المال للولد جاز وأثم. (درمختار، کتاب الهبة، کراچی ٥/ ٦٩٦، زکریا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ٣٩١، جدید ٤/ ٤١٦، البحرالرائق، کوئٹه ٧/ ٢٨٨، زکریا ٧/ ٤٩٠، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٤٩٧)

(۲) اگر سائل اپنے نقدی اور مال دونوں کو تقسیم کرنا چاہے تو مذکورہ طریقہ سے ان کو بھی تقسیم کرنا لازم ہوگا۔

(۳) اگر پگڑی دے کر لی ہوئی دوکان ہے، تو دی ہوئی پگڑی واپس ملنے پر برابری کے ساتھ تقسیم کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر پگڑی لے کر دی ہوئی دوکان ہے تو پگڑی واپس کرنے میں اور دوکان کی حصہ داری میں سب بچے برابر کے حق دار ہوں گے۔

(۴) جو نصف حصہ آپ کے حصہ میں ہے، اس میں بھی اولاد کے درمیان برابری کا حصہ ہوا کرے گا، یہ سب اس وقت ہے کہ جب آپ اپنی مرضی سے زندگی میں بحالت صحت تقسیم کر دینا چاہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۳ ۳۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۱/۱۴۱۴ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں برابری کرنے کا حکم

سوال [۹۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عرصہ پہلے میں نے اپنے اور اپنی بیوی کے نام سے ایک رہائشی مکان خریدا تھا، میں نے اپنے خرچہ سے ان کی تعمیر نو کرائی، میں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتا ہوں، اس مکان کے بالائی حصہ میں میری رہائش ہے اور نیچے حصہ میں میرا کارخانہ ہے، میں اپنے لڑکوں کے ساتھ کارخانہ میں پیتل کے برتن تیار کراتا ہوں، میری اولاد میں سات لڑکیاں اور پانچ لڑکے موجود ہیں، ان میں سے ایک لڑکی اور چار لڑکوں کی ابھی شادیاں کرنی باقی ہیں، دیگر ایک لڑکے اور چھ لڑکیوں کی میں شادی کر چکا ہوں۔

میں اپنے مکان اور اپنے دیگر اسباب کو شرعی اعتبار سے اپنے بیوی بچوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، میری بیوی کو بہت کم نظر آتا ہے، بہت کمزور رہتی ہے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، میں چاہتا ہوں کہ اپنے جیتے جی میں اپنا مکان اور اپنا دیگر سارا مال اپنے بیوی لڑکے اور لڑکیوں

میں شرعی اعتبار سے جس کا جوحصہ بنتا ہو وہ اس کو دے دوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرے بعد میری لڑکیاں اپنی والدہ کی مزاج پرسی کے لئے ان کے پاس آتی رہیں۔
اس سال میرا حج بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ ہے، الحمدللہ درخواست منظور ہوگئی ہے، سفرحج پر جانے سے پہلے میں مکان اور دیگر اشیاء اپنے بیوی، اولاد میں تقسیم کردوں، میرا مکان ۲۵۰/ مربع گز ہے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں۔

المستفتی: راحت جان خان جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں اگر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دے دیں، کمی زیادتی نہ کریں اور بیوی کو جتنا چاہیں دے دیں؛ البتہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کا کل ترکہ ۱۳۶/ سہام میں تقسیم ہوکر ۱۷/ سہام آپ کی بیوی کو ملیں گے اور ۱۴-۱۴/ سہام لڑکوں کو اور ۷-۷/ سہام لڑکیوں کو ملیں گے۔

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض في ذلک على البعض -إلى- روى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار -إلى- يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن، والفتوى على قول أبي يوسف. (قاضي خان، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، والهبة للصغير، زكريا جديد ۳۲، ۱۹٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، شامي، زكريا ۸/ ۵۰۱، كراچی ۵/ ٦۹٦، هندية زكريا قديم ٤/ ۳۹۱، جديد ٤/ ٤۱٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۱۹ھ

کیا زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کے لئے مساوات لازم ہے؟

سوال [۹۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد اور والدہ حیات ہیں، جن کی کل سات اولادیں موجود ہیں، جن میں مجھ سمیت دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں، ایک لڑکی طلاق شدہ گھر میں ہے، ایک لڑکی شادی شدہ اپنے شوہر کے گھر ہے تین کنواری ہیں، ایک لڑکا مجھ سے چھوٹا شادی شدہ ہے، میرے والد کا ایک آبائی مکان ہے، جس کی مالیت تقریباً دولاکھ روپئے ہے، اس رقم کی شرعاً تقسیم تمام اولادوں پر کس طرح ہوگی؟

المستفتی: محمد سلیم ولد محمد لطیف، کنجری سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے والد اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو حسب مرضی بیوی کو جو کچھ دینا چاہیں دے دیں، اس کے بعد لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوگا اور تمام جائیداد کی قیمت لگا کر یا آپس کی تراضی سے جو جدھر کا حصہ لینا چاہے تقسیم کردیا جائے؛ لہٰذا دو لڑکے اور پانچ لڑکیوں کے درمیان کل جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی، ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر آپ کے والد یہ چاہتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد شرعی طور پر وارثین کے درمیان ترکہ تقسیم ہوجائے اور وہ زندگی ہی میں یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد کس کو کتنا ملے گا، تو کل جائیداد حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

والد میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
$\frac{1}{9}$	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷
۲۵۰۰۰	$\frac{8}{9}$	$\frac{8}{9}$	$\frac{4}{9}$	$\frac{4}{9}$	$\frac{4}{9}$	$\frac{4}{9}$	$\frac{4}{9}$

مرنے کے بعد کل ترکہ ۲۷/ سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، دونوں طرف کے مسئلے ہم نے بیان کردئے، اب آپ کے والد کو اختیار ہے جو طریقہ چاہیں اپنالیں۔

یکره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين، وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء، وهو آثم -إلى قوله- وفي الخلاصة، المختار الستوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ۷/ ۲۸۸، زكريا ۷/ ٤٩٠، شامي، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ۸/ ٥٠١، ٥٠٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩٧) **فقط واللہ علم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۲۳ھ

زندگی میں تقسیم سے متعلق ایک سوال وجواب

سوال [۱۱۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فریق اول اکبر علی نے اپنا ایک بیان تحریر کیا، جس سے ان کے تین بھائی متفق ہیں، اکبر علی کا بیان حسب ذیل ہے: زاہد ایک متمول اور مخیر شخص تھا، اس کے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، جن میں سے ایک لڑکے کا انتقال زاہد کی زندگی میں ہو گیا، مرحوم لڑکے کا ایک لڑکا اور لڑکی موجود ہے، جن کو زاہد نے اپنی حیات ہی میں کچھ جائیداد دے دیا تھا، نیز زاہد کی حیات ہی میں موجودہ پانچ لڑکوں میں سے ایک لڑکے نے الگ رہنے اور الگ کاروبار کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو زاہد نے اس لڑکے کا بھی کاروبار الگ کر کے اس کے حوالہ کر دیا، پھر ایک موقع پر ہارڈ کے مرض میں شدت بڑھ گئی اور زندگی سے مایوسی ہوگئی، لڑکوں کو بلا کر دریافت کیا کہ تم چاروں ساتھ رہنا چاہتے ہو، یا الگ؟ اگر الگ رہنا ہے تو تم لوگوں کا حساب وکتاب بھی الگ الگ کردوں، اس

پرلڑکوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ ساتھ رہیں گے، پھر زاہد نے ایک روز تینوں لڑکیوں کو بلا کر موٹی موٹی رقم ان کے حوالہ کیا اور زبانی فرمایا کہ اگر تمہارا حق میرے انتقال کے بعد زیادہ ہوتا اور میں نے زندگی میں کم دیا تو تم سب مجھے معاف کردو، اس پر سبھی لڑکیوں نے رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا، بعدازیں ایک اورلڑکے نے زاہد کی حیات ہی میں الگ رہنے کی خواہش ظاہر کی، زاہد نے اس کو اپنے اندازے کے مطابق اس کا حق دے کر الگ کردیا اور بقیہ کاروبار اور جائیداد کے بارے میں زبانی بھی اس کا اظہار فرمایا کہ یہ سب کچھ ان بقیہ تینوں لڑکوں کے حوالہ ہیں۔ اور عملی طور پر بھی اپنے آپ کو بے دخل کرلیا، حتی کہ زاہد نے باوجود بے انتہاء مخیرّ ہونے کے احباب و متعلقین اور ضرورت مندوں سے یہ کہہ دیا کہ اب مجھ سے لین دین کا معاملہ نہ رکھیں؛ بلکہ ازسرنو اپنے روابط لڑکوں سے قائم کریں اوران تین لڑکوں میں ذمہ دار بڑا لڑکا ہے؛ لہٰذا جو معمول میرا آپ حضرات سے رہا ہے، اس کے گوش گذار کردیں، اب وہ جیسا مناسب سمجھیں ویسا کریں، میں دخل نہیں دے سکتا۔

فریق ثانی: اصغر علی کا کہنا ہے کہ مجھ سے میرے باپ زاہد نے بار بار کہا کہ میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ الگ سے دیا ہے، کاروبار میں تمہارا پورا پورا حصہ رہے گا؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے: زاہد مال وجائیداد مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق لڑکے اورلڑکیوں کے حوالہ کرنے کے بعد واصل بحق ہوگئے۔ اور ایسی صورت میں:

(۱) تقسیم میراث کا معاملہ ہوگا یانہیں؟

(۲) اگر تقسیم میراث ہوتو کیا جو کچھ زاہد نے لڑکے لڑکیوں کو اپنی زندگی میں دیا اوراس میں جو ترقی ہوئی، ان سب کو اکٹھا کرکے وارثین کے درمیان میراث تقسیم ہوگی یا صرف اس کاروبار اور جائیداد کی تقسیم وارثین کے درمیان ہوگی جو زاہد نے اپنی زندگی میں تین لڑکوں کو مشترک طور پر دیا ہے؟

(۳) کیا تین بیٹوں کو مشترک طور پر بلا تقسیم کئے بقیہ کاروبار جملہ جائیداد اور نقدی رقوم پر قابض ودخیل بنا دینے سے ہبہ شرعاً صحیح اور تام ہوگیا اور اب اس میں وراثت جاری نہیں

ہوگی، جب کہ ان تینوں بیٹوں نے زاہد کی حیات تک اس کو آپس میں تقسیم بھی نہیں کیا تھا؛ کیوں کہ (فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۲۶۳، احسن الفتاوی ۷/ ۲۶۱) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ تام اور مفید ملک نہیں ہوگا۔

(۴) فریق ثانی اصغر علی کے بیان کا شرعاً اعتبار ہوگا یا نہیں؟ خلاصہ سوال یہ ہے کہ بقیہ کاروبار اور جملہ جائیداد اور نقدی رقوم وغیرہ کے مالک زاہد کے صرف مذکورہ بالا تینوں بیٹے ہی ہوں گے یا زاہد کی سب اولاد یں بیٹے، بیٹیاں اس میں حصے پانے کے حق دار ہوں گے؟

المستفتی: محمد ضیاء الدین قاسمی، مدرسہ وصیۃ العلوم روشن باغ، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے مضمون کو شروع سے آخر تک بار بار غور کر کے سمجھنے کی کوشش کی گئی، اس کا پورا حاصل یہ نکلا کہ باپ نے اپنی زندگی میں اپنی ملکیت کے بارے میں یہ انتظام کر دیا ہے کہ موت کے بعد وارثین اور اولاد میں کسی قسم کا جھگڑا اور اختلاف نہ ہونے پائے اور زندگی میں اولادوں کو دینے میں ان میں سے کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رہا ہے، پہلے ایک لڑکے کو ایک تخمینی حصہ دے کر کے الگ کر دیا، پھر اس کے بعد تینوں لڑکیوں کو ایک موٹی رقم دے کر ان سے کمی بیشی کی معافی کرالی، پھر اس کے بعد باقی چار لڑکوں میں سے ایک کی خواہش پر اس کو بھی تخمینی حصہ دے کر الگ کر دیا اور مابقیہ تمام ملکیت کے بارے میں کہہ دیا کہ باقی لڑکوں کو دے کر انہیں قابض بنا دیا، چنانچہ لین دین کرنے والوں سے بھی کہہ دیا کہ اب میرا کچھ نہیں ہے، انہیں لڑکوں کی ملکیت ہے، انہیں کا قبضہ ہے، معاملات سب انہیں سے کیا جائے، میرے ساتھ نہیں، یہ سب باتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ زندگی میں سب اولاد کو دے کر کے انہیں قابض بنا دیا ہے۔ اور اپنے آپ کو ملکیت سے بالکل الگ کر لیا اور جس لڑکے سے یہ کہا تھا کہ اب جو دیا جا رہا ہے وہ تمہارا ہی ہے، اور کاروبار میں تمہارا حصہ رہے گا؛ لیکن بعد میں جب سب کو دے کر معاملہ صاف کر لیا اور جس کو کاروبار میں سے حصہ دینے کو کہا تھا، اس کو نہیں دیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بیٹے

سے ایک وعدہ کیا تھا، مگر وہ وعدہ باپ نے پورا نہیں کیا؛ بلکہ اپنی زندگی میں مابقیہ دوسرے لڑکوں کو دے کر اس بات کو واضح کر دیا کہ کاروبار میں سے دینے کے لئے جو وعدہ کیا تھا وہ اسے نہیں دینا ہے۔ اور اس پر اس بیٹے نے کسی قسم کی پیش کش بھی نہیں کی، اگر پیشکش کرنا تھا تو باپ کی زندگی ہی میں کرنا چاہئے تھا، اب اس تفصیل کے بعد اصل مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پہلے جس لڑکے کو دیا ہے وہ بھی غیر مشترک ہونے کی وجہ سے ہبہ اور قبضہ بالاتفاق درست ہے اور صحیح ہو گیا، اس کے بعد تینوں لڑکیوں کو جو دیا ہے اس میں بھی ہبہ اور قبضہ بالاتفاق درست ہے، پھر اس کے بعد چار لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو الگ کر دیا ہے، اس میں بھی ہبہ اور قبضہ بالاتفاق درست ہو گیا۔ اور مرحوم بیٹے کی اولاد کو جو کچھ ہبہ کر دیا ہے وہ بھی درست ہو گیا، اب صرف مسئلہ ان تین بیٹوں کے بارے میں ہے جن کو مشترکہ طور پر بقیہ ملکیت کا ہبہ کیا گیا ہے، جس میں وہ تینوں بیٹے ایک ساتھ رہنے پر رضامند ہیں، تو اب یہ مشترک ہبہ درست ہوا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں صاحبین اور امام صاحب کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشترک ہبہ فاسد ہے، باطل نہیں، واہب اور اس کے ورثاء کو رجوع اور استرداد کا حق باقی رہے گا؛ لیکن ہبۂ فاسدہ میں قبضہ کی وجہ سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، یہی مفتی بہ قول ہے۔

الهبة الفاسدة تفيد الملک بالقبض، وبه يفتى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٦، كراچى ٥/ ٦٦٢)

وفي جامع الفصولين، والبزازية: أن الهبة الفاسدة تفيد الملک بالقبض، وبه يفتى، فقد اختلف التصحيح؛ لكن لفظ الفتوى آكد من لفظ التصحيح، كما أفاده في بعض المعتبرات. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٥، مصري قديم ٢/ ٣٥٦، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ٨٥، درر الحكام، شرح غرر الحكام ٢/ ٢١٨-٢١٩)

اور حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مشترک ہبہ قبضہ کی وجہ سے جائز اور درست ہوگا؛ لہٰذا صاحبین کے قول کے مطابق مسئلہ بالکل صاف شفاف ہوگیا کہ ہبہ بھی درست ہوگیا اور قبضہ بھی صحیح ہوگیا اور ملکیت بھی ثابت ہوگئی۔ اور سوال نامہ میں جس خاندان کا ذکر کیا گیا ہے اس خاندان میں ہر فرد کو اپنے اپنے حقوق مل چکے ہیں، اب اگر بعد کے مشترک تین افراد کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ بتایا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان تین کے علاوہ بقیہ دو لڑکے اور تینوں لڑکیوں کو جو کچھ مل چکا ہے وہ تو ان کی جیب میں رہے گا، اس کے بعد مشترک طور پر تینوں لڑکوں کو جو کچھ ملا ہے، اس میں سے بھی برابر کا حصہ ان دونوں لڑکوں کو مل جائے اور تینوں لڑکیوں کو بھی پھر دوبارہ ملے تو ایسی صورت میں مشترک تینوں لڑکوں پر ایک قسم کی زیادتی ہے؛ اس لئے احقر خاص طور پر مذکورہ خاندان کے بارے میں حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا مناسب سمجھتا ہے۔ اور اسی کو صحیح قرار دیتا ہے۔ عربی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

وذكر عصام: أنها تفيد الملك، وبه أخذ بعض المشايخ. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٥، كراچی ٥/ ٦٩٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ٩٤، زكريا ٦/ ٥٥)

هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة صحيحة عندهما، وفاسدة عند الإمام، وليست بباطلة، حتى تفيد الملك بالقبض، وذكر صدر الشهيد: إذا وهب من رجلين ما يحتمل القسمة، حتى فسدت الهبة عنده، ثم قبضها يثبت الملك ملكا فاسدا، قال: وبه يفتى، ولا يثبت الملك للموهوب له إلا بالقبض هو المختار. (هندية، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وفيما لا يجوز، زكريا جديد ٤/ ٤٠٠، قديم ٤/ ٣٧٨)

ولو وهب داره من رجلين لا يجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وكذلك كل ما يقسم، وقال صاحباه رحمه الله تعالىٰ: جاز. (قاضي

خان، کتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، زکریا جدید ۳/ ۱۸٤، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲٦۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

زندگی میں شرعی ورثاء کے درمیان نقدی رقم تقسیم کرنا

سوال [۹۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پاس دو لاکھ پچیس ہزار روپئے ہیں، ان روپیوں کو اپنے ورثاء میں زندگی میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، میری ایک بیوی ہے، چھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، شرعاً ہر ایک کو کتنا حصہ دوں اور اپنے پاس کتنا رکھوں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرشید محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ اپنے پاس جتنا رکھنا چاہتے ہیں رکھیں، اس میں آپ پر کوئی پابندی نہیں اور بیوی کو بھی اپنی مرضی سے جتنا دینا چاہیں دے دیجئے، اس میں بھی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ اور اولاً اپنا اور بیوی کا حصہ حسب منشا نکال کر بقیہ رقم اپنی تمام اولاد کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیجئے۔ اور زندگی میں تقسیم کرنے سے لڑکی کو لڑکے کے برابر ملتا ہے؛ اس لئے بقیہ رقم آٹھ سہام میں تقسیم کرکے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دید یجئے۔

يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (درمختار، کتاب الهبة، زکریا ۸/ ۵۰۱، کراچی ۵/ ٦۹٦، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ۳۹۱، جدید ٤/ ٤۱٦، قاضي خان، زکریا جدید ۳/ ۱۹٤، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۲ھ

اولاد کے مابین زندگی میں فروخت شدہ مکان کی قیمت تقسیم کرنا

سوال [۹۵۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اختر حسین اپنے مکان کوفروخت کر کے اس کی قیمت اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہوں، تو اپنے لئے کتنا رکھوں اور چھ لڑکے چار لڑکیاں ہیں، ہر ایک کو کیسے تقسیم کروں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: اختر حسین محلّہ مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی زندگی میں پورا مکان آپ کی ملکیت میں ہے، اس میں نہ کسی اولاد کا حق ہے اور نہ ہی کسی غیر کا۔ اور فروخت کردینے کے بعد اس کی قیمت بھی مکمل آپ کی ملکیت ہے، پھر آپ کا یہ کہنا کہ میں اپنے لئے کتنا رکھوں اور لڑکے لڑکیوں کو کتنا کتنا دوں صحیح نہیں؛ بلکہ یہ آپ کے اختیار کی بات ہے، ہاں البتہ زندگی میں جب اولاد کو کچھ دیا جائے تو سب کو برابر دینا چاہئے، آپ کے چھ لڑکے، چار لڑکیاں ہیں، کل دس ہیں، مثلاً اگر ۵۰ ر ہزار روپئے تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو لڑکے اور لڑکی ہر ایک کو پانچ پانچ ہزار روپئے ملیں گے۔ اور یہی چیز آپ کی وفات کے بعد تقسیم ہوتی ہے، تو لڑکیوں کو لڑکے کا آدھا ملے گا، مثلاً ۳۲ ر ہزار روپئے ہیں تو آپ کی وفات کے بعد لڑکوں کو چار چار ہزار روپئے اور لڑکیوں کو دودو ہزار روپئے کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن، وعليه الفتوى. (عالمگیري، کتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زکریا جدید ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١، شامي، زکریا ٨/ ٥٠١، قاضي خان، زکریا جدید ٣/ ١٩٤، وعلی هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۴۵)

زندگی میں ہی لڑکے لڑکیوں کا حصہ متعین کرنا

سوال [۹۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنی حیات میں اپنے تمام لڑکوں کو اپنی زمین بانٹ دے اور لڑکیوں کا حصہ اپنی مرضی سے ایک جگہ متعین کردے، تاکہ مرنے کے بعد بھائیوں اور بہنوں میں اختلاف نہ ہوسکے اور وصیت کردے کہ میرے مرنے کے بعد ہی اپنے اپنے حصوں کے مالک ہوگے، مرنے سے پہلے سب مشترک رہیں گے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا مفصل جواب مع دلیل کے عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد معراج الحق پورنوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا مقصد زندگی میں مالک بنانا نہیں ہے؛ بلکہ مرنے کے بعد میراث کے جھگڑے اور اختلاف سے بچانا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی میراث کے مطابق تقسیم نامہ بنا کر شرعی گواہوں کے ساتھ وصیت نامہ تحریر کرسکتے ہیں، اور مرنے کے بعد اس وصیت نامہ کے مطابق متروکہ میراث وارثین کے درمیان تقسیم ہوجائے گی، چونکہ یہ وصیت ہے، ملکیت نہیں؛ اس لئے اس میں برابری کی شرط نہیں؛ بلکہ آپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو شرعی حصہ ملے گا، اسی کی پیش قدمی کی وصیت ہے، تاکہ باپ کی وفات کے بعد اولاد میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ اور ایسا کرنا جائز ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [سورة النساء: ۱۱]

﴿أو إصلاح بين الناس﴾ والمراد من الإصلاح بين الناس: التأليف بينهم بالمؤدة إذا تفاسدوا من غير أن يجاوز في ذلك حدود الشرع الشريف. الخ (روح المعاني، زكريا ٤/ ٢١٢)

والصلح خير: أي من الفرقة، وسوء العشيرة، أو من الخصومة. (روح المعاني، زكريا ٤/ ٢١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۶۳)

زندگی میں مکان تقسیم کرنا اورلڑکیوں کا حصہ

سوال [۹۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دولڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں اورسب شادی شدہ ہیں۔ اور زید کا ایک مکان ہے، جس میں تین کمرے ہیں، دو کمروں میں دونوں لڑکے رہتے ہیں اور ایک کمرہ میں خود رہتا ہے۔ اوراس پورے مکان کی قیمت تقریباً تین لاکھ روپئے ہوگی۔ اور زید نے ابھی مکان تقسیم نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایسے ہی رہتے ہیں اور دونوں لڑکے شادی کے بعد علیحدہ ہوگئے، اپنی کمائی اپنے پاس رکھتے ہیں، اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنے مرنے سے پہلے اس مکان کو تقسیم کردے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس مکان میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے اگر ہے تولڑکیوں کا کتنا حصہ ہے؟ اورلڑکوں کا کتنا حصہ ہے؟

المستفتی: العبد شفیق احمد چوچیلہ کلاں، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں ساری جائیداد کے خود مالک ہیں، اگرآپ اپنی مرضی سے زندگی ہی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرکے دینا چاہیں، تو لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے، آپ کے مرنے کے بعد اگر تقسیم ہوگی، تو لڑکیوں کولڑکوں کا آدھا ملے گا؛ لہٰذا اگر زندگی میں تقسیم کرکے دینا چاہتے ہیں تو دونوں لڑکوں کوایک ایک اورلڑکیوں کو بھی ایک ایک حصہ ملے گا۔ اوراگر زندگی میں تقسیم نہیں کریں گے تو آپ کی

بیوی کا حصہ نکال کر بقیہ جائیداد نو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں لڑکوں کو دو دو اور پانچوں لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية.

(صحيح البخاري، كتاب الهبة، تحت ترجمة الباب الهبة للولد ١/ ٣٥٢، رقم الباب: ١٢)

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، وكذا في العالمگيري، جديد زكريا ٤/ ٤١٦، قديم ٤/ ٣٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸۷)	۱۴۳۴/۵/۴ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا اور لڑکیوں کو محروم کرنا

سوال [۹۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کا انتقال ہو گیا، ان کے ورثاء میں تین بیٹے: (۱) عمرو (۲) بکر (۳) خالد، تین لڑکیاں: (۱) زینب (۲) فاطمہ (۳) عطیہ، ایک بیوی ذکیہ ہے، ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۲) زید کا معمول یہ رہا ہے کہ اپنی زندگی میں جو جائیدادیں یا مکانات خریدتے تھے وہ اپنے لڑکوں کے نام کر دیتے تھے، مقصد یہ تھا کہ بٹوارہ کرتے وقت لڑائی جھگڑا نہ ہو، جیسا کہ عام طور پر ہوتا رہتا ہے، جو جائیداد جس کے نام ہے اس کا مالک وہی ان کی زندگی سے ہی ہے اور اب بھی وہی اس کا مالک ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان جائیدادوں کے مالک وہی لڑکے ہیں یا پھر یہ جائیدادیں وراثت کے طور پر تقسیم ہوں گی؟

(۳) مرحوم کی تین لڑکیاں ہیں، جن میں سے دو کی شادی ہوگئی تھی، اور معیاری شادی کی تھی، زیورات جہیز وغیرہ بھی خوب دیا تھا؛ لیکن ایک لڑکی جس کی کسی وجہ سے شادی نہیں ہوسکی، اس کے نام مرحوم نے اس مقصد سے ایک مکان خریدا اور اس کے نام رجسٹری بھی کرادی اور اس کو کرایہ پر دے دیا اور اس کی آمدنی وغیرہ اسی کے کھاتے میں جمع کرتے تھے، تاکہ آئندہ زندگی میں اگر اس کی شادی نہ ہوسکے؛ اس لئے کہ عمر بھی زیادہ ہوچکی ہے، تو یہ کسی کی محتاج نہ رہے اور بھائیوں کے لئے بوجھ نہ رہے، اور اس کی زندگی اچھی طرح گذر جائے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ مکان اس لڑکی کا ہوگا یا دیگر ورثاء بھی شریک ہوں گے؟

(۴) ایک مکان مرحوم نے اپنی بیوی کے نام خرید کر دیا تھا، تاکہ یہ بھی خالی ہاتھ نہ رہے، یہ مکان بیوی کا ہی ہوگا یا نہیں؟ مرحوم کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا خالد یہ دریافت کرنا چاہتا ہے کہ والد نے جو چیزیں ہمارے نام کی ہیں، ان میں سے بہنوں کو دینا ہمارے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر دینا ہے تو صرف ان بہنوں کو دینا ہے جن کو والد نے کچھ نہیں دیا ہے یا سب کو؟

المستفتی: عبداللہ بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم نے جائیداد وغیرہ ہر بچہ کے نام سے خرید کر مالک بنا دیا ہے، تو ان جائیدادوں کے مالک وہی بچے ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں اس کی صاف وضاحت ہے، لہٰذا مرحوم کے مرنے کے بعد دی ہوئی جائیداد الگ سے وراثت کے طور پر تقسیم نہ ہوگی اور جن کو کچھ نہیں دیا ہے، مرحوم کا فرض تھا کہ ان کے نام بھی کچھ کر دیتے، تاکہ اپنی اولاد کے درمیان یکسانیت برقرار رہتی۔ اور مرحوم کی موت کے وقت میں مرحوم کی ملکیت کی جائیداد یا روپئے پیسہ رہ گئے ہوں وہ شرعی حصہ کے طور پر تقسیم کرنا لازم ہے، اور اس میں سب ورثاء مل کر اپنے اپنے حصوں میں سے کچھ حصے ان لڑکیوں کو اضافہ کر کے دے دیں، جن کو مرحوم نے کچھ نہیں دیا ہے، تو بھائیوں کی طرف سے ایک اچھا کردار ثابت ہوگا۔ اور

مرحوم نے اپنی بیوی کے نام جو جائیداد کردی ہے، بیوی کے انتقال کے بعدوہ جائیداد سارے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

حکم الهبة ثبوت الملک للموهوب له. (تاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة، وكذا في العطايا إذا لم يقصد به الإضرار فسوى بينهم، يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١-٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱۱/ ۱۴۳۲ھ

لڑکی کو مکان مع دوکان دینا اور لڑکوں کو کھیت کی زمین

سوال [۹۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پاس ایک دوکان مع مکان ہے اور پندرہ بیگہ زمین ہے، کل زمین کی قیمت تقریباً بیس لاکھ روپئے ہے اور دوکان مع مکان کی قیمت تقریباً دس لاکھ روپئے ہے، میرے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، دولڑکے شادی شدہ ہیں، ایک لڑکی بھی شادی شدہ ہے، میرے تینوں لڑکے نالائق ہیں، کوئی بھی میرا خیال نہیں رکھتا، میری اہلیہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے، مجھے اس کا خطرہ ہے کہ اگر میں نے زندگی میں بٹوارہ نہیں کیا تو تینوں لڑکے دوکان کو فروخت کردیں گے،

میری خواہش یہ ہے کہ دوکان سے میری ہی اولاد فائدہ اٹھائے؛ لیکن لڑکوں میں یہ اہلیت نہیں ہے، دوکان بھی اس طرح ہے کہ ایک آدمی کو دی جائے تو اس کو فائدہ پہنچے گا، تقسیم کرنے پر وہ دوکان بیکار ہو جائے گی؛ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ دوکان مع مکان اپنی لڑکی کو دے دوں اور کھیت تین بیٹے ہیں، ان کو دے دوں، کیا ایسا کرنا میرے لئے جائز ہے؟ اگر ایسا کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے، تو شرعی اعتبار سے جو شکل بنتی ہوا سے تحریر فرمائیں، میرا مقصود یہ ہے کہ آخرت میں گرفت نہ ہو۔

المستفتی: محمد امجد دھانے پور، ضلع گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ زندگی میں دینا چاہیں تو لڑکی کو لڑکوں کے برابر دے دیں، ورنہ گنہگار ہوں گے، اس کا آپ تناسب دیکھ لیں کہ دوکان مع مکان دس لاکھ کی بیٹھتی ہے اور پندرہ بیگہ زمین بیس لاکھ کی بیٹھتی ہے تو ہر ایک کو ساڑھے سات سات لاکھ مل جائے گا، ایسا کرنا جائز ہے اور کوئی بچہ اگر زیادہ فرماں بردار ہے تو اس کو زیادہ دینا بھی بلا تردد جائز ہے۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابنى هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ۱/ ۳۵۲، رقم: ۲۵۱٤، ف: ۲۵۸٦)

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك، لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا. وروى عن أبي حنيفة أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف –رحمه الله تعالىٰ– أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل

ما يعطى للابن، و عليه الفتوى. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم جديد ٤/ ٤١٦، زكريا ٤/ ٣٩١، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كراچى ٧/ ٢٨٨، قاضي خان، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۴/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۲۹ھ

زندگی میں بیوی اور لڑکیوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم

سوال [۹۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری پانچ لڑکیاں ہیں، لڑکا کوئی نہیں ہے، ایک بیوی ہے، میرے پاس صرف ایک مکان ہے، جس میں میں بیوی بچیاں رہتی ہیں، میرا کوئی بھائی اور نہ والد نہ والدہ ہیں، صرف بہن ہے، میں اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہتا ہوں، وہ مکان اپنی بچیوں اور بیوی کے نام کرسکتا ہوں۔

المستفتی: حافظ اشتیاق حسین محلہ کنبہ مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اپنی زندگی ہی میں اپنی بیوی اور لڑکیوں کے درمیان اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو حسب مرضی بیوی کو جو کچھ دینا چاہیں دے دیں، اس کے بعد کل جائیداد پانچ حصوں میں تقسیم ہوگی، ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد کس کو کتنا ملے گا تو کل ترکہ ۱۲۰/ سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو پندرہ ہر لڑکی کو سولہ سولہ اور بہن کو ۲۵/ حصے ملیں گے، جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

اشتیاق میـــت

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	بہن
۳					۱۶	۵
۱۵	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۲۵

دونوں طرح کے مسئلہ ہم نے بیان کردئے ہیں، اب آپ کو اختیار ہے جو طریقہ چاہیں اختیار کرلیں۔

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۳؍۱۴۲۳ھ

زندگی میں بیوی اور اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم

سوال [۹۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان مندرجہ ذیل مکانات تقسیم کرنا چاہتا ہوں، میری زیر ملکیت دو مکان ہیں: (۱) مکان مربع ۱۴۳؍ گز، جو دو کمروں، تین دوکانوں، ایک بیٹھک اور اوپر کی منزل پر دو کمرے بڑے اور ایک چھوٹا کمرہ پر مشتمل ہے، اسی مکان کے ایک کمرہ میں ہم دونوں میاں بیوی رہتے ہیں۔ (۲) دوسرا مکان جس کی آراضی اٹھاسی گز ہے، وہ دو کمروں، صحن، غسل خانہ ولیٹرین وغیرہ پر مشتمل ہے، میرے تین لڑکے: عبدالسلام، محمد اقبال، محمد الیاس اور تین لڑکیاں، سردار جہاں، شمع بیگم، قمر جہاں ہیں، ان میں ایک لڑکا

دوسرا مکان لینے پر راضی ہے اور بقیہ فریق دینے پر بھی راضی ہیں، تو مندرجہ بالا صورت میں ان مکانوں کی شرعاً تقسیم کیسے ہوگی؟

المستفتی: عبدالرحمٰن اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عبدالرحمٰن اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو حسب مرضی بیوی کو جو کچھ دینا چاہیں دے دیں، اس کے بعد لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہوگا اور تمام جائیداد کی قیمت لگا کر یا آپس کی تراضی سے جو جدھر کا حصہ لینا چاہے برابر تقسیم کردیا جائے؛ لہٰذا تین لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان کل جائیداد چھ حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر عبدالرحمٰن یہ چاہتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد شرعی طور پر وارثین کے درمیان ترکہ تقسیم ہوجائے اور وہ زندگی میں یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد کس کو کتنا تقسیم ہو تو کل جائیداد ۷۲/ سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو نو اور ہر لڑکے کو چودہ چودہ اور ہر لڑکی کو سات سات حصے ملیں گے، جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

عبدالرحمٰن میـــــــــــــــــــــــــت ۷۲

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
$\frac{1}{9}$	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

عبدالرحمٰن کا ترکہ ۷۲/ سہام میں تقسیم ہوکر، ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے، دونوں طرح کے مسئلے ہم نے بیان کردئے، اب عبدالرحمٰن جو طریقہ چاہیں اپنا لیں۔

وروی المعلی عن أبي یوسف: أنه لا بأس به إذا لم یقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوی بینهم یعطی الابنة مثل ما یعطی الابن، وعلیه الفتویٰ، وهو المختار. (هندیة، کتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغیر، زکریا قدیم ٤/

۳۹۱، جدید ٤/ ٤١٦، شامي، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، قاضي خان جديد زكريا ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۳۶۲۰/۷)

زندگی میں اولاد اور بیوی کے درمیان جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟

سوال [۹۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اولاد اور ایک بیوی کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے تو شرعاً کیسے تقسیم ہوگی، کیا بیوی کو بھی اولاد کی طرح برابر حصہ ملے گا؟ اور بذات خود کتنا رکھے گا؟

المستفتی: شبیر احمد جامع مسجد جل گاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر کوئی شخص اپنی جائیداد اپنی حیات میں تقسیم کرنا چاہے تو تمام اولاد کے مابین مساوات کا معاملہ کرنا ضروری ہے، یعنی جتنا حصہ لڑکے کو دے اتنا ہی لڑکی کو دے؛ البتہ بیوی کے سلسلہ میں وہ خود مختار ہے، اپنی صوابدید پر جتنا چاہے دے دے اور اپنے لئے جتنا چاہے رکھ لے، اس پر کوئی قید نہیں۔

وإن قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ١/ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۵)

زندگی میں پوتے، نواسے اور نواسیوں کے درمیان مکان کی تقسیم

سوال [۹۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر اور بیوی کا ایک مشترکہ ذاتی رہائشی مکان ہے، ان کی دو اولادوں لڑکے اور لڑکی کا ان کی زندگی میں ہی انتقال ہو چکا ہے، اور کوئی اولاد نہیں ہے، لڑکے کی اولاد میں صرف ایک پوتا ہے، لڑکی کی اولاد میں دو نواسے اور دو نواسیاں ہیں، دونوں کا اپنا یہ ذاتی رہائشی مکان اپنی زندگی ہی میں اپنی خوشی سے اپنے لڑکے مرحوم کی اولاد پوتے کو اور اپنی لڑکی مرحومہ کی اولادیں نواسہ اور نواسیوں کو دینے کا ارادہ ہے، تاکہ ان کے بعد پوتا اور نواسہ ونواسیاں اس مکان کی حق دار رہیں؛ لہٰذا از روئے شریعت اس رہائشی مکان کا پوتے کو کس قدر حصہ اور نواسہ ونواسیوں کو کس قدر حصہ تقسیم کر کے باضابطہ تحریر کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد شریف، ساکن کانکی نارہ، آندھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ دونوں اپنے مکان کے مالک ہیں۔ اور آپ لوگوں کو اس مکان میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، آپ اپنی زندگی میں جس کو چاہیں دے سکتے ہیں؛ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ کے تصرف کرنے سے کسی مستحق کا حق نہ مارا جائے؛ لہٰذا مذکورہ بالا سوال میں آپ کے مرنے کے بعد صرف آپ کا پوتا وارث بنے گا، نواسہ اور نواسیوں کو کچھ نہیں ملے گا، جب آپ کا وارث شرعی پوتا ہے، جو آپ کے بعد پورے مکان کا مالک بنے گا؛ تو اگر آپ نواسہ نواسیوں کو بھی کچھ دینا چاہتے ہیں، تو اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) اپنی زندگی میں بطور ہبہ نواسہ نواسیوں کو دے کر قبضہ دے دیں اور رجسٹری بھی کرا دیں۔ (۲) ایک تہائی سے کم مقدار کے بارے میں نواسہ، نواسیوں کے لئے وصیت کر دیں اور گواہوں کے ساتھ رجسٹری بھی کر دیں، تو آپ دونوں کی وفات کے بعد ایک تہائی سے کم مقدار جس کی وصیت کی گئی ہے، وہ نواسہ، نواسیوں کو مل جائے گا، ان دونوں شکلوں

کے علاوہ آپ کے نواسہ اور نواسیوں کو آپ کی جائیداد میں سے ملنے کے لئے کوئی اور شکل نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلی ۱/ ۷)

وإن كان ماله كثيرا، فإن كانت ورثته فقراء فالأفضل أن يوصى بما دون الثلث، ويترك المال لورثته، ...... وإن كان ورثته أغنياء، فالأفضل الوصية بالثلث، ثم الوصية بالثلث لأقاربه الذين لايرثون أفضل من الوصية به للأجانب. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، زكريا ٦/ ٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۷ھ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی صورت میں پوتوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۹۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کے چھ لڑکے، دولڑکیاں، ایک بیوی ہے، میری کچھ میراث ہے، میں اس کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ (۱) چھ لڑکوں میں سے پانچ حیات ہیں، دولڑکیاں ایک بیوی، میری میراث سے کس کا کتنا حق بنتا ہے؟ لڑکیاں شادی شدہ ہیں، میں بیمار رہتا ہوں، اپنے جیتے جی تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔

(۲) میرے بڑے لڑکے کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے پانچ بچے ہیں، ایک بیوہ ہے، اس کے بچوں کو کیا میرے زندہ ہوتے ہوئے کوئی حق میری میراث میں بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: اشتیاق حسین سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے

برابر دینا لازم ہے۔ اور آپ اپنی بیوی کو اپنی مرضی سے جتنا دینا چاہتے ہیں اتنا اولاً بیوی کو دے دیں اور بڑے لڑکے کی اولاد کو بھی جتنا اپنی مرضی سے دینا چاہتے ہیں دے دیں؛ اس لئے کہ ان کے لئے کوئی شرعی حق نہیں ہے؛ بلکہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے، اس کے بعد بقیہ جائیداد سات سہام میں تقسیم کر کے ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک سہام دے دیں۔

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (درمختار، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٦، زكريا ٨/ ٥٠١، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٠٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۳۳)

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی صورت میں پوتوں اور نواسوں کو دینا

سوال [۹۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عائشہ بیگم جن کا مکان ہے، ان کی تین اولادیں ہیں: (۱) لڑکا عبدالوحید (۲) صاحبزادی (۳) سائرہ خاتون، جگہ ۱۰۶ گز ہے، ہر کسی کے حصے میں کتنی زمین آتی ہے؟

نوٹ:- عبدالوحید کا عائشہ کے سامنے ہی انتقال ہوگیا؛ لیکن عائشہ بیگم اپنے پوتوں کو حصہ دینا چاہتی ہیں، شرعاً کتنا کتنا حق ملے گا؟ اور صاحبزادی کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ان کی اولاد کو بھی دینا چاہتی ہے، کتنا کتنا دیں؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انور حسین اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عائشہ کو اختیار ہے، چاہے جتنا حصہ

دے دیں؛ لیکن کسی مستحق کو محروم کرنے یا نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہو، چنانچہ اپنی زندگی میں اپنے نواسے اور پوتوں کو بھی کچھ حصہ دے سکتی ہیں، شرعاً ان لوگوں کے لئے کوئی حصہ متعین نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۳۷، جدید ڈابھیل ۲۰/ ۴۷۵)

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوكة کیف شاء. (بیضاوي، کتب خانه رشدیه دهلی ۱/ ۷)

کل یتصرف في ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱٤/ ۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۳/ ۳۷۴۳)

زندگی میں بیٹے پوتے اور بہو کو کچھ دینا

سوال [۹۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب چودھری خلیل احمد صاحب کے دو صاحبزادے تھے، جمیل احمد صاحب، وکیل احمد صاحب، ان میں سے بڑے صاحبزادے جمیل احمد صاحب کا عرصہ بارہ سال پہلے انتقال ہوگیا تھا، ان کی حیات میں گھر وجائیداد کی کوئی تقسیم نہیں ہوئی تھی، کچھ آراضی کے وہ بھی مالک تھے، ان کے نام بھی آج تک سرکاری کاغذات میں زمین درج ہے، ان کے پسماندگان میں ان کی بیوی مسماۃ سلمی خاتون اور ایک لڑکا عباد الرحمٰن اور ایک لڑکی گلشن بانو بقید حیات ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب چودھری خلیل احمد صاحب اپنی حیات میں اپنی جائیداد وغیرہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، اور خود اپنا بھی حصہ رکھنا چاہتے ہیں، اب یہ حضرات بقید حیات

ہیں، ان کا لڑکا وکیل احمد مرحوم جمیل احمد کی بیوی سلمٰی مرحوم کا لڑکا عباد الرحمٰن مرحوم کی ایک لڑکی گلشن بانو ان مذکورہ بالا حضرات کے مابین جائیداد مذکورہ کس طرح تقسیم ہوگی؟ اور کس کو کتنا حصہ پہنچے گا؟ ہم صرف چودھری خلیل احمد صاحب کی جائیداد سے متعلق معلوم کر رہے ہیں، مرحوم جمیل احمد کی جائیداد سے متعلق نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آدمی اپنی حیات میں اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اس میں اس کو ہر طرح کے تصرفات کی اجازت ہے؛ اس لئے خلیل احمد صاحب اپنے بیٹے، پوتے، پوتیاں اور بہو کے درمیان جس طرح اپنی ملکیت تقسیم کرنا چاہیں تقسیم کر سکتے ہیں اور جتنا مال اپنے لئے رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں؛ البتہ خلیل احمد کے انتقال کے وقت اگر وکیل احمد زندہ رہے تو اس صورت میں وہ تمام مال کے مالک ہوجائیں گے اور پوتے، پوتیاں سب محروم ہوجائیں گی؛ البتہ خلیل احمد اپنی زندگی میں پوتے، پوتیاں اور بہو کو جو کچھ دے دیں گے اس کے وہ مالک ہوجائیں گے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ١/ ٧)

المالک للشيء هو الذى يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل في بيان ما يبطل به الخيار، زكريا ٢/ ٦٣٨، كراچى ٢/ ٣٢٧)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، أشرفيه ديوبند ٨/ ٢١٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۷ھ

زندگی میں جائیداد بھانجی بھانجوں کو ہبہ کرنا

سوال [۹۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سید محمود حسن نے اپنی زندگی میں بحالت ہوش وحواس اپنا مملوکہ مکان ۱۸۸ رگز اپنے چار بھانجے: (۱) اشرف علی (۲) مسرت علی (۳) انجم علی (۴) منور علی، ایک بھانجی قمر جہاں کے درمیان برابر برابر ہبہ کر کے قابض ومالک بنا دیا تھا، پھر ان کا انتقال ہوگیا۔

(۲) اس کے بعد قمر جہاں کا بغیر شادی ہوئے انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء میں چار بھائی: (۱) اشرف علی (۲) مسرت علی (۳) انجم علی (۴) منور علی، دو بہنیں: (۱) آفتاب جہاں (۲) مہر جہاں ہیں۔

(۳) پھر اشرف علی کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں دو لڑکے فیصل اشرف (۲) سید کمال اشرف اور ایک لڑکی ارم اشرف ہیں۔

(۴) پھر مسرت علی کا انتقال ہوا، اس نے ورثاء میں ایک بیوی فرحت جہاں، تین لڑکے: (۱) صدف علی (۲) صمد علی (۳) عمر آصف اور چار لڑکیاں: (۱) شائستہ مسرت (۲) شگفتہ مسرت (۳) ثمرین مسرت (۴) امین مسرت کو چھوڑا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ مکان میں سے ہر وارث کو کتنا کتنا ملے گا؟

المستفتی: فیصل اشرف محلّہ لاکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمود حسن کی طرف سے اپنے چار بھانجوں اور ایک بھانجی کے لئے جو ہبہ ہوا ہے، وہ ہبۂ مشاع کی ایک شکل ہے اور اس طرح ہبہ حضرات صاحبین کے نزدیک جائز اور درست ہے؛ لیکن جب ہبہ مبہم ہے کس کے لئے کتنا کتنا ہے، اس کی صاف وضاحت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں سب کو برابر ملے گا، بھانجی کو بھی بھانجوں کے برابر ملے گا؛ لہٰذا کل مال برابر ۵ رحصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا جو آگے آنے والے نقشہ سے واضح ہوتا ہے۔ عربی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

ولـو وهـب مـن اثنين إن كانا فقيرين يجوز بالإجماع كالصدقة، وإن كـانـا غنيين فوهب لكل واحد منهما نصفا أو أبهم، فقال: وهبت منكما، أو وهب على التفاضل، فقال: لهذا ثلثها، ولهذا ثلثاها، قال أبو حنيفةؒ: لا تجوز فـي الفصول الثلاثة، وقال محمد: تجوز في الثلاثة، وقال أبويوسف: تجوز في فصلين، وهما إذا وهب بهما أو نصفين. (هندية، كتاب الهبة، الباب الثاني، زكريا قديم ٤/ ٣٧٨، جديد ٤/ ٤٠٠، بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٧٤، الفقه الإسلامي ٤/ ٦٨٨)

ذیل کے نقشوں سے حصوں کی تعیین ملاحظہ فرمایئے اور مرنے والوں کی ترتیب سے مسئلہ مناسخہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

میت

بھانجہ	بھانجہ	بھانجہ	بھانجہ	بھانجی
اشرف	مسرت	انجم	منور	قمرجہاں
۱	۱	۱	۱	۱
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	
	۵۰	۵۰	۵۰	
		۲۰۰	۲۰۰	

قمرجہاں میت

بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
اشرف	مسرت	انجم	منور	آفتاب جہاں	مہرجہاں
۲	۲	۲	۲	۱	۱
	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۵
		۴۰	۴۰	۲۰	۲۰

میت

لڑکا	لڑکا	لڑکی
فیصل	کمال اشرف	ارم
۲	۲	۱
۲۴	۲۴	۱۲
۹۶	۹۶	۴۸

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
فرحت	صدف	صمد	عمر	شائستہ	شگفتہ	ثمرین	فرحین
۱				۷			
۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷
۳۰	۴۲	۴۲	۴۲	۲۱	۲۱	۲۱	۲۱

الاحیاء

ورثاء	سہام	ترکہ	ورثاء	سہام	ترکہ
انجم علی	۲۴۰	۴۵	صدف علی	۴۲	۷
منور علی	۲۴۰	۴۵	صمد علی	۴۲	۷
آفتاب جہاں	۲۰	۳	عمر آصف	۴۲	۷
مہر جہاں	۲۰	۳	شائستہ	۲۱	۳
فیصل اشرف	۹۶	۱۸	شگفتہ	۲۱	۳
کمال اشرف	۹۶	۱۸	ثمرین	۲۱	۳
ارم اشرف	۴۸	۹	فرحین	۲۱	۳
فرحت جہاں	۳۰	۵			

کل مکان ۱۰۰۰ ار حصوں میں تقسیم ہوکر، ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جتنا اس کے نام کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۸ھ

زندگی میں جائیداد کی تقسیم سے متعلق چندسوالات کے جوابات

سوال [۹۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب نے تین شادیاں کیں، پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے اور بیوی بھی انتقال کرگئی، دوسری بیوی سے صرف ایک لڑکا اور والدہ انتقال کرگئیں، پھر میرے والد صاحب نے تیسری شادی کی، ان سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ماں بھی حیات ہیں۔

(۱) تو کیا دونوں سے ہم ساتوں بھائی کے حق برابر ہیں اور ماں بھی باحیات ہیں اور تین بہنوں کے کیا حقوق ہیں؟

(۲) کیا میرے والد اپنی وراثت کو فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور ہم سب بھائی بہن ان کے خلاف کچھ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) کیا ہمارے والد صاحب اپنے حقوق کسی ایک لڑکا یا لڑکی کو فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر کوئی اولاد والد کو پریشان کرے تو اسے وراثت سے بے دخل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) اگر والد صاحب اپنی زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہیں تو کس طرح تقسیم کریں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: نفیس احمد بارہ دری سرائے حسینی بیگم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) والد صاحب کی وفات کے بعد دونوں بیویوں کی اولاد اور دونوں بیویاں حصص شرعیہ کے حق دار ہیں، یعنی بیویاں آٹھویں حصہ اور لڑکے لڑکی کے مقابلہ میں ڈبل کے حق دار ہوں گے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا. [النساء: ۷]

ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة.

(درمختار، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٧، كراچی ٦/ ٧٦١، سراجي ص: ٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٥، مصري قديم ٢/ ٧٤٧، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٤٨٩، زكريا ٩/ ٣٦٤)

لہٰذا دونوں بیویوں کی اولاد میں تفریق کرنا شرعاً درست نہ ہوگا۔

(۲) آپ کے والد صاحب کو اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کے سلسلے میں مکمل اختیار ہے کہ وہ اس کو فروخت کردیں، اولاد کو اس سلسلے میں ان کے خلاف کارروائی کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلی ١/ ٧)

(۳) اولاد میں سے صرف ایسی اولاد کو اپنی جائیداد فروخت کرنا جائز ہے کہ جو باپ کی فیملی سے علیحدہ ہو۔ اور جو اولاد باپ کی فیملی میں شریک ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس بیٹے کی تمام کمائی کا مالک شرعاً باپ ہی ہے۔

(۴) اگر کوئی لڑکا باپ کا نافرمان ہے، تو باپ کو شرعاً اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اس نافرمان اولاد کو نہ دے کر دیگر فرماں بردار اولاد کو مال تقسیم کردے؛ لیکن اگر بیٹے نے نادم ہو کر باپ سے معافی تلافی کرلی ہے، تو باپ کو شفقت اور رحم کا معاملہ کرتے ہوئے بیٹے کو معاف کردینا چاہئے۔

ولو كان ولده فاسقا لا يعطى له. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ٤٩٠، كوئٹه ۷/ ۲۸۸)

لا بأس -بأن- لا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩٧، مصري قديم ۲/ ۳٥۸)

(۵) اگر آپ کے والد اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کریں، تو یہ ہبہ اور عطیہ ہے، جس میں تمام اولاد کے درمیان برابری کرنا لازم ہے، خواہ لڑکی ہوں یا لڑکا، تمام کو برابر برابر دینا چاہئے۔

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ٤٩٠، كراچی ۷/ ۲۸۸، خلاصة الفتاوى ٤/ ٤٠٠)

وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسف أن يعطيهم على السواء، وهو المختار كما في الخلاصة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩٧، مصري قديم ۲/ ۳٥۸) فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴/۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۱ھ

زندگی میں تقسیمِ میراث اور ورثاء کے حق میں وصیت کیسے ہو؟

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ أمَّا بَعْد!

مورث کی موت کے بعد عام طور پر تقسیمِ میراث کے بارے میں اعتدال باقی نہیں رہتا، لڑکیوں کو تو حیلہ بہانہ سے کسی طرح دست بردار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لڑکوں کے درمیان میں بھی صحیح طور پر مساوات قائم نہیں ہوتی؛ اس لئے مورث اپنی زندگی میں ضابطۂ شرعی کے مطابق تقسیم کر کے حصّوں کی تعیین کردے۔ اور ورثاء کو موت کے بعد اسی تقسیم کو بروئے عمل لانے کی وصیت کردے تو کیسا ہے؟ اسی طرح بیوی اور اجنبی کے حق میں بھی کبھی وصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مضمون اسی طرح کے مسائل سے متعلق ہے۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمایئے:

زندگی میں ترکہ تقسیم کرنا

اگر آدمی اپنی موت سے قبل زندگی میں اپنی جائداد اور مالِ متروک اولاد کے درمیان تقسیم کردینا چاہتا ہے، تاکہ اس کی موت کے بعد اولاد کے درمیان کسی قسم کے جھگڑے اور لڑائی کی نوبت نہ آسکے، تو اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) ہبہ کی شکل (۲) وصیت کی شکل۔

(۱) ہبہ کی شکل: زندگی میں تقسیم کرکے مالک بنادینا

زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد اور سرمایہ کو تقسیم کرکے مالک بنادیا جائے، تاکہ مرنے کے

بعد کسی قسم کے جھگڑے کی نوبت نہ آسکے، تو ایسی صورت میں یہ معاملہ ہبہ کے حکم میں ہو جائے گا۔ اور زندگی میں جب اولاد کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا جائے تو اس حصہ اور عطیہ میں اولاد کے درمیان مساوات اور برابری قائم رکھنے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، مگر اس میں دو باتوں میں اختلاف ہے: (۱) یہ حکم مستحب ہے یا واجب؟ (۲) ذکور وا ناث دونوں میں مساوات کا حکم ہے یا الگ الگ؟

پہلی بات: یہ حکم مستحب ہے یا واجب؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، سفیان ثوریؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عروہ بن زبیرؒ، طاؤس بن کیسانؒ اور داؤد بن علی ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک تساوی اور برابری قائم رکھنا واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے اور اس کی خلاف ورزی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور دونوں فریق حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضرت سید الکونین علیہ السلام کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے:

فَـاتَّـقُـوا اللّٰهَ وَاعْـدِلُـوْا بَيْـنَ أَوْلَادِكُمْ. (بخاری ۱/ ۳۵۲، مسلم ۲/ ۲۷)

پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری قائم رکھو۔

اس عبارت کو فریق اول وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ اور جمہور علماء اس کو استحباب اور ندب پر محمول فرماتے ہیں؛ کیوں کہ مسلم شریف میں اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

فَأَشْهِـدْ عَـلٰى هٰذَا غَيْرِي ثُمَّ قَالَ: أَيَسُـرُّكَ أَنْ يَكُـوْنُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ: بَلٰى، فَقَالَ فَلَا إِذَنْ. (مسلم ۲/ ۲۷، رقم: ۱۶۲۳)

لہٰذا تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو پھر فرمایا کیا تم کو یہ بات اچھی لگے گی کہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ تو کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: یہ بھی ایسا ہی ہے۔

حدیث شریف کی اس عبارت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے

لئے نہیں ہے؛ بلکہ ترغیبی اور استحبابی ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری ساری اولادیں تمہارے ساتھ بھلائی اور تمہاری خدمت کرنے میں برابر ہوں، ایسا ہی اولادیں بھی چاہتی ہیں کہ عطیہ دینے میں ان کے درمیان برابری ہو؛ لہٰذا ’’فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ أَوْلَادِکُمْ‘‘ میں امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ اس میں امر کا صیغہ ترغیب کے لئے ہے، جو ندب واستحباب کو ثابت کرتا ہے۔

اب حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِیْرٍ وَهُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ: أَعْطَانِيْ أَبِيْ عَطِیَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَی حَتّٰی تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّيْ أَعْطَیْتُ اِبْنِیْ هٰذَا مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِیَّةً فَأَمَرَتْنِیْ أَنْ أُشْهِدَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: أَعْطَیْتَ سَائِرَ وَلَدِکَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ أَوْلَادِکُمْ. قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِیَّتَهُ. (بخاري شريف ۱/ ۳۵۲، رقم: ۲۵۱۵، ف: ۲۵۸۲، مسلم ۲/ ۲۷، رقم: ۱۶۲۳)

حضرت امام عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو منبر پر خطبہ دینے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے ایک چیز عطا کردی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے کہا کہ اس وقت تک اس پر راضی نہیں ہوں جب تک اس پر حضور ﷺ کو گواہ نہ بنا لوگے، تو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوکر فرمایا: بے شک میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک چیز عطا کردی ہے، اس پر عمرہ بنت رواحہ نے مجھے حکم کیا کہ یارسول اللہ میں اس پر آپ کو گواہ بنالوں، تو آپ نے فرمایا: کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس کی طرح دیا ہے؟ کہا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری قائم رکھو، فرمایا کہ انہوں نے لوٹ کر آکر اپنے عطیہ کو واپس کرلیا۔

(۲) وَتَحْتَهُ فِي النَّوَوِي: فَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَأَبِي حَنِيْفَةَ أَنَّهُ مَكْرُوْهٌ، وَلَيْسَ بِحَرَامٍ وَالْهِبَةُ صَحِيْحَةٌ، وَقَالَ طَاؤُسٌ وَعُرْوَةُ وَمُجَاهِدٌ وَالثَّوْرِيُّ وأحمد وَإسْحَاقُ وَدَاوُدُ هُوَ حَرَامٌ، وَاحْتَجُّوا بِرِوَايَةِ لا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ. (وقوله) اَنَّ قَوْلَهُ عَلَيْهِ السَّلامِ: اَشهد عَلٰى هٰذَا غَيْرِيْ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ، فَيَجِبُ تَأْوِيْلُ الْجَوْرِ عَلٰى أَنَّهُ مَكْرُوْهٌ كَرَاهَةَ تَنْزِيْهَةٍ. (النووي ۲/ ۲۷، حاشيه بخاری ۱/ ۳۵۲)

اس کے نیچے نوویؒ میں ہے: پس امام شافعیؒ اور امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور حرام نہیں اور ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ امام طاؤسؒ، عروہ، مجاہدؒ، ثوریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے ''لا اشهد علی جور'' سے استدلال کرتے ہیں (میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا)۔ (جمہور استدلال کرتے ہیں) حضور ﷺ کے اس قول سے کہ تم اس پر کسی دوسرے کو گواہ بنا لو، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یقیناً یہ حرام نہیں ہے، پس لفظ جور کی تاویل کرنا لازم ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی کے طور پر مکروہ ہے۔

دوسری بات: زندگی میں اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات

دوسری بات یہ ہے کہ زندگی میں اولاد کو ہبہ اور عطیہ دینے میں مساوات اور برابری قائم رکھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس میں دو صورتیں پیش آتی ہیں:

(۱) مذکر اولاد میں کم وزیادہ کا فرق، ساری اولاد ماں باپ کی خدمت گزاری اور فرماں برداری اور دینداری میں تقریباً برابر ہیں اور ایسے حالات میں بعض کو دے دے اور بعض کو نہ دے کر محروم کر دے تو ہبہ تو فی نفسہ صحیح اور درست ہو جائے گا، مگر باپ گنہگار ہو جائے گا، ہاں البتہ اگر کوئی اولاد نا فرمان ہے، یا بے دین ہے، تو اس کو نہ دے کر محروم کر دیتا ہے اور صرف با ادب، دیندار کو دیتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے، باپ گنہگار بھی نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۱) وَلَوْ وَهَبَ فِي صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ وَأَثِمَ. وَفِي الشَّامِيَةِ: وَلَوْ وَهَبَ جَمِيعَ مَالِهِ مِنْ اِبْنِهِ جَازَ قَضَاءً، وَهُوَ آثِمٌ.
(الدر المختار مع الشامي زكريا ١٢/ ٦٠٧، كراچي ٨/ ٤٥٥)

اگر بحالتِ صحت کسی اولاد کو کلِ مال ہبہ کر دیا ہے تو جائز ہے، مگر باپ گنہگار ہوگا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر سارا مال اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیا تو قضاءً جائز ہے اور وہ گنہگار ہوگا۔

(۲) لَا بَأْسَ بِأَنْ يُعْطِيَ مِنْ أَوْلَادِهِ مَنْ كَانَ عَالِمًا مُتَأَدِّبًا وَلَا يُعْطِيَ مِنْهُمْ مَنْ كَانَ فَاسِقًا فَاجِرًا.
(مجمع الأنهر بيروتي ٣/ ٤٩٧)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی اولاد میں سے با ادب عالم کو دے دے اور ان میں سے جو فاسق وفاجر ہو اس کو کچھ بھی نہ دے۔

اور اگر ساری اولاد برابر ہیں کوئی بھی نافرمان نہیں ہے اور باپ زندگی میں تقسیم کر کے سب کو دیتا ہے، مگر بعض کو کچھ زیادہ اور بعض کو کم دیتا ہے اور دینے میں مساوات اور برابری قائم نہیں رکھتا ہے، مثلاً کوئی لڑکا حصول علم میں مشغول ہے اور اس کا کوئی دوسرا ذریعۂ معاش نہیں ہے، یا کوئی معذور اور مجبور ہے، یا کوئی ماں باپ کی خدمت زیادہ کرتا ہے؛ اس لئے اس کو دوسروں سے زیادہ دیتا ہے اور اس میں کسی کو نقصان اور ضرر پہنچانا بھی مقصد نہیں ہے، تو اس طرح زیادہ دینا مباح اور ''لابأس بہ'' کے درجہ میں ہے۔ اور اگر ایسی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؛ بلکہ ساری اولاد کے حالات تقریباً برابر ہیں، اس کے باوجود بلا وجہ کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم دیتا ہے، تو جس کو کم دیا جائے اس کو بالقصد نقصان وضرر پہنچانے کے مرادف ہوگا؛ کیوں کہ اس سے اندرونی طور پر اس کی دل شکنی اور دل آزاری لازم آئے گی، ایک باپ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے؛ اس لئے ایسا کرنا حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں بلا وجہ بعض اولاد کی دل شکنی ہے اور حدیث شریف کی خلاف ورزی بھی کی گئی ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ. (بخاری ۱/ ۳۵۲)
پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولا د کے درمیان برابری کا معاملہ کرو۔

أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً ؟ قَالَ: بَلٰى، فَقَالَ: فَلا إِذَنْ. (مسلم ۲/ ۲۷)
کیا تم کو یہ بات خوش کردے گی کہ وہ سب کے سب تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں، تو کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: یہ بھی ایسا ہی ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۳) رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ التَّفْضِيلُ لِزِيَادَةِ فَضْلٍ لَهُ فِي الدِّيْنِ، فَإِنْ كَانَا سَوَاءً يُكْرَهُ. وَرَوَى الْمُعَلّٰى عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَابَأْسَ بِهِ إِذَا لَمْ يَقْصِدْ بِهِ الإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَ بِهِ الإِضْرَارَ سَوَّى بَيْنَهُمْ. (قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۱۹٤، وعلی هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، تکمله شامي زکریا ۱۲/ ٦۰۸، کراچی ۸/ ٤٥٥)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہی مروی ہے کہ کسی کو دینی حیثیت سے فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لہٰذا اگر دونوں برابر درجہ کے ہیں تو مکروہ ہوگا۔ اور حضرت معلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت فرمائی ہے کہ اگر زیادہ دینے میں ضرر ونقصان کا قصد نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر ضرر ونقصان کا قصد ہے تو ان کے درمیان مساوات قائم کریں۔

مذکرّ ومؤنث کے درمیان مساوات

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مذکر ومؤنث اولاد کے درمیان فرق کرتا ہے کہ مذکر کو زیادہ اور مؤنث کو کم دیتا ہے، تو اس طرح میراث کے اصول کے مطابق مذکر کو مؤنث کے مقابلہ میں دو گنا اور مؤنث کو مذکر کا نصف اور آدھا دینا کیسا ہے؟ تو اس بارے میں جمہور علماء کے درمیان

اختلاف ہے، چنانچہ اس میں دو فریق ہیں:

فریق اول: حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے قول مشہور کے مطابق اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد تقسیم کر کے مالک بنا دینے میں مذکر و مؤنث کے درمیان مساوات اور برابری قائم رکھنا مستحب ہے؛ لہٰذا لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا مستحب ہوگا، اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہوگا۔ اور امام نوویؒ نے کراہت تنزیہی نقل فرمائی ہے۔ اور حنفیہ کا فتویٰ حضرت امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے۔ اور وہ حضرات، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے یہی مراد لیتے ہیں کہ مذکر و مؤنث دونوں میں برابری لازم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَوُّوْا بَیْنَ أَوْلَادِکُمْ فِي الْعَطِیَّۃِ فَلَوْ کُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (المعجم الکبیر ۱۱/ ۲۸۰، رقم: ۱۱۹۹۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اولاد کے درمیان ہبہ اور عطیہ میں مساوات اور برابری قائم رکھو؛ لہٰذا اگر میں کسی کو عطیہ میں فضیلت دیتا تو عورتوں کو مردوں پر فضیلت دیتا۔

فریق ثانی: حنابلہ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا مستحب نہیں؛ بلکہ تقسیم میراث کے اصول کے مطابق لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ کے ضابطہ سے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دینا ہوگا، یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں تاکید کے ساتھ یہی حکم بیان فرمایا ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تقسیم کے طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ اولی اور زیادہ بہتر ہوگا، اور اس لئے بھی یہی طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ باپ یہ سمجھتا ہے کہ اب موت کا وقت قریب ہے اور موت کے بعد اولاد کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوجائے؛ لہٰذا اس طرح جھگڑے اور اختلاف کو ختم کرنے کے لئے پہلے ہی تقسیم کر کے ان کو دے دیا جائے اور آئندہ کسی طرح کے اختلاف کا خطرہ نہ ہو تو یہ بہتر اور مناسب اقدام ہے۔ حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

(۲) يُعْطِي الْبِنْتَ كَالابْنِ عِنْدَ الثَّانِيْ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى. وَتَحْتَهُ فِي هَامِشِهِ: أَيْ عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ التَّنْصِيْفُ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالأُنْثٰى أَفْضَلُ مِنَ التَّثْلِيْثِ الَّذِيْ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ قَالَ فِي الْبَزَّازِيَةِ: اَلأَفْضَلُ فِيْ هِبَةِ الْبِنْتِ وَالابْنِ التَّثْلِيْثُ كَالْمِيْرَاثِ، وَعِنْدَ الثَّانِيْ التَّنْصِيْفُ وَهُوَ الْمُخْتَارُ (إلى قوله) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُعْطى لِلذَّكَرِ ضِعْفَ مَا يعطي للأنثى وَالْفَتْوٰى عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ. (درمختار مع هامشه، زكريا ۱۲/ ۶۰۷، قاضيخان زكريا جديد ۳/ ۱۹۴، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکی کولڑکے کے برابر دے اور اسی پر فتوی ہے، اور حاشیہ میں ہے یعنی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کےقول پرفتوی ہے، مذکر ومؤنث کے درمیان نصف نصف کرنا اس تثلیث سے بہتر ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور بزازیہ میں کہا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کو ہبہ کرنے میں میراث کی طرح تین حصے کرنا زیادہ افضل ہے، اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کےنزدیک دو حصے کرنا ہے، وہی قول مختار ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مذکر کو اس کا دو چند دیا جائے جو مؤنث کو دے اور قولِ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر فتوی ہے۔

شیخ وہبہ زحیلی نے اس کو بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا، ملاحظہ فرمائیے:

(۳) قَالَ أَبُوْ يُوْسُفُ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَهُوَ رَأْيُ الْجَمْهُوْرِ يُسْتَحَبُّ لِلأَبِ أَنْ يُسَوِّيَ بَيْنَ الْأَوْلَادِ الذُّكُوْرِ

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور مالکیہ، شافعیہ نے کہا اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ باپ کے لئے مستحب یہی ہے کہ اپنی اولاد مذکر ومؤنث کے درمیان عطیہ اور ہبہ کرنے میں مساوات اور

وَالإِنَاثِ فِي الْعَطِيَّةِ فَتُعْطِي الْأُنْثٰى مِثْلَ مَا يُعْطِي الذَّكَرَ (إلى قوله) وَقَالَ الْحَنَابِلَةُ وَمُحَمَّدٌ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ: لِلْأَبِ أَنْ يُقَسِّمَ بَيْنَ أَوْلَادِهِ عَلٰى حَسَبِ قِسْمَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ فِي الْمِيرَاثِ فَيُجْعَلُ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَسَّمَ بَيْنَهُمْ كَذٰلِكَ وَأَوْلٰى مَا اقْتُدِيَ بِهِ هُوَ قِسْمَةُ اللّٰهِ الخ. (الفقه الإسلامي ٤ / ٧٠٤)

برابری قائم رکھے؛ لہٰذا مؤنث کو مذکر کے ہم مثل دے دے۔ اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ نے فرمایا باپ کے لئے افضل یہی ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان اسی طرح تقسیم کردے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث میں تقسیم فرمایا ہے؛ لہٰذا مذکر کو دو مؤنثوں کے حصے کے برابر دیا کرے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایسے ہی تقسیم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم کی پیروی کرنا زیادہ اولی اور زیادہ افضل ہے۔

الحاصل: پوری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ صرف مذکر اولاد کے درمیان تقسیم میں مساوات قائم رکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اور کم زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے، اور کسی کو دینا اور کسی کو بالکل محروم کردینا ظلم ہے اور باپ گنہگار ہوگا بشرطیکہ کوئی بھی نافرمان نہ ہو، اسی طرح مؤنث اولاد میں بھی برابری قائم رکھنا مستحب ہے اور مذکر ومؤنث کے درمیان مساوات کا مسئلہ اختلافی ہے، فریقِ اول حدیث نعمان بن بشیرؓ کے پیش نظر مساوات کے قائل ہیں۔ اور فریقِ ثانی اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تقسیم میراث کے پیش نظر مساوات کے قائل نہیں، اگرچہ اکثریت فریقِ اول کی ہے، مگر دلیل فریقِ ثانی کی زیادہ مضبوط ہے۔

(۲) وصیت کی شکل: زندگی میں تقسیم کرکے وصیت کردینا

سوال نامہ میں اسی شکل کی وضاحت طلب کی گئی ہے کہ باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان

تقسیم کر کے ہبہ کرنا نہیں چاہتا اور پوری زندگی مالک ہی رہنا چاہتا ہے اور یہ بھی نہیں چاہتا ہے کہ اس کی موت کے بعد اس کی اولاد اور ورثاء کے درمیان کوئی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آجائے اور اس کو اس بات کا خطرہ ہے کہ اس کی موت کے بعد ورثاء کے درمیان تقسیمِ میراث کا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا اور ہر وارث کو اپنا اپنا حقِ میراث صحیح طور پر نہیں مل پائے گا، تو اس کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ تقسیمِ میراث کے اصول کے مطابق اپنی نگرانی میں زندگی ہی میں تقسیم نامہ تیار کر کے ہر ایک کا شرعی حصہ متعین کر کے وصیت کر دے اور اس کی موت کے بعد اسی وصیت کے مطابق ہر وارث اپنے اپنے متعین حصہ کو حق میراث کے طور پر قبضہ کر لے، آیا اس کے لئے اس طرح زندگی میں ورثاء کے درمیان پیشگی میراث تقسیم کر کے وصیت کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ ”لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ“ الحديث. (دارقطني ۴/ ۸۶، رقم: ۴۲۵۴، سنن بیہقی رقم: ۱۲۸۰۳) کے خلاف تو نہیں، تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ جواز اور عدم جواز سے متعلق احقر کی نظر سے نہیں گذرا، مگر خود اسی حدیث شریف کے ہر پہلو پر غور کرنے سے اس کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے، پہلے پوری حدیث شریف نقل کر دیتے ہیں تاکہ اس کے الفاظ پر اچھی طرح غور ہو سکے۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی روایت ترمذی اور ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔

(۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ. (ترمذي ۲/ ۳۲، رقم: ۲۱۲۰، أبوداؤد ۲/ ۳۹۶، رقم: ۲۸۷۰)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق متعین کر کے دے دیا ہے؛ لہٰذا کسی بھی وارث کے لئے وصیت درست نہیں۔

دارقطنی شریف اورسنن بیہقی میں حضرت عمرو بن خارجہؓ کی روایت میں "إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ" کے الفاظ کا اضافہ ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ''إلا أن يجيز" کے بجائے ''إلا أن يشاء'' کے الفاظ ہیں۔اب حدیث شریف کے الفاظ پر دو طرح سے غور کرنا ہے:

(۱) ''قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ ''ان الفاظ میں صاحبِ شریعت نے واضح فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حق متعین کر کے مقرر کردیا ہے، اس کو اس متعین حق سے زیادہ نہیں ملے گا؛ لہٰذا''لاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ'' کا مطلب واضح ہوگیا کہ اس متعین حصہ سے ہٹ کر وصیت کے ذریعہ الگ سے کچھ نہیں ملے گا، اب اگر مُورِث اپنی موت سے قبل زندگی میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو ہر متوقع وارث کے لئے متعین کر کے نامزد کردے اور مورِث کی موت کے بعد ورثاء آپس میں مورث کے تیار کردہ تقسیم نامہ کو وصیت کے مطابق عملی جامہ پہنادیں تو حدیث مذکور کی خلاف ورزی لازم نہیں آئے گی؛ بلکہ اس حدیث پر صحیح طور پر عمل کے لئے ایک خوبصورت پیش قدمی ہے؛ اس لئے زندگی میں اس طرح میراث کے اصول کے مطابق تقسیم کر کے اس پر عمل کرنے کی وصیت کردینا بلاشبہ جائز اور درست ہوگا۔

(۲) حدیث شریف کا دوسرا جزو''فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَ الْوَرَثَةُ '' اس جزو پر غور کرنا ہے کہ وارث کے لئے نفس وصیت جائز ہے یا نہیں؟ حرف استثناء سے واضح ہوا کہ ورثاء کے لئے نفسِ وصیت جائز ہے، بس اس کا نفاذ دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے؛ کیوں کہ جن ورثاء کے متعین حق میں وصیت کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے ان کی مرضی کے بغیر نفاذ ممکن نہیں اور جب وہ بخوشی اپنا حق چھوڑ کر نفاذِ وصیت پر راضی ہوجائیں تو وصیت نافذ بھی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس سے واضح ہوگیا کہ ورثاء کے حق میں نفس وصیت بنصِّ حدیث بالاتفاق صحیح اور درست ہے۔اور ممانعت کے پہلو کا تعلق صرف کسی وارث کے حق میں نقصان پہنچنے سے ہے۔اور جب مورث نے اپنی زندگی میں اولاد ذکور اور اولاد اناث اور بیوہ کے درمیان تقسیم کردیا اور موت کے بعد اسی تقسیم کے مطابق میراث وصول کرنے کی وصیت کردی تو کسی بھی وارث کے حق میں نقصان نہیں پہنچتا؛ بلکہ ہر ایک کو اپنا اپنا حق شریعت کے قانون کے

مطابق مکمل مل جاتا ہے، کسی کو کسی قسم کے نقصان کا خطرہ نہیں ہے؛ اس لئے زندگی میں نصِّ قرآنی کے ضابطہ کے مطابق تقسیم کر کے وصیت کر دینا بلا شبہ جائز ہوگا۔

مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟

تمام اُمّت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ غیر مسلم کسی بھی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور اُمّت میں کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا؛ البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟، چنانچہ اس مسئلہ میں دو فریق ہیں:

فریق اول: جمہورِ امّت جمہور صحابہ، تابعین، ائمہٴ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جس طرح غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اسی طرح مسلمان بھی کسی غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا، ان کی دلیل وہ حدیثِ مشہور ہے جو صحاح کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ. (بخاري ۲/ ۱۰۰۱، رقم: ٦٥٠٧، مسلم شريف ۲/ ۳۳، رقم: ١٦١٤، ترمذي ۲/ ۳۱، رقم: ۲۱۰۷)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اصولی الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

(۲) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَتَوَارَثُ الْمِلَّتَانِ الْمُخْتَلِفَانِ. (مصنف ابن أبي شيبة ١٦/ ۳۳۰، رقم: ۳۲۰۸۸)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دو مختلف ملت والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

فریق ثانی: دوسرے فریق میں حضرات صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور تابعین میں سے حضرت امام حسن بصریؒ، امام سعید بن مسیّبؒ، امام مسروق بن اجدعؒ، امام محمد بن الحنفیہؒ اور امام باقر محمد بن علی بن حسینؒ کے نزدیک کافر تو مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بلند فرمایا اور مسلمانوں کو کافروں پر عزت وشرف اور بلندی عطا فرمائی ہے۔ یہ حضرات اپنے مدعی کے ثبوت میں مختلف دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) سنن دارقطنی اور سنن بیہقی کی مشہور روایت ہے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ جَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ مَعَ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَحَوْلَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوْا: هٰذَا أَبُوْ سُفْيَانُ وَعَائِذُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذَا عَائِذُ بْنُ عَمْرٍو وَأَبُوْ سُفْيَانَ اَلْإِسْلَامُ أَعَزُّ مِنْ ذٰلِكَ، اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى. (السنن الكبرى للبيهقي ۹/ ۲۳۳، رقم: ۱۲۳۹۹، سنن دارقطني ۳/ ۱۷۲، رقم: ۳۵۷۸، بخاري شريف تحت ترجمة الباب، الجنائز ۱/ ۱۸۰)

حضرت عائذ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ بیشک وہ فتح مکہ کے دن ابوسفیان بن حرب کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ کے اردگرد صحابہ کرامؓ موجود تھے، تو صحابہ کرام نے فرمایا: کہ یہ ابوسفیان اور عائذ بن عمرو ہیں (جو قریش کے باعزت سردار ہیں) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام (میں داخل ہونے والے) ان سے زیادہ باعزت ہیں، اور اسلام عزت وشرف میں بلند وبرتر ہے اور اسلام پر کوئی چیز بلند و برتر نہیں۔

اس کو صاحبِ شریفیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

(۲) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَرِثَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَام: اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ

اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان وارث بن جائے آپ کے قول: اسلام بلند ہوتا ہے اور

وَلاَ يُعْلٰى، وَمِنَ الْعُلُوِّ أَنْ يَرِثَ الْـمُسْـلِمُ مِنَ الْكَافِرِ وَلاَ يَرِثُ الْـكَـافِرُ مِنْهُ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ مُعَاذُ بْـنُ جَبَـلٍ وَمُـعَـاوِيَةُ بْـنُ أَبِـيُ سُـفَيَـانَ وَالْـحَسَـنُ الْبَصْرِيُّ وَمُـحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَمَسْرُوُقٌ.

(شريفيه/ ١٤)

اس کے اوپر کسی کی بلندی نہیں ہوتی اور بلندی میں سے یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن جائے اور کافر مسلمان کا وارث نہ بنے، اور یہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام باقرؒ محمد بن علی بن حسینؒ اور امام مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اس کو امام نوویؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

(٣) وَذَهَـبَ طَائِفَةٌ إِلٰى تَوْرِيْثِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْكَافِرِ وَهُوَ مَذْهَبُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ وَمُعَاوِيَةَ وَسَعِيْدِ بْـنِ الْـمُسَيِّـبِ وَمَسْـرُوْقٍ وَغَيْـرِهِمْ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيْثِ "اَلإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ".

(نووي على المسلم ٢/ ٣٣)

اور ایک جماعت کا مذہب ہے کہ کافر کی میراث کا مسلمان وارث بنے گا اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ حضرت امام سعید بن مسیّبؒ، امام مسروقؒ وغیرہ کا مذہب ہے اور وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: کہ اسلام بلند و برتر ہے اور اس پر کسی کو برتری حاصل نہیں۔

اس کو فتاوی تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

(٤) لَا خِلَافَ أَنَّ الْكَافِرَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمِيْنَ بِحَالٍ، وَكَذٰلِكَ الْـمُسْـلِـمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ فِيْ قَوْلِ أَكْثَرِ الصَّحَابَةِؓ وَهُوَ مَذْهَبُ

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کافر مسلمانوں کا کسی بھی حال میں وارث نہیں بن سکتا اور ایسا ہی اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں بن سکتا

الْـفُـقَهَـاءِ. وَرُوِيَ عَـنْ مُـعَـاذٍ وَمُـعَاوِيَةَ رَضِـيَ اللّٰهُ عَنـهُمَا أَنَّهُمَا قَالا: يَرِثُ الْوَارِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ. (الفتـاوى التـاتارخانية ٢٠/ ٣٩٥، رقم: ٣٣٥٣٤)

اور یہی فقہاء کرامؒ کا مذہب ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ مسلمان وارث کافر کا وارث بن سکتا ہے۔

اور یہ حضرات حسب ذیل روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ان دونوں صحابہ کرامؓ کی کئی روایات ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

(٤) عَـنْ أَبِـي الْأَسْوَدِ الدَّيْلِي قَـالَ: كَانَ مُعَاذٌ بِالْيَمَنِ فَارْتَفَعُوا فِي يَهُودِيٍ مَاتَ وَتَرَكَ أَخَاهُ مُسْلِمًا فَقَالَ مُعَاذٌ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الإِسْلامَ يَزِيْدُ وَلا يَنْقُصُ فَوَرَّثَهُ. (مصنف ابن أبي شيبة ١٦/ ٣٣٤، رقم: ٣٢١٠١، السنن الكبرى للبيهقي ٩/ ٣٣٧، رقم: ١٢٧٢٣)

حضرت ابوالاسود دیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یمن میں تھے، لوگوں نے ایک یہودی کا معاملہ ان کے پاس پیش فرمایا، جو یہودی مر گیا تھا اور اس نے ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا، تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام زیادہ اور اضافہ ہو کر آگے بڑھتا ہے اور اس میں کمی نہیں ہوتی ہے، پھر حضرت معاذؓ نے مسلمان بھائی کو اس یہودی کا وارث بنا دیا۔

حضرت عبداللہ بن معقلؓ فرماتے ہیں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فیصلہ کے بعد حضرت معاویہؓ کے فیصلہ سے بہترین اور خوبصورت فیصلہ ہم نے دوسرا کوئی نہیں دیکھا اور انہوں نے مسلمان کو اہل کتاب کا وارث بنا کر فرمایا کہ ہم ان کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہو سکتے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(٦) عَـنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَعْقَلٍ قَالَ: مَـا رَأَيْـتُ قَـضَـاءً بَـعْـدَ قَضَاءِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ مِنْ قَضَاءٍ قَـضَـى بِـهِ مُـعَـاوِيَةُ فِيْ أَهْلِ

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فیصلہ کے بعد کوئی بھی فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے زیادہ خوبصورت فیصلہ نہیں دیکھا، انہوں نے اہل

الْكِتَابِ، قَالَ: نَرِثُهُمْ وَلَا يَرِثُوْنَنَا. (مصنف ابن أبي شيبة ١٦/ ٣٣٤، رقم: ٣٢١٠٢)

کتاب کے بارے میں فیصلہ کر کے فرمایا: کہ ہم ان کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوسکتے۔

الحاصل: اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ فریقِ اول کے نزدیک جس طرح غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، اسی طرح مسلمان بھی غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا، یہی امت میں تواتر کے ساتھ مشہور ہے۔ اور فریقِ ثانی کے نزدیک کافر تو مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے۔ اور جانبین کے دلائل بھی سامنے آچکے ہیں۔ اب اس تناظر میں علماء وقت کو غور کرنا ہے کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں فریقِ ثانی کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فریقِ ثانی کی رائے پر ان ممالک میں پیش آمدہ مسائل اور مشکلات میں دینی مصلحت کے پیشِ نظر عمل کیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔ اور نو مسلموں کی پریشانیاں اس سے ختم ہوسکتی ہیں۔

وارث کے لئے دیگر ورثاء کی مرضی سے وصیت

کسی شرعی وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی مرضی اور اجازت کے بغیر وصیت کرنا شرعاً معتبر نہیں، ہاں البتہ اگر اس وارث کی کسی مجبوری یا زیادہ خدمت کی وجہ سے مورث کی خواہش ہے کہ اس کو کچھ زیادہ مل جائے اور مورث زندگی میں ہبہ کر کے قبضہ بھی نہیں دینا چاہتا ہے؛ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ موت تک اپنی ملکیت سے خارج نہ ہو اور مرنے کے بعد موصی لہ کو حاصل بھی ہوجائے اور مورث دیگر ورثاء سے رابطہ قائم کر کے سب کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر دے اور دیگر تمام ورثاء نے مورث کے سامنے اس کی زندگی میں بخوشی تحریری رضامندی ظاہر کر دی اور سب نے بخوشی اجازت دیدی، تو کیا مورث کی موت کے بعد اسی اجازت اور رضامندی سے وصیت نافذ ہوجائے گی؟ یا مورث کی موت کے بعد دوبارہ اجازت لازم اور ضروری ہوگی؟ تو اس بارے میں جمہور فقہاء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ موت سے قبل زندگی میں جو اجازت دی گئی تھی، اس کا اعتبار نہیں؛ بلکہ موت کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور دیگر ورثاء کو پورا اختیار ہے کہ چاہے مورث کی اجازت کو نافذ کر دیں یا زندگی کی

اجازت کو مسترد کردیں؛ لہٰذا زندگی کی اجازت کا اعتبار ہی نہیں بلکہ وہ اجازت کالعدم ہے۔ اور موت کے بعد کی اجازت معتبر ہوتی ہے۔ یہ حکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ان الفاظ سے وارد ہوا ہے:

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ. (السنن الكبرى للبيهقي ۹/ ۳۵۶، رقم: ۱۲۹۷-۱۲۷۹۸، دارقطني ٤/ ٨٦، رقم: ٤٢٥١)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کسی بھی وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہوتی ہے، مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس پر رضامندی ظاہر کردیں۔

اور حضرت عمرو بن خارجہؓ کی روایت میں کچھ فرق کے ساتھ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

(۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَ الْوَرَثَةُ. (السنن الكبرى للبيهقى ۹/ ۳۵۸، رقم: ۱۲۸۰۳، دارقطني ٤/ ٨٦، رقم: ٤٢٥٢)

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کسی وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، مگر یہ کہ دیگر ورثاء بخوشی اس کی اجازت دے دیں۔

موت کے بعد کی اجازت پر فقہاء کی وضاحت

حضرات فقہاء بھی اس کو خوب وضاحت سے نقل فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ شمس الدین آفندیؒ تکملہ فتح القدیر میں صاف الفاظ سے نقل فرماتے ہیں: کہ زندگی کی اجازت درحقیقت اجازت ہی نہیں ہے؛ بلکہ موت کے بعد ہی کی اجازت درحقیقت اجازت ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

(۳) إِنَّ إِجَازَتَهُمْ فِيْ حَالِ حَيَاةِ الْمُوْرِثِ سَاقِطَةٌ؛ لِأَنَّ إِجَازَتَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ أَصْلاً. (تكملة فتح القدير زكريا ۱۰/ ٤٤٨، دارالفكر ۱۰/ ٤۱۷، كوئٹه ۹/ ۳٤۷)

بے شک ان کی اجازت مورث کی زندگی کی حالت میں ساقط الاعتبار ہے؛ اس لئے کہ اس وقت ان کی اجازت سرے سے معتبر ہی نہیں ہے۔

اور صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کی اجازت بے محل ہے؛ اس لئے کہ زندگی میں ورثاء کو اس مال میں کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہے اور جس چیز میں کوئی حق نہیں ہے اس میں کسی کو اجازت دینے اور نہ دینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اور ورثاء کو مورث کی موت کے بعد ہی حق حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا زندگی کی اجازت کالعدم ہوگی اگر چہ اس پر تحریری دستخط بھی ہو گئے ہوں۔ اور مورث کی موت کے بعد ہی کی اجازت صحیح ہو سکتی ہے، اس وجہ سے مورث کی موت کے بعد دیگر ورثاء کو پورا اختیار ہے کہ چاہے موت کے بعد اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں، اگر اجازت دیں گے تو اس وارث کے حق میں وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

(٤) وَلاَ مُعْتَبَرَ بِإِجَازَتِهِمْ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ؛ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ إِذِ الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ، فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ بِخِلَافِ مَابَعْدَ الْمَوْتِ؛ لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا عَنْهُ الخ. (هدايه رشيديه ٤/ ٦۳۹، الأمين كتابستان ٤/ ٦٥٥)

اور اس کی زندگی کی حالت میں ان کی اجازت معتبر نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجازت ثبوتِ حق سے قبل ہے؛ کیوں کہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا ان کے لئے مورث کی وفات کے بعد اجازت کو مسترد کر دینے کا حق حاصل ہے، بخلاف مابعد الموت کے اس لئے کہ موت کے بعد کی اجازت حق کے ثابت ہونے کے بعد ہوتی ہے؛ لہٰذا موت کے بعد کی اجازت کے بعد رجوع کرنا ان کے لئے جائز نہیں۔

صاحبِ بدائع جمہور علماء کی رائے نقل فرمانے کے ساتھ علامہ ابن ابی لیلیٰؒ کا قول بھی نقل

فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک زندگی کی اجازت معتبر نہیں بلکہ موت کے بعد کی اجازت ہی معتبر ہوتی ہے، مگر علامہ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ زندگی کی اجازت بھی معتبر ہوتی ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

(۵) ثُمَّ وَقْتُ الإجَازَةِ هُوَ مَا بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِي، وَلا تُعْتَبَرُ الإجَازَةُ حَالَ حَيَاتِهِ حَتّٰى أَنَّهُمْ لَوَ أَجَازُوْا فِيْ حَيَاتِهِ لَهُمْ اَنْ يَرْجِعُوا عَنْ ذٰلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَهٰذَا قَوْلُ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلىٰ: تَجُوْزُ إجَازَتهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِ وَحَالَ حَيَاتِهِ، فَإذَا أَجَازُوْا فِيْ حَيَاتِهِ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَلا خِلَافَ فِي أَنَّهُمْ إذَا أَجَازُوْا بَعْدَ مَوْتِهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا بَعْدَ ذٰلِكَ الخ. (بدائع زکریا ۶/ ۴۸۳، کراچی ۷/ ۳۷۰)

پھر اجازت کا وقت وہ موصی کی موت کے بعد ہے اور اس کی زندگی میں اجازت معتبر نہیں حتی کہ اگر زندگی میں اجازت دی ہے، تو ان کو مورث کی موت کے بعد رجوع کرنے کا حق ہوگا اور یہ جمہور علماء رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور علامہ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زندگی اور بعد موت دونوں حالتوں کی اجازت جائز ہے؛ لہٰذا جب زندگی میں اجازت دے دیں، تو موت کے بعد ان کو رجوع کرنے کا حق نہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب موت کے بعد اجازت دے دیں، تو بعد میں ان کو رجوع کا حق حاصل نہیں۔

جمہور کا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے اور ''اعلاء السنن بیروت ۱۸/ ۳۲۹'' میں ابن ابی لیلیٰؒ کے ساتھ حسن بصریؒ، عطاءؒ، حمادؒ اور اوزاعیؒ وغیرہ کو ذکر فرمایا ہے، مگر ان کا قول مرجوح ہے؛ لہٰذا زندگی کی اجازت معتبر نہ ہوگی۔ اور موت کے بعد کی اجازت معتبر ہوسکتی ہے۔

وارث کے حق میں وصیت کے عدم جواز کی حکمت

شریعت اسلامی نے قانون بنادیا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ اور اجنبی افراد کے حق میں نافذ ہوجائے گی، اس کے پیچھے کیا حکمت اور کیا راز ہے؟ اسلام نے ہر ایک

کا حق اعتدال میں رکھا ہے۔ ''لاضرر ولاضرار'' نہ تم خود نقصان کا شکار بنو اور نہ ہی تم سے کسی کو نقصان پہنچے، چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہ ہونے اور اجنبی کے حق میں نافذ ہونے کی دو حکمتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) پہلی حکمت: حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کا حق متعین کر دیا ہے، چنانچہ ہر وارث کا حق قرآن مقدس کی سورۂ ''نساء'' میں واضح کر کے بیان فرما دیا ہے، ان کو وہی متعین حق ملا کرے گا؛ لہٰذا اگر کسی ایک کے حق میں وصیت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس متعین حق میں ترمیم کرتا ہے، جس سے اس وارث کے حق میں اضافہ ہوگا اور دوسرے وارث کے حق میں کمی لازم آجائے گی جسکی وجہ سے اعتدال سے ہٹ جانا لازم آتا ہے۔ اور اجنبی کے لئے کوئی حق اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں فرمایا؛ اس لئے اس کے حق میں وصیت کی اجازت دی گئی، مگر اس میں موصی کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ تہائی سے زائد کی اجازت نہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں اس کی وضاحت ہے، جو اپنی جگہ پیش کی جائے گی۔ حکمت کی حدیث ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.

(ترمذي ۲/ ۳۲، رقم: ۲۱۲۰، أبوداؤد ۲/ ۳۹٦، رقم: ۲۸۷۰)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال حضور ﷺ سے اپنے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر حقدار کا حق متعین کر دیا ہے؛ لہٰذا کسی بھی وارث کے حق میں وصیت درست نہیں۔

(۲) دوسری حکمت: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک وارث کا حق متعین کر کے مقرر کر دیا ہے تو ہر وارث کو متروکہ مال میں سے اپنا اپنا حق مکمل وصول کرنے کا حق ہے؛ لیکن

جب کسی وارث کے حق میں وصیت کی جائے گی تو اس کو اپنے مقررہ حق سے زیادہ مل جائے گا اور دوسرے ورثاء کو متعین اور مقررہ حق پورا نہیں ملے گا؛ بلکہ ان کے حق میں کچھ حصہ اس وارث کے حصہ میں پہنچ جائے گا جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ اور ایسی صورت میں دیگر ورثاء کا حق مارا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی دل شکنی اور ان کے ساتھ قطع رحمی لازم آجاتی ہے، جس سے ان کو سخت ایذا اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے، اس سے بچنے کے لئے شریعت نے وارث کے حق میں وصیت کی اجازت نہیں دی، تاکہ اعتدال باقی رہے۔ اس کو صاحبِ ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۲) لِأَنَّهُ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ بِإِيْثَارِ الْبَعْضِ، فَفِي تَجْوِيْزِهِ قَطِيْعَةُ الرَّحْمِ. (هدايه رشيديه ٤/ ٦٤١، الأمين كتابستان ٤/ ٦٥٧)

اس لئے کہ بیشک بعض ورثاء کو ترجیح دینے سے دوسرے بعض کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے، پس اس کو جائز قرار دینے میں قطع رحمی لازم آتی ہے۔

بعض نے اجازت دی بعض نے نہیں دی

اگر مُورِث موصی کے انتقال کے بعد دیگر ورثاء میں سے بعض نے موصی کی وصیت کے مطابق اجازت دے دی اور بعض نے اجازت نہیں دی، تو ایسی صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ جن ورثاء نے اجازت نہیں دی ہے، ان کو متروکہ مال میں سے جو شرعی حق ملنا تھا وہی مکمل مل جائے گا اور جن ورثاء نے اجازت دی ہے ان کو جو میراث میں سے شرعی حق ملنا تھا اس میں سے حق کے تناسب کے حساب سے کم کر کے وصیت نافذ ہو جائے گی۔ اس کو صاحبِ ہدایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

(۱) وَلِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ فَتَجُوْزُ بِإِجَازَتِهِمْ، وَلَوْ أَجَازَ

اور بیشک وصیت پر رکاوٹ پیدا کرنا ان کے اپنے حق کی وجہ سے ہے؛ لہٰذا ان کی اجازت سے

بَعْضٌ وَرَدَّ بَعْضٌ تَجُوْزُ عَلَى الْمُجِيْزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهٖ لِوَلَايَتِهٖ عَلَيْهِ، وَبَطَلَ فِيْ حَقِّ الرَّادِّ.

(هدايه رشيديه ٤ / ٦٤١، الأمين كتابستان ٤ / ٦٥٧)

جائز اور جاری ہوجائے گی اور اگر بعض ورثاء نے اجازت دے دی اور بعض نے مسترد کرکے روک لگا دی ہے، تو جس نے اجازت دی اسکے حصہ کے تناسب سے کمی کرکے وصیت نافذ ہوجائے گی اور جس نے رد کرکے اجازت نہیں دی اس کے حق میں وصیت باطل ہوجائیگی۔

بیوہ کے لئے شوہر کی وصیت

یہ مسئلہ بھی آج کے دور میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ جب آدمی لاولد ہو اور اس کے پاس کچھ سرمایہ ہو تو قریب یا دور کے رشتہ داروں کی نگاہ اس کے سرمایہ پر ہوتی ہے۔ اور اس کی وفات کے بعد ہر طرف سے حقدار نکل آتے ہیں اور اس کی بیوہ بے سہارا ہوجاتی ہے، اب اس تناظر میں شوہر اپنی زندگی میں پیش قدمی کرکے بیوی کے حق میں کچھ انتظام کردے، اسکے لئے سب سے بہتر شکل یہی ہے کہ بیوی کو حسب مناسب سرمایہ کا معقول حصہ ہبہ کرکے قبضہ دے دے؛ لیکن اگر ہبہ کی شکل اختیار کرنا نہیں چاہتا ہے؛ اس لئے کہ آج کے زمانہ میں ہبہ کی رجسٹری کے لئے بھی تقریباً بیع نامہ کی رجسٹری کے برابر اسٹامپ فیس لازم ہے، اس خرچہ سے بچنا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ زندگی میں مالِ متروکہ اس کے قبضہ اور اختیار سے باہر نہ نکل جائے؛ اس لئے وہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ بیوی کے نام سرمایہ کا کچھ حصہ وصیت کردے، تو ایسے حالات میں اگر شوہر کا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، تو جتنے سرمایہ اور مال کی وصیت کریگا اتنے میں وصیت نافذ ہوجائے گی۔ اور بیوی کو شوہر کی وفات کے بعد وصیت کی وجہ سے متروکہ مال سے وہ مقدار مل جائے گی اور اس کے بعد مابقیہ کی چوتھائی بھی میراث کی وجہ سے مل جائے گی؛ کیوں کہ اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا حق میراث میں چوتھائی حصہ ہے؛ لہٰذا بیوہ کو دو طرح کے مال مل جائیں گے: (۱) وصیت سے (۲) میراث سے۔ اور اگر شوہر کا دوسرا وارث بھی ہو تو شوہر کی وفات کے بعد وارث کی اجازت کے بغیر بیوہ کے حق

میں وصیت نافذ نہ ہوگی ، ہاں البتہ اگر بیوہ کا حق میراث کے کل مال کا چوتھائی حصہ ہے اسی کے لئے وصیت نامہ بنا کر رجسٹری کر کے قانونی شکل دیدی ہے،تو اس کے نفاذ میں وارث کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ حضرات فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے مستفاد ہوتا ہے۔تاتارخانیہ میں ہے:

(۱) اِمْرَأَةٌ هَلَكَتْ وَتَرَكَتْ زَوْجًا وَلَا وَارِثَ لَهَا غَيْرُهُ (قوله) فَإِنْ كَانَتْ أَوْصَتْ لِلزَّوْجِ بِنِصْفِ الْمَالِ، فَالْمَالُ كُلُّهُ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ بِحُكْمِ الإِرْثِ، وَالنِّصْفُ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ، وَكَذٰلِكَ لَوْ تَرَكَتْ عَبْدَيْنِ قِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ أَوْصَتْ لِزَوْجِهَا بِأَحَدِ الْعَبْدَيْنِ بِعَيْنِهِ فَهُمَاجَمِيْعًا لِلزَّوْجِ أَحَدُهُمَا بِحُكْمِ الإِرْثِ وَالآخَرُ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ. (تاتارخانية ۲۰/ ۱٦۲، رقم: ۳۲۸۸۸)

ایک عورت کی موت ہوگئی اورشوہر کو وارث چھوڑا اوراس کے علاوہ کوئی وارث نہیں، پس اگراس نے شوہر کے لئے نصف مال کی وصیت کی ہےتو کل ترکہ شوہرکومل جائے گا، نصف حصہ میراث کی وجہ سےاور دوسرا نصف وصیت کی وجہ سے۔ اوراسی طرح اگرعورت نے دوغلام چھوڑیں دونوں کی قیمت برابر ہے اور دونوں میں سے متعین ایک کی وصیت شوہر کے لئے کردی ہے، تو دونوں شوہر کومل جائیں گے، ایک میراث کی وجہ سے دوسرا وصیت کی وجہ سے

اوراسی طرح کی عبارت مبسوط سرخسی میں بھی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۲) قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ: فِي امْرَأَةٍ لَا وَارِثَ لَهَا إِلَّا زَوْجُهَا فَأَوْصَتْ لَهُ بِنِصْفِ مَالِهَا، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ النِّصْفَ بِالْمِيْرَاثِ ثُمَّ النِّصْفَ الْبَاقِيْ بِالْوَصِيَّةِ. (مبسوط ۲۹/ ۲)

زیادات میں اس عورت کے بارے میں کہا ہے، جس کا شوہر کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے، پس اس نے شوہر کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کردی ، تو شوہر نصف مال میراث کی وجہ سے لے لیگا ، پھر باقی نصف وصیت کی وجہ سے حاصل کرلے گا۔

اور درمختار میں ہے کہ زوجین کے علاوہ جب کوئی وارث نہ ہو اور میاں بیوی دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے لئے وصیت کردی ہے، تو وصیت درست ہو جاتی ہے۔ اس کو علامہ حصکفیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

حَتّٰی لَوْأَوْصٰی لِزَوْجَتِهٖ أَوْهِيَ لَهٗ وَلَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ وَارِثٌ آخَرُ تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ. (درمختار مع الشامي، زكريا ١٠/ ٣٤٧، كراچی ٦/ ٦٥٦)

حتی کہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کے لئے یا بیوی نے شوہر کے لئے وصیت کردی ہے اور وہاں دوسرا وارث نہیں ہے، تو بلاشبہ وصیت صحیح اور درست ہو جاتی ہے۔

وارث اور اجنبی کے حق میں ایک ساتھ وصیت

یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے کہ وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے۔ اور اجنبی غیر وارث کے حق میں ثلث مال میں وصیت نافذ ہو جاتی ہے۔ اگر ثلثِ مال سے زائد کی وصیت کرے گا تب بھی صرف ثلث ہی کے دائرہ میں وصیت نافذ ہوتی ہے، اب اگر مالک نے اپنے ورثاء واجنبی شخص دونوں کو ایک ساتھ وصیت کردی ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ پورا ثلث مال اجنبی کو مل جائے گا اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں: وارث محل وصیت ہی نہیں ہے۔ (بدائع زکریا دیوبند ۶/ ۴۳۴) تو ان کا یہ قول درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے وصیت کا وجود ہی نہیں ہوتا اور وہ محلِ وصیت ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ دیگر ورثاء کی اجازت پر وصیت موقوف رہتی ہے اور جب دیگر ورثاء اجازت دیں گے تو اس کے حق میں بھی نافذ ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں پورا ثلثِ مال اجنبی کو کیسے مل سکتا ہے؟ اور وارث کو محلِ وصیت سے خارج کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور جمہور امت کا قول یہ ہے کہ: اگر مالک نے اجنبی اور وارث دونوں کے حق میں وصیت کردی ہے اور موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء وارث کے حق میں نفاذ وصیت کی اجازت

دے دیں تو ثلثِ مال وصیت کی وجہ سے اجنبی اور وارث کے درمیان نصف نصف کے حساب سے تقسیم ہوجائے گا، یعنی اجنبی اور وارث دونوں کوکل مال میں سے چھٹا چھٹا حصہ مل جائے گا اور اگر موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وارث کے حصہ میں وصیت باطل ہوجائے گی اور اجنبی کے حصہ میں نافذ ہوجائے گی اور اجنبی کوثلث مال کا نصف حصہ یعنی کل مال کا چھٹا حصہ مل جائے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۱) وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهٖ لِبَعْضِ وَرَثَتِهٖ وَلِأَجْنَبِيٍّ، فَإِنْ أَجَازَ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ جَازَتِ الْوَصِيَّةُ لَهُمَا جَمِيْعًا، وَكَانَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْأَجْنَبِيِّ وَبَيْنَ الْوَارِثِ نِصْفَيْنِ، وَإِنْ رَدُّوا جَازَتْ فِيْ حِصَّةِ الْأَجْنَبِيِّ وَبَطَلَتْ فِيْ حِصَّةِ الْوَارِثِ. وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: يُصْرَفُ الثُّلُثُ كُلُّهٗ إِلَى الْأَجْنَبِيِّ؛ لِأَنَّ الْوَارِثَ لَيْسَ بِمَحَلِّ الْوَصِيَّةِ الخ. (بدائع زكريا ٦/ ٤٣٤، كراچی ٧/ ٣٣٨، مبسوط سرخسي ٢٧/ ١٧٥)

اور اگر اپنے ثلثِ مال کی بعض ورثاء اور اجنبی کے لئے وصیت کردی تو اگر بقیہ ورثاء نے موصی کی موت کے بعد اجازت دے دی ہے، تو وصیت وارث اور اجنبی دونوں کے حق میں نافذ ہوجائے گی اور ثلثِ مال وارث اور اجنبی دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائے گا۔ اور اگر دیگر ورثاء (موتِ موصی کے بعد) مسترد کردیں تو اجنبی کے حصہ میں وصیت نافذ ہوجائے گی اور وارث کے حصہ میں باطل ہوجائے گی۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ ثلثِ مال کل کا کل اجنبی کو مل جائے گا؛ اس لئے کہ وارث محلِ وصیت نہیں ہے۔

اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا کہ کلِ ثلث اجنبی کو مل جائے گا اور وارث کو محلِ وصیت سے خارج کردیا ہے، یہ قول صحیح نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارات سے واضح ہوچکا ہے۔

ایک تہائی سے زائد کی وصیت

ہر شخص کو شریعت نے اس بات کا اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے مالِ متروکہ میں سے ایک تہائی کسی کو دینے کے لئے وصیت کر دے، چاہے کسی مسجد یا مدرسہ یا دیگر کارِ خیر میں یا کسی انسان کو دینے کی وصیت کر دے، تو اس کو تہائی کے دائرہ میں اختیار ہے اور تہائی سے زائد میں اس کو شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اور تہائی سے زائد میں نفاذِ وصیت کا مدار اس کے ورثاء کی اجازت پر ہے، اب اس پس منظر میں اگر مالکِ مال نے ورثاء سے اجازت لے کر تہائی سے زائد میں وصیت کر دی ہے، تو اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں موصی لہ دو طرح کے ہو سکتے ہیں:

(۱) موصی لہ جس کے لئے وصیت کی جارہی ہے وہ مالکِ مال (موصی) کا وارث ہو، تو ایسی صورت میں وصیت مقدار تہائی کے دائرہ میں ہو یا تہائی سے زائد، دونوں صورتوں میں موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوگی، اگر اجازت دے دیں تو تہائی میں اور تہائی سے زائد دونوں میں نافذ ہو جائے گی۔ اور اگر دیگر ورثاء مورث موصی کی موت کے بعد اجازت نہ دیں تو وصیت نہ تہائی میں نافذ ہوگی اور نہ ہی زائد میں؛ بلکہ پوری وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر زندگی میں دیگر ورثاء سے تحریری اجازت بھی لے لی ہے، تو اس کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۱) إِذَا تَرَكَ الرَّجُلُ اِبْنَيْنِ فَأَوْصٰى لِأَحَدِهِمَا بِنِصْفِ مَالِهٖ، فَأَجَازَ ذٰلِكَ لَهُ أَخُوْهُ أَخَذَ نِصْفَ الْمَالِ بِالْوَصِيَّةِ وَالْبَاقِيْ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ وَالْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ إِنَّمَا تَمْتَنِعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَ الْوَرَثَةُ فَإِذَا وُجِدَتِ الْإِجَازَةُ فَقَدْ زَالَ الْمَانِعُ فَيَأْخُذُ الْمُوْصٰى لَهُ نِصْفَ الْمَالِ بِطَرِيْقِ

جب مورث آدمی نے اپنے دو لڑکوں کو چھوڑا پس دونوں میں سے ایک کیلئے اپنے نصف مال کی وصیت کر دی، پھر (موت) کے بعد اس کے بھائی نے اس کے لئے وصیت جائز رکھا ہے، تو وہ وصیت کی وجہ سے مال کا نصف حصہ لے لے گا اور باقی دوسرا نصف دونوں بھائیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائیگا؛ کیوں کہ یہ وصیت ثلث مال پر زائد ہے اور وارث کے حق میں دیگر ورثاء کے حق کی وجہ سے وصیت ممنوع ہوتی ہے، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وارث کیلئے وصیت نہیں، مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کو جائز رکھیں، پس جب اجازت پائی گئی تو یقیناً مانع اور رکاوٹ زائل ہوگی؛ لہٰذا موصی لہ وصیت

الْوَصِيَّةِ، وَيَبْقَى مَالُهُ النِّصْفُ الْبَاقِي فَيَكُونُ بَيْنَ الإِثْنَيْنِ نِصْفَيْنِ بِالْمِيْرَاثِ. (مبسوط للسرخسي ۲۹/ ۲)

کی وجہ سے نصف مال لے لیگا اور رہ گیا مال کا باقی نصف تو یہ نصف دونوں کے درمیان میراث کی وجہ سے نصف نصف تقسیم ہوجائے گا۔

(۲) ایسا موصی لہ جو موصی کا وارث نہ ہو؛ بلکہ اجنبی غیر وارث ہو، اور اس کے حق میں تہائی سے زائد کی وصیت کردی ہے، تو ایسی صورت میں ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی کے دائرہ میں وصیت نافذ ہوجائے گی؛ اس لئے کہ شریعت نے مورث موصی کو تہائی میں پورا اختیار دے رکھا ہے، البتہ تہائی سے جو کچھ زائد ہے اس میں وصیت نافذ ہونے کے لئے ورثاء کی اجازت لازم اور شرط ہے۔ اور اگر مورث (موصی) نے زندگی میں ورثاء سے تحریری طور پر بھی اجازت لے لی ہے، تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ زندگی میں مالِ متروکہ میں ورثاء کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا اور حق کے ثبوت سے قبل اس میں اجازت کا تصرف بھی ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا زندگی کی اجازت سرے سے کالعدم ہے اور موت کے بعد مستقل اجازت لازم ہوگی۔ اس کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۲) وَلَا تَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ، لِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ، وَهُمْ أَسْقَطُوْهُ وَلَا مُعْتَبَرَةَ بِإِجَازَتِهِمْ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ إِذَا الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ. (هدايه رشيديه ٤/ ٦٣٩)

اور ثلثِ مال سے زائد وصیت جائز نہیں، مگر یہ کہ موصی کی موت کے بعد ورثاء اس کی اجازت دیں، اس حالت میں کہ سارے ورثاء بڑے ہوں؛ کیوں کہ ممانعت انہیں کے حق کی وجہ سے ہے۔ اور انہوں نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور موصی مورث کی حالِ حیات میں ان ورثاء کی اجازت معتبر نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجازت ثبوت حق سے پہلے ہے؛ کیوں کہ حق موت کے بعد ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا ان ورثاء کے لئے اس موصی کی وفات کے بعد اجازت کو مسترد کردنے کا حق حاصل ہے۔

ضروری وضاحت

ورثاء کی اجازت معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اجازت دینے والے سارے ورثاء عاقل بالغ ہوں اور کوئی بھی وارث نابالغ نہ ہو؛ لہٰذا اگر کوئی نابالغ ہو تو اس کے حصہ میں وصیت کی وجہ سے کمی نہیں آئیگی، اس کو اپنا مکمل شرعی حق مل جائے گا، جیسا کہ ”هم كبار“ کے الفاظ سے واضح ہو چکا ہے۔

مقالہ کا خلاصہ

(۱) اگر زندگی میں اولاد کے درمیان سرمایہ تقسیم کرنا ہے، تو اس کی تفصیل مضمون کے شروع میں دلائل کے ساتھ پیش کی جاچکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ساری نرینہ اولاد باپ کے حق میں برابر ہیں، کوئی نافرمان نہیں تو سب کے درمیان مساوات باپ پر لازم ہے اور اگر کوئی نافرمان ہے تو اس کو نہ دے کر محروم کر دیا جائے اور فرماں بردار اور باادب کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر کوئی علم دین میں لگا ہوا ہے اور اس کے پاس معاشی ذرائع نہیں ہے، یا کوئی معذور اور مجبور ہے اس کو دوسروں سے زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) زندگی میں تقسیم کر کے مالک بنانے میں مذکرّ ومؤنث کے درمیان مساوات کا مسئلہ اختلافی ہے۔

حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے قولِ مشہور کے مطابق لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا مستحب ہے اور اس کے خلاف لڑکوں کو لڑکیوں سے زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور حنابلہ کے نزدیک اولی اور افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق تقسیم میراث کے اصول کی رعایت کرتے ہوئے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر دینا چاہئے۔ دونوں فریق کے دلائل تفصیلی طور پر مضمون میں پیش کئے جاچکے ہیں۔

(۳) زندگی میں تقسیم کر کے مالک نہ بنایا جائے؛ بلکہ زندگی میں ملکیت اپنی رہے گی اور موت کے بعد ورثاء کو شرعی حق بلا کسی اختلاف اور نزاع کے پورا پورا مل جائے، اس کے لئے زندگی ہی میں انتظام کر دیا جائے۔

چنانچہ تقسیمِ میراث کے اصول کے مطابق زندگی میں تقسیم کر کے ہر متوقع وارث کا حصہ متعین کر دیا جائے اور اس بات کی وصیت کر دی جائے کہ موت کے بعد اسی تقسیم نامہ کے مطابق ہر وارث اپنے اپنے حصے پر قبضہ کرلے، تو اس طرح تقسیم نامہ تیار کر کے وصیت کر دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے، تاکہ موت کے بعد کسی وارث کی حق تلفی کی نوبت نہ آسکے، اس کے بھی تفصیلی دلائل مضمون میں مذکور ہیں۔

(۴) مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک مسلمان بھی اسی طرح غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا ہے کہ جس طرح غیر مسلم مسلمان کا نہیں بن سکتا، مگر حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت امام حسن بصریؒ، امام سعید بن مسیّبؒ، امام محمد بن الحنفیہؒ، حضرت محمد بن علی بن حسینؒ (امام باقر) وغیرہ کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے؛ لہٰذا ہندوستانی نو مسلموں کی مشکلات کے تناظر میں مصلحت اور مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کی رائے پر عمل کی گنجائش کے بارے میں غور کیا جائے، اگر اس قول پر علماء کا اتفاق ہو جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۵) کسی وارث کے لئے دیگر ورثاء کی مرضی کے بغیر وصیت درست نہیں، نیز دیگر ورثاء کی اجازت اور مرضی کا اعتبار بھی موت کے بعد ہی کا ہے۔ اور موت سے قبل کی اجازت معتبر نہیں، اسی طرح موت کے بعد اگر کسی نے اجازت دی ہے، تو اس کے حصہ میں وصیت کا اعتبار ہوگا اور جس نے اجازت نہیں دی اس کے حصہ میں وصیت کا اثر نہیں پڑے گا۔

(۶) دیگر ورثاء کی عدم موجودگی میں بیوہ کے حق میں وصیت درست ہے۔

(۷) وارث اور اجنبی کے حق میں ایک ساتھ وصیت کردی ہے، تو وارث کے حق میں جو وصیت ہے وہ موت کے بعد دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی اور اجنبی کے حق میں ثلثِ مال کے نصف یعنی سدس میں ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ ہو جائے گی۔

(۸) ایک تہائی سے زائد کی وصیت کے نفاذ کا مدار ورثاء کی اجازت پر ہے؛ لہٰذا اگر وارث کے حق میں تہائی سے زائد وصیت کی گئی ہے تو دیگر ورثاء کی اجازت موتِ مورث کے بعد لازم ہے، ورنہ نافذ نہ ہوگی۔

اور اگر اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد وصیت کی گئی ہے، تو تہائی کے اندر اندر وصیت نافذ ہو جائے گی، اس میں ورثاء کی اجازت شرط نہیں ہے، ہاں البتہ تہائی سے زائد میں وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو الموفق والمعین

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

۶/ باب: اشیائے موہوبہ میں وراثت کا بیان

موہوبہ مقبوضہ میں وراثت کا شرعی حکم

سوال [۹۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ہارون صاحب نے اپنی حیات میں اپنی جائیداد میں سے تھوڑا سا حصہ جس میں ایک مکان اور چار دوکان ہیں، اپنے لڑکے شاہنواز کی بیوی ریحانہ پروین کے نام کردیا ہے، جس کے کاغذات اور گواہ موجود ہیں، اب اس نام کردہ جائیداد میں مرحوم محمد ہارون صاحب کے وارثوں سے کسی کا کوئی حصہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بنتا ہے یا نہیں؟ نیز اس ہبہ پر واہب کے بڑے بھائی بھی راضی ہیں اور ان کی موجودگی میں ہبہ ہوا اور جس بیٹے کی بیوی کو ہبہ کیا ہے اس بیٹے کے دیگر ایک بڑے بھائی اور ایک چھوٹے بھائی بھی اس ہبہ پر راضی ہیں، ان دونوں بڑے اور چھوٹے بیٹے کو بھی الگ سے ہبہ کیا ہے، سب کے دستخط درج ذیل ہیں۔ محمد عاصم، محمد یوسف، محمد نبی۔

المستفتی: محمد شاہنواز کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد ہارون صاحب نے اپنے لڑکے شاہنواز کی اہلیہ ریحانہ پروین کو چار دوکانیں ہبہ کرنے کے بعد چونکہ اس پر قبضہ دے کر مالک بنادیا ہے، جس سے ہبہ تام ہوگیا ہے۔ اور اس کے اوپر گواہان موجود ہیں؛ اس لئے اب اس میں صرف ریحانہ پروین کا حق ہے، اس کے علاوہ دیگر شرعی ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ سوال نامہ میں مکان کو ہبہ کرنے کا بھی ذکر ہے؛ لیکن ہبہ نامہ میں کہیں بھی مکان کا نہ تذکرہ ہے اور نہ ہی اس کے ہبہ کرنے کا ذکر ہے؛ اس لئے مکان میں تمام شرعی وارثان کا حق متعلق ہوگا۔ اور محمد ہارون کی وفات کے وقت جتنے شرعی وارث موجود تھے، ان سب کا شرعی حق اس مکان میں سے نکلے گا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک یجوز لک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضی في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم یقبض، فهو میراث، قال: فدعوت یزید الرشک، فقسمها. (السنن الکبری للبیهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفکر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸٦)

وتصح بالإیجاب والقبول والقبض ...... قوله علیه السلام: لا یجوز الهبة إلا مقبوضة. (هدایة، کتاب الهبة، أشرفي دیوبند ۳/ ۲۸۳)

وتتم بالقبض الکامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا یتم إلا بالقبض. (شرح المجلة رستم، إتحاد ۱/ ٤٦۲، رقم المادة: ۸۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۳ھ

شئ موہوب میں وراثت کی شرعی حیثیت

سوال [۹۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد صاحب نے ایک مکان تقریباً ۱۶۰؍ گز (ایک سو ساٹھ گز) میرے نام ہبہ کیا اپنی حیات میں باہوش وحواس، میرے والد کی پہلی بیوی میری والدہ ہاجرہ خاتون تھیں، ان سے میں اور میری بڑی بہن جمیلہ خاتون تھیں، دوسری بیوی افسری بیگم تھیں، ان کے چار لڑکے: اظہر الدین، رئیس الدین، منہاج الدین، نعیم الدین اور تین لڑکیاں: ناظرہ بی، شبانہ بی، ریحانہ بی پیدا ہوئے۔ رئیس الدین کا انتقال ہو چکا ہے، والد صاحب نے یہ مکان ۱۹۷۸ء میں ہبہ کیا اور ۱۹۸۰ء میں بذریعہ عدالت بیان دے کر پختہ کیا، افسری بیگم کا انتقال ۱۹۸۵ء میں ہوا اور میرے والد صاحب کا انتقال ۱۹۸۳ء میں ہوا، اس سلسلے میں میرے اور

مندرجہ بالا کے درمیان مقدمہ عدالت میں زیر سماعت رہا اور اظہر الدین وغیرہ کے خلاف ڈگری ہوئی اور کمرہ خالی کرنے کے لئے حکم ہوا، میری خدا کے فضل وکرم سے فتح ہوئی۔ براہ کرم فتویٰ عنایت فرمائیں کہ اس ہبہ شدہ مکان میں میرے اور بھائی بہنوں کا کوئی حصہ نکلتا ہے یا میں تنہا مالک ہوں؟

المستفتی: ممتاز الدین محلّہ کسرول کاٹھ کا پل نزد مسجد بڑھیا والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے ممتاز الدین کو پورا مکان ہبہ کر کے قبضہ دے دیا تھا اور جس حصہ میں آپ کے والد رہا کرتے تھے، اس کا آپ کے والد آپ کو کرایہ ادا کرتے تھے اور یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست بھی ہے، تو آپ کے حق میں پورے مکان کا حصہ صحیح ہو گیا ہے، دوسرے ورثاء کا حق اس میں متعلق نہ ہوگا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي اللہ عنه– قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث.

(المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچی ٥/ ٦٩٠، هداية، أشرفي ٣/ ٢٨٣)

والتبرع لا يتم إلا بالقبض، فإذا وهب أحد لآخر شيئا لا تتم هبة إلا بقبضه. (شرح المجلة رستم، إتحاد ١/ ٤٢، رقم المادة: ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۶ھ

شئ موہوب میں وراثت جاری ہوگی یانہیں؟

سوال [۹۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں۔ اورزید کے دوطرح کی جائیداد ہیں، رہائشی اور زرعی، زید نے ان تین لڑکیوں میں سے ایک کو اپنی حیات میں کچھ جائیداد (زمین کی شکل میں) سرکاری رجسٹری کے ذریعہ اس کے نام کردیا، بقیہ ورثاء اس سے راضی ہیں یانہیں اس کا علم نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ میں اس لڑکی کے نام کی ہوئی زمین کو شامل کیا جائے گا یانہیں؟ اورصرف زرعی زمین تقسیم ہوگی یادونوں؟ اس سلسلے میں مدلل ومفصل شرعی حکم بیان فرماکر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: عبدالاحد قاسمی مدھوبنی، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر باپ نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ایک بیٹی کے نام رجسٹری کراکے ہبہ کی نیت سے اسے قبضہ دلایا تھا، تو وہ لڑکی اس زمین کی شرعاً مالک ہوگئی، اب والد کے انتقال کے بعد ہبہ کردہ زمین مذکورہ لڑکی کو دے کر باقی ماندہ جائیداد (رہائشی اور زرعی دونوں) وارثین کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگی؛ البتہ زندگی میں ایک لڑکی کو دے کر دوسری اولاد کو محروم کرنے کے سبب باپ عنداللہ مواخذہ دار ہوگا۔

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنه– أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه. (بخاري شريف، كتاب الهبة، باب الهبة للولد الخ ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٤، ف: ٢٥٨٦)

الهبة للولد الكبير لا تتم إلا بقبضه. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ديوبند ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة.

(البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨)

لا شك أن أعيان الأموال يجرى فيها الإرث. (تاتارخانية ٢٠/ ٢١٣، رقم: ٢٣٠٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۲۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

ہبہ مکمل ہونے کے بعد وہ ترکہ میں شامل نہ ہوگا

سوال [۹۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش یہ ہے کہ ہمارے والد نور الٰہی صاحب مرحوم نے ایک مکان اپنے ذاتی سرمایہ سے خریدا، نور الٰہی صاحب مرحوم کی اولاد میں صرف ہم دو قمر جہاں و چندا بی لڑکیاں ہیں، ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں چند احباب کے سامنے زبانی ہبہ کر کے ہم دونوں بہنوں کو قمر جہاں و چندا بی کا مکان پر قبضہ کرا دیا اور کہا کہ تم دونوں قمر جہاں و چندا بی بہنیں اس مکان کی مالک ومختار ہو، ہمارے والد صاحب کے دو بھائی احسان الٰہی صاحب مرحوم اور محبوب الٰہی اور ایک بہن شاہجہاں ہیں۔ والد صاحب کے مرنے کے بعد ہمارے چچا احسان الٰہی صاحب نے ہم پر دعویٰ تقسیم کا عدالت میں کر دیا، کچھ عرصہ بعد ہمارے چچا احسان الٰہی صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، ان کے بعد ایک بھائی ایک بہن اور بیوی ایک لڑکی جو کہ اپنے شوہر کے ساتھ علیحدہ مکان میں رہتی ہے، ان کو اس مکان کا وارث مقدمہ بنا دیا گیا، آپ یہ بتائیے گا کہ یہ دعوئے تقسیم اور وارث قائم کرنا کس حد تک جائز ہے، یا یہ کہ اس مکان میں ان کا

حصہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ جب کہ کچھ آدمیوں عزیزوں کے سامنے مکان کو ہبہ کردیا ہے، کیا کہتے ہیں علماء دین؟ فقط والسلام۔

المستفتی: دختران نورالٰہی مرحوم، قمر جہاں، چندابی، فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نورالٰہی مرحوم نے اپنی زندگی میں بحالت صحت مکان مذکور اپنی لڑکی قمر جہاں اور چندابی کے نام ہبہ کرکے قبضہ بھی دے دیا ہے، تو شرعی طور پر ہبہ کامل ومکمل ہو چکا ہے؛ لہٰذا نورالٰہی کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء میں سے کسی کا کوئی حق ہبہ شدہ جائیداد کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔ اور ان کا اپنے حق کے لئے دعویٰ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي اللّٰه عنه– قضی في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث.

(المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۰/ ۵۲۱، رقم: ۲۰۵۰۲)

الهبة تصح بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض. (الجوهرة، کتاب الهبة، إمداديه ملتان ۲/ ۹، دارالکتاب ديوبند ۲/ ۱۰، مختصر القدوري، ص: ۱۳۵، هداية، أشرفي ۳/ ۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۱؍۱۴۱۳ھ

ہبہ تام میں وراثت جاری نہیں ہوتی

سوال [۹۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب صرف دو بھائی ہیں، میرے دادا صاحب نے اپنی حیات میں ہی کچھ

زمین میرے والد صاحب کے نام بطور تبرع کے کردی تھی، چونکہ وہ معاشی اعتبار سے کمزور تھے، جب دادا صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی تمام متروکہ اشیاء میرے چچا صاحب کے قبضہ میں تھیں، انہوں نے ان کو اپنے صرفہ میں کرلیا اور میرے والد صاحب کو کچھ بھی نہیں دیا اور اب وہ والد صاحب سے اس زمین کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں جو دادا صاحب نے اپنی زندگی میں انتقال سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے رجسٹری یعنی بیع نامہ کردی تھی، اس وقت سے مالک وقابض والد صاحب ہی چلے آرہے تھے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس زمین میں بھی میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ وہ تمام اشیاء جو چچا صاحب کے پاس قبضہ میں تھیں، ان میں والد صاحب کا حصہ تھا یا نہیں؟

المستفتی: شفیق احمد قاسمی، کوتوالی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے دادا نے جب باضابطہ بیع نامہ کر کے قبضہ میں دے دیا تھا، تو شرعاً وہ جائیداد آپ کے والد کی تنہا ملکیت ہوچکی ہے، اس میں کسی وارث کا حق نہیں ہے۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز لک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قضى في الأنحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشک، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸٦)

الهبة: عقد مشروع –إلى قوله– وتصح بالإيجاب والقبول والقبض.

(هداية، كتاب الهبة، أشرفي ۳/ ۲۸۳، مختصر القلوري، ۱۳۵)

اور پھر آپ کے دادا کی وفات کے وقت ان کی ملکیت میں جو کچھ تھی، اس میں آپ کے والد کا بھی شرعی حق ہے، جو میراث میں حصص شرعی کے طور پر ملتا ہے؛ لہٰذا دادا کا ترکہ

جس کے قبضہ میں ہے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام حق داروں کو ان کا حق دے دے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۴۴)

شئ موہوب میں موہوب لہ کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں

سوال [۹۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یعنی ساجد وخالد کے والد محمد یونس مرحوم کی نانی صاحبہ جمنی بی نے اپنی بیٹی ہاجرہ بی اور داماد جان محمد کے ہوتے ہوئے اپنی جائیداد مکان نمبر: ۵۰۰/۱ اپنے تین نواسوں (محمد یونس، محمد متین، محمد ایوب) کو Gift (تحفہ) کے طور پر رجسٹری کرا کے دے دیا تھا، ۵۰۰/ سال پہلے سرکاری ریکارڈ پر انہیں تین نواسوں کا نام باقاعدہ خسرا کاپی پر لکھا ہوا ہے، یہ تین نواسے جمنی بی کی بیٹی ہاجرہ کے بیٹے ہیں، ان تینوں کے علاوہ اور بھی بیٹی اور بیٹے ہاجرہ کے ہیں، ہم دونوں بھائی ساجد وخالد اسی مکان میں رہتے ہیں، یہ مکان ہمارے دادا جان محمد کی ساس صاحبہ جمنی بی کا تھا، جنہوں نے اپنے تین نواسوں کو دیا ہے، جان محمد کی اپنی کوئی جائیداد نہیں تھی، ہمارے والد محمد یونس صاحب کا انتقال جمنی بی کے انتقال کے بعد اور جان محمد کے انتقال سے پہلے ہوا ہے، جان محمد کی اولاد ان تینوں کے علاوہ اور بھی ہے، متین اور ایوب، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مکان نمبر: V-500 جان محمد کے تمام وارثوں میں تقسیم ہونا چاہئے، ان لوگوں نے مقامی پنچ صاحبوں کو جمع کیا، پنچ لوگ بھی کہتے ہیں کہ جان محمد کے تمام وارثین کا حصہ ہونا چاہئے، ہمیں اس پر مجبور کیا جارہا ہے، جب کہ یہ جائیداد جمنی بی کی ہے، نہ کہ جان محمد کی۔ اور پنچ صاحبوں کو شرعی جانکاری نہیں ہے اور نہ ہی شرعی طور پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، مذکورہ مکان کی

شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟ کیا مکان صرف ان تین نواسوں کا ہے (محمد یونس، محمد متین، محمد ایوب) یا اور بھی وارثین کا حصہ بنے گا شرعاً؟ پنچ صاحبوں کا شرعی فیصلہ صحیح ہے کہ نہیں یا غیر شرعی فیصلہ پر مجبور کرنا ہے، کیا ہم ان کے فیصلے کو قبول کرلیں؟ مہربانی فرما کر شرعی تقسیم و فیصلے سے آگاہ کیا جائے۔

المستفتی: محمد خالد ومحمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جمنی بی نے صرف مذکورہ تینوں نواسوں ہی کو ہبہ کردیا تھا اور زندگی میں ان کو قبضہ دے دیا تھا، تو اس جائیداد میں کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہوگا، صرف انہیں تینوں کی ملکیت ہوگی۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أبي نصف داره، فقال أبو بردة: إن سرک أن تجوز ذلک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب –رضي اللّٰہ عنه– قضی في الأنحال ما قبض منه فهو جائز، وما لم يقبض منه فهو ميراث.

(المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من قال: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة، موسسة علوم القرآن، جديد ١٠/ ٥٢١، رقم: ٢٠٥٠٢)

والقبض لابد منه لثبوت الملک (قوله:) **ولا يجوز الهبة إلا مقبوضة الخ.** (هداية، كتاب الهبة، أشرفي ٣/ ٢٨٣، شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٤٢، رقم المادة: ٥٧، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٧٤، جديد ٤/ ٣٩٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۳۶)

شئ موہوب پر قبضہ کے بعد اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی

سوال [۹۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے اپنے قدیمی مکان سے رہائش ختم کر کے دوسرا مکان بنالیا ہے اور چند سال سے رہائش بھی ہے، اپنی بیوی اور لڑکے لڑکیوں کی رضامندی سے کسی صاحب کو ہبہ کر دیا اور تحریر لکھ دی، زید کا ایک لڑکا جو ہندوستان سے باہر ملازمت کرتا ہے، وہ باپ کی اس عطا پر راضی نہ تھا اور نہ ہے، مگر جب باپ کو اس کی ناراضگی کا علم ہوا تو کہا کہ میں زمین خرید کر اس کو دے چکا ہوں، جس پر اس نے مکان بنوایا ہے، اس مکان میں کوئی حصہ نہیں۔ زید کا تقریباً ایک ماہ بعد انتقال ہوگیا اور اس کی ناراضگی بحالہ رہی، تو اس کی والدہ یعنی زید کی بیوی نے شوہر کی بات کو مضبوط کرنے کے لئے رجسٹری کرادی، علاوہ ازیں زید کے مرحوم لڑکے کا ایک یتیم لڑکا ہے جو دادا، دادی اور چچاؤں کی کفالت میں تھا اور ہے۔ یتیم بچہ کی ماں دوسری جگہ نکاح کر چکی ہے، بچہ دادی کے پاس رہتا ہے، کیا وراثت میں اس یتیم کا بھی حصہ ہے، اگر ہے تو کتنا؟ اب موجودہ صورت میں جب کہ زید کی بیوی نے لڑکے اور لڑکیوں کی رضامندی سے رجسٹری کرادی ہے اور اس لڑکے کو جو متفق نہیں بقول مرحوم باپ نے زمین خرید کر دے دی تھی اور یتیم بچہ کے لئے دادی اور چچا زمین خرید کر دینے کو تیار ہیں کہ بعد بلوغت وسعت ہونے پر مکان بنوالے جب تک دادی اور چچا پرورش کر رہے ہیں، کیا اس صورت میں جو ہبہ کرنے کے بعد قبضہ ہے، صحیح ہے لینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: نورالعابدین، باروگردان کالونی نولگڑھ، جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اگر ہبہ کر کے موہوب لہ کو قبضہ دے دیا تھا اور اب بیوی اور بچوں نے محض قانونی خانہ پری کرنے کے لئے رجسٹری کر دیا ہے، تو ان کا یہ کرنا صحیح ہے اور لینے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اور اگر اپنی زندگی میں قبضہ نہیں دیا تھا تو اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی کے رجسٹری کرا دینے سے ہبہ تام نہیں ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں اس مکان میں زید کے ناراض لڑکے اور دیگر وارثین کا حق متعلق ہو جائے گا۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما

بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ١٠/ ٥٢٠، رقم: ٢٠٤٩٥)

قال ابن عابدين تحت قوله: بطل يعني عقد الهبة، أي لانتقال الملك للوارث قبل تمام الهبة. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠٧، كراچی ٥/ ٧٠١)

نیز زید کے مرحوم لڑکے کے یتیم بچے کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں؛ اس لئے کہ زید کے بیٹے موجود ہیں اور بیٹوں کی موجودگی میں پوتے محروم ہوتے ہیں۔

أولهم بالميراث جزء الميت، أي البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا.

(سراجي، نعيميه، ص: ٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴/۶۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۲۰ھ

پوتے کے نام کردہ زمین میں وراثت کا حکم

سوال [۹۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک عالم دین ہے، زید کے دادا کی بہن نے اپنی جائیداد اپنی حیات میں زید کے نام کردی تھی اور زید کے پاس بیع نامہ موجود ہے، اس نیت سے کہ وہ اس میں مدرسہ قائم کرکے صدقۂ جاریہ کا سلسلہ شروع کرے گا، زید کے دادا کی بہن کے وارثین میں صرف ان کے تین بھتیجے موجود ہیں اور کوئی نہیں ہے، نہ ان کا شوہر ہے اور نہ ہی کوئی آل واولاد ہے، دادی کے انتقال کے بعد ان کے سب سے بڑے بھتیجے زید سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ جائیداد ہماری میراث ہے، تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، بقیہ دوسرے دو بھتیجے زید کے لئے اس ہبہ پر

راضی ہیں، جب کہ ان کے بڑے بھتیجے نے دادی کی زندگی میں ان کی خوب نافرمانی کی تھی اور آخر کار تنگ آ کر زید کے گھر رہنے لگی اور زید کے گھر والوں نے دادی کی ۶ ر سال تک پوری خدمت کی ہے اور زید ہی کے گھر میں ان کا انتقال ہوا ہے، تو مفتی صاحب سے دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس صحرائی جائیداد میں دادی کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجوں کا وراثت کا دعویٰ کرنا درست ہے، جب کہ دادی نے وہ صحرائی جائیداد اپنی حیات میں زید کے نام کر دی تھی، اب زید ان کی منشاء کے مطابق اس زمین پر مدرسہ قائم کرنا چاہ رہا ہے، تو کیا زید کا یہ ارادہ درست ہے؟ اس بارے میں جو بھی حکم شرعی ہو بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشد میرٹھی ذاکر کالونی، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے نام رجسٹری کر کے بیع نامہ کر دیا ہے، تو زید اس کا مالک ہو چکا ہے، اس میں کسی وارث یا غیر وارث کا حق متعلق نہیں ہو سکتا؛ لہٰذا زید کا اس زمین پر مدرسہ وغیرہ قائم کرنا بلا تردد جائز ہے۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال: قال عمر –رضي الله عنه– ما بال رجال ينحلون أولادهم نحلا، فإذا مات أحدهم قال: مالي وفي يدي، وإذا مات هو قال: قد كنت نحلته ولدي، لا نحلة إلا نحلة يحوزها الولد، أو الوالد. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض، موسسة علوم القرآن ۱۰/ ۵۲۰، رقم: ۲۰۴۹۵)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

المالک للشيء هو الذى يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل في بيان ما يبطل به الخيار، زكريا ۲/ ۶۳۸، كراچی ۲/ ۳۲۷)

ولو كان ولده فاسقا، وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه

عن الميراث، هذا خير من تركه. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ۷/ ٤٩٠، كوئٹه ۷/ ۲۸۸، هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ۳۹۱، جديد ٤/ ٤١٦، بزازية، زكريا جديد ۳/ ۱۲۳، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲۳۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ۲۱۷۲٥، قاضي خان، زكريا جديد ۳/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۴ھ

بیوی کو ہبہ کئے گئے مکان میں لڑکے کا حصہ مانگنا

سوال [۹۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مکان خرید کر اپنی بیوی کے نام رجسٹری کر کے دے دیا تھا، میرے تین لڑکے ہیں، ایک لڑکی ہے، ہم دونوں میاں بیوی حیات ہیں، ہمارا بڑا لڑکا شادی شدہ نافرمان ہے اور اپنے بھائی بہن سے بھی جھگڑا کرتا ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ مکان مذکور میں اپنا حصہ مانگتا ہے، جب کہ ابھی ہم دونوں میاں بیوی حیات ہیں، دیگر لڑکے لڑکی کی شادی وغیرہ ہونی ہے، تو کیا اس کو شرعاً کوئی حصہ مل سکتا ہے؟ جب کہ نافرمان ہے، برا سلوک کرتا ہے، شریعت کا حکم تحریر فرما دیں۔

المستفتی: محمد زاہد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مکان آپ نے خرید کر اپنی بیوی کے نام رجسٹری کر کے مکمل طور پر ان کو مالک بنا دیا ہے، تو وہ ان کی ملک میں داخل ہوگیا اور اس مکان یا ان کی دوسری کسی جائیداد میں آپ کی بیوی کی حیات تک کسی کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے،

ان کواس میں ہرطرح کے تصرف کا حق حاصل ہے،اگروہ زندگی میں اس نافرمان لڑکے کو نہ دیں اور بقیہ کو دے دیں،تواس پر کوئی گناہ ان کونہیں ہوگا۔

إن القبض شرط جواز الهبة. (بدائع، كتاب الهبة، زكريا ٥/ ١٧٠، کراچی ٦/ ١١٩)

و تتم الهبة بالقبض الكامل، فيشترط القبض قبل الموت. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، کراچی ٥/ ٦٩٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ٢/ ٩، دارالكتاب ديوبند ٢/ ١٠)

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶/ ۷۹۶۷)

تکمیل ہبہ کے ثبوت سے قبل اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۹۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کا انتقال ہوگیا،اس نے دو کانیں اور دو مکانات چھوڑے ہیں، ورثاء میں ایک لڑکا، ایک لڑکی ہے، زندگی میں وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ ایک ایک مکان دونوں بھائی بہن لے لو، دوکانوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا،اس کے بعد والدہ کا انتقال ہوگیا، اوراس پر عمل نہیں ہوا؛ کیوں کہ اس کی کچھ تحریر نہیں تھی ،کچھ دنوں کے بعد ایک آدمی میرے پاس آیا اوراس نے کہا کہ تمہاری والدہ نے ایک مکان تمہارے بھائی کو دے دیا ہے اوراس بات کا گواہ اپنے آپ کو بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ بات میرے سامنے ہوئی ہے،اس آدمی کا میرے بھائی کے گھر آنا جانا ہے، بھائی نے اس مکان کو بیچ دیا ہے، کیا میں اس مکان میں حصہ دار ہوں

یانہیں؟ جب کہ اس دوسرے مکان میں سے بھی میرے بھائی نے ساڑھے چھیاسٹھ فیصدی حصہ لےلیا ہے؟

المستفتية: انور جہاں، محلّہ بھٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ مکان ماں کی طرف سے بھائی کو ہبہ کرنے کا جب تک پختہ ثبوت نہ ہو اس وقت تک اس پورے مکان پر آپ کے بھائی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ اور آپ کو اس مکان میں اپنے حصہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ٢٨٢]

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال. (هداية، كتاب الشهادة، أشرفي ٣/ ١٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۸ھ

ہبہ تام ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کا حصہ طلب کرنا

سوال [۹۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے دادا نے مجھے ایک مکان ۵۵؍گز دے دیا، اسی میں ہم رہتے ہیں، ان کی زندگی میں بھی اسی میں رہ رہے تھے، میرے دادا نے یہ مکان مجھے دے دیا تھا، اس پر گواہان بھی موجود ہیں اور قبضہ بھی مجھے دے دیا تھا، اب ہمارے بھانجے حصہ طلب کررہے ہیں، شرعاً انہیں ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: شفیق احمد کانٹھ کی پلیا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب دادا نے بطور ہبہ ۵۵/گز مکان دے کر قبضہ کرا دیا، مزید براں دادا صاحب نے آئندہ نزاع کو ختم کرنے کے لئے دو گواہ بھی بنا کر دنیا سے چلے گئے، ایسی صورت میں ہبہ شرعاً تام ہوگیا ہے، اس میں بھانجے کا حصہ طلب کرنا ناحق مطالبہ ہے، شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱/ ۴۴۹)

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره، قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز لک فاقبضه، فإن عمر بن الخطاب – رضي الله عنه – قضى في الانحال أن ما قبض منه، فهو جائز، وما لم يقبض، فهو ميراث، قال: فدعوت يزيد الرشک، فقسمها. (السنن الكبرى للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع، دارالفكر ۹/ ۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸٦)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ٤۹۳، كراچی ٥/ ٦۹۰، هندية، زكريا قديم ٤/ ۳۷٤، جديد ٤/ ۳۹٥، بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ۱۷٦، كراچی ٦/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۰)

نابالغ کے ہبہ والی رقم میں تصرف کرنا

سوال [۹۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد صاحب کے انتقال کے وقت تقریباً ہم تین بھائی (۱) محمد یوسف (۲) حافظ عبدالحفیظ (۳) رحمۃ اللہ نابالغ تھے۔ اور آج تک جائیداد کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور یتیم نابالغ کا مال کھایا گیا ہے، تو اس کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر گناہ ہوگا تو اس کی تلافی کی کیا شکل ہوگی؟ اب فی الحال ایک چھوٹا بھائی رحمۃ اللہ ہی نابالغ ہے، اس کے حصہ کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی مدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین، ضلع پنچ محل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نابالغ کے ہبہ میں اس کے خرچ سے زائد خرچ کیا گیا ہے، تو خرچ کرنے والے بالغ ورثاء گنہگار رہوں گے، اس کی تلافی یوں ہوگی کہ جو زائد خرچ کیا گیا ہے اس کا تخمینہ لگا کر ان کے حوالہ کر دیا جائے اور اب رحمت اللہ نابالغ کا حصہ حفاظت سے رکھنا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور اختری ۷/۴۲، معارف القرآن ۲/ ۳۱۶، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۱۸۷، جدید زکریا ۸/ ۱۷۵)

وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا. [النساء: ٢]

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا. [النساء: ١٠]

رجل اشترى لنفسه من مال ولده الصغير أو استهلک مال ولده الصغير، أو اغتصب حتى وجب عليه الضمان. (قاضي خان، الوصايا، فصل في تصرفات الوصي في مال اليتيم وتصرفات الوالد في مال ولده الصغير، زكريا ٣/ ٣٩٢، وعلى هامش الهندية ٣/ ٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۷۴)

موہوب شیٔ میں حق کا دعویٰ کرنا

سوال [۹۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چھدا کے تین بیٹے تھے: امجد حسین، علی حسین، لیاقت حسین، نواب کی زمین ٹھیکہ دار کی معرفت امجد حسین ۲۵؍۱ ایکڑ اور علی حسین کو ۱۳؍۱ ایکڑ اور لیاقت حسین کو ۹؍۱ ایکڑ زمین ملی، چھدا کے کوئی زمین وغیرہ نہیں تھی، اس کا انتقال پہلے ہی ہوگیا تھا، اب امجد حسین کے ایک لڑکا

شفیع احمد، ایک لڑکی نثار بیگم ہیں، علی حسین کے دولڑکے بجھن اور احمد حسین ہیں اور دولڑکی صغریٰ اور چھوٹی ہیں اور لیاقت حسین کے ایک لڑکا کلن ہے، لیاقت حسین کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے کلن کی پرورش اس کے تایا امجد حسین نے کی تھی، اس کے بعد امجد حسین کا انتقال ہوگیا، اب کلن اپنے تایازاد بھائی محمد شفیع کے ساتھ رہا کرتے تھے، امجد حسین کی جائیداد ۲۵؍۱ ایکٹر زمین جو ٹھیکیدار کی معرفت ملی تھی، اس سے سات ایکٹر زمین اس کے لڑکے شفیع احمد نے اپنے چچازاد بھائی کلن کو دے دی تھی۔ نیز ایک دوسرے ٹھیکیدار نے ۱۳؍۱ ایکٹر زمین شفیع احمد کو بطور ہدیہ کے دی تھی، اب اس وقت کلن کے آٹھ لڑکے موجود ہیں، وہ اپنے تایا شفیع احمد سے اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اس ۱۳؍۱ ایکٹر زمین میں سے ہمیں بھی حصہ ملنا چاہئے، نیز شفیع احمد نے اپنے باپ کی جائیداد میں سے ۳؍۱ ایکٹر زمین مسجد کو دینے کا وعدہ کیا ہے، باقی پندرہ ایکٹر میں سے بھی یہ لوگ مطالبہ کررہے ہیں، کیا شرعاً انہیں مطالبہ کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیع شکارپور ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں ۱۳؍۱ ایکٹر زمین جو شفیع احمد کو بطور ہبہ کے مل گئی ہے اور شفیع احمد نے اس میں مالکانہ قبضہ کر کے تصرف بھی شروع کردیا ہے، تو شرعاً شفیع احمد اس کا مالک ہو چکا ہے، تو اب کلن کی اولاد کو اس میں حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں ان کا کوئی حق ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقي، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الکبری للبیهقي، دارالفکر بیروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

وتتم الهبة بالقبض الکامل. (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، قدیم ٢/ ٣٥٣، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٤٩١، درمختار مع الشامي، کتاب الهبة، زکریا ٨/ ٤٩٣، کراچی ٥/ ٦٩٠، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ٣٧٧، جدید ٤/ ٣٩٩، الجوهرة النیرة، إمدادیه

ملتان ۲/ ۹، دارالکتاب دیوبند ۲/ ۱۰، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٥/ ٩١، زکریا ٦/ ٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۳۹)

شئ موہوب کو واہب کے مقصد میں صرف کرنا

سوال [۹۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے مطبخ کے لئے ایک صاحب خیر نے ایک بکرا ہبہ کیا یا صدقہ کیا اور اس کی نیت طلباء کے استعمال کی ہے؛ لیکن کم عمر بچہ ہونے کی وجہ سے ارباب مدرسہ اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو وہ رقم صرف طلباء کے کھانے میں صرف ہوگی یا کسی اور مصرف میں بھی صرف کر سکتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقدوس مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب معطی نے بکرا طلباء کے کھانے کے لئے دیا ہے، تو اس بکرے کو طلبہ کے کھانے میں ہی صرف کرنا لازم ہے، اس کے علاوہ دوسرے مقام پر صرف کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ معطی کی اجازت سے فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ (ایضاح النوادر ۲/ ۵)

کما استفید من هذه العبارة: ولو أن قوما بنو مسجدا وفضل من خشبهم شيء حتى قالوا: يصرف الفاضل في بنائه ولا يصرف إلى الدهن والحصير. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، زكريا ٥/ ٤٢٠، کوئٹه ٥/ ٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۱۹)

۷/ باب الهبة للصغير

خدمت گذار لڑکے کو جائیداد زیادہ دینا

سوال [۱۰۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے زندگی میں چار لڑکوں میں سے تین لڑکوں کو پڑھایا اور ایک کو پڑھا نہیں پایا، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ جس کو پڑھا نہیں پایا اس کو کچھ زیادہ جائیداد دے دوں، کیا میں دے سکتا ہوں؟ جب کہ نہ پڑھنے والا اور اس کے بچے میری خدمت کرتے ہیں۔

المستفتی: خلیل احمد معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اولاد ہونے میں سب برابر ہیں؛ اس لئے ان میں سے ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم دینے کی صورت میں ان کے ساتھ حق تلفی اور زیادتی ہے، جو شریعت میں جائز نہیں ہے؛ اس لئے ان کو جائیداد دینے میں برابری اور مساوات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی لڑکا دیندار، با ادب، عالم دین ہے، اس وجہ سے اس کو زیادہ دینا ہے، تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن دوسروں کو اس سے ضرر نہ ہو اور دوسرے لڑکے اس پر ناخوش بھی نہ ہوں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۴۶، ڈابھیل ۱۶/ ۴۹۸-۴۹۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۴۸-۱۴۹، جدید ۹/ ۳۱۲، امداد الفتاوی ۳/ ۴۷۰)

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير -رضي الله عنهما- وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية، فقالت عمرة بنت رواحة: لا أرضي حتى تشهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية، فأمرتنى أن أشهدک يا رسول الله! قال: أعطيت سائر ولدک مثل هذا، قال: لا، قال:

فـاتـقـوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

ويـكـره تـفـضيـل بـعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠)

لا بـأس بتـفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا فـي العطايا إن لم يقصد به الإضرار. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچي ٥/ ٦٩٦، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضي خان زكريا جديد ٣/ ١٩٣، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۲۱ھ

خدمت گذار اولاد کو ہبہ میں زیادہ دینا

سوال [۹۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شفیع الدین ولد نصیر الدین ساکن محلّہ ڈیر یا مرادآباد میری شادی ۱۹۴۹ء میں چھوٹی نام کی عورت کے ساتھ ہوئی، جس سے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا، جن میں تین لڑکیوں کا انتقال ہوگیا، صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی حیات رہی، لڑکے کا نام رفیق الدین رکھا اور لڑکی کا نام رئیسہ رکھا گیا۔ ۱۹۵٦ء میں میری بیوی کا انتقال ہوگیا، ۱۹٦۱ء میں میں نے دوسری شادی کرلی اور پہلی بیوی کی جو اولاد تھی رفیق الدین اور رئیسہ ان دونوں کی شادی ۱۹٦۵ء میں کردی، رفیق الدین کی پانچ اولادیں ہوئیں، جس میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں اور رئیسہ کے بھی پانچ اولادیں ہیں، جس میں تین لڑکے دو لڑکیاں ہیں۔

اور میں شفیع الدین نے دوسری شادی ۱۹٦۵ء میں کی تھی، میری دوسری بیوی کا نام شکیلہ ہے،

اس سے بھی پانچ اولادیں ہیں، دولڑکیاں تین لڑکے، اس میں سے لڑکیوں کی شادی کردی ہےاور دولڑکوں کی بھی شادی کردی ہے، صرف ایک لڑکا کنوارہ ہے، اب مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ تقریباً ۱۹۰؍گز ہے، جس میں دوکمرہ اور دودروازہ ہیں، میری پہلی بیوی کا لڑکا رفیق الدین جس کی شادی میں نے ۱۹٦۵ء میں کردی تھی، اس کی پانچ اولادیں ہیں، میرے ہی گھر میں دوسری منزل میں رہتی ہیں، اس لڑکے کا ۱۹۸۵ء میں انتقال ہوگیا، صرف اس کی بیوی دولڑکے، جن کی عمر ۱۸-۲۰؍سال ہے اور تین لڑکیاں ہیں ۔اور دوسری بیوی کے تین لڑکے: نعیم الدین، فہیم الدین، معین الدین اور دولڑکیاں نچلی منزل میں رہتے ہیں، جس میں نعیم الدین کی بھی چاراولادیں ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا میری پہلی بیوی کی جواولادیں ہیں ان کواس مکان میں سے شرعی حصہ پہنچتاہے یانہیں؟ اوراگر ان کا حق بنتاہےتو وہ کتنی مقدار میں بنتاہے؟ چونکہ میں ایک بوڑھا شخص ہوں، میری کوئی کمائی کا ذریعہ بھی نہیں ہے، صرف نعیم الدین اور معین الدین کی کمائی پر گھر کا خرچ چلتا ہے، اب آپ خود ہی فیصلہ کرکے بتائیں کہ میں کس طرح ان سب کا حق ادا کروں اور کوئی ناراض بھی نہ ہو؟

المستفتی: شفیع الدین صاحب ڈیریا، مرادآباد

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ کا جواب

بعون الملک الوہاب

بسم الله الرحمن الرحيم، نحمده ونصلي على رسوله الكريم: آپ کی زندگی میں کوئی حصہ اولاد کا نہیں، ابھی آپ مکان کے تنہا مالک ہیں، اگرآپ چاہیں تو ہبہ کرسکتے ہیں، جس میں بہتر یہ ہے کہ لڑکیوں کولڑکوں کے برابردیں۔ درمختار جلد رابع ص:۵۱۳ میں ہے:

وإن قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى.

ہاں اس میں حرج نہیں کہ جواولاد زیادہ خدمت کرتی ہو اسے کچھ زیادہ دے دیں، اسی میں ہے:

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطاء الخ. والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

کتبہ: الفقیر محمد ایوب النعیمی غفرلہ
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ، مرادآباد
مورخہ ۱۱؍ اگست ۲۰۰۴ء

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلی بیوی اور دوسری بیوی کے بطن سے جو آپ کے نطفہ سے اولاد ہیں، سب کا حکم برابر ہے، آپ کی موت کے بعد وہ سب آپ کی جائیداد میں برابر کے حصہ دار ہوں گے، لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا ملے گا، ہاں البتہ رفیق الدین جس کا ۱۹۸۵ء میں انتقال ہوگیا ہے، اس کی اولاد اور اس کی بیوی کا آپ کی جائیداد میں شریعت اسلامی میں کوئی حق نہیں ہے، آپ کی موت کے بعد وہ لوگ آپ کے وارث نہیں ہوں گے۔ اور ان کے علاوہ باقی پہلی بیوی کی اولاد اور دوسری بیوی کی اولاد جو زندہ ہیں وہ آپ کے ترکہ سے میراث کے حق دار ہوں گے۔ اور اگر آپ اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان برابر حصہ دینا آپ کا فرض بنے گا کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر حصہ دینا ضروری ہے، جیسا کہ جامعہ نعیمیہ کے جناب مفتی محمد ایوب صاحب کے جواب میں واضح کیا گیا ہے، ہاں البتہ جو خدمت گذار اولاد ہیں، ان کو اگر زیادہ دینا چاہیں تو شرعی اعتبار سے اس کی بھی اجازت ہے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۷،

مصري قديم ۲/ ۳۵۸، وهكذا في البزازية، زكريا جديد ۳/ ۱۲۳، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲۳۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥)

ويسقطن بالا بن. (سراجي في الميراث، ص: ۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۷۸)

خدمت گذار اولاد کو زیادہ حصہ دینا

سوال [۹۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک مکان ہے، جس کی تقسیم تمام اولاد کو کردی گئی، سب کے حصے ان کی رضا مندی سے دے دئے گئے، ایک قطعہ آراضی باقی بچا ہے، ایک صاحب زادے جو بے روزگار ہیں، اس میں اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں، وہ اس کو اپنے نام منتقل کرانے کو کہتے ہیں، میں تو ان کی ضرورت کے پیش نظر تیار ہوں، مگر دو دوسرے صاحبزادے راضی نہیں، اگر چہ یہ دونوں بڑے خوش حال وفارغ البال ہیں، میں نے ان دونوں سے ایثار وقربانی کے طور پر دینے کو کہا جس کا آخرت میں اجر بھی ملے گا، مگر وہ راضی نہیں ہورہے ہیں، کچھ ان حاجت مند صاحبزادے کی سخت مزاجی اور تلخ کلامی کی وجہ سے جس کے لئے بھی میں ان آسودہ حال صاحبزادوں سے درگذر کرنے کی درخواست کررہا ہوں، مگر وہ حاجت مند صاحبزادے کے رویہ سے اس قدر آزردہ ہیں کہ راضی نہیں ہو پارہے ہیں، اگر چہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سنا دیا کہ جنت کا عمل یہ ہے کہ ''جو برائی کرے اس کے ساتھ نیکی کرو'' فارغ البال صاحبزادوں کے یہاں اپنے حصوں میں آباد ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کے پاس دہلی دہرادون وغیرہ میں کافی رہائشی گنجائش ہے اور ان کے لئے ایثار کرنا آسان ہے، مگر وہ رضا مندی دینے کو تیار نہیں اور یہ حاجت مند اپنی بے روزگاری سے بدحواس وپریشان ہیں اور چڑ چڑانے لگے ہیں اور اسی وجہ سے سخت کلامی پر اتر آتے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ

اپنی سخت کلامی پر معافی مانگ لو، تو اس پر بھی اپنی ہٹ سمجھ کر آمادہ نہیں ہورہے ہیں، تو کیا میں ان کی حاجت مندی ذہنی پریشانی کے پیش نظر بقیہ زائد قطعہ ان کو دے دوں جو دوسروں سے زائد ہوگا؟ کیا میری گرفت تو نہیں ہوگی؟ میں نے ایک کو زائد دے دیا، تین فارغ البال میں سے ایک تو رضا مند ہیں، علاوہ اس کے ایک جائیداد سے جس کے حصوں کے لئے حاجت مند صاحبزادے نے ہی جدو جہد کی ہے، اسی سے حاصل ہونے والے سرمایہ سے ان دونوں معترض صاحبزادوں کو بھی دے دینے کی پیشکش کی ہے، جن کا اس کے حصوں کی کوشش میں کوئی حصہ بالکل نہیں ہے، مگر بد اخلاقی کے رویہ سے اس قدر آزردہ ہیں کہ راضی ہونا گوارا نہیں ہے، یہ حاجت مند صاحبزادے ۲۰؍سال سے میری خدمت کی وجہ سے کہیں باہر بیرون ملک بھی نہیں جاسکے، اس کا اجر بھی اس زائد عطیہ سے شاید کچھ پورا ہوجائے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: تلخیص احمد قاضی ٹولہ بیلداران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں لڑکیوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر لڑکیاں بھی ہیں تو زندگی میں تقسیم کرکے دینے کی صورت میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینے کا حکم ہے، اگر سائل کی لڑکیاں بھی ہیں اور ان کو نہ دے کر صرف لڑکوں کو دے دیا ہے، تو اللہ کے دربار میں سخت پکڑ کا خطرہ ہے، اب رہی یہ بات کہ کمزور لڑکے کی بے روزگاری کی وجہ سے دوسروں کے مقابلہ میں اس کو کچھ زائد دینے میں آپ گنہگار نہیں ہوں گے، مگر لڑکے پر ضروری ہے کہ اپنی زبان پر کنٹرول کرے۔ اور سوال نامہ کے مطابق اس نے باپ کی خدمت بھی زیادہ کی ہے؛ اس لئے اس کو زیادہ دینے میں باپ گنہگار نہیں ہوگا۔

لا بأس بتفضيل بعض الأولاد...... إن لم يقصد به الإضرار. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦)

ولو وهب شيئا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على

البعض عن أبي حنيفةؒ لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، وهو المختار. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠، فتاوى بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۲/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۳۵ھ

نافرمان بیٹے کو جائیداد نہ دے کر فرماں بردار لڑکے کو دینا

سوال [۹۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، دولڑکوں کی شادی ہو چکی اور تین لڑکیوں کی شادی سے فارغ ہو گیا ہوں باقی دولڑکے اور ایک لڑکی شادی کرنے کو باقی ہیں اور میں فالج کا مریض ہوں، کچھ نہیں کرسکتا اور آنکھوں سے بھی مجبور ہوں، میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اور بڑا لڑکا علیحدہ رہتا ہے، اس کے پانچ بچے ہیں اور بڑا نافرمان ہے، میرے مکان میں دو کرایہ دار رہتے تھے، اس نے ان کو پریشان کر کے بھگا دیا، جس سے میری گذر اوقات ہوتی رہتی تھی اور میرا قطعی خیال نہیں کرتا اور اوپر سے سینہ زوری کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تم سے بولنے کی میری طبیعت نہیں کرتی اور تم سے واسطہ رکھنے میں مجھے نقصان ہے اور چھوٹے بھائی کی بیوی کو مارا پیٹا اور بھائیوں کو بھی آئے دن مارتا رہتا ہے، میں اس سے سخت پریشان ہوں اور میرے اوپر یہ تہمت لگا رہا ہے کہ آپ چھوٹے بھائی کی بیوی سے ملے ہوئے ہو، اس لڑکے سے پورا گھر

پریشان ہے، نہ تو آج تک مکان کا ہاؤس ٹیکس ادا کیا اور نہ ہی بجلی کا بل ادا کرتا ہے، اور بجلی کے بل کا اور ہاؤس ٹیکس کا کل روپیہ لگ بھگ -/7500 روپئے اس وقت موجود ہے، آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھ کو اس کا جواب دیں عین نوازش ہوگی۔ اور آدھے مکان پر قبضہ کر رکھا ہے، میں مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، محلّہ والوں نے بھی کافی سمجھایا، مگر وہ کسی بات پر تیار نہیں ہے، میں مکان بیچنا چاہتا ہوں، اس کو اس میں حصہ دیا جائے یا نہ دیا جائے؟ مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حاجی اختر حسین مقبرہ اول نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر نافرمان لڑکے کو نہ دے کر دوسرے فرماں بردار اولاد کو دینا جائز ہے، اس سے باپ گنہگار نہ ہوگا۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۷، مصري قديم ۲/ ۳۵۸، وهكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۴/ ۴۶۲، رقم: ۲۱۷۲۵)

نیز آپ اپنی ملکیت کا مکان فروخت کرنے میں خود مختار ہیں، اس میں لڑکے یا کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ۱/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۲/۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۱۸ھ

اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے بحالت صحت جائیداد بیوی کو ہبہ کرنا

سوال [۹۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) اگر کسی شخص کی اولا دنافرمان ہواوراس شخص کو یہ فکر لاحق ہو کہ بعد میرے مرنے کے میری بیوی کواولاد پریشان کرے گی اور یہ سوچ کر وہ شخص اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد یا مکان اپنی بیوی کے نام ہبہ کردے، تو وہ شریعت اور قانون کی رو سے اس جائیداد کی مالک ومختار ہوجائے گی یانہیں؟

(۲) مذکورہ جائیداد میں اولاد کومداخلت کرنے کا حق حاصل ہوگا یانہیں؟

(۳) ہبہ ہوجانے کے بعد مذکورہ خاتون کو یہ حق حاصل ہوگا یانہیں کہ وہ کسی ایک اولاد کے نام جائیداد کردے ایسا ہونے پر دیگر اولاد کو یہ حق حاصل ہوگا یانہیں کہ وہ مذکورہ جائیداد میں سے اپنا حصہ طلب کریں، ان تمام باتوں کے لئے شریعت اوراسلامی قانون کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے تحریر کریں۔

المستفتیة: شبانہ پروین محلّہ طباقیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگراولاد صحیح معنی میں نافرمان ہیں، تو وہ شخص بحالت صحت اپنی پوری جائیداد بیوی کی ملکیت میں ہبہ کرکے قبضہ دیتا ہے، تو جائز ہے اور قانون شریعت کی رو سے بیوی اس جائیداد کی مالک ہوجاتی ہے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، وهكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ١/ ٧)

(۲) مداخلت کا حق نہیں۔ (۳) دیگر اولاد کو طلب کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ

لڑکا بدکردار ہوتو اپنی جائیداد لڑکی کو ہبہ کرنے کا حکم

سوال [۹۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری دو اولادیں ہیں، ایک لڑکا عمران مجتبیٰ اور ایک لڑکی شیریں مجتبیٰ، میرا لڑکا انتہائی آوارہ اور شرابی ہے، مجھے خطرہ ہے میرے بعد میری جائیداد کو میرا یہ نافرمان شرابی وکبابی لڑکا خورد برد کرکے ضائع کردے گا؛ اس لئے میں بحالت صحت بحالت ہوش وحواس بلاکسی دباؤ کے اپنی جدی رہائشی مکان واقع بازی گران مرادآباد اپنی لڑکی شیریں مجتبیٰ کو ہبہ کرکے مالک بنا دینا چاہتا ہوں، کیا میرے لئے نافرمان لڑکے کو نہ دے کر صرف لڑکی کو ہبہ کردینا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: غلام مجتبیٰ پسر حاجی غلام مصطفیٰ مرحوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکا نافرمان اور فسق وفجور اور شراب نوشی وغیرہ میں مبتلا ہے، تو اس کو نہ دے کر صرف لڑکی کو ہبہ کردینا شرعاً جائز ہے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، وهكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۳)

زندگی میں ایک اولاد کو کل جائیداد کا مالک بنا کر بقیہ کو محروم کردینا

سوال [۹۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: عبدالحکیم مرحوم کے تین لڑکے ہیں، جن میں بڑے لڑکے نے اپنے والد کی کافی خدمت اور فرماں برداری کی ہے، مرنے سے دو سال پہلے مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنی ملکیت اپنے بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کردی ہے، جس پر چھوٹے دو لڑکوں کو سخت اعتراض ہے، کیا یہ بیع نامہ شرعاً درست ہے؟ ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد ابراہیم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر بڑے لڑکے کے حق میں بیع نامہ کر کے مالک بنادیا تھا اور دوسرے وارث کو محروم کرنے کے لئے کیا تھا تو بیع نامہ تو شرعاً جائز رہے گا، لیکن باپ سخت گنہگار رہوگا۔

عن أنس بن مالك – رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن سليمان بن موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٩٦، رقم: ٢٨٥-٢٨٦)

ولو وهب في صحته كل المال لولده جاز وأثم. (الدر مع الرد، كتاب الهبة، مطبع نعمانيه ٤/ ٥١٣، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

گناہ سے بچنے کی صورت یہ تھی کہ سب بچوں میں برابر حصوں کے حساب سے تقسیم کر کے بیع نامہ کردیتے اور زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکی اور لڑکے سب کو برابر حصہ دینا ہوگا۔

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير – رضي الله عنهما – وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية، فقالت عمرة بنت رواحة: لا أرضي

حتى تشهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية، فأمرتني أن أشهدك يا رسول الله! قال: أعطيت سائر ولدك مثل هذا، قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ١/ ٣٥٢، رقم: ٢٥١٥، ف: ٢٥٨٧)

وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتاوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١-٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، فتاوى بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۱۸)

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفریق کا حکم

سوال [۹۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جس کی سات اولادیں ہیں، جس میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ایک عدد ان کی زوجہ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک عدد مکان خریدا اور اپنے لڑکے اور زوجہ کے نام کردیا، باقی ایک لڑکا اور تین لڑکیوں کو کچھ نہ دیا (لڑکیاں تینوں شادی شدہ ہیں) اور ان لوگوں کو اپنی مالیت سے بالکل ناحق کردیا۔ اب یہ لڑکیاں اور لڑکا اپنا حصہ یا حق مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب تم نے ایک مکان میں ہمارے تین بھائیوں کو حصہ دیا ہے تو ہمارا

بھی حصہ دو، جب کہ ہم بھی تمہاری ہی اولاد ہیں، پھر ہمیں کیوں ناحق کیا گیا؟ تو والد محترم فرماتے ہیں کہ میں ابھی زندہ ہوں میری زندگی میں کیوں مانگ رہے ہو؟ میں تم تینوں لڑکیوں کو تین دوکانیں بنوا کردوں گا۔اورلڑکے کو اپنی بیوی کا حصہ لیکن ان لڑکیوں کی نظر میں یہ غلط ہے، وہ چاہتی ہیں کہ ہمیں برابر سے ملے نہیں تو پھر شرعاً جو ہمارا حصہ ہوتا ہو وہ ملے، یہاں ہم کو نیچے لکھے کچھ سوالوں کے جواب بطور فتویٰ چاہئے، آپ کی مہربانی ہوگی شکریہ۔
لڑکیوں کے والد نے ان کا حق نہ دے کر کیا گناہ کیا؟ اگر گناہ کیا تو کس سزا کے خدا تعالیٰ کے یہاں حق دار ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بحالت صحت اگر باپ اپنی بعض اولاد کو دولت میں سے کچھ دے دے اور بعض کو نہ دے تو باپ کا دینا جائز ودرست ہے؛ البتہ باپ اولاد کے درمیان یکسانیت اور برابری نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

عن النعمان بن بشير –رضی اللہ عنه– قال: تصدق علي أبي ببعض ماله –إلي– فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: اتقوا اللہ واعدلوا في أولادكم، فرجع أبي فرد تلك الصدقة. (صحيح مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الوالد في الهبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۲۳)

وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتاوى. ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز، وأثم. الخ (الدرالمختار، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۵۰۱-۵۰۲، كراچی ۵/ ۶۹۶، قاضي خان، زكريا جديد ۳/ ۱۹۴، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا جديد ۴/ ۴۱۶، زكريا قديم

٤/ ٣٩١، فتاوى بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، البحر الرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨)

اورسزا کیا ہوگی وہ اللہ کومعلوم ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۰۴۲)

لڑکے کو الگ کرنے کی صورت میں جائیداد کی تقسیم

سوال [۹۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور عمر دونوں بھائی ہیں، ان کی ایک بہن زینب ہے اور ان کے والدین بھی حیات ہیں، بھائی میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے والد صاحب اپنے لڑکے کو الگ کرنا چاہیں تو ان کے لڑکے اور لڑکی کو حصہ کتنا ملے گا؟ جب کہ زینب کی شادی ہوچکی ہے، زید اور عمر کے والدین کے پاس صرف ۲۵/ روپیہ ہے اور یہ سب آدمی زندہ ہیں، لڑکی کو حق کتنا ملے گا؟ اگر باپ اپنی لڑکی کا حق ادا نہ کرے گا تو قیامت میں پکڑ بھی ہوگی؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: باپ کو چاہئے کہ وہ لڑکوں کو اور لڑکی کو برابر حصہ دے، کسی کے حصہ میں کمی زیادتی نہ کرے، اگر باپ اپنی لڑکی کو حصہ نہ دے گا تو گنہگار ہوگا اور اللہ کے یہاں پکڑ ہوگی۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن سليمان بن موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا

فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٩٦، رقم: ٢٨٥-٢٨٦)

عن شعبي قال: سمعت النعمان بن بشير –رضي الله عنهما– يقول: أعطاني أبي عطية –إلى– فقال: أعطيت سائر ولدک مثل هذا، قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الوصايا، في الرجل يفضل بعض ولده على بعض، مؤسسة علوم القرآن ١٦/ ٢٠٠، رقم: ٣١٦٣٦)

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة.

(البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كراچی ٧/ ٢٨٨)

يعطي للابنة مثل ما يعطي للابن ...... والفتوى على قول أبي يوسف.

(قاضي خان، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۹۱)

کیا والد کو نافرمان لڑکوں کو محروم کرنے کا حق ہے؟

سوال [۹۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور دوسری بیوی سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے؛ لیکن پہلی بیوی بغیر طلاق دیئے اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی، بچہ بھی ساتھ چلا

گیا، جب کہ زید سخت بیمار بھی رہتا تھا، اب لڑکا جوان ہے، زید نے کئی دفعہ اپنی بیماری کی وجہ سے لڑکے کو بلایا؛ لیکن لڑکا نہیں آیا، یہاں تک کہ زید نے کہا کہ اگر تم نہیں آئے تو تم کو جائیداد میں سے کچھ بھی نہیں دیں گے، اس کے باوجود لڑکا نہیں آیا، تو اب چونکہ زید بیمار رہتا تھا اور لڑکے نے کوئی آرام نہیں پہنچایا، اس لئے زید دوسری بیوی سے جو بچے ہیں، ان کو اپنی زندگی میں پوری جائیداد نام کر دینا چاہتا ہے اور پہلی بیوی سے جو لڑکا ہے اس کو کچھ بھی دینا نہیں چاہتا ہے، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پہلی بیوی جو شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی ہے اور بالغ لڑکے نے باپ کی حکم عدولی اور نافرمانی کے ساتھ زید سے گریز کیا ہے، جو لڑکے کے لئے کسی طرح جائز نہیں تھا، تو اس طرح نافرمان لڑکے کو کچھ نہ دے کر مطیع اور فرماں بردار لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان دولت تقسیم کر دینا جائز ہے؛ لہٰذا فرار شدہ بیوی کی اولاد میں سے جو بالغ نافرمان ہیں، ان کو محروم کر دینا جائز ہوگا اور نابالغ اور فرماں بردار کو محروم کر دینا جائز نہ ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دارالسلام، رقم: ۲۷۰۳)

عن سليمان بن موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

وإن أراد أن يصرف ماله إلى الخير وابنه فاسق، فالصرف إلى الخير أفضل من تركه له؛ لأنه إعانة على المعصية، وكذا لو كان ابنه فاسقا لا يعطيه أكثر من قوته. (بزازية، كتاب الهبة، الفصل الأول، الجنس الثالث زكريا، جديد ۳/ ۲۳ ۱، وعلى هامش الهندية ٦/ ۲۳۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ۲۱۷۲۵)

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحر الرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

نافرمان اولاد کو محروم کرنے سے والدین گنہگار نہیں ہوں گے

سوال [۹۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نسیم احمد صابر ولد جمال احمد مرحوم، ساکن کسرول مرادآباد میرے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں، اور چاروں لڑکوں میں سے ایک لڑکا بنام محمد ناصر عرف نوری کو میں نے لاکھوں روپئے خرچ کر کے اعلیٰ تعلیم دلائی اور گلبرگہ کرناٹک کی یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری دلائی، مگر اس لڑکے نے میرے اور میری بیوی دونوں کے ساتھ ایسی ایسی گندی حرکتیں کی ہیں کہ نافرمانی کی حد کردی، میں ایسے نافرمان لڑکے کو اپنی جائیداد اور سرمایہ میں سے ایک پیسہ بھی نہیں دینا چاہتا اور میں اپنی ہی زندگی میں ساری جائیداد اور سرمایہ اس نافرمان لڑکے کو چھوڑ کر دیگر اولادوں کے درمیان تقسیم کردینا چاہتا ہوں، کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ نافرمان بیٹے کو کچھ نہ دے کر فرماں بردار اولاد کے درمیان اپنا سرمایہ تقسیم کردیا جائے؟

المستفتی: نسیم احمد صابری، محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نسیم احمد صابری کے بیٹے محمد ناصر عرف نوری کے بارے میں سوال نامہ میں ماں باپ کا نافرمان اور سرکش ہونے کی جو وضاحت کی گئی ہے اور وہ بھی

لاکھوں روپئے خرچ کرکے ماں باپ نے انجینئرنگ کی ڈگری دلائی، پھر بھی ماں باپ کا ایسا سخت نافرمان ثابت ہوا جس کے نتیجے میں ماں باپ پریشان پھر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں ماں باپ کے لئے جائز ہے کہ اپنی ساری جائیداد اور سرمایہ فرماں بردار اولاد کے درمیان تقسیم کردیں اور نافرمان لڑکے کو کچھ نہ دیں اور شرعی طور پر نافرمان لڑکے کو کچھ نہ دینے سے ماں باپ گنہگار نہیں ہوں گے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨)

إن كان التفضيل بالزيادة فلا بأس بذلک، وإن كان في البر سواء لا ينبغي أن يفعل ذلک، وإن كان له ولد فاسق لا يعطيه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٢٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۱۴/۳۸)

نافرمان بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) محمد کلیم الدین اپنی حیات میں اپنی جائیداد اپنی اولادوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، بیوی بھی حیات ہے، تو اگر زندگی میں تقسیم کرنا ہے، تو شرعاً کس طرح تقسیم کریں؟

(۲) ایک لڑکا نافرمان ہے، اس کو میں نے دوسال پہلے ناحق کردیا ہے، اس کو نہ دے کر بقیہ اولادوں کو دے دوں، تو کیا گناہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: کلیم الدین محلّہ جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلیم الدین اگر اپنی حیات میں ہی اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اور بیوی کے لئے جو حصہ نکال کر رکھنا چاہیں رکھ لیں، اس کے بعد بقیہ جائیداد تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم کر کے قبضہ دلا سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی لڑکا نافرمان ہے، اس کو نہ دے کر دوسری اولادوں میں برابر کر کے تقسیم کر دیں، تو گنہگار نہ ہوں گے اور زندگی میں تقسیم کرتے وقت لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینے کا خیال رکھنا چاہئے۔

عن النعمان بن بشير –رضی الله عنه– قال: تصدق علي أبي ببعض ماله –إلی– فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: اتقوا الله واعدلوا في أولادكم، فرجع أبي فرد تلك الصدقة. (صحيح مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الوالد في الهبة، النسخة الهندية ٢/ ٣٧، بيت الأفكار، رقم: ١٦٢٣)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم مكتبه إتحاد ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠)

قال الطيبيؒ: فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، فلا يفضل بعضهم على البعض. (شرح الطيبي، كتاب البيوع، باب الهبة، الفصل الأول، كراچی ٦/ ١٨١، تحت رقم الحديث ٣٠١٩)

يعطي الابنة مثل ما يعطى الابن، وعليه الفتوى، وهو المختار. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦)

وعلی جواب المتأخرین لا بأس بأن یعطی من أولاده من کان عالما متأدبا، ولا یعطی منهم من کان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۴۹۷، مصري قدیم ۲/ ۳۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۷/۳ھ

نافرمان بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک مکان ایک سو چالیس گز کا ہے، میرے ہی نام ہے، میرا ایک بیٹا ہے، دو لڑکیاں ہیں، بیٹا نافرمان ناخلف ہے، مجھے بھی مارتا ہے اور میری لڑکیوں کو بھی مارتا اور ستاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مکان کا میں مالک ہوں یا نہیں؟ میں اپنے اس مکان کو اپنی زندگی میں فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: عبداللطیف عرف جمعہ بابو، بیگم والی مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی زندگی میں اپنی تمام جائیداد کے مالک تنہا آپ (عبداللطیف عرف جمعہ بابو) ہیں، آپ کو اس میں ہر طرح کے تصرف کا مکمل اختیار ہے، جسے چاہیں، ہبہ کردیں یا فروخت کردیں؛ بلکہ اگر نافرمان لڑکے کو نہیں دیں گے، تو گنہگار نہ ہوں گے، آپ کے نافرمان بیٹے کا آپ کی حیات میں اس جائیداد میں کوئی حق نہیں ہے، اس کا مکان کی ملکیت کا دعویٰ کرنا سراسر ظالمانہ وغاصبانہ دعوی کرنا ہے، وہ آپ اور بہنوں کے ساتھ بدسلوکی اور زدوکوب کرنے کے سبب سخت گنہگار اور فاسق ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ انتہائی ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ کے حضور میں توبہ واستغفار کرے۔

عن عبدالله بن عمرو –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: رضا الرب في رضا الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد. (ترمذي، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، دارالسلام، رقم: ۱۸۹۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۶/ ۳۷۶، رقم: ۲۳۹۴، المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۸۹، قديم ۴/ ۱۳۲، رقم: ۷۲۴۹)

عن سعيد بن زيد –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أخذ شبرا من الأرض ظلما، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/ ۳۳، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۴، رقم: ۳۰۹۴، ف: ۳۱۹۸، مشكوة المصابيح/ ۲۵۵)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلی ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم مكتبه إتحاد ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

إن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال، زكريا ۷/ ۱۰، كراچی ۴/ ۵۰۲)

ولو كان ولده فاسقا، وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ۴/ ۳۹۱، جديد ۴/ ۴۱۶، البحرالرائق، زكريا ۷/ ۴۹۰، كوئٹه ۷/ ۲۸۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۱۱؍ ۱۴۳۱ھ

نافرمان لڑکے کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے لڑکے ہیں دو، وہ ایک ہی جگہ تھے، اب جدا جدا ہوگئے،ان کی والدہ نے کہا میں چھوٹے لڑکے کے پاس رہوں گی، میری بابت کہا تم کہیں رہو میں نے کہا میں لڑکی کے پاس چلا جاؤں گا، میرے بڑے لڑکے نے کہا تم میرے پاس رہو، میری تیمار داری خدمت گذاری بڑا لڑکا ہی کرتا ہے، چھوٹے لڑکے نے میرا مقابلہ کیا، مجھے ناگوار گذرا، میں کچھ آمدنی کا سلسلہ رکھتا ہوں،تو ان روپیوں کا حق دار کون ہے؟ شریعت مطہرہ کی رو سے جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) میرا چھوٹا لڑکا ایک لڑکی لے آیا، اس کے والد نے مقدمہ دائر کردیا، اس مقدمہ میں دونوں کا روپیہ لگا،لڑکی گرفتار ہوگئی،لڑکی کے بیان پر مقدمہ میرے چھوٹے لڑکے کے حق میں ہوگیا، اس کی دونوں بیوی ایک جگہ رہنے لگیں، چھوٹے لڑکے کی شادی پہلے ہی ہو چکی تھی، اب ان دونوں عورتوں نے اس کی والدہ کی خدمت میں بالکل کمی کردی، بیماری میں تیمارداری بھی نہیں کی، ان کی والدہ بہت پریشان، بڑے لڑکے کو معلوم ہوا تو وہ اپنی والدہ کی خبر لینے گیا، اسے دیکھ کر وہ رونے لگیں اور کہا کہ تو مجھے اپنے ساتھ لے جا، وہ والدہ کو ساتھ لے آیا۔ ۱۹۹۷ء سے ہم دونوں ساتھ ہی بڑے لڑکے کے پاس رہتے ہیں،میرے والد کی جائیداد تھی، وہ میں نے فروخت کردی، چھوٹا لڑکا کہتا ہے آدھا روپیہ مجھے دو، بڑا لڑکا کہتا ہے مقدمہ کا خرچ اور والدہ کے خرچ کا روپیہ لو،اب اس میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: برکت اللہ بانس کھیڑی،نوگاواں سادات، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ نہایت شفقت رحم وکرم کا معاملہ کرتے ہوئے سب اولادوں کو ایک نظر سے دیکھنا چاہئے۔حدیث شریف میں اولاد کے

درمیان مساوات وشفقت کا معاملہ نہ کرنے والے کے لئے سخت ترین وعید آئی ہے، لڑکا اگر نافرمان ہے، تو اس کا یہ عمل عند اللہ وعند الناس بہت برا ہے۔ اور یہ سخت ترین گنہگار رہے، اس کو چاہئے کہ باپ سے تمام غلطیوں کی معافی کرا کے باپ کو راضی کرلے، باپ کی ملکیت میں جو کچھ ہے خواہ آمدنی کی شکل میں ہو یا باپ کی جائیداد فروخت کرنے کے نتیجہ میں، اس میں باپ خود مختار ہے، جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ اور باپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ چھوٹے بیٹے کے نافرمان ہونے کی وجہ سے اس کو نہ دے کر بڑے کو دے دے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، كتب خانه رشديه دهلى ۱/ ۷)

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۴۹۷، مصري قديم ۲/ ۳۵۸)

وإن كان له ولد فاسق لا يعطيه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۴/ ۴۶۲، رقم: ۲۱۷۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

نافرمان بچوں کو جائیداد سے محروم کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہے، میرے دو لڑکے نہایت بدتمیز اور مجھے پریشان کرنے والے ہیں، ان دونوں کی شادیاں بھی ہو چکی ہیں، ہر وقت ماں باپ کو ستانا اور تکلیفیں پہنچانا، گالیاں دینا اور جائیداد لینے کے لئے تھانہ میں رپورٹ کرنا ان کا معمول ہے، ان حالات

میں میں اپنا مکان وغیرہ اپنے فرماں بردار بچوں کے نام رجسٹری بیع نامہ کرانا چاہتا ہوں؛ اس لئے کہ فرماں بردار بچے ہی والدین کے خرچ واخراجات برداشت کررہے ہیں، میں تو کوئی کمائی نہیں کر پاتا ہوں،فرماں بردار بچوں میں سے تین بچوں کی ابھی شادی بھی باقی ہے، اہلیہ مستقل بیمار رہتی ہے،اس کے علاج میں کافی رقم لگ رہی ہے، ہمارے فرماں بردار بچے ہی دوا علاج کررہے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کیا شرعاً میرے لئے اس کی اجازت ہے کہ اپنی تمام جائیداد وغیرہ فرماں بردار بچوں کو دے کر مالک وقابض بنادوں؟

المستفتی: حاجی رفیق احمد عرف چھوٹے دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نافرمان بیٹوں کو کچھ نہ دے کر فرماں بردار اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کردینا جائز ہے اورآپ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کے خود مالک ومختار ہیں، آپ کی زندگی میں کسی بھی اولاد کو اپنے حق کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کو یہ اختیار ہے کہ فرماں بردار اولادوں کے درمیان جائیداد رجسٹری کرکے ان کو مالک بنادیں اور نافرمان اولاد کو کچھ نہ دینے کا کوئی گناہ آپ پر نہیں ہوگا۔

ولو كان ولده فاسقا، فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير، ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه؛ لأن فيه إعانة على المعصية. (البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

وإن كان له ولد فاسق لا يعطيه، وينبغي أن لا يعطيه أكثر من قوته كي لا يصير معينا له على المعصية. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥)

وإن كان بعض أولاده مشتغلا بالعلم دون الكسب لا بأس بأن يفضله على غيره، وعلى جواب المتأخرين لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان

عـالـمـا متـأدبـا، ولا يـعـطي من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۳۴ھ

نافرمان اولاد کو زندگی میں تقسیم جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے تین بیٹے ہیں، عمر، بکر، طاہر، زید کے تینوں بیٹے شادی شدہ ہیں، زید کے پاس صحرائی وسکنائی جگہ ہے، زید کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ زید اپنی جگہ کاشت کی اور گھر کی اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردے اور ایک کو نہ دے یا دو کو نہ دے اور ایک کو دے دے یا تینوں کو نہ دیوے؟ ایک بیٹے کو نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایک بیٹا ہم سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہمارا کسی طرح خیال رکھتا ہے، زید کو شرعی اعتبار سے کتنے اختیارات ہیں؟

المستفتی: حافظ حمید الدین محلّہ چودھریان سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی زندگی میں اس کی ساری جائیداد اسی کی ملک ہے، وہ اپنی ملکیت کو جس طرح چاہے استعمال کرسکتا ہے، اولاد کے درمیان تقسیم کرنے یا کسی کو دینے یا نہ دینے کے بارے میں زید پر کسی کو دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ اگر زید اپنی مرضی سے اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کردینا چاہے تو لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے ساتھ برابر دینا لازم ہوجائے گا، ورنہ زید گنہگار رہوگا؛ البتہ اس کی گنجائش ہے کہ جو لڑکا نافرمان ہے اس کو کچھ نہ دے کر دوسری اولاد کے درمیان تقسیم کردے۔

كـل يتـصـرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم مكتبه إتحاد ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة، ولو كان ولده فاسقا، فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير، ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. (عالمگيري، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٠، كراچی ٧/ ٢٨٨)

وينبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا والعدل عند أبي يوسف أن يعطيهم على السواء، وهو المختار، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، قديم: ٢/ ٣٥٨) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۲/ ۱۴۳۱ھ

نافرمان اولاد کو محروم کرنے کا شرعی حکم

سوال [۹۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں قمر الدین ولد مولا بخش محلہ لال مسجد کا رہنے والا ہوں سائل کے تین جوان لڑکے ہیں، ان کی ماں انہیں بچپن میں چھوڑ کر مر گئی تھی، اس کے انتقال کے بعد میں نے عقد ثانی کر لیا تھا، میری دوسری بیوی نے ان تینوں لڑکوں کو مثل اپنی اولاد کے پالا، اب یہ بڑے ہوکر میرا مقابلہ کرنے لگے ہیں اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچاتے ہیں، تمام اثاثہ چھین کر لے گئے اور بے روزگار کر دیا، اب صرف دو مکان ہیں، جس میں نصف کے حق دار بتاتے ہیں، پہلی بیوی کی اولاد ہوتے ہوئے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے میں انہیں کچھ دینا نہیں چاہتا، ایک عرصہ قبل ان کو عاق کر چکا ہوں، میری دوسری بیوی سے تین لڑکے اور ایک

لڑکی ہوشیار اور بالغ ہوگئے ہیں اور شادی کے لائق ہیں، ان کی شادی بھی کرنی ہے اور بیوی بھی حیات ہے، تو کیا پہلی بیوی کے لڑکے زندگی ہی میں اپنی سرکشی سے حصہ لے سکتے ہیں، شرعاً کتنا کتنا دینے کا سائل پابند ہے، زندگی میں بانٹ کر سائل کسی بھی وارث کا دست گریباں نہیں رہنا چاہتا۔

(۱) ایسی صورت میں سائل اپنے لئے کتنا بچا کر رکھے اور کیا عاق کر دینے کے بعد بھی پہلی بیوی سے لڑکے حق پانے کے مستحق ہیں؟

(۲) مجھ سے میری زندگی ہی میں یہ تینوں نافرمان لڑکے اپنا حق پا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) کیا ان تینوں نافرمان لڑکوں کا حصہ ان کے بچوں کے نام یا معاوضہ ان کے نام کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: قمرالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں تمام جائیداد کے خودمختار مالک ہیں، آپ کا دل نہ چاہے تو کسی کو نہ دیں اور آپ کو یہ بھی اختیار رہے کہ فرماں بردار اولاد کو دے کر قبضہ دے دیں اور نافرمانوں کو محروم کر دیں، نیز اگر آپ زندگی میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اختیار سے جتنا چاہیں اپنے لئے رکھ لیں اور جتنا اپنی مرضی سے موجودہ بیوی کو دینا چاہیں دے کر بقیہ کو اپنی فرماں بردار اولاد کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیں اور نافرمانوں کو محروم کر دیں۔

وینبغي أن یعدل بین أولاده في العطایا –إلی قوله– لابأس بأن یعطی من أولاده من کان عالما متأدبا، ولا یعطی منهم من کان فاسقا فاجرا.

(مجمع الأنهر، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٤۹۷، قدیم: ۲/ ۳۵۸، بزازیة، زکریا جدید ۳/ ۱۲۳، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۲۳۷، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱٤/ ٤٦۲، رقم: ۲۱۷۲۵، البحرالرائق، زکریا ۷/ ٤۹۰، کوئٹه ۷/ ۲۸۸، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ۳۹۱، جدید ٤/ ۲۱٦)

نیز اگر آپ نے نافرمان اولاد کو صرف عاق کر کے چھوڑ دیا ہے اور جائیداد آپ کی ملکیت میں رہنے کی حالت میں آپ کا انتقال ہوجائے تو آپ کی میراث میں نافرمان اولاد بھی شریک ہوجائے گی اور شرعاً وہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے ترکہ سے محروم نہ ہوگی، ہاں البتہ اگر آپ اپنی زندگی میں فرماں بردار اولاد کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیں گے، تو محروم ہوسکتی ہے، نیز زندگی میں باپ کی ملکیت میں اولاد کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان کو اپنا حق مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

أما بيان الوقت الذي يجري فيه الإرث ...... قال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحرالرائق، كتاب الفرائض، زكريا ٩/ ٣٦٤، كوئٹه ٨/ ٤٨٨)

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تكملة رد المحتار، كراچی ٧/ ٥٠٥، زكريا ١١/ ٦٧٨، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ٢٦، ٢/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۹)

نافرمان اولاد کو محروم کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل محبوب الاسلام، ساکن موضع سلیم پور کا ہے، میرے یہاں دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی سے تین لڑکے ایک لڑکی ہیں، مذکورہ تین لڑکوں میں سے بڑے دو لڑکوں کی شادیاں ہوچکی ہیں اور ایک لڑکی کی بھی شادی ہوچکی ہے، تیسرا چھوٹا لڑکا غیر شادی شدہ ہے، دوسری بیوی سے دو لڑکے، دو لڑکیاں ہیں، جن میں سے صرف ایک لڑکی کی شادی ہوئی، دو لڑکے اور ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہیں، دونوں بیویوں کی اولاد میں چار کی شادی ہونی باقی ہے، پہلی بیوی کا بڑا لڑکا سخت نافرمان ہے اور میرا جانی دشمن ہے، ایک مرتبہ مجھ پر بندوق سے فائر بھی کر چکا

ہے، نشانہ خطا ہونے کی بنا پر میں بچ گیا، دوسری مرتبہ پھر مجھے ایک موقع پر مارنے کے ارادے سے بندوق اٹھا کر لایا، مگر لوگوں نے چھین لی اور مجھے بچالیا، یہی مذکورہ لڑکا مجھ سے اپنا بقدر حصہ آراضی صحرائی کا مطالبہ کرتا ہے، اس کی ماں یعنی میری بڑی بیوی اس کو ابھارتی ہے کہ تمہارے باپ کے پاس جو جائیداد ہے وہ خریدی ہوئی تو نہیں ہے، آبائی ہے؛ لہٰذا باپ کے مرنے پر اس کو جس طرح ملی ہے تم بھی ان سے جبراً اپنا حصہ لو، مذکورہ بڑے لڑکے کی دیکھا دیکھی دوسری نرینہ اولاد بھی چاہتی ہے کہ بٹوارہ ہوجائے؛ البتہ وہ کھل کر نہیں کہتے، ایسے حالات میں جب کہ مجھے چار نفر کی شادیاں کرنی ہیں، مذکورہ اولاد کو جائیداد تقسیم کرنی چاہئے یا نہیں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بڑے لڑکے کو اس کی سخت نافرمانی اور عناد کے عوض اپنی جائیداد سے محروم کردوں کیا میرے لئے مذکورہ حالات کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ معلوم ہو کہ میں نے دونوں لڑکوں کی شادیوں میں جو زیور چڑھایا تھا وہ انہیں کے پاس ہے، جس سے انہوں نے اور کچھ تھوڑی سی رقم شامل کر کے چوبیس چوبیس بیگہ زمین صحرائی خریدی ہے، جو انہیں کے نام ہے اور ایک زمین تقریباً سولہ بیگہ میں نے خریدی تھی، جب کہ میری دوسری اولاد چھوٹی تھی وہ سولہ بیگہ زمین اسی بڑے لڑکے اور اس سے چھوٹے لڑکے کے نام ہے، دونوں کی آٹھ آٹھ بیگہ ہوئی ہے، مگر اس پر قابض میں ہی ہوں، مطلب یہ ہے کہ ان کی گذراوقات کے لئے یہ کافی ہے جو لڑکا میرا جانی دشمن ہے، اس کو میں اپنی جائیداد سے محروم کرنا چاہتا ہوں، شرعاً اس کا جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محبوب الاسلام سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بڑا لڑکا آپ کا جانی دشمن اور سخت نافرمان ہے، تو شرعاً آپ کو حق ہے، اپنی زندگی میں تمام جائیداد فرماں بردار اولاد میں برابر تقسیم کردیں اور نافرماں کو کچھ بھی نہ دیں، ایسی صورت میں آپ گنہگار نہ ہوں گے اور جن کو دینا ہے، ان کو دے کر قبضہ بھی دے دینا لازم ہے، ورنہ ہبہ مکمل نہ ہوگا۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨، وهكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧)

نیز زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے، ورنہ آپ گنہگار ہوں گے، ہاں البتہ لڑکیاں اپنی خوشی سے بھائیوں کو زیادہ دینے پر راضی ہوجائیں تو الگ بات ہے۔

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (الدرالمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۴ھ

زندگی میں تقسیم کرنے پر نافرمان بیٹے کو محروم کرنا

سوال [۹۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک لڑکا جو مجھے ہر وقت پریشان کرتا رہتا ہے، یعنی گالم گلوچ اور مارتا پیٹتا ہے، ان کی بیوی سسرال والوں کے سامنے مجھے ذلیل کرتی ہے، ان کی بیوی مجھے چوری وغیرہ کی تہمت بھی لگاتی رہتی ہے، میں حد درجہ پریشان ہوکر آپ کے پاس آیا ہوں، آیا میں اس بیٹے کو مال سے محروم کرسکتا ہوں جو مجھے مارنے اور پیٹنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، ایک دفعہ میرا گلا بھی گھونٹ دیا کہ لوگ نہ پکڑتے تو میرا کام ہی تمام کرڈالتا، دوسری دفعہ بھی اس نے ایسا ہی

کیا، وہ مجھے جان سے ختم کرڈالتا، تو اس نافرمان لڑکے کے علاوہ چار لڑکے ایک لڑکی اور ہیں، کیا میں اپنی تمام جائیداد اس نافرمان لڑکے کے علاوہ سب کو دے دوں؟

المستفتی: امین الدین عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں آیا ہے، آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من لم يرحم صغيرنا، ولم يؤقر كبيرنا. (سنن الترمذي، باب ما جاء في رحمة الصبيان، النسخة الهندية ۲/ ۱٤، دار السلام، رقم: ۱۹۲۱)

یعنی جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہمارے اسلامی طریقے اور سنت کے دائرہ میں نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں اگر باپ نے بیٹے کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ نہیں کیا ہے؛ بلکہ بے رحمی کا معاملہ کیا ہے، تو باپ بھی گنہگار ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف سے واضح ہے۔ اور اگر بیٹے نے باپ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا معاملہ کیا ہے، تو وہ سخت ترین گنہگار ہوگا۔ قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَضَى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. [بني إسرائيل: ۲۳–۲٤]

یعنی باپ کے برا بھلا کہنے پر بیٹے کو اف تک کہنے کا حق نہیں؛ اس لئے بیٹے نے جو معاملہ باپ کے ساتھ کیا ہے وہ بہت برا کیا ہے، اس کو باپ کے پیروں میں پڑ کر معافی تلافی کرالینا ضروری ہے، نیز باپ کی ملکیت میں جو کچھ ہے اس میں باپ خود مختار ہے اور باپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ نافرمان بیٹے کو نہ دے کر فرماں بردار بیٹوں کو دے دے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من

كـان فـاسقا فاجرا. (مـجـمـع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨)

إن كـان التفضيل بالزيادة فلا بأس بذلك، وإن كان في البر سواء لا يـنبـغي أن يفعل ذلك، وإن كان له ولد فاسق لا يعطيه. (الـفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۲۱ھ

زندگی میں نافرمان اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ۸۸؍گز زمین میں ایک مکان ہے اور میں نے شادی کی تھی، میری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور اس کے گذر جانے کے بعد میں نے دوسری شادی کی، اس بیوی سے ایک لڑکا محمد شریف پیدا ہوا اور اس بیوی کے گذر جانے کے بعد تیسری شادی کی، جس سے سات لڑکے اور ۵؍لڑکیاں پیدا ہوئیں، محمد شریف اس وقت صاحب مال تھا اور ہے، میرے بارہ بچے چھوٹے چھوٹے تھے، میں نے اپنی مالی پریشانی میں یہ مکان رہن رکھا اور میں کئی سال تک بہت پریشان رہا، میں نے اپنے لڑکے محمد شریف سے خوشامدانہ طریقہ سے کہا کہ بیٹے محمد شریف مجھے زمین ادکرانے کے لئے رقم دے جو تیرے پاس ہے یا مجھے کچھ سہارا دے، میرے لڑکے محمد شریف نے مجھے کوئی پیسہ دینے سے انکار کردیا، میں اس وقت بہت ہی پریشان تھا، میں نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو محمد لئیق محمد حنیف کو مجبوری میں کام پر ڈال دیا، جب وہ بچے کمانے کے لائق ہوئے تو انہوں نے مجھے بہت کچھ سہارا دیا، یعنی اپنی کمائی کا سارا پیسہ دیا جس سے پانچ سال میں زمین کی آزادی کا سہارا لیا اور لڑکے محمد شریف نے مجھے

آج تک کوئی پیسہ نہیں دیا اور نہ ہی میری پانچ لڑکیوں کی شادی میں کوئی سہارا دیا اور جب میرے یہ سات لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوشیار ہو گئے، تو ان سے کہا اس گھر میں پیسہ لگاؤ اور رہو، تو محمد شریف نے منع کر دیا۔

اب ہمیں علماء دین بتلائیں ان حالات پر دھیان دیتے ہوئے کہ محمد شریف کو کتنا حصہ پہنچتا ہے؟ اور میں بالکل ہوش وحواس میں ہوں اور میں نے خود اپنی مرضی سے یہ مضمون لکھوایا ہے اور یہ واقعہ رہن کا ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک کا ہے۔ محمد شریف کے تین بچے اسی گھر میں پیدا ہوئے اور شادی بھی اسی رہن و پریشانی کے دور میں ہوئی۔

المستفتی: محمد رفیق اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی زندگی میں اپنے تمام مال وجائیداد کے خود مالک ہیں، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، آپ کو اختیار ہے کہ نافرمان لڑکے کو دیں یا نہ دیں اور اس کو نہ دے کر دیگر اولاد کو زندگی میں ہبہ کر دینے کا حق ہے؛ لیکن آپ کے مرتے وقت آپ کی ملکیت میں جو کچھ بھی باقی رہے گا، اس میں محمد شریف بھی دوسروں کی طرح حق دار ہوگا۔ اور دوسری اولاد کو اگر زندگی میں دے کر مالک بنا دیں گے، تو اس میں محمد شریف کا حق نہ ہوگا۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بیضاوي، کتب خانه رشديه دهلی ۱/ ۷)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، أشرفيه ۸/ ۲۱۹)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، کتاب النكاح، فصل بيان مايبطل به الخيار، کراچی ۲/ ۳۲۷، زکریا ۲/ ۶۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۴)

کلمات کفریہ بکنے والے کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا لڑکا عالم دین مدرسہ اشرفیہ راندیر سے فارغ التحصیل ہے، ۶/بچوں کا باپ ہے، عمر ۳۸/سال ہے، کام نہیں کرتا بوڑھے باپ سے صرف اور صرف خرچ مانگتا ہے، اب تک خرچ دیا، اس کے بال بچوں کی پرورش کی اب تین سال سے الگ ہے، خرچ نہ ملنے پر کفریہ کلمات لکھتا ہے اور بولتا ہے، مثلاً کہتا ہے کہ اسلام میں کچھ نہیں ہے، صرف ''اوم'' میں یعنی ہندو دھرم میں سب ہے، روزانہ صبح دس ہزار بار ''رام، رام'' پڑھنا، روزانہ شام دس ہزار بار ''اوم، اوم'' پڑھنا، روزانہ دو پہر دس ہزار بار ''ہرے لکشمی'' پڑھنا، روزانہ سو بار ''کرشنا'' پڑھنا، اس سے سب مسئلے حل ہو جائیں گے، اللہ اللہ کہنے سے کچھ نہیں ملتا، یہ کلمات اس کے لکھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ عالم دین مسلمان ہے؟ اس کو باپ کی جائیداد میں حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس نے لکھا ہے: ''بھگوان کرشنا کے نام سے، عبدالرحمٰن کا خط:

(۱) ''خدا گیا بھاڑ میں (۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم چولہے میں (۳) قرآن گیا گڈھے میں (۴) پردہ گیا آگ میں (۵) اسلام گیا تیل لگانے (۶) حدیث گئی مرنے کو (۷) فقہ گیا بھونسڑی میں (۸) عربی گئی سنڈاس میں (۹) مدینہ گیا جہنم میں۔ اسلام جھوٹا مذہب ہے، دہشت گرد مذہب ہے، اسلام مار پیٹ کرتا ہے، اسلام جھگڑے لگاتا ہے، اسلام غریب وفقیر بناتا ہے''۔ الخ

مذکورہ الفاظ خود اس کے قلم سے لکھے ہوئے لیٹر پیڈ میں ہیں۔

زید کے پاس ایک جائیداد ہے جو ۱۲/۱ ایکٹر زمین ہے، اور ۶/لڑکیاں دو لڑکے والدین زندہ ہیں، اس زمین کی تقسیم ۱۰/افراد پر ہوگی، ۱۲/۱ ایکٹر زمین اور باغ کی قیمت چالیس لاکھ روپئے ہے۔ اس نالائق لڑکے کی وجہ سے میں بیمار رہوں، اتنا دکھ اور غم ہے؛ اس لئے اس کو عاق کردیا ہے، تو یہ عاق کردینا صحیح ہے یا نہیں؟ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں کتنا کتنا ملے گا؟ اور اگر

باپ لینا چاہے تو کتنا ملے گا؟ ۲ رلڑکے عفان، عبدالمتین، لڑکیاں: عائشہ، عطیہ، سمیہ، طیبہ، خدیجہ، شاہین والدہ جمیلہ، والد عبداللطیف، عاق کیا ہوا لڑکا عبدالرحمٰن۔

المستفتی: مولانا عبداللطیف بن اکبر ناکواڈ پورہ، بڑی مسجد کے باز وسنگم نیر، ضلع احمد نگر، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں باپ کے لئے بیٹے کے بارے میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، وہ اگر درست ہیں اور واقعی میں سوال نامہ میں ذکر کردہ کفریہ کلمات بیٹے نے استعمال کئے ہیں، تو وہ قطعی طور پر اسلام سے خارج ہو چکا ہے اور اس کی بیوی کا نکاح بھی ختم ہو چکا ہے، اس کے اوپر ایمان کی تجدید اور نکاح کی تجدید لازم ہے۔ اور ساتھ میں سچی توبہ بھی لازم ہے، اس کے بغیر اس کے لئے بیوی کے ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں۔

أیما رجل مسلم سب رسول الله صلی الله علیه وسلم، أو کذبه أو عابه، أو تنقصه فقد کفر بالله تعالی، و بانت منه امرأته. (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، زکریا ٦/ ٣٧٣، کراچی ٤/ ٢٣٤)

یکفر إذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به أو یسخر باسم من أسمائه، أو بأمر من أوامره. (هندیة، کتاب السیر، الباب التاسع في أحکام المرتدین، زکریا جدید ٢/ ٢٧١، قدیم ٢/ ٢٥٨، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ١٢٠، زکریا ٥/ ٢٠٢)

من تکلم بکلمة الکفر هازلا أو لاعبا کفر عند الکل، ولا اعتبار باعتقاده، کما صرح به قاضي خان في فتاواه. (البحرالرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، زکریا ٥/ ٢١٠، کوئٹه ٥/ ١٢٥)

اور ایسے نافرمان اور بددین بیٹے کو اپنی جائیداد سے محروم کر دینے میں باپ گنہگار نہ ہوگا۔

(۲) باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد اور ملکیت کے اولاد مالک نہیں ہوتے؛ اس لئے باپ کی زندگی میں وراثت کے طور پر اس کی جائیداد اور ملکیت تقسیم نہیں ہوگی، سب کا مالک باپ ہی ہے، ہاں البتہ جھگڑے سے اولادوں کو بچانے کے واسطے زندگی ہی میں نافرمان اور بد

دین بیٹے کو نہ دے کر دوسری اولادوں کے درمیان جائیداد تقسیم کر دینا چاہتے ہیں، تو اپنی مرضی سے جتنا چاہیں اپنے لئے اور اپنی بیوی کے لئے رکھ لیں اور بقیہ جائیداد فرماں بردار لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم کردیں۔ اور زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر ہی دیا جاتا ہے؛ اس لئے چھ لڑکیاں اور دو لڑکوں کے درمیان آٹھ حصہ کر کے سب کو برابر دے دیں۔

وینبغي أن يعدل بين أولاده في العطايا، والعدل عند أبي يوسف: أن يعطيهم على السواء هو المختار –إلى قوله– وعلى جواب المتأخرين لابأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا، ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٩٧، قديم: ٢/ ٣٥٨)

ولو كان ولده فاسقا، وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨)

وإن أراد أن يصرف ماله إلى الخير وابنه فاسق، فالصرف إلى الخير أفضل من تركه له؛ لأنه إعانة على المعصية، وكذا لو كان ابنه فاسقا لا يعطيه أكثر من قوته. (بزازية، كتاب الهبة، الفصل الأول، الجنس الثالث زكريا، جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٦٢، رقم: ٢١٧٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۳ھ

زندگی میں تقسیم کرنے کی صورت میں لڑکیوں کو نہ دینا

سوال [۹۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے والد عبداللطیف صاحب نے اپنی حیات میں اپنے تین لڑکوں کوا لگ الگ مکان دے دیا تھا اورلڑکیوں کی صرف شادی کردی تھی، ان کو مکان میں سے کچھ نہیں دیا تھا، مجھے بھی میرے والد نے ایک مکان دے دیا تھا، ان کی زندگی ہی میں میں اس میں رہنے لگا تھا اور میرا قبضہ تھا، اب میں کچھ ضرورتوں کے تحت اپنے حصہ کے مکان کو بیچ رہا ہوں، تو اس میں ہماری بہنیں (۱) سکندر (۲) تارہ ہم سے اپنا حصہ مانگتی ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً اب ہمارے مکان میں بہنوں کا حصہ نکلتا ہے، جب کہ باپ نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں دیا تھا اور نہ مرنے کے بعد دینے کی کوئی صراحت کی تھی، ہمارے بھی چار لڑکیاں ہیں، شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: لئیق احمد محلّہ فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: باپ کا اپنی زندگی میں تینوں بھائیوں کو مکان دے دینا یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں لڑکے اورلڑکیوں کو برابر حصہ دینا چاہیے۔

عن النعمان بن بشير –رضى الله عنه– قال: تصدق علي أبي ببعض ماله –إلي– فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: اتقوا الله واعدلوا في أولادكم، فرجع أبي فرد تلك الصدقة. (صحيح مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الوالد في الهبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۷، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۲۳)

المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحرالرائق، كتاب الهبة، كراچی ۷/ ۲۸۸، زكريا ۷/ ٤۹۰)

يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ٥۰۱، كراچی ٥/ ٦۹٦)

باپ کا لڑکوں کو دے کر لڑکیوں کو محروم کرنا درست نہیں تھا؛ البتہ جب باپ نے ہبہ کر کے قبضہ دے دیا تو ہبہ صحیح ہوگیا۔

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز فى القضاء، ويكون آثما فيما صنع. (عالمگيري، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (الدرمع الرد، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦)

باپ اپنے اس عمل کی وجہ سے گنہگار رہوگا اور لڑکیوں کو اس مکان میں کچھ نہیں ملے گا۔ (محمودیہ ۵/ ٦٦، ڈابھیل ۱۶/ ۵۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۶۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ

باپ کا لڑکیوں کو حصہ نہ دے کر صرف لڑکوں کو دینا

سوال [۹۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ والد اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں کے نام اپنی زمین کرا دیتا ہے اور باقاعدہ لڑکوں کو قبضہ دے دیتا ہے۔ اور لڑکیوں کے نام زمین وغیرہ نہیں کراتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ والد کا ایسا کرنا درست ہے کہ صرف لڑکوں کو اپنی زندگی میں زمین دے دے اور لڑکیوں کو نہ دے؟ اور اسی طرح لڑکیوں کی حق تلفی تو نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ نیز لڑکوں کو زمین دینے کے بعد لڑکیوں کے حقوق کی ادائے گی کیسے ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد مشرف خان بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان مال اور جائیداد تقسیم کرنا ہے، تو جس طرح جتنی مقدار لڑکوں کو دیا جائے اسی طرح اتنی مقدار لڑکیوں کو دینا بھی باپ پر لازم ہے، ورنہ باپ سخت گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن سليمان بن موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٩٦، رقم: ٢٨٥-٢٨٦)

فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (الدرالمختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، قاضي خان، زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، البحرالرائق، کوئٹہ ٧/ ٢٨٨، زكريا ٧/ ٤٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ / ۴۰۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۴ھ

لڑکیوں کومحروم کرکےتمام جائیدادلڑکوں کےدرمیان ہبہ کرنے کاحکم

سوال [۹۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد سعید صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کی کل جائیداد متروکہ ۸۰۰؍گز تھی، مرحوم نے اپنی زندگی میں اس جائیداد کو اپنے پانچ لڑکوں کے نام الگ الگ رجسٹری ہبہ کرکے قبضہ میں دے دیا تھا، محمد نسیم، محمد وسیم کو ۲۰۰-۲۰۰؍گز دیا تھا۔ اور محمد سلیم، محمد پرویز عالم، محمد جاوید عالم کو تقریباً ۱۳۳-۱۳۳؍گز دیا تھا، گزوں میں کمی زیادتی اس لئے تھی کہ جن کو کم دیا تھا ان کا حصہ فرنٹ کا تھا، محمد نسیم، محمد وسیم کا حصہ ۴۰۰؍گز والا کرایہ دار کے پاس تھا، اس کا کرایہ جب تک والد صاحب کے قبضہ میں تھا ان کے پاس آتا رہا، اس کے بعد جب محمد نسیم ومحمد وسیم کے قبضہ میں آگیا تو کرایہ ان کے پاس آنے لگا تھا؛ لیکن کرایہ دار کے خالی نہ کرنے کی وجہ سے ان دونوں نے اسے پندرہ سال پہلے پچیس لاکھ روپئے میں فروخت کردیا تھا۔ یہ واضح رہے کہ محمد سعید صاحب کی ان پانچ لڑکوں کے علاوہ چار لڑکیاں بھی تھیں، ان کو کوئی حصہ نہیں دیا تھا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس جائیداد میں لڑکیوں کا حصہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ باپ نے اپنی مذکورہ جائیداد زندگی میں لڑکوں کو ہبہ کرکے قبضہ دے کر مالک بنادیا ہے، اس سے تمام لڑکے اپنے اپنے حصہ کے شرعی طور پر مالک ہوچکے ہیں؛ لیکن مرحوم نے اپنی جائیداد زندگی میں جب نرینہ اولاد کو دے کر لڑکیوں کو محروم کردیا ہے، تو اس کی وجہ سے مرحوم سعید احمد عنداللہ سخت گنہگار رہوں گے، اگر لڑکوں کو اس بات کا احساس پیدا ہوگیا ہے کہ باپ نے لڑکیوں کو نہ دے کر ان کے ساتھ ظلم کا ارتکاب کیا ہے اور باپ کو اس گناہ سے سبکدوش کرنا چاہتے ہیں، تو ہر

لڑکا اپنے اپنے حصہ میں سے جتنا جتنا بہنوں کا حصہ آتا ہے، بہنوں کو دے دے تو اللہ سے امید ہے کہ باپ اللہ کے یہاں بری ثابت ہو جائیں گے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣، مشكوة/٢٦٦)

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز، وهو أثم. (بزازية، كتاب الهبة، الفصل الأول الجنس الثالث في هبة الصغير، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، شامي، زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۴ھ

لڑکیوں کو شادی میں جہیز دینے کی بنا پر جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۹۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پانچ سالے اور ایک سالی ہے، ان کے والدین بھی الحمد للہ باحیات ہیں، وہ اپنی حیات میں جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں، بلکہ یوں سمجھئے کہ تقسیم کر چکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کی تقسیم قرآن وحدیث کے مطابق ہے، تقسیم یوں عمل میں آئی کہ پانچ لڑکوں میں سے ہر ہر لڑکے کو ڈھائی ایکٹر زمین جن کی قیمت ۶؍لاکھ روپئے ہے۔ اور والدین بھی ایک ایکٹر زمین اور ایک سڑ کی مٹکی مڈگی جن کی قیمت بھی تقریباً ۶؍لاکھ سے زائد ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے والدین کی جائیداد شریعت کے مطابق لڑکیوں کو ملے گی یا نہیں؟ لڑکیوں سے ان کے والدین کا کہنا ہے کہ تمہاری شادیوں میں بہت خرچ ہوا ہے؛ اس لئے تم

کو حصہ نہیں ملے گا، حالانکہ لڑکوں کی شادی میں بھی خرچ ہوا ہے، تو کیا شرع اور قرآن وحدیث کے مطابق یہ تقسیم ہوئی ہے، کیا لڑکیاں حصہ دار ہیں یا نہیں؟ اگر لڑکیاں حصہ دار ہیں تو والدین سے اپنے حصے کے لئے لڑسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مرزاانصار بیگ صاحب، امام جامع مسجد نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والدین اپنی حیات میں اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر برابر دینا لازم اور ضروری ہے اور والدین کا یہ کہہ کر لڑکیوں کو محروم کردینا کہ ہم نے تمہاری شادی کے موقع پر جو خرچ کیا تھا وہ تمہارا حصہ دے دیا ہے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ شادی کے موقع پر جو خرچ ہوا ہے وہ والدین کی طرف سے محض تبرع اور احسان ہے؛ اس لئے اب جائیداد کی تقسیم کے وقت لڑکیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ والدین سے اپنے حصہ کا مطالبہ کریں۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن النعمان بن بشير –رضي الله عنهما– يخطب قال: قال رسول الله ﷺ: اعدلوا بين أولادكم، اعدلوا بين أولادكم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب فی حقوق الأولاد والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٠٨، رقم: ٨٦٩١)

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة.

(البحرالرائق، کتاب الهبة، کوئٹه ٧/ ٢٨٨، زکريا ٧/ ٤٩٠)

قال الطيبيؒ: فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، فلا يفضل بعضهم على بعض. (شرح الطيبي، کتاب البيوع، باب الهبة، الفصل الأول، کراچی ٦/

۱۸۱، تحت رقم الحديث ۳۰۱۹)

يـعـطـي الابـنـة مثـل ما يعطى الابن، وعليه الفتوى، وهو المختار. (هندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

يـعـطى البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. (شـامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچى ٥/ ٦٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۲۴/۳۹)

۸/ باب هبة المريض

مرض الموت میں ہبہ کا حکم

سوال [۹۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد نسیم صاحب ۲۴/ دسمبر ۲۰۰۶ء کو انتقال کرتے ہیں اور اپنے پیچھے وارثین چھوڑ جاتے ہیں، ایک بیوی، تین بیٹے اور چھ بیٹیاں، جن میں ایک بیٹی غیر شادی شدہ ہے اور ترکہ میں دیگر اشیاء کے علاوہ ایک کرایہ کی دوکان ہے، جس کی پوزیشن فی الحال تقریباً دس لاکھ روپئے ہوگی اور وہ دوکان محمد نسیم اینڈ سنس کے نام سے ہے، ابھی وراثت کی تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی کہ محمد نسیم کے ایک وارث بڑے لڑکے عبدالکریم ساڑھے تین سال بعد ۶/ اگست ۲۰۱۰ء کو انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے وارثین میں ایک بیوی، ایک لڑکا اور دو لڑکی چھوڑ گئے، اب جب تقسیم وراثت کا مسئلہ آیا تو محمد نسیم صاحب کے چھوٹے بیٹے محمد جمال الدین نے کہا: میں ہر چیز میں تقسیم پر راضی ہوں سوائے اس دوکان کے۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو یہ کہا کہ میرے والد نے یہ دوکان مجھے دے دی ہے، اس کے لئے انہوں نے ایک کورٹ پیپر پیش کیا، جس میں ۴/ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ پڑی ہے اور یہ دعویٰ کیا کہ والد صاحب نے یہ کاغذ اپنی زندگی میں بنایا تھا اور اس میں یہ لکھا ہے کہ دوکان میں بیوی دونوں بیٹوں اور چھ بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف ایک بیٹا کو دے رہا ہوں۔ واضح ہو کہ محمد نسیم صاحب کے انتقال کے ڈھائی تین سال بعد محمد جمال الدین نے دوکان مالک سے محمد نسیم اینڈ سنس کا نام ہٹا کر محمد جمال الدین اینڈ سنس کرالیا ہے، جب کہ والد محمد نسیم صاحب کے زمانے سے دونوں بیٹے آج تک دوکان پر بیٹھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ محمد نسیم صاحب کے انتقال کے چار برس بعد اچانک اس طرح کے کاغذ کا سامنے آنا جب کہ نہ گھر والوں کو معلوم، نہ محلے والوں کو معلوم، لوگوں کو شبہ میں ڈالتا ہے کہ یہ کاغذ ان کا تیار کردہ نہیں معلوم ہوتا، تاہم بالفرض اگر

انہوں نے ایسا کیا ہے، تو از روئے شرع ایسا کرنا کیسا ہے؟ اپنے تمام وارثین میں سے ایک وارث کے نام کردینے سے تمام وارثین کا حق اس دوکان سے ختم ہوگیا یا باقی ہے؟ نیز بڑے بیٹے عبدالکریم کی بیوی اور اولاد کو کتنا کتنا ملے گا؟ اور چھوٹی بیٹی جو غیر شادی شدہ ہے، اس کی شادی کے خرچ کے لئے رقم الگ کرکے وراثت تقسیم ہوگی یا بغیر الگ کئے ہوئے؟ حنفی مسلک سے جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں، کرم ہوگا۔

المستفتی: مانک پیر، کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس بات کا حکم شرعی معلوم کرنے کی اہمیت دی گئی ہے، وہ یہی ہے کہ محمد نسیم کے چھوٹے بیٹے محمد جمال الدین کا والد کی وفات کے تقریباً چار برس کے بعد اس طرح کا کاغذ نکال کر پیش کرنا، جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ''وفات سے بیس دن پہلے باپ نے محمد جمال الدین کو یہ ہبہ کیا ہے'' اگر اس وقت محمد نسیم بیمار اور کمزور چل رہے تھے اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہوئی ہے، تو یہ ہبہ وارث کے حق میں وصیت کے حکم میں ہے، جو دوسرے وارثین کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا اس ہبہ اور وصیت کا شرعی طور پر اعتبار نہیں اور وہ دوکان بھی تمام ورثاء کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، نیز اگر مرض الوفات سے پہلے صحت اور تندرستی کے زمانہ میں یہ ہبہ کیا ہے، تو اس کے لئے شرعی ثبوت لازم ہے، محض کورٹ کا کاغذ بغیر شرعی ثبوت اور شرعی شہادت کے پیش کرنا معتبر نہیں؛ اس لئے وہ دوکان بھی تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

والهبة من المريض لوارثه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكما. (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٢٤، مصري قديم ٢/ ٦٩٦)

وفي الذخيرة: مريضة وهبت صداقها من زوجها، فهذا على وجهين: إما إن برأت من مرضها أو ماتت في مرضها، ففي الوجه الأول صح، وفي

الوجه الثاني، فالمسألة على قسمين: إما إن كانت مريضة غير مرض الموت، أو مريضة مرض الموت، ففي القسم الأول كذلك الجواب، وفي القسم الثاني لم يصح إلا بإجازة الورثة. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٨٨، برقم: ٢١٨٢٨)

مرحوم کی جو بیٹی غیر شادی شدہ ہے، اس کی شادی کے لئے ترکہ میں سے میراث کے علاوہ الگ سے کوئی سرمایہ متعین نہیں ہوگا؛ بلکہ میراث میں اس کو جو حصہ مل سکتا ہے وہی اس کا حق شرعی ہوگا۔ اور یہ بات الگ ہے کہ سب بھائی بہن مل کر اس بہن کا خرچ اپنے طور پر اٹھائیں، وہ ان کی مرضی ہے۔ اور وارثین میں سے ہر ایک کو کتنا کتنا ملے گا؟ اس سلسلے میں محمد نسیم کی بیوی اور اس کے لڑکے لڑکیوں کے نام لکھے جائیں اور عبدالکریم کی بیوی اور اس کے لڑکے لڑکیوں کے نام لکھ دیئے جائیں، اس کے بعد ہی سب کے حصے متعین کر کے لکھے جا سکتے ہیں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: خطب رسول الله ﷺ فقال: إن الله عز وجل أعطى كل ذي حق حقه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١١/ ١٧٠، رقم: ١١٥٣٢، سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، دارالسلام، رقم: ٢١٢٠)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من نفس عن أخيه كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كرب يوم القيامة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٣/ ٥٢٩، برقم: ٢٧٠٩٨، صحيح مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، النسخة الهندية ٢/ ٣٤٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٦٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۰/ ۱۴۳۲ھ

حالت مرض میں وارث کو ہبہ

سوال [۹۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بستر علالت میں باپ نے ۶/اولادوں میں سے ایک اولاد کے نام جائیداد کردی اور اس کی شکل یہ ہے کہ جس لڑکے کے نام جائیداد کی ہے، اس لڑکے نے باپ کی ذہن سازی کرکے رجسٹرار کو گھر بلا کر تمام کارروائیاں پوری کرا دیں، تو کیا اس طرح ۵/لڑکوں کو محروم کردینا اور صرف ایک لڑکے کے نام پوری جائیداد کردینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت مرض میں وارث کو کیا ہوا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے اور وارثین کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حالت مرض میں کیا ہوا ہبہ قبل القبض باطل ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ ہبہ باطل ہے۔ (فتاوی عثمانی ۳/ ۴۶۸، محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۴۸۹)

إذا وهب أحد في مرض موته شيئا لأحد ورثته، وبعد وفاته لم تجز الورثة الباقون لا تصح تلك الهبة؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية، ولا وصية للوارث. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٤٨٣، رقم المادة: ٨٧٩)

إن الوصية للوارث لا تجوز بدون إجازة الورثة؛ لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزه الورثة، فإن أوصى بعض ورثته ولأجنبي جازت حصة الأجنبي، وبطلت حصة الوارث. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٢٧/ ١٧٥، ١٧٦)

وهب في مرض ولم يسلمه حتى مات بطلت الهبة. (بزازية، نوع في هبة المريض، جديد زكريا ٣/ ١٢٦، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٢٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۶)

چند اولاد کو جائیداد دے کر بقیہ کو محروم کر کے مرض الموت میں ان کے لئے وصیت کرنے کا حکم

سوال [۹۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ شہزادی بیگم مرحومہ کے ۵/لڑکے ہیں اور ایک لڑکی ہے، شہزادی بیگم مرحومہ کے شوہر کا انتقال ان کی زندگی میں ہوگیا ہے اور ایک قطعہ زمین شہزادی بیگم کے نام ہے، شہزادی بیگم نے اپنی حیات میں ہی اپنی زمین کو دوحصوں میں منقسم کر کے اپنے دو چھوٹے صاحبزادوں کو دے دی۔ اور انہوں نے وہ زمین مرحومہ کی حیات میں ہی تعمیر بھی کرلی، مرحومہ نے ان دوصاحبزادوں سے کہہ دیا تھا کہ اپنے تینوں بھائیوں کو دو دوسو روپئے ادا کردیں اور بہن کنیزہ بیگم کو بھی دوسوروپئے دینے کے لئے کہا تھا اور ان تینوں صاحبزادوں نے ان کے سامنے کوئی اعتراض نہیں کیا، اب شہزادی بیگم مرحومہ کے بعد سب سے بڑے بھائی کی اولاد روپیہ لینے کو تیار نہیں؛ بلکہ زمین لینے پر مصر ہے، اور دوسرے دونوں بھائی اور ان کی اولاد خاموش ہیں، نیز سب سے بڑے بھائی بھی خاموش ہیں اور سب سے بڑے بھائی کی اولاد زمین تقسیم کرنے کے لئے مصر ہے، آیا اس تیسرے بھائی کی اولاد زمین کی حق دار ہوگی یا ان کو روپیہ دیا جا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، نیز مرحومہ شہزادی بیگم نے انتقال سے لگ بھگ ۲/ گھنٹہ پہلے بھی ۲۰۰/دوسوروپیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہے۔

المستفتی: راحت علی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب والدہ نے اپنی مملوکہ زمین کو اپنی حیات میں دو لڑکوں کے درمیان تقسیم کر کے مالک بنا دیا ہے اور ان دونوں نے والدہ کی زندگی میں قبضہ

کرکے تعمیر بھی کرلی ہے، تو وہ لوگ قانون شرعی کی رو سے اس کے مالک بن گئے ہیں، اس میں اب کسی کا حق باقی نہیں رہا؛ البتہ والدہ نے اپنی جائیداد میں دوسری اولاد کو محروم رکھا ہے اس کا گناہ والدہ پر ہوگا، رہا دوسو روپیہ کی وصیت تو شرعاً ورثاء کے حق میں وصیت درست نہیں ہوتی؛ اس لئے اگر مذکورہ دونوں لڑکے دوسرے بھائی وبہن کو ۲-۲ ؍ سو روپئے دینا چاہتے ہیں تو وہ اس کو لے کر خاموش ہوجائیں، یہ ان کی طرف سے تبرع ہے، اس سے زائد یا زمین کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز، وأثم. (الدرالمختار، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۵۰۲، كراچی ۵/ ٦۹٦)

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون آثما فيما صنع. (قاضي خان، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، بزازية، زكريا جديد ۳/ ۱۲۳، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۳۷)

ولو دفع إلى ابنه مالا، فتصرف فيه الابن يكون للابن إذا دلت دلالة على التمليك. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۵۰۳، كراچی ۵/ ٦۹۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵٦)

۳۱/ کتاب الإجارۃ

۱/ باب الإجارۃ الصحیحة

اجیر خاص اور اجیر مشترک کا فرق

سوال [۹۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اجیر خاص اور اجیر مشترک کسے کہتے ہیں اور اس کی شکل کیا ہوتی ہے، واضح فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجیر خاص وہ اجیر ہے، جو متعین وقت کے اندر محض تسلیم نفس سے ہی اجرت کا مستحق ہو جائے اور اجیر مشترک وہ اجیر ہے جو عمل کرنے سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے، محض تسلیم نفس سے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔

أجیر مشترک، الأجیر المشترک من یستحق الأجر بالعمل لا بتسلیم نفسه للعمل. أجیر خاص، الأجیر الخاص من یستحق الأجر بستلیم النفس وبمضی المدة، ولا یشترط العمل في حقه لاستحقاق الأجر. (تاتارخانیة، زکریا ۱۵/ ۲۸۱، رقم: ۲۳۰۷۴، ۲۳۰۷۵، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۳۸، رقم: ۱۴۰۳۶، هندیة، زکریا قدیم ۴/ ۵۰۰، جدید ۴/ ۵۴۳)

الأجیر الخاص: هو الشخص الذي یستأجر مدة معلومة لیعمل فیها، الأجیر المشترک: هو الذي یعمل لأکثر من واحد، فیشترکون جمیعا في نفسه کالصباغ والخیاط. (فقه السنة، دارالکتاب العربي ۳/ ۱۹۳)

الأجيـر قـد يكون خاصا وهو الذي يعمل لواحد وهو المسمى بأجير الـوحـد، وقـد يـكـون مشتـركا وهو الذي يعمل لعامة الناس وهو المسمى بـأجير المشترك. (بـدائـع الـصـنـائـع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة، زكريا ٤/ ١٦، كراچی ٤/ ١٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۹)

سرکاری و پرائیویٹ ملازمین اجیر خاص ہوتے ہیں یا اجیر مشترک

سوال [۹۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس میں مدرسین اور ملازمین کی ذمہ داری چھ گھنٹوں کی ہوتی ہے، اسی طرح سرکاری ملازمین کی ذمہ داری چھ یا آٹھ گھنٹوں کی ہوتی ہے، یہ لوگ اجیر خاص ہیں یا اجیر مشترک؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کے ملازمین، اسی طرح مدارس کے مدرسین وملازمین جن کے کام اور ذمہ داری کے اوقات متعین ہوں وہ ان اوقات میں اجیرِ خاص ہیں، وہ ان اوقات میں دوسرا کام کرنے کا حق نہیں رکھتے، ہاں البتہ کوئی مختصر ایسا کام کر سکتے ہیں جس پر عرفاً چشم پوشی کی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی عثمانی ۳/ ۳۶۷، محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۱۰۹، محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۷۳)

الأجيـر الخاص هو الشخص الذي يستأجر مدة معلومة ليعمل فيها.

(فقه السنة، دارالكتاب العربي ٣/ ١٩٣)

أمـا الـخـاص فهـو الـذي يـجـب عليه أن لا يعمل لغير من استأجره، وذلک کـالأجيـر اليـومـي الذي له أجرة يومية، فإنه لا يصح أن يشغل وقته

بشيء غير العمل المستأجرة. (الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ٣/ ١٤٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۸)

ٹھیکہ دار اجیر مشترک ہے یا خاص؟

سوال [۱۷۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عمارت تعمیرات کی ٹھیکہ داری پر مزدوری سے کام کراتا ہوں، اس بابت مزدوروں سے مزدوری روزانہ پر طے کر کے کام شروع کراتا ہوں اور حسب معاملہ طے شدہ مزدوری ادا کرتا ہوں، مزدوری معہ دو وقت کھانا روزانہ پر طے ہے، جس دن بارش ہوتی ہے اس دن کی مزدوری نہیں ہوتی، مگر کھانا دیا جاتا ہے، مزدوری کے لینے دینے کا کام کے ہونے اور کرنے پر انحصار ہوتا ہے، اب اگر ان راجوں اور مزدوروں کو کسی دوسرے کام پر لگایا جائے یا وہ خود چلے جائیں اور وہاں سے مزدوری زیادہ لی جائے، مثلاً ہمارے یہاں روزانہ ۴۵؍ روپیہ پر طے ہے۔ اور دوسری جگہ سے ۶۵؍ روپئے روزانہ لیا جائے، تو یہ زیادہ والی رقم مبلغ: ۲۰؍ روپئے ہمیں لینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ دوسری جگہ کام کرنے پر کھانا ہمارے ہی ذمہ رہتا ہے، کام کے نفع ونقصان سے مزدوروں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، ٹھیکہ داری میں نفع ونقصان ٹھیکہ دار برداشت کرتا ہے۔ فقط

المستفتی: نسیم احمد محلّہ بھٹی، ٹھیکیدار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یوں طے کیا گیا ہے کہ روزانہ ۴۰؍ روپیہ دے دیا کریں گے، چاہے ہم کہیں بھی کام کرائیں، نیز دوسری جگہ کام کی ذمہ داری آپ نے خود

اپنے ذمہ لی ہے، یا کسی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے، تو مزدوروں کو طے شدہ مزدوری دے کر بقیہ آپ کے لئے حلال ہے؛ کیوں کہ وہ لوگ شرعاً اجیر خاص ہیں۔

أما الخاص: –إلی قوله– فهو الذي يجب عليه أن لا يعمل لغير من استأجره، وذلک کالأجير اليومي الذي له أجرة يومية، فإنه لا يصح أن يشغل وقته بشيء غير العمل المستأجر . (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ٣/ ١٤٦، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣٢٣، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣١٣)

اگر آپ نے ذمہ داری نہیں لی ہے اور مزدور آپ کے دخل کے بغیر خود جا کر کام کرتے ہیں تو پورے ساٹھ روپئے مزدور کا ہوگا، کھانا آپ کے ذمہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے، ٹھیکہ دار اجیر مشترک ہوتا ہے، کہ وہ کام کے دوران دوسری جگہ بھی وقت دے سکتا ہے۔

فالمشترک هو الذي لا يجب أن يختص بواحد سواء عمل لغير أو لا. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر، ٣/ ١٤٦)

اور بارش کے دن اگر مزدوری طے ہے اور وہ لوگ اپنے آپ کو کام کے لئے پیش کر دیں تو شرعاً ان کو اس دن کی مزدوری ملنی چاہیئے۔ اور اگر طے نہیں ہے، تو کھانا دینا آپ کی طرف سے محض تبرع واحسان ہے۔

الأجير الخاص: هو الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة.
(الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣٢٣، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۸)

کیا ملازم پر اوقات کی پابندی لازم ہے؟

سوال [۹۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بعدہ اینکہ احقر پرائمری اسکول میں ماسٹر ہے، یہاں ہروقت جھوٹ ہی جھوٹ کہنا پڑتا ہے، مثلاً آنے جانے کے وقت میں بچوں کی حاضری میں چھٹیوں کے سلسلہ میں اسکول آنے کے وقت ساڑھے چھ بجے اور جانے کا ساڑھے گیارہ بجے، ساتھی ماسٹر ڈیڑھ یا دو گھنٹے دیر سے آتے ہیں اور ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے جاتے ہیں، اب اگر احقر وقت پر نہ آئے تو اسکولوں کے بچوں کی دیکھ بھال مشکل ہے، اگست کے مہینہ سے ایک نصاب آیا ہے، جو جونیر تک کے بچوں کو سمجھ میں نہیں آسکتا ہے اور نہ کوئی ماسٹر اس کے مطابق پڑھا سکتا ہے؛ لیکن ڈائری جھوٹی اس کے متعلق بنائی جاتی ہے، سال میں چودہ چھٹیاں ملتی ہیں، جب کہ ساتھی ماسٹر اور میں بھی خود تیس چالیس چھٹیاں لیتے ہیں، کلرک لوگ تنخواہ کے سلسلہ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور رشوت لے کر تنخواہ بھیجتے ہیں افسر لوگ منھ سے مانگ کر رشوت لیتے ہیں، ان حالات میں کیا کروں؟ خط کے ذریعہ سے جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: احمد نبی اردو ٹیچر چندور، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے لئے تعلیم کے اوقات مقررہ پر حاضر ہونا اور مفوضہ امور کو انجام دینا ضروری اور لازم ہے، جس درجہ کے بچے آپ کے تحت ہیں، آپ ان کی دیکھ بھال کریں اور ان کی اچھی تربیت کریں، جھوٹ بولنا بالکل جائز نہیں ہے۔ اور افسران کے پریشان کرنے کی وجہ سے اگر آپ کی تنخواہ پر کوئی اثر نہ پڑے تو رشوت دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تنخواہ ہی رک جاتی ہے یا پوری تنخواہ نہیں ملتی ہے، تو رشوت دے کر اپنا حق الخدمت وصول کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۸۸)

عن وهب بن منبة –رضي الله عنه– قال: ليست الرشوة التي يأثم فيها صاحبها، بأن يرشو فيدفع عن ماله ودمه، إنما الرشوة التي تأثم فيها أن ترشوا لتعطى ما ليس لک. (السنن الكبرى، للبيهقي، آداب القاضي، باب من أعطاها ليدفع بهما عن نفسه أو ماله، دارالفكر ١٥/ ١٤٦، رقم: ٢١٠٦٩)

(قوله: ولخاص أن يعمل بغيره) بلى ولا أن يصلى نافلة، قال في الفتاوى خانية، وفي فتاوى الفضلي: وإذا استأجر الرجل يوما ليعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل أي قام المدة ولا يشغل بشيء آخر سوى المكتوبة. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب ليس للأجير الخاص أن يصلى النافلة، زكريا ۹/ ۹٦، كراچی ٦/ ۷۰، كوئٹه ٥/ ٤٨، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۱/ ۲۳۹، رقم: ۱۳٦۲۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱٥/ ۳۰، رقم: ۲۲۰۲٥، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤۱٦، جديد ٤/ ٤٤۷)

والأجير الخاص الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة –إلى قوله– والأجر مقابل للمنافع. (هداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، أشرفی ۳/ ۳۱۰)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٤۲۳، زكريا ۹/ ٦۰۷، عون المعبود ٤/ ۳۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۲۰)

مالک نماز نہ پڑھنے دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوجہ پابندی ملازمت اگر کام میں مشغول رہا، جماعت اس خیال سے چھوڑ دی کہ مالکان خفا ہوجائیں گے، یا نماز قضاء ہوجائے اور مشغول پابند نماز ہے، وہ اپنی نماز بعد میں منفرد پڑھ لیتا ہے اور قضاء لوٹا لیتا ہے، تو کیا ایسی حالت میں وہ قابل گرفت ہے؟

المستفتی: محی الدین قصبہ سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقعی مالکان باجماعت نماز پڑھنے سے خفا ہو جاتے ہیں، تو ایسی ملازمت ترک کرنا واجب ہے، ورنہ ترک جماعت کا گناہ ہوگا۔

عن عمران بن حصین قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق. الحدیث (المعجم الکبیر ۱۸/ ۱۷۰، رقم: ۳۸۱، ۳/ ۲۰۸، رقم: ۳۱۵۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۴؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۰)

کیا ملازم دوران ملازمت نوافل ادا کرسکتا ہے؟

سوال [۹۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید عمر کے یہاں ملازم ہے، دوکان پر اور ادائے گی نماز کے لئے آداب ومستحبات کے ساتھ اذان کے فوراً بعد یعنی پندرہ یا تیس منٹ قبل مسجد میں پہنچنا چاہتا ہے، تاکہ استنجا وضو وغیرہ سے سہولت کے ساتھ فارغ ہوکر ’’تحیۃ المسجد‘‘ نوافل وسنن کی ادائے گی اور تکبیر اولیٰ وصف اول کا اہتمام کرسکے اور اس طرح جانے کو عمر مالک دوکان منع تو نہیں کرتا؛ لیکن عدم بشاشت یا قباحت محسوس ہو تو ایسی حالت میں ادائیگی فرائض میں ملازمت کے پیش نظر تاخیر کردینا اولیٰ ہے یا فوراً حاضری بہ بارگاہ ایزدی ضروری ہے؟

(۲) اگر زید باوجود عمر کی قباحت کے تمام گراہکوں اور خرید وفروخت کو چھوڑ کر بعد اذان مسجد میں چلا جائے تو شرعاً کیسا ہے؟

الف: عمر کی یہ عدم بشاشت وقباحت کیسی ہے؟

ب: چونکہ عمر بذات خود بھی متقی پرہیزگار، پابند صوم وصلاۃ اور ذمہ دار ہے؛ لیکن اذان کے

بعد انتظار اور ٹال مٹول کی وجہ سے اکثر تکبیر اولیٰ فوت ہوجاتی ہے اور ایک دو رکعت بھی ساقط ہوجاتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

المستفتی: احمد حسن نگینہ، معرفت حبیب الرحمٰن انصاری شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کو عمر کی مرضی کے بغیر صرف فرض وسنت پڑھنے کی مقدار وقت لینے کی گنجائش ہے، اگر عمر راضی نہیں ہے تو نوافل ترک کرکے ملازمت کی ذمہ داری ادا کیا کرے؛ لہٰذا اذان کے بعد اتنی دیر قبل جایا کرے کہ جس سے بآسانی طہارت حاصل کرکے سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہوسکے، اس سے پہلے نہ جایا کرے۔

إذا استأجر رجلا یوما یعمل کذا، فعلیه أن یعمل ذلک العمل إلی تمام المدة، ولا یشتغل بشيء آخر سوی المکتوبة، وقال بعض مشایخنا: له أن یؤدي السنة أیضا، واتفقوا أنه لا یؤدي نفلا. (شامي، کتاب الإجارة، باب ضمان الاجیر، مطلب لیس للأجیر الخاص أن یصلي النافلة، زکریا ۹/ ۹۶، کراچی ٦/ ۷۰، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۵/ ۳۰، رقم: ۲۲۰۲٦، ۲۲۰۲۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

ملازمت کے وقت میں اپنا کاروبار کرنا

سوال [۹۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی کمپنی میں ملازم ہے، کمپنی کا مال سپلائی کرنا اس کا کام ہے، اس کے علاوہ، اس کا اپنا بھی کاروبار ہے، جب کسی گاہک کے پاس جاتا ہے، جو کہ کمپنی کے پرانے خریدار ہیں، تو کمپنی کے مال کے ساتھ اپنا مال بھی فروخت کرتا ہے۔ اور کبھی اپنے مال کا آرڈر لے کر ڈیوٹی

سے فراغت کے بعد دے آتا ہے، زید کا کہنا ہے کہ میں کمپنی کا کام مکمل کرتا ہوں، اور میرے کاروبار سے میری ڈیوٹی میں نہ کوئی خلل آتا ہے، نہ کمپنی پر کوئی اثر پڑتا ہے؛ لہٰذا میرا عمل جائز ہے۔ کیا زید کی یہ بات درست ہے؟ اور اگر صرف آرڈر ڈیوٹی کے بعد مال فروخت کرے، تو درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر لکھنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمپنی کے مقررہ وقت کے اندر زید کے لئے ذاتی آرڈر لینا جائز نہیں، اسی طرح کمپنی کے لئے آرڈر لیتے وقت اپنا ذاتی آرڈر لینا بھی جائز نہیں، ایسی صورت میں کمپنی کی طرف سے زید پر پابندی لگانا شرعی طور پر درست ہے، ہاں البتہ زید کے لئے صرف اتنا جائز ہوسکتا ہے کہ کمپنی کے ٹائم سے الگ خارجی وقت میں اپنا ذاتی آرڈر لے اور خارجی وقت ہی میں سپلائی کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۵۶)

أما الخاص: فهو الذي يجب عليه أن لا يعمل لغير من استأجره، وذلک کالأجير اليومي الذى له أجرة يومية، فإنه لا يصح أن يشغل وقته غير العمل المستأجر. (الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ۳/ ۱٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/۵/۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۷)	۱۵/۵/۱۴۲۳ھ

ملازم غلطی کی معافی منیجر سے مانگے یا مالک سے؟

سوال [۹۵۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ہوٹل اور ایک فیکٹری کے مالک نے اپنے ہوٹل اور فیکٹری میں ایک منیجر رکھا، جس کا

کام پوری فیکٹری اور ہوٹل کو دیکھنا، ملازم رکھنا ہٹانا وغیرہ سب کام تھے، اگر کوئی ملازم ہوٹل میں پیسے ہٹائے، غصب کرے، چوری کرے یا فیکٹری یا ہوٹل کا سامان بغیر منیجر کے مشورہ کے کسی کو دے دے، بعد میں اس ملازم کو احساس ہو، اب یہ معافی منیجر سے مانگے یا اصل مالک سے معافی مانگے اور حق تلفیاں معاف کرائے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس ملازم سے اس طرح غلطی صادر ہو جائے اور اس نے کچھ پیسہ وغیرہ اٹھالئے ہیں اور بعد میں اس کو احساس پیدا ہو جائے، تو اس کے لئے ایمان داری اور دیانت داری کی بات یہی ہے کہ وہ منیجر کے واسطے سے اصل مالک کو واپس کر دے اور دونوں سے معافی مانگ لے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق –إلى– أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچى ٦/ ٣٨٥، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۵/۱۴۳۵ھ

کیا مالک کو یہ حق ہے کہ اپنی زمین جسے چاہے کرایہ پر دیدے؟

سوال [۹۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب حافظ سجاد حسین کی ایک زمین ہے، جس کو غلام حسین نے کرایہ پر لے رکھا ہے، اب غلام حسین کا انتقال ہو چکا ہے اور غلام حسین کے دو بھائی: عابد حسین، نبی حسین اور اب عابد حسین پوری زمین کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور مالک زمین حافظ سجاد حسین مذکورہ زمین کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے، تو کیا مالک زمین کو یہ حق ہے کہ عابد حسین کو نہ دے کر نبی حسین کو کرایہ پر دے دے؟

المستفتی: نبی حسین عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مالک زمین نبی حسین کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے، تو شرعاً مالک کو اختیار ہے کہ عابد حسین کو نہ دے کر نبی حسین کو دے دے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوي شريف ۱/ ۷)

يتصرف المالك في ملكه كيف شاء. (البناية، أشرفيه ۸/ ۲۱۹) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰ رشوال ۱۴۱۰ھ

مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے دوکان کرایہ پر دے

سوال [۹۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان شخص اپنی دوکان کسی دوسرے دینی بھائی کو کرایہ پر دیتا ہے، وہ شخص عقیدۃً

اپنی دوکان کے بورڈ پر سرفہرست ''یاوارث'' لکھوا دیتا ہے، مذکورہ مالک دوکان کو اس پر اعتراض ہوتا ہے اور وہ اپنی دوکان مذکورہ مسلم بھائی سے خالی کرالیتا ہے، اس کے بعد وہی دوکان ایک غیر مسلم کو کرایہ پر بھاری رقم پیشگی کے عوض دے دیتا ہے، وہ کرایہ دار چونکہ غیر مسلم ہے جو اپنی دوکان کے آغاز پر دوکان میں باقاعدہ ''ہوں اور سنکھ'' دیگر پوجا پاٹ کے بعد دوکان کھولتا ہے اور دوکان کے اندر کے سامنے کی دیوار پر عقیدۃً کچھ شلوک لکھوا دیتا ہے اور دوکان سجا کر آرام سے راحت حاصل کرتا ہے۔

مذکورہ بالا حالات کے مطابق مالک دوکان پنج گانہ نمازی اور حاجی بھی ہے، دیگر محلّہ کی مسجد میں پیش امامت کے فرائض بھی انجام دے رہا ہے، جس پر چند حضرات محلّہ ودیگر نمازی حضرات کو اختلاف قوی ہے، اس روشنی میں علماء حضرات کی رائے کی اشد ضرورت ہے۔

المستفتی: اسدعلی شاہجہاں پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان کے مالک کو اس معاملہ میں اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنی دوکان کرایہ پر دے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور مذکورہ غیر مسلم نے دوکان کرایہ پر حاصل کرنے کے بعد جو عمل کیا ہے، اس کا ذمہ دار مالک دوکان نہیں ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے اس کی امامت پر کوئی اثر پڑے گا۔ اور جو سوال نامہ میں ''یا وارث'' لکھنے اور ''ہوں اور سنکھ'' لکھنے کے درمیان مقابلہ کیا گیا ہے اور اسی مقابلہ کو پہلے کرایہ دار سے خالی کرانے کی بنیاد اور علت قرار دیا گیا ہے، یہ بات خود سوال نامہ کی اگلی عبارت کی وجہ سے درست نہیں معلوم ہوتی۔ سوال نامہ میں اگلی عبارت ہے کہ غیر مسلم کو بھاری کرایہ پر بھاری پیشگی رقم کے عوض دینے کا ذکر ہے، واضح رہے کہ مالک دوکان کا مقصد لفظ وارث اور ہوں اور سنکھ کا تقابل بنیاد نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد اپنی جائیداد سے بھاری آمدنی کا حصول ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ جہاں سے زیادہ رقم ملے وہاں اپنی جائیداد کو کرایہ پر دے دے اس پر کسی کو اشکال اور اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور مالک اپنی بھاری آمدنی کے لئے

مسلمان کو بھی دے سکتا ہے اور غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے۔ اور جائیداد کو کرایہ پر دینے میں شرعاً ایمان وکفر کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر. (درمختار) وفي الشامية: **لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۱۳، هداية، أشرفي ٤/ ٤۷۲، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، زكريا ۷/ ۱٤، البناية أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۸ھ

شوہر کے کرایہ کی دوکان میں کس کا حصہ ہے خسر کا یا بیوی کا؟

سوال [۹۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر اور میرے بھائی دونوں اسلامیہ لوکل ایجنسی کی ایک دوکان کی کرایہ داری میں شریک تھے، یہ دوکان ان کو میری نانی نے کرائی تھی جو میرے شوہر کی بھی نانی ہوتی ہیں، پگڑی کے دس ہزار روپئے بھی نانی ہی نے ادا کئے جو بعد میں ان دونوں سے واپس نہیں لئے، یہ دونوں اس میں برابر کی شرکت سے کام کرتے رہے، کچھ عرصہ کے بعد میرے بھائی نے تیس ہزار روپئے لے کر علیحدگی اختیار کرلی اور علیحدگی کا اقرار نامہ بھی لکھ دیا، اب اس دوکان کے مکمل مالک میرے شوہر ہوگئے۔ ۱۶؍دسمبر ۱۹۹۰ء میں جب میرے شوہر شہید ہوگئے تو اس کے کچھ دن بعد خسر صاحب نے دوکان کی کرایہ داری کو اپنے چھوٹے لڑکے کے نام کرانی

چاہی، جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے اپنے چھوٹے لڑکے فہیم کے نام سے ایجنسی کو درخواست دلوادی جس میں یہ تھا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے؛ لہٰذا دوکان کی کرایہ داری میرے نام کردی جائے، اس پر اسلامیہ لوکل ایجنسی نے اپنے وکیلوں سے مشورہ کر کے نسیم مرحوم کی بیوہ کے نام کرایہ داری کردی، اب میرے ہی نام سے ہی رسید جاری ہے، اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کرایہ داری کے مستحق میرے خسر ہیں یا میں یا میرے بچے؟

المستفتی: نرگس جہاں، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں کرایہ کی جائیداد دو قسم کی ہیں: (۱) وہ جائیداد جن کو کرایہ دار سے خالی کرانے کا مالک کو اختیار رہتا ہے اور حکومت اس سلسلہ میں مالک کا ہی ساتھ دیتی ہے، جیسا کہ اوقاف کی جائیداد۔

(۲) وہ جائیداد جن کو کرایہ دار سے خالی کرانے کا مالک کو اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اور اس میں حکومت کرایہ دار ہی کا ساتھ دیتی ہے، اگر مالک مکان خالی کرانے کی کوشش کرے، تو اس کی کوشش اس وقت تک ناکام رہتی ہے جب تک کہ کرایہ دار بھاری رقم لے کر خود خالی کرنے پر آمادہ نہ ہوجائے، گویا ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ خرید وفروخت کا معاملہ ہورہا ہے اور مالک مکان کرایہ دار سے اپنے مکان کو خرید رہا ہے، اس طرح کی کرایہ داری میں شرعاً کرایہ دار کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر تمام ورثاء کا حق ثابت نہ کیا جائے تو مالک مکان سے کرایہ دار کا ایک ہی وارث لاکھوں روپیہ وصول کر کے خود مالک ہوجائے گا۔ اور دوسرے ہمسر وارثین کو کچھ بھی نہیں دے گا؛ لہٰذا اس بناء پر خریدنے کی صورت میں حق خریداری اور منافع کی صورت میں حق منفعت تمام ورثاء کو حاصل ہوگا؛ کیوں کہ اگر مالک مکان سے خریدنا چاہے، تو کوڑیوں کے بھاؤ میں خرید سکتا ہے، اس لئے حق خریداری میں بھی تمام ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے اور منافع کی صورت میں حق منفعت تمام ورثاء سے متعلق ہوجاتا ہے اور پہلی قسم کی جائیداد کا معاملہ صرف قابض اور کرایہ دار تک محدود ہوتا ہے، ورثاء

سے متعلق نہیں ہوتا۔ اور سوال نامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے، وہ دوسری قسم کی جائیداد ہے؛ اس لئے اس میں تقسیم کے تمام ورثاء کا حق شامل ہوگا۔

یجوز إن كانت الأرض بإجارة في أيدي الذين بنوها لايخرجهم السلطان عنها من قبل أنا رأيناها في أيدى أصحابنا البناء توارثوها، وتقسم بينهم لا يتعرض لهم السلطان فيها ولا يزعجهم. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في زيادة أجرة الأرض المحتكرة، زكريا ٦/ ٥٩٢، ٥٩٣، كراچی ٤/ ٣٩١، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/ ٢٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

حکومت کی اجازت کے بغیر دوسرے ملک میں تجارت کرنا

سوال [۹۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت کی اجازت کے بغیر ایک ملک کے آدمی کا دوسرے ملک میں تجارت کرنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مظہر الحق مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حکومت کی اجازت کے بغیر ایک ملک کے آدمی کا دوسرے ملک سے تجارت کرنا اور ایک ملک کا مال دوسرے ملک منتقل کرنا اپنی عزت وآبرو کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کا حکم فرمایا ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو؛ لیکن پھر بھی کوئی شخص تجارتی مال خفیہ طور پر منتقل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو وہ مال اور اس کا پیسہ اس کے لئے حلال ہے، مگر شریعت ایسی تجارت کی اجازت نہیں دیتی جو خطرات میں مبتلا کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۷۸، جدید ۹/ ۲۲۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۵۴، جدید ۴/ ۱۷۴، ڈابھیل ۱۶/ ۱۴۸، ۴/ ۱۷۴، احسن الفتاوی ۸/ ۹۵)

عن حذيفة – رضي الله عنه – عن النبي ﷺ قال: لاينبغي لمسلم أن يذل نفسه، قيل: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٠٥، رقم: ٢٣٨٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

زمین کو بوقت ضرورت واپسی کی شرط پر کرائے پر دینا

سوال [۹۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نے اپنی جائیداد زید کو کرایہ پر اس شرط اور وعدے کے ساتھ دی کہ جب خالد کو واپسی جائیداد کی ضرورت ہوتو زید بلاکسی عذر اور تاخیر کے واپس کردے گا۔ آج جب کہ خالد کو اپنی ذاتی ضرورت ہے اور مجبور ہے کہ جائیداد کو اپنے تصرف میں لائے، جیسا کہ جائیداد کرائے پر دیتے وقت زید نے بلاکسی عذر اور شرط کے واپس کردینے کا وعدہ کیا تھا، خالد نے واپسی جائیداد کا مطالبہ زید سے کیا تو زید واپسی جائیداد کے لئے خالد سے کثیر رقم کا مطالبہ کر رہا ہے، سارے وعدے خالد اور زید کے درمیان زبانی ہوئے تھے، کیا فرماتے ہیں علماء دین شریعت مطہرہ کی روشنی میں کہ زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز؟ جزاک اللہ

المستفتی: رئیس احمد خان، بڑھیاں دوکان محلّہ تھانہ ٹین رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خالد نے اپنی جائیداد اس شرط اور وعدے کے ساتھ زید کو کرایہ پر دی کہ جب خالد کو جائیداد کی واپسی کی ضرورت ہوگی تو بلا کسی عذر کے واپس کردے گا اور زید نے اس شرط کو قبول کیا تو آج جب خالد اپنی ذاتی ضرورت سے مجبور ہوکر جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کررہا ہے، تو زید کو وعدے کے مطابق بلا کسی رقم کے واپس کر دینا لازم ہے، جائیداد کی واپسی کے لئے زید کا رقم کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے اور جس رقم کا مطالبہ کررہا ہے، وہ رقم زید کے لئے حرام اور رشوت ہے اور اس رقم کی لینے کی وجہ سے زید پر ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت ہوتی رہے گی۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكوة شريف ۲/ ۲۵۵، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۲۰۹۷۱، سنن الدارقطني، البيوع، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸۶۲، ۲۸۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۵۸)

مالک کا پانچ ہزار روپیہ پیشگی یا شٹر لگوانے کی شرط لگانا

سوال [۹۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے دوکان تعمیر کروائی، اس نے یہ اعلان کیا جو شخص کرایہ پر دوکان لے گا وہ

پانچ ہزار روپئے دے یا دوکان میں شٹر لگوائے اور یہ رقم نہ کرایہ میں مجری ہوگی اور نہ امانت ہے کہ بعد میں ملے گی، تو یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت اس طرح جائز ہوسکتی ہے کہ مالک دوکان کرایہ دار سے پانچ ہزار روپئے یا جو شٹر لگائے گا، اس کی قیمت یکمشت لے لے جس کو متعین مدت کا پیشگی کرایہ قرار دیا جائے گا اور یہ یکمشت لی ہوئی رقم ماہانہ یا سالانہ کرایہ کے علاوہ ہوگی؛ البتہ اس طرح کے معاملہ میں کرایہ دار جو شٹر لگوائے گا، اس کی قیمت کا متعین ہونا ضروری ہے، اسی طرح مدت اجارہ کا بھی متعین ہونا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۱۰)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، زكريا جديد ٤/٤٤٣، قديم ٤/٤١٣، هداية، اشرفي ٣/ ٢٩٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٠٠، زكريا ٧/ ٥١١)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، كتاب الإجارات، اشرفي ٣/٢٩٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤١) **فقط اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۷)

کرایہ پر مکان دے کر ہر سال دس فیصد بڑھانے کی شرط

سوال [۹۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دوکان مالک اپنی دوکان کرائے پر دے رہا ہے اور وہ دوکان مالک اپنے ہونے

والے کرائے دار کے سامنے ایڈوانس اور کرائے کی بات پیش کرتا ہے، جس پر کرائے دار راضی ہے، مگر دوکان مالک کی ایک شرط ہے، جو کرائے نامہ میں صاف طور پر لکھی ہوئی ہے کہ طے ہوئے کرایہ پر سالانہ کرایہ دس فیصد بڑھا کرے گا اس شرط پر بھی کرائے دار راضی ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ وہ دس فیصد جو ہر سال بڑھے گا وہ طے شدہ کرائے پر بڑھے گا یا ہر سال کے بڑھے ہوئے دس فیصد پر بھی بڑھے گا، مثلاً ۱۰۰/روپئے ماہوار کرایہ طے ہوتا ہے اور سال گزر جانے پر شرط کے مطابق اگلے سال کا کرایہ دس فیصد بڑھ کر ۱۱۰/روپئے ہوجاتا ہے، اس طرح آئندہ سالوں میں دس فیصد صرف ۱۰۰/روپئے پر ہی بڑھے گا یا ہر سال کے بڑھے ہوئے دس فیصد پر بھی بڑھے گا؟ مثلاً جیسے ایک سال گزر جانے پر ۱۰۰/ پر دس فیصد بڑھ کر ۱۱۰/روپئے ہوجاتا ہے، پھر دوسرے سال میں ۱۱۰/ کا دس فیصد بڑھ کر ۱۲۱/روپئے ہوجاتا ہے، اسی طرح سے تیسرے سال میں ۱۲۱/ کا دس فیصد ۱۳۳/ روپئے ، پھر چوتھے سال 133.10 روپئے کا 10% 146.41 روپئے، پھر پانچویں سال میں 146.41 روپئے پر 10% سے 161.051 روپئے ہوجاتے ہیں۔

تو اس طرح ہر سال کے بڑھے ہوئے دس فیصد کے حساب سے پانچ سالوں میں بڑھی ہوئی رقم بنی 161.051 روپئے۔ اور اگر طے شدہ کرایہ پر ہی دس فیصد بڑھتا ہے تو پانچ سالوں میں بڑھی ہوئی کل رقم بنتی ہے صرف -/50 روپئے، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیے کہ:

(۱) کیا طے شدہ -/100 روپئے پر ہی ہر سال دس فیصد بڑھے گا؟

(۲) کیا ہر سال کے بڑھے ہوئے دس فیصد پر بھی دس فیصد بڑھے گا؟

(۳) کیا کرایہ پر سالانہ بڑھنا جائز ہے؟

(۴) کیا دس فیصد پر ہر سال دس فیصد بڑھنا سود مانا جائے گا؟ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں؟ شریعت کی روشنی میں بتائیے۔

المستفتی: ندیم حسین سرائے کشن لال کھوکران اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کے معاملات کا عرف اور تعامل پر مدار ہے اور عرف اور تعامل میں سلسلہ اس طرح جاری ہے کہ سالانہ دس فیصد جو بڑھے گا وہ ہر سال کے اضافی شرح پر بڑھے گا، جیسا کہ سرکاری یا پرائیویٹ اداروں میں سالانہ ترقی کے بعد جب اگلے سال فیصد ترقی ہوتی ہے تو پچھلے سال کے کل کے اوپر اضافہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر سو روپئے کرایہ طے ہوا ہے تو اگلے سال ایک سو دس روپئے ہوگا۔ اور اس کے بعد والے سال میں ایک سو گیارہ روپیہ پر دس روپئے بڑھے گا؛ لہٰذا ایک سو اکیس روپئے ہوگا، اسی طریقہ سے ہر سال کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اور شریعت کے اندر اس طرح کے عرف اور تعامل کا اعتبار رہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (الأشباه والنظائر/ ١٥٦، عقود رسم المفتي قديم/ ٣٨، قواعد الفقه أشرفي ديوبند /٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند /٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۷۳)

کرایہ دار کب بجلی اور پانی کے بل کی ادائے گی کا ذمہ دار ہوگا؟

سوال [۹۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ف: ایک مؤمن حاجی مسلمان ہے، الف کرایہ دار ہے، ۱۵/۴/۱۹۹۸ء سے ۱۵/۷/۲۰۰۱ء تک کرایہ دار رہا، اس عرصہ میں قریب چار پانچ مہینے مکان بند رہا، مگر ف: کے قبضہ میں رہا اور ف کے بند مکان میں تالا بھی لگا رہا، چونکہ اس مکان میں تجارت کا سامان تھا، یقیناً ف کے ملازمین کو جب سامان کی ضرورت پڑتی ہوگی تو تجارتی سامان کو تالا کھول کر نکالتے ہوں گے اور بلب یا ٹیوب سے روشنی بھی کرتے ہوں گے اور کام سے فارغ ہو کر منہ ہاتھ بھی دھوتے ہوں گے اور بیت الخلاء بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ ف: کے ۱۵/۷/۲۰۰۱ء کو مکان خالی کرنے کے بعد بجلی پانی کا بل آیا، بجلی کا بل -/5079 روپئے اور پانی کا بل

7584/- روپئے تھا۔ اب چونکہ مکان خالی کر چکے تھے، الف: مالک جائیداد نے دونوں بل وصول کر کے ادائے گی کی ف: نے اپریل ۱۹۹۸ء سے ایک عرصہ تک بجلی کا بل ادا کیا اور اس کے بعد چونکہ بقول ف: کے بجلی اور پانی کا استعمال نہیں رہا، ہر دو بل بجلی اور پانی ادا نہیں کیا۔ اور کہتا یہ ہے کہ میں نے استعمال نہیں کیا، یہ بل غلط آئے ہیں، چونکہ ایک عرصہ سے مکان بند تھا۔ الف: کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ ف: کا تالا مکان میں ۱۵/۷/۲۰۰۱ء تک لگا رہا، مکان ف: کے قبضہ میں تھا، ہر دو بل واجبات بجلی و پانی ۱۵/۷/۲۰۰۱ء تک ف: کے ذمہ ہیں، مسلسل ف: یہ کہتا چلا آ رہا ہے کہ چونکہ مکان بند تھا، ف: کا تالا لگا ہوا تھا، بجلی اور پانی کا استعمال نہیں تھا۔ اور یہ بل غلط آئے ہیں، میں یہ بل جمع نہیں کروں گا۔ الف: کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ ف: کے مکان قبضہ میں ہے، اس مدت کی بجلی اور پانی کے بل کے واجبات ف کے ذمہ ہیں، اور ف کو ادا کرنا واجب ہے۔

المستفتی: جی ایف نظام الدین ویسٹ نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کرایہ دار کے قبضہ میں جب تک مذکورہ مکان رہا ہے، اس وقت تک بجلی اور پانی کے بل کی ادائے گی کا ذمہ دار کرایہ دار ہی ہوگا، چاہے اس میں کرایہ دار نے رہائش یا کاروبار نہ کیا ہو یا تالا لگا کر بند رکھا ہو، جب تک اس مکان کی تالی مالک مکان کو واپس نہ کردے گا، اس وقت تک پانی، بجلی وغیرہ کے بلوں کی ادائے گی کا ذمہ دار کرایہ دار ہی ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں ف: کرایہ دار کے قبضہ میں رہنے کے زمانہ میں بجلی اور پانی کا جو بل آیا ہے، اس کی ادائے گی کا ذمہ دار کرایہ دار ف: ہی ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۳۱۰)

كما يجب الأجر باستفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع إذا كانت الإجارة صحيحة حتى أن المستأجر دارا أو حانوتا مدة معلومة، ولم يسكن فيها في تلك المدة مع تمكنه من ذلك تجب الأجرة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، زكريا جديد ٤/ ٤٤٣، قديم

٤/ ٤١٣، هداية، اشرفی ٣/ ٢٩٤، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ١٥/ كراچی ٦/ ١١، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٥٠، كراچی ٤/ ١٩٥، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٤٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۷ھ

کرایہ دار کا مالک سے مرمت کا خرچ وصول کرنے کا حکم

سوال [۹۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل ایک مکان میں تقریباً ۴۵ر سال سے کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہے، جس کا کرایہ ماہ بماہ ادا کرتا رہا ہے، جب مالک مکان نے کرایہ لینے سے انکار کیا تو ہر ماہ کچہری میں جمع کر دیتا ہے، درمیان میں اس نے مالک مکان کی اجازت سے مکان کی مرمت کرائی، دیواریں بنوا کر چھت میں کڑیاں ڈالیں اور چھت بنوائی، فرش پختہ بنوایا، مکان میں پانی کے لئے نل نہیں تھا، تو ہینڈ پمپ لگوایا، اب مالک مکان مجھ سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے، تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو روپیہ میں نے مکان میں وقتاً فوقتاً لگایا ہے، اس روپیہ کو میں مالک مکان سے طلب کروں تو از روئے شرع وہ روپیہ طلب کرنا اور لینا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ مالک مکان نے کرایہ میں میرا کوئی روپیہ مجریٰ نہیں کیا ہے؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں آپ فتویٰ صادر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سائل محمد حیات خاں فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ نے مالک مکان کی اجازت سے مکان کی مرمت کرائی ہے، تو غیر منقولی اشیاء کی قیمت مالک سے وصول کر سکتے ہیں۔ اور اگر مالک ہینڈ پمپ کی قیمت دینے کے لئے تیار ہو تو قیمت لے لیں، ورنہ آپ اس ہینڈ پمپ کو اپنے ساتھ

لے جاسکتے ہیں۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷)

الأصل أن من بنى في دار غيره بأمره، فالبناء لرب الدار ويرجع عليه بما أنفق استاجر دارا فجصصها أو فرشها بآجر، أو ركب فيه بابا، أو غلقا أو نحوه وأمر به الموجر، فأراد المستأجر قلعه فله قلعه لو لم يضر لا لو أضر فله قيمته يوم الخصومة. (جامع الفصولين ۲/ ۱۶۰، وهكذا في الشامي، كتاب الخنثى، زكريا ۱۰/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۷۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۲۱ھ

مالک مکان کا کرایہ دار کا سامان فروخت کرنا

سوال [۹۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جون ۱۹۹۱ء میں ایک ہندو شخص پاٹھک نے اپنا انگریزی مدرسہ شروع کرنے کے لئے میرا مکان کرایہ پر لیا اور اپنے ابتدائی کام شروع کردئے، اشتہاروں کی چھپائی، کرسیاں اور میزیں، بورڈ اور دیگر ضروری سامان فراہم کرنے لگا کہ فلاں تاریخ کو میرا انگریزی اسکول شروع ہوجائے گا؛ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ مانیتا پراپت نہ ہوکر بھی چل سکتا، پندرہ بیس دن بعد جبل پور کی پولیس آئی اور ماسٹر پاٹھک صاحب کو گرفتار کرکے جبل پور لے گئی۔ سنا ہے کہ ان پر کیس چلا اور قانون کے مطابق سزا ہوگئی اور اب نہ جانے وہ ماسٹر صاحب کہاں ہیں، پھر ادھر میں نے ان کے سامان کو فروخت کرکے مکان خالی کرلیا اور دوسرے آدمی کو کرایہ پر دے دیا، پاٹھک پر میرا جو کرایہ تھا وہ میں نے سامان فروخت کرکے وصول کرلیا اور مکان خالی کرا کے دوسرے آدمی کو کرایہ پر دے دیا، اپنا کرایہ مجرا کرکے باقی رقم ایک ہزار

روپئے اسے واپس کرنے کے لئے اپنے پاس جمع کرلی ،وہ نہ آج تک آیا نہ میں نے دی، وہ رقم ایک ہزار کے قریب میرے پاس جمع ہے، اس رقم کو نہ تو میں خود استعمال کرسکتا ہوں اور نہ ہی خیرات کرسکتا ہوں، نہ کسی اسلامی کام میں خرچ کرسکتا ہوں؛ اس لئے آپ سے استفتاء ہے کہ ازراہ کرم مجھے جلدی سے اس رقم کے خرچ کی بابت مطلع فرمادیں کہ اسے کیا کروں؟ کسے دوں؟ کیوں کہ اسلام میں تو اس کے خرچ کی کوئی گنجائش شاید نہ ہوگی؛ اس لئے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ وہ رقم کسے دوں؟ کیا کروں؟ کہاں خرچ کروں؟ خدانخواستہ اگر اس رقم کو خرچ کرنے سے پہلے ہی میرا خاتمہ ہوگیا تو میرا کیا حال ہوگا؟

المستفتی: سرور القادری آنند بھون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے کرایہ دار کا سامان فروخت کرنا جائز نہیں تھا، نیز آپ صرف اتنے دنوں کا کرایہ لینے کے حق دار ہیں جتنے دن کرایہ دار نے استعمال کیا ہے، یا اس کے قبضہ میں رہا ہے؛ لہٰذا کرایہ دار کے سامان یا اس کی قیمت بطور امانت رکھنا لازم ہوگا، اور اس کو یا اس کے ورثاء کے حوالہ کردینا لازم ہوگا۔

وأما فی حق الآجر فلا یجوز، ولا تنعقد حتی لو انفسخت الإجارة الأولی. (حموي علی الأشباه، کراچی ۲/ ٤٦٥)

ویجب إن سکنها أجر المثل بالغا ما بلغ. (الدر مع الرد، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۹/ ٦٧، کراچی ٦/ ٤٩، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٥٣٠، مصري قدیم ۲/ ۳۸۲، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٥/ ۱۲۱، زکریا ٦/ ۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۵/ ۱۴۱۸ھ

آپسی رضا مندی کی بنا پر کاروبار کی دو جائز شکلیں

سوال [۹۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الحمد للہ میرا اپنا کاروبار اچھا چل رہا تھا، میں نے اپنی رقم سے زمین لی، عمارت بنائی، پھر کاروبار چلنے لگا، دوسرا بھائی ہم سے بالکل الگ تھا، کچھ کاروبار بھی کرتا تھا؛ لیکن اس میں اچھی آمدنی نہیں تھی، تو میں نے سوچا اپنے بھائی کو اپنے کاروبار میں سے پندرہ فیصد نفع میں شریک کرکے اس کا تعاون کروں، چنانچہ میں نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لگالیا اور نفع وآمدنی میں سے ۱۵ ر فیصد دینے لگا، اس کے ہمارے ساتھ لگنے کی وجہ سے دونوں کو فائدہ ہوا، مجھے بھی سہولت ہوئی اور بھائی کو بھی اچھی رقم ملی اور کام کرنے کا اسے میدان ملا؛ لیکن میرے ساتھ یہ پریشانی ہونے لگی کہ پہلے جب میں نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لگایا نہیں تھا، تو آزاد تھا، جہاں چاہتا تھا جیسے چاہتا تھا اپنے اور خیر کے کاموں میں آزادی سے خرچ کرتا، اس کا کوئی حساب رکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی، جب میں نے بھائی کو ۱۵ ر فیصد دینے کا وعدہ کرلیا، تو یہ خلجان پیدا ہوا کہ ہم نے ۱۵ ر فیصد بھائی کو دینے کا وعدہ کرلیا ہے اور اس میں سے حساب سے پہلے ہی بہت سے ضروری اخراجات ہوجاتے ہیں، ان پر بھائی کو فیصد نہیں ملتا، تو اب میں نے اپنے بھائی سے یہ طے کیا ہے کہ تم ہمارے یہاں ملازم کی حیثیت سے کام کرو، معقول تنخواہ دیں گے اور سال میں اپنی مرضی سے بطور انعام معقول رقم دیں گے، اس پر بھائی راضی بھی ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اپنے بھائی کو اس طرح تنخواہ پر ملازم رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور کچھ انعام الگ سے تنخواہ کے علاوہ دینا کیسا ہے؟ تاکہ اس کی دلداری بھی ہو اور مزید محنت سے کام کرتا رہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں ایک ساتھ کاروبار کی دو شکلیں بیان کی گئی

ہیں۔ دونوں شکلیں آپس کی رضا مندی سے جائز اور درست ہیں، پہلی شکل یہ ہوئی کہ سائل نے اپنے بھائی کو اس طریقہ سے کاروبار میں شریک کرلیا کہ سارا سرمایہ سائل کا ہے اور اس کا بھائی ساتھ میں کام کرے گا اور نفع کا ۱۵ر فیصد بھائی کو ملے گا اور باقی ۸۵ر فیصد اپنے لئے ہوا کرے گا۔ دوسری شکل یہ ہوئی کہ شرکت ختم کردی گئی، پھر بھائی کو موٹی اور بھاری تنخواہ پر ملازم کی حیثیت سے رکھ لیا گیا، تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ۱۵ر فیصد کے ساتھ جو معاملہ طے ہوا تھا اس کا حساب وکتاب صاف کرلیا جائے، اس کے بعد معقول تنخواہ پر بھائی کو ملازم کی حیثیت سے رکھ لیا جائے تو شرعی طور پر ایسا کرنا بھی جائز اور درست ہے، جب کہ جانبین اس پر راضی ہوں اور الگ سے انعام دینا تنخواہ میں شامل نہیں ہے؛ بلکہ مالک کے رحم وکرم پر مبنی ہے، ہاں البتہ اگر سالانہ انعام متعین کردیا جائے تو وہ بھی تنخواہ میں شمار ہوگا اور اس کا دینا بھی مالک پر لازم ہوجائے گا۔ اور طے کئے بغیر جو دیا جائے وہ بھی انعام ہی ہوگا، مگر اس کے وصول کرنے پر مالک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

وهـذه الـعـقـد يشبه المضاربة من حيث أنه يعمل في مال الشريك، ويشبـه الشـركة اسـما وعملا، فإنهما يعملان فعملنا يشبه المضاربة، وقلنا يـصح اشتراط الربح من غير ضمان، ويشبه الشركة حتى لا يبطل باشتراط العمل عليهما. (هداية، كتاب الشركة، أشرفي ٢/ ٦٣٠)

والأجير الخاص: الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه فى المدة، وإن لـم يـعـمـل كـمـن استـوجر شهرا للخدمة أو لرعي الغنم، وإنما سمى أجير وحـد؛ لانـه لا يـمكنه أن يعمل لغيره؛ لأن منافعه في المدة صارت مستحقة لـه، والأجـر مـقابل بالمنافع، ولهذا يبقى الأجر مستحقا، وإن نقص العمل.
(هداية، كتاب الإجارات، باب ضمان الأجير، أشرفي ٣/ ٣١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۶)

اجارہ مشترکہ کی صورت میں کچھ ضائع ہوجائے تو ضامن کون ہوگا؟

سوال [۹۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تین فریقین ہیں، جن کا کاروباری سلسلہ الگ الگ ہے، یہ تینوں اپنا چاول زید کے ٹرک سے ٹانڈہ سے رام نگر لے جارہے تھے، یہ کل چالیس بوری چاول تھا، جس کی تفصیل اس طرح ہے: محمد جمیل ۱۲/ بوری چاول ٹوٹ۔ محمد علی ۲۰/ بوری ٹوٹ۔ بیوہ خدیجہ ۸/ بوری چاول سالم۔ جب ٹرک والا یہ چاول لے کر روڈ پر آیا تو چاول انسپکٹر نے اس ٹرک کو پکڑ لیا اور ٹانڈہ کے ایک میل میں لے جاکر کھڑا کر دیا اور ڈرائیور سے جب انسپکٹر نے معلوم کیا کہ ٹرک میں کتنی بوری چاول ہے؟ تو ڈرائیور نے ۳۱/ بوری چاول بتلایا، مالکان میل نے یہ سن کر ۹/ بوری چاول ٹرک سے حکمت عملی سے اتروا کر الگ کر دیا؛ لہٰذا انسپکٹر نے بتلائی ہوئی ۳۱/ بوری کا مقدمہ بنام محمد علی درج کر دیا، وہ جو ۹/ بوری ٹرک سے اتاری گئی ہیں، ان میں آٹھ بوری چاول سالم ہیں اور ایک بوری چاول ٹوٹ، ان میں ایک بوری مشخص طور پر زید کی ہے اور ۸/ بوری چاول سالم متعین طور پر بیوہ خدیجہ کے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ۹/ بوری مال کا کون مالک ہے؟ آیا مندرجہ بالا اشخاص سب مستحق ہیں یا ان میں سے کوئی ایک؟

واضح رہے کہ مندرجہ بالا اشخاص کا مال قسم کے اعتبار سے بھی الگ الگ تھا، اب شرع متین کی روشنی میں واضح طور پر مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: حاجی رئیس احمد ساکن محلّہ بھیل بوری ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ اجارۂ مشترکہ کا ہے، ٹرک والا زید اجیر مشترک ہے، اس نے ہر صاحب مال سے الگ الگ معاملہ کیا ہے اور ہر ایک کا مال بھی الگ الگ نوعیت کا ہے، ایک ٹرک میں مخلوط کرنے کے باوجود ہر شخص اپنا مال علیحدہ پہنچان سکتا ہے؛ اس

لئے حفاظت شدہ ۸؍سالم بوری اور ایک بوری ٹوٹ اصل مالک کی ملکیت میں ہی ہے، ان میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے، بیوہ خدیجہ کی قسمت اچھی ہے کہ اس کی سب بوری محفوظ ہوگئیں، نیز زید کی قسمت ہے کہ اس کی ایک بوری محفوظ ہوگئی، باقی ۳۱؍بوری کا ذمہ دار زید ٹرک والا بھی نہیں ہوگا، مالکان کی ملکیت میں ہی نقصان ہوا ہے۔

إن استأجر حمالا ليحمل له طعاما في طريق كذا، فأخذ في طريق غيره يسلكه الناس، فهلك المتاع فلا ضمان عليه. (هداية، كتاب الإجارات، باب مايجوز من الإجارة، وما يكون خلافا فيها، أشرفي ٣/ ٣٠٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ٢٩٣، رقم: ٢٣١١٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٢/ ٤٦، رقم: ١٤٠٤٦، مجمع الضمانات ١/ ٣٧، البناية، أشرفيه ١٠/ ٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۲۷)

کرایہ پر لی ہوئی زمین پر مالک کی اجازت سے عمارت تعمیر کرلی تو اب کیا کرے؟

سوال [۹۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر کی زمین کو ۲۵؍سال کے لئے کرایہ پر لے لیا اور زید نے زمین میں عمارت تعمیر کرلی، اب ۲۵؍سال پورے ہوجانے کے بعد عمر کو زمین واپس کرنی ہے، تو عمارت کے ملبہ کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے عمر کو زمین کرایہ پر دیتے وقت اگر عمارت بنانے کی اجازت دی تھی، تو اب مدت اجارہ ختم ہونے پر عمر زید سے اپنی عمارت میں خرچ ہونے والی رقم وصول کرے گا اور عمارت زید کو دے دینا لازم ہے؛ لیکن اگر زید نے عمر کو تعمیر کی اجازت نہیں دی تھی، تو اب زید کو دو اختیار ہیں کہ عمر کو عمارت کے توڑنے کا مکلّف بنادے یا زید عمر کو اس عمارت کی قیمت ادا کردے اور عمارت اپنے پاس رکھ لے۔

إذا بنى المستأجر أو غرس بدون إذن الموجر فلو بإذنه فيرجع عليه بما أنفق. (شرح المجلة رستم، مكتبة إتحاد ١/ ٢٩٠، رقم المادة: ٥٣١)

تصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... فإن مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتها إلا أن يغرم له الموجر قيمته أى البناء والغرس مقلوعا. (الدر مع الرد، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة، زكريا ٩/ ٤٠، ٤١، كراچی ٦/ ٣٠)

لو أحدث المتسأجر بناء في العقار الماجور، أو غرس شجرة، فالآجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة إن شاء قلع البناء والشجرة، وإن شاء ابقى ذلک وأعطى قيمته كثيرة كانت أو قليلة. (شرح المجلة رستم، مكتبه إتحاد ١/ ٢٩٠، رقم المادة: ٥٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۴/۱۱۴۵)

جس شخص نے تنہا اپنی کمائی سے کاروبار بڑھایا اس میں دوسرے بھائی کی حصہ داری نہ ہوگی

سوال [۹۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پانچ بیٹے ہیں، بڑا لڑکا بکر بڑے ہونے کے بعد ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازمت کرنے لگا، اس کے بعد اس نے اپنی کمائی کے ذریعہ خود ٹرانسپورٹ کا کام شروع کیا، نہ بھائی کا اس میں پیسہ لگا نہ باپ کا کوئی سرمایہ، اس کے بعد اس نے اپنے دو بھائیوں کو اپنے ساتھ کاروبار میں لگالیا، اور کوئی وعدہ نہیں کیا کہ علیحدگی کے وقت ان کو کوئی حصہ دیا جائے گا، بلکہ بھائیوں کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا؛ اس لئے ان کو ساتھ لگالیا اور اس بھائی نے بھائیوں اور بہنوں کی شادی کرادی، ایسے حالات میں ایک بھائی اس کے کاروبار سے الگ ہوجانا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ تم الگ ہونا چاہتے ہوتو ہوجاؤ، مگر تم کو کوئی حصہ نہیں ملے گا؛ کیوں

کہ اس میں مکمل سرمایہ میرا ہے، تمہارا کچھ نہیں، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ سرمایہ سارا بکر کا ہے یا بھائیوں کو بھی کچھ حصہ ملے گا؟ اگر ملے گا تو کیا ملے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: بکر نے ٹرانسپورٹ کا کام اپنے پیسوں سے شروع کیا ہے، باپ اور بھائیوں کا اس میں کوئی پیسہ نہیں لگا ہے اور اس نے بھائیوں کو ہمدردی کے طور پر اپنے ساتھ کام میں لگا لیا تھا اور ان کو ضرورت کے سارے اخراجات کے پیسے بھی دیتا رہتا تھا، اب کوئی بھائی علیحدہ ہونا چاہتا ہے اور کاروبار میں حصہ داری کا مطالبہ کرتا ہے، تو اس کو حصہ داری کے طور پر کچھ نہیں دیا جائے گا اور پورے کاروبار کا مالک بکر ہی ہوگا، الگ ہونے والا بھائی صرف اجرت مثل کا مستحق ہے۔

وإن احتطب أحدهما وأعانه الآخر للمعين أجر مثل عمله. (بزازية، كتاب الشركة، زكريا جديد ٣/ ١١٧، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٢٧)

فإن احتطب أو احتش أحدهما وأعانه الآخر في جمعه، فالمجموع كله للذي احتطب، وللآخر أجر مثله عندهم جميعا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٧/ ٥٠٣، رقم: ١١٠٠١)

فإن احتطب أحدهما وأعانه الآخر بأن قلع أحدهما وجمع الآخر، أو قلع أحدهما وجمع وحمل الآخر كان المجموع للذي احتطب لما قبل الشركة وللمعين أجر المثل. (الفتاوى الولوالجية، دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٤٨، سراجية، مكتبة إتحاد ١/ ٣٧٠)

وما حصله أحدهما بإعانة صاحبه فله ولصاحبه أجر مثله. (الدر مع الرد، كتاب الشركة، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/ ١٥٧)

الأب والابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامی، كتاب

الشركة، مطلب أجتمعا في دار واحدة ...... زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچى ٤/ ٣٢٥، هندية، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۳۴۴)

بونس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال [۹۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صابر ایک سرکاری نوکر ہے، سال میں ایک بار اس کو بونس (انعام) کا پیسہ ملتا ہے، وہ اس پیسے کو اپنے خرچ میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ بونس کی یہ رقم سال کے آخر میں ملازم کو بطور انعام دی جاتی ہے، جوکہ ماہانہ تنخواہ سے الگ ہوتی ہے، نیز یہ رقم حسن کارکردگی کی بنا پر ملازم کو ملتی ہے۔

المستفتی: ماسٹر محمد انیس سیوہارہ، محلّہ اسلام نگر، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسن کارکردگی کی بنا پر جو بونس بطور انعام ملتا ہے، اس کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے؛ اس لئے اپنے خرچ میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۷۷/۱۳۷۷)

ملازم فسادات کے دوران کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

سوال [۹۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید نے بکر کے مدرسہ میں چالیس سال خدمت کی اور بہت کم قلیل تنخواہ میں کام کرتا رہا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے تنخواہ ۱۹۸۰ء میں مبلغ: ۸۰/روپیہ ماہوار تھی، اس وقت تک زید کی صحت بھی اچھی تھی اور ٹیوشن وغیرہ بھی پڑھاتا تھا، اس طرح گذارا ہوجاتا تھا۔ اگست ۱۹۸۰ء میں کرفیو لگا، طلبہ جو عید الفطر پر اپنے گھر گئے ہوئے تھے واپس مدرسہ میں نہیں لوٹے؛ کیوں کہ مدرسہ ہندوؤں کے محلّہ میں واقع ہے، بچوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ بند ہوگیا، بکر نے یہ کہہ کر کہ اب مدرسہ میں بچے نہیں ہیں، زید کی تنخواہ بند کردی؛ لیکن زید ۱۹۸۰ء سے اب تک برابر مدرسہ کی دیکھ بھال وکرایہ کی وصولیابی کا کام کرتا رہا ہے ۱۹۸۱ء سے زید برابر بیمار چل رہا ہے، طعام کی بھی پریشانی ہے، مدرسہ کو خالی کرانے کی تنبیہ کی جارہی ہے، اور زید کو ہر طرح سے پریشان کیا جارہا ہے، زید کے یہاں کوئی جگہ رہنے کی نہیں ہے اور نہ ہی اتنا روپیہ ہے کہ انتظام کیا جاسکے، اس لئے زید نے بکر سے کہا کہ میری سن ۱۹۸۰ء سے روکی گئی تنخواہ کا حساب لگا کر میرا حساب صاف کردیا جائے، برائے کرم یہ ارشاد فرمادیا جائے کہ زید کو یہ روکی گئی تنخواہ لینا بکر سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ عبدالمجید خان مدرسہ سعیدیہ منڈی بانس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں کا عرف بھی ہے کہ اگر کسی وجہ سے مدرسہ کچھ عرصہ تک بند ہوجائے اور مدرسین وملازمین استعفیٰ نہ دیں یا ان کو معزول نہ کیا جائے؛ بلکہ اپنے آپ کو مدرسہ کی خدمت کے لئے سپرد کئے رکھیں تو وہ لوگ تنخواہ کے حق دار ہیں، جیسا کہ ۱۹۸۰ء کے فساد کے موقع پر دو تین ماہ تک مرادآباد کے بڑے بڑے مدرسہ بندرہے، مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی، مدرسہ امدادیہ، جامع الہدیٰ وغیرہ بندرہے؛ لیکن مدرسین وملازمین کو تنخواہ بھی ملتی رہی، اسی طرح اگر سوال نامہ میں درج شدہ زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی اور اس نے مسلسل مدرسہ کے لئے اپنے آپ کو پیش کررکھا ہے، نہ اس نے استعفیٰ دیا اور نہ اس کو معزول کیا گیا ہے، تو وہ روکی گئی تنخواہوں کا حق دار ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴۹)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (عقود رسم المفتي قديم/ ۳۸، قواعد الفقه أشرفي ديوبند / ۷٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديو بند / ٤٤)

وقول الفقهاء: المعروف كالمشروط. (عقود رسم المفتي/ ٩٤)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیو بند/ ۱۲٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۰ ۷)

کرفیو کے دوران بند مدرسوں اور کارخانوں کے ملازموں کی تنخواہ

سوال [۹۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذشتہ دنوں دہلی، میرٹھ فساد کے دوران کرفیو نافذ ہونے کی وجہ سے علاقے میں کاروبار، کارخانے، اسکول و دینی مدارس بند رہے، کچھ ارباب مدرسہ اور کارخانے داروں نے اپنے ان ملازمین اور اساتذہ کی ان ایام کی تنخواہ وضع کرلی ہے، جو کئی سال سے ان میں کام کرتے ہیں، ان دنوں کی کوئی رخصت اور غیر حاضری بھی نہیں ہے اور نہ ہی شہر چھوڑ کر کہیں باہر گئے اور نہ کسی اور جگہ کام کیا؛ بلکہ اپنے آپ کو کارخانہ اور مدرسہ کے سپرد کئے رکھا، جب کہ تقرری کے وقت کوئی ایسا معاہدہ بھی نہیں ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمایا جائے کہ یہ کٹوتی جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محبوب حسین، فراش دہلی ٦

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ملازمین ومدرسین کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے، تو عرف کے مطابق وہ لوگ تنخواہ کے مستحق ہیں، مرادآباد میں ۱۹۸۰ء کے فساد کے موقع پر

دو تین مہینے تک مرادآباد کے بڑے بڑے مدارس بندر ہے، مثلاً جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مدرسہ امدادیہ، مدرسہ جامع الہدیٰ وغیرہ بندرہے؛ لیکن ملازمین ومدرسین کی تنخواہیں وضع نہیں کی گئیں، برابر تنخواہ دی گئی، نیز ''امدادالفتاوی ۳/ ۳۴۹'' سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (عقود رسم المفتي قديم/ ۳۸، قواعد الفقه أشرفي ديوبند / ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديو بند / ٤٤)

وقول الفقهاء: المعروف كالمشروط. (عقود رسم المفتي/ ٩٤)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا الخ. (قواعد الفقه، اشرفی ديوبند/ ١٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۱۱)

سرکاری ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟

سوال [۹۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کا نظام حکومت باطل نظام ہے، اس میں سرکاری ملازمت کرنا ایک مسلمان مرد اور عورت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح اور ناجائز تو کس طرح؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: فاقر بیگ راج دوارہ، رامپور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کے نظام حکومت کو یکسر باطل کہنا درست نہیں ہے؛ بلکہ نظام حکومت میں بہت سے قوانین وضابطے جائز اور درست ہیں، مثلاً حکومت کا ایک نظام ہے ٹرین جس کے مختلف درجات ہیں اور ہر ایک کے لئے الگ الگ ٹکٹ کا نظام ہے، تو نظام حکومت کے ماتحت رہ کر ٹکٹ خرید کر ان ٹرینوں میں سفر کرنا جائز اور درست ہے

اور اس کے خلاف کرنا شریعت میں بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح نظام حکومت میں اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں شعبہ جات ہیں، جس میں نظام حکومت کے تحت رہ کر ملازمت کرنا جائز ہے، اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح ہسپتالوں کے نظام ہیں کہ نظام حکومت کے تحت وہاں بھی ملازمت کرنا جائز ہے اور اس کی تنخواہ بھی جائز ہے؛ اس لئے تمام نظام حکومت کو باطل کہنا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس طرح کی ملازمت کوئی مسلمان حاصل کرتا ہے، پھر اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ تنخواہ وصول کرتا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں البتہ کوئی ملازم ملازمت کے ساتھ ساتھ رشوت وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا اپنا فعل ہے اور رشوت لینا حکومت کا نظام نہیں ہے؛ لہٰذا حکومت کی جائز ملازمت حاصل کر کے اس سے تنخواہ حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں اگر کسی شعبہ کا نظام شرعی نقطہ نظر سے ناجائز اور باطل ہے، تو مسلمانوں کو ایسے شعبہ میں ملازمت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، آپ نے سوال نامہ میں کوئی ایسا شعبہ متعین نہیں فرمایا ہے؛ اس لئے ہم اپنی طرف سے کسی شعبہ کی تعیین نہیں کریں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۲۷۰، ڈابھیل ۱۶/ ۵۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲ھ

سرکاری مدرس کا عذر کی بنا پر لڑکے کو نائب بنانا

سوال [۹۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد صاحب سرکاری مدرسہ میں تدریس کی خدمت کر رہے ہیں اور اس میں مختلف کتابیں پڑھاتے ہیں، بعض دفعہ والد کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کی بنا پر وہ اپنے لڑکے زید کو پڑھانے بھیج دیتے ہیں، تو زید کے جانے سے سبق بھی مکمل ہو جاتا ہے اور حاضری بھی ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں زید کے والد کو مکمل مہینہ کی

تنخواہ لینا اور زید کا پڑھانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر سرکاری ملازمین کو اس بات کی اجازت ہے کہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے یا کسی عذر کی وجہ سے ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر ہونے کی صورت میں اپنا بدل پیش کیا جائے، تو ایسی صورت میں زید کے لئے باپ کی جگہ جا کر ذمہ داری ادا کرنا اور باپ کے لئے ماہانہ تنخواہ حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔

الخليفة إذا أذن للقاضي في الاستخلاف، فاستخلف رجلا وأذن له في الاستخلاف جاز له الاستخلاف. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في استخلاف القاضي نائبا عنه، زكريا ۸/ ۷۵-۷٦، كراچی ۵/ ۳۹۱-۳۹۲، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳۵، مصري قديم ۲/ ۱٦۸، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ٦، زكريا ۷/ ۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۲٦ھ
۲۸/۴/۱۴۲٦ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۹۵)

ریلوے میں ملازم باپ کی جگہ متبنیٰ کی نوکری کا حکم

سوال [۹۵۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ شفیع کا لاولد انتقال ہوگیا، ریلوے ملازم تھے، ان کا ایک لے پالک لڑکا شیخ عاقب ہے، ریلوے ڈپارٹمنٹ اگر مرحوم کی جگہ لے پالک کو ریلوے میں نوکری دے دے تو کیا یہ اسلامی قانون میں منع ہے؟

المستفتی: زوجہ شفیع رئیسہ بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ریلوے سرکاری شفیع مرحوم کی جگہ پر اس کے لے پالک کو ملازمت دے دے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، چونکہ سرکار لے پالک کو بھی مرحوم کے پسماندگان شمار کرتی ہے، اور اس کو بھی پسماندگان میں ہونے کی وجہ سے ملازمت دینے کے کالم میں رکھا ہے؛ اس لئے اس کے لئے ملازمت قبول کرنا اور اپنی ذمہ داری ادا کرکے تنخواہ وصول کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے لے پالک مرحوم کا شرعی وارث نہیں بنے گا۔

قال العلامة الحصكفي –رحمه الله– : كل أنواع الكسب في الإباحة سواء قال الشافعي تحته: أقول: فالمراد من قولهم: كل أنواع الكسب في الإباحة سواء أنها بعد إن لم تكن بطريق محظور لا يذم بعضها، وإن كان بعضها أفضل من بعض. (شامي، كتاب الصيد، كراچی ٦/ ٤٦٢، زكريا ١٠/ ٤٦، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٤، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٥٦، رقم: ٢٨٣٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۳۱ھ

ڈاکخانہ سے روپئے لاکر لوگوں کو دینے کی اجرت لینا

سوال [۹۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک گاؤں کا رہنے والا ہے، جہاں ڈاکیہ گھر گھر روپیہ پہنچاتا نہیں اور اگر پہنچاتا بھی ہے تو تاخیر سے؛ لہٰذا اس گاؤں میں ایک شخص ایسا ہے جو باہر سے ڈاک سے آئے ہوئے روپئے جاکر ڈاکخانہ سے لے آتا ہے، اور اس میں سے اپنے لئے فیصد ۱۵/ روپئے لیتا ہے اور لوگ بھی دیتے ہیں؛ اس لئے کہ ان کو روپئے جلد مل جاتے ہیں، تو کیا ان کا یہ روپیہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر منصور عالم، کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ڈاکخانہ سے بذریعہ ڈاک آئے ہوئے روپئے لاتا ہے، اگر وہ باتنخواہ ملازم نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں نے اس طرح فیس کے ذریعہ اس کی اجرت متعین کی ہے، تو ایسے روپئے اس کے لئے جائز ہیں۔ اور اگر سرکار کی طرف سے باتنخواہ ملازم ہے تو لینا جائز نہیں ہے۔

إذا دفع الرشوة يسوی أمره عند السلطان حل للدافع، ولا يحل للآخذ أن يأخذه، فإن أراد أن يحل للآخذ يستأجر الآخذ يوما إلی الليل بما يريد أن يدفع إليه، فإنه تصح هذه الإجارة. (البحر الرائق، کتاب القضاء، زكريا ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢، رد المحتار، مطلب في الكلام على الرشوة، زكريا ٨/ ٣٥، كراچی ٥/ ٣٦٢، تاتارخانية، زكريا ١١/ ٧٧، رقم: ١٥٥٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۷۲)

خلاف شرع کام ہونے والے ہوٹل کی ملازمت کا حکم

سوال [۹۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحانات میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں، اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے۔ ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے؛ لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو شرعاً جائز نہیں ہیں، مثلاً شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص موسیقی کی سہولت وغیرہ، اسی طرح پردہ کی رعایت کئے بغیر سوئمنگ پل تو کیا ایسے ہوٹلوں میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟ جب کہ حرام چیزوں کی

فراہمی سے اس کا براہ راست تعلق ہو یا براہ راست اس سے تعلق نہ ہو؟

المستفتی: محمد قمر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے ہوٹلوں کا قائم کرنا اور کرایہ پر ہوٹلوں کا چلانا فی نفسہٖ جائز ودرست ہے؛ لیکن ان ہوٹلوں میں شراب، خنزیر، حرام غذا کا انتظام اور رقص وموسیقی وغیرہ فواحش وناجائز چیزوں کا انتظام کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ جولوگ ان حرام کاریوں میں اور حرام عمل میں شریک ہوں گے، ان کو جتنا گناہ ہوگا انہیں کے برابر گناہ اس کا انتظام کرنے والوں کے سر بھی ہوگا۔ ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کی صورت میں ان حرام امور میں سے کسی میں ملوث ہونا پڑتا ہو یا ان کا انتظام کرنا پڑتا ہو، تو ایسی ملازمت شرعی طور پر جائز نہیں، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو اپنے آپ کی حفاظت کرنا لازم ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [المائدة: ۹۰]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ. [المائدة: ۳]

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله ﷺ في خمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، ومحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشترى لها، والمشتراة له. (ترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۲، دارالسلام، رقم: ۱۲۹۵)

ولا تصح الإجارة لعسب التيس ولا لأجل المعاصي مثل الغناء، والنوح، والملاهي. (شامي، كتاب الإجارة، بالإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار

علی المعاصي، کراچی ٦/ ٥٥، زکریا ٩/ ٧٥)

وقال أبو حنيفة -رحمه الله- : لا تجوز الإجارة على شيء من اللهو، والمزامير، والطبل وغيره؛ لأنها معصية، والإجارة على المعصية باطلة.

(تاتارخانية ١٥/ ١٣٢، رقم: ٢٢٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۴/۱۴۳۲ھ

کیمروں کے مرمت کی اجرت کا حکم

سوال [۹۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کیمرہ میکینک ہے اور تقریباً اڑتالیس سال سے کیمروں کی مرمت کرتا ہے، تو کیا یہ کام درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اب اس جدید دور میں کیمروں میں یہ فرق ہوگیا ہے کہ پرانے کیمروں میں ریل اور فلم ڈالی جاتی تھی، پھر فوٹو کھینچا جاتا تھا، اس کے بعد اس کو دھوکر تصویر بنتی تھی؛ لیکن اب ڈیجیٹل کیمرے آگئے ہیں، جن میں فلم نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ عکس کو الیکٹرونک طریقہ سے جذب کرتے ہیں اور کیمرہ پروسیس (محفوظ) کرکے آپ کو اسکرین پر تصویر دکھاتا ہے، آج جیسا کہ تصویر اور فوٹو کی ضرورت سے مطلقاً انکار نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ موقع بموقع فوٹو کی شدید ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً سرکاری آفسوں میں ملازمتوں، بینکوں، مدارس اور کالج کے فارموں میں شناختی کارڈ اور حج کی درخواستوں میں وغیرہ وغیرہ اسی طریقہ سے پریس اور میڈیا والے حادثے کی تصویر کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں، نیز ڈاکٹر حضرات بھی زخموں کے علاج میں نیز دیگر بیماریوں مثلاً دانتوں اور آنکھوں کے علاج میں اور پیٹ کے اندرونی علاج میں بھی کیمروں کا استعمال کرتے ہیں، اسی طریقہ سے ریلوے اسٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر لوگوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لئے بھی

کیمروں کا استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ R.N.D جوحکومت کا ایک حساس ادارہ ہے، جو نہ صرف عوام بلکہ پورے ملک کی حفاظت کے لئے کام کرتا ہے، اس میں بھی کیمروں کی ضرورت پڑتی ہے، اوراس شعبہ کے کیمروں کی مرمت کا کام بھی زید کے سپرد ہے۔اب ایسی صورت حال اور ایسے مواقع کہ جن میں فوٹو کی شدید ضرورت پڑتی ہے اور شرعاً ایسے مواقع میں فوٹو کی اجازت بھی ہے، تو کیا ان حالات میں زید کے لئے کیمروں کی مرمت کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ نیز زید کے لئے کیمروں کی مرمت پر حاصل ہونے والی اجرت اور کمائی حلال ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید صرف کیمروں کی مرمت کرتا ہے، فوٹو گرافری اور فوٹو سازی وغیرہ کا کام نہیں کرتا ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اصول شرع کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: شیخ محمد غوث کیمرہ ٹیکنیشن ایم جی روڈ ونڈر لینڈ، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیمرہ چونکہ فحش اور ذی روح کی تصاویر ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ذریعہ بہت سے جائز اور مباح کام بھی انجام پاتے ہیں، نیز انسانی تصاویر شدید ضرورت کی وجہ سے کھنچوانے کی اجازت ہے؛ لہٰذا اگر غلط اور فحش فوٹو کھنچوائے جائیں اوراسی طرح کیمرہ اسکرین پر فحش فوٹو کھینچا جائے تو یہ گناہ عظیم ہے۔اور اگر فحش اور غلط چیزوں سے گریز کرکے جائز چیزوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے، تو یہ جائز ہے؛ اس لئے نفس کیمرہ کی مرمت جائز اور درست ہے اوراس کو ناجائز استعمال کرنے والے کے لئے ناجائز اور جائز استعمال کرنے والے کے لئے جائز اور درست ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/۱۱۰، کتاب الفتاوی ۵/۳۹۱)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، قديم: ص: ٥٣)

إن ما تقوم المعصية بعينه ما توجد فيه على وصفه الموجود حالة البيع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩١، زكريا ٩/ ٥٦١)

وقال الشامي: الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية، ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۲)

يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۲، الموسوعة الفقهية ۹/ ۲۱۳، هداية، أشرفي ديوبند ٤/ ٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۶ھ

جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ نوکری کرنا

سوال [۹٦۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے آسام میں امسال بہت سے مدارس کی تنخواہ کا ذمہ خود سرکار نے لیا ہے، جن مدرسوں میں تنخواہ بھی زیادہ ہے اور ہمارے یہاں زیادہ تر علماء مالی اعتبار سے بہت کمزور ہیں؛ لہٰذا بہت سے علماء نے جو کہ آزاد مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں، ان کے پاس سرکاری مدارس کا سرٹیفکٹ نہیں ہے، یعنی ایم ایم یا ایف ایم کا، مجبوراً روپیہ دے کر ایک سرٹیفکٹ حاصل کر کے سرکاری مدرسہ دینی کام انجام دے رہا ہے، تو جو سرٹیفکٹ روپیہ سے حاصل کیا ہے، اس کے ذریعہ سے ایم ایم سرکاری ادارہ میں امتحان دے کر بطریق اعلیٰ پاس کیا اور سرکاری مدارس میں دینی کام انجام دینے کا موقع ملا ہے اور اب جو تنخواہ علی الاجرت مل رہی ہے یہ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) سرکاری مدرسہ واسکول میں نوکری کرنا عنداللہ کیسا ہے؟

(۳) اولاً مدرسہ پبلک کا تھا؛ لیکن مجبوراً اب سرکار کو دے دیا، اب قدیم اساتذہ اپنے عہدے قائم رکھنے کے لئے روپیہ پیسے دے کر سرٹیفکٹ حاصل کر کے اس مدرسہ میں دینی کام

انجام دے رہے ہیں۔

(۴) بہت سے مدارس میں پوسٹ خالی ہے، مثلاً فن حدیث، تفسیر، ادب وغیرہ؛ لیکن سرٹیفکٹ نہیں ہے، تو ایک سرٹیفکٹ روپیہ سے حاصل کر کے اس کے ذریعہ امتحان دے کر کامیاب ہوگیا اور دینی کام میں لگ جائے تو اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) آزاد مدرسہ میں کچھ پڑھا یعنی عالیہ پنجم تک اور کسی دوسرے آدمی سے امتحان دلوا کر اپنے نام کا سرٹیفکٹ حاصل کیا اور پھر اسکول یا مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے، عندالشرع کیسا ہے؟

المستفتی: معین الدین پٹی جامع مسجد، پوسٹ ناظرہ، ضلع سیب ساگر، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کو جو تنخواہ بطور اجرت مل رہی ہے، وہ آپ کی محنت کی مزدوری ہے؛ اس لئے فی نفسہٖ تنخواہ جائز ہوگی اور انشاء اللہ اس سلسلے میں کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا؛ البتہ سرکاری مدرسہ میں دینی کام انجام دینے کے لئے جعلی سرٹیفکٹ خریدنا یا خریدے ہوئے سرٹیفکٹ سے ایم ایم کی ڈگری حاصل کرنا یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے، شرعاً یہ فعل درست نہیں، بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت معاش اختیار کی جائے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۷، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۷۷)

(۲) سرکاری مدرسہ اور اسکول میں نوکری کرنا اگر شریعت کے حدود کے دائرہ میں رہ کر ہو، مثلاً رشوت وغیرہ نہ دینی پڑے تو عندالشرع درست ہے۔

(۳) قدیم اساتذہ ہوں یا جدید اساتذہ، ہر ایک کو دینی خدمت انجام دینا اسلامی فریضہ ہے، مگر عہدہ سابقہ باقی رکھنے کے لئے جعلی سرٹیفکٹ حاصل کرنا یہ مکروہ دھوکہ ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔ (محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۷، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۷۷)

(۴) صورت مذکورہ میں بھی تنخواہ لینا جائز ہوگا؛ البتہ جعلی سرٹیکفٹ خرید کر دینی مدارس میں درس وتدریس کا کام انجام دینا گورنمنٹ کو دھوکہ دینا ہے؛ اس لئے اس کی اجازت قطعاً نہ ہوگی۔ (محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۷، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۷۷)

(۵) اس صورت میں بھی جعلی سرٹیفکٹ حاصل کر کے گورنمنٹ کو دھوکہ دینا ہے؛ لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔ (محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۷، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۷۷)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان باب من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠١)

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٩/ ٥٦، رقم: ١١٩٠٧، شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٢٠، رقم: ٨٧٤١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۱۵ھ

جھوٹ اور جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ نوکری حاصل کرنا

سوال [۹۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مثلاً زید پانچویں کلاس تک پڑھا، اس کے بعد اسکول کی تعلیم چھوڑ کر دوسرے مشاغل میں لگ گیا، چند سال کے بعد ایک جعلی سرٹیفکٹ دسویں کلاس کا سرکاری ڈپارٹمنٹ کے سامنے پیش کر کے گورنمنٹ کا ملازم ہوگیا، جو نوکری انہوں نے حاصل کی ہے، وہ دسویں کلاس کے نیچے درجے کے لوگوں کو ملنی قانوناً جائز نہیں ہے، اس صورت میں واقعہ میں ایک طرف تو سرکاری قانون کی خلاف ورزی ہے، دوسری طرف جھوٹ اور فریب ہے، تیسری طرف ایک لائق شخص کا حق جس نے باقاعدہ پڑھائی کر کے باقاعدہ امتحانات دے کر دسویں

کلاس کا سرٹیفکٹ حاصل کیا ہے، سلب ہورہا ہے، اب دریافت یہ امر ہے کہ اس طرح سے نوکری حاصل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر ابوالکلام، محمد عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جھوٹ بول کر اور جعلی سرٹیفکٹ داخل کر کے جو نوکری حاصل کی ہے، اس سے ملنے والی تنخواہ تو حلال ہے؛ کیوں اس کی محنت اور ڈیوٹی کا عوض ہے، مگر جھوٹ بولنا اور خلاف قانون نوکری حاصل کرنا، دھوکہ اور فریب ہے، اس کا گناہ اس پر الگ سے ہوگا، رہی بات غیر کے حق کا سلب ہونا تو یہ ایک امر متردد فیہ ہے؛ کیوں کہ اس ڈگری کے حامل ہزاروں کی تعداد میں لوگ ملازمت کے امیدوار ہوتے ہیں؛ لیکن ملازمت کے فیصلہ سے پہلے اس پر کسی کا استحقاق نہیں ہوتا؛ اس لئے کسی کا حق مارا نہیں گیا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان باب من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۰)

ٹھیکیدار کے پاس بچے ہوئے پیسے کے استعمال کا حکم

سوال [۹۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص سرکار سے رقم لے کر روڈ وغیرہ کی ٹھیکیداری کا کام کرتا ہے، اس کام کے لئے

مثلاً ایک لاکھ روپئے سرکار دیتی ہے اور کام میں صرف پچھتر ہزار روپئے خرچ ہوتے ہیں اور پچیس ہزار روپئے بچ جاتے ہیں، تو آیا ان پچیس ہزار روپئے کا سرکار کی اجازت کے بغیر ٹھیکیدار کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ٹھیکیدار کو اس کام میں محنت ومشقت بھی کرنی پڑتی ہے، تو کیا بچی ہوئی رقم اس کی محنت ومزدوری شمار ہوگی یا نہیں؟

(۲) اور اگر اس کے لئے وہ رقم استعمال کرنا جائز ہے، تو کیا اسے خود استعمال کرے یا غرباء وغیرہ میں تقسیم کردے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: حافظ طاہر حسین اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ٹھیکیداری پر کام کرنے کی دو شکلیں ہیں: (۱) اگر ٹھیکیداری پر کام کرنے والا اجرت پر کام کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں ٹھیکیدار کو کام کرنے کے لئے جو رقم دی گئی ہے، کام کے مکمل ہونے کے بعد اگر اس رقم میں سے کچھ رقم بچ جائے تو یہ بچی ہوئی رقم اس کے پاس بطور امانت ہوگی، سرکار کی اجازت کے بغیر اس کو اپنے کسی بھی ذاتی مصرف میں استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، تصرف کرنے کی صورت میں شرعاً فاسق اور گنہگار شمار ہوگا۔

(۲) اگر ٹھیکیدار اجرت پر کام نہیں کر رہا ہے؛ بلکہ مطلقاً ٹھیکہ پر کام لے رکھا ہے،، مثلاً سرکار سے یہ کہا کہ میں اس کام کے لئے ایک لاکھ روپئے لوں گا، تو ایسی صورت میں کام مکمل کرانے کے بعد جو رقم بچ جائے وہ ٹھیکیدار کا حق ہے، سرکار کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذاتی مصرف میں اس کا استعمال کرنا جائز اور درست ہے، یہ بچی ہوئی رقم سرکار کی شمار نہیں ہوگی۔

وإن أطلق العمل له فله أن يستأجر من يعمله؛ لأن المستحق العمل، ويمكن إيفاءه بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة إيفاء الدين. (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٧، بناية، قديم ٣/ ٦٣٤، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٤٤، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣٣٠، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣٢٠، فتح

القدیر، دارالفکر بیروت ۹/ ۷۸، زکریا ۹/ ۷۸، کوئٹه ۸/ ۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۶ھ

لڑکیوں کے لئے ہاف آستین اور چست کپڑے سل کر دینا

سوال [۹۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں اور لڑکیوں کے ہاف آستین کے کپڑے یا بالکل چست کپڑے یا فلمی اسٹائل کے کپڑے سل کر دینا کیسا ہے؟ خواہ اپنے گھر کے لئے ہو، خواہ سلائی کے واسطے دوسروں کے لئے ہو، جس کی سلائی ملتی ہو سلائی کی رقم میں کراہت ہوگی یا حرمت؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے ناقص لباس جوان کے واجبی پردہ کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں جائز نہیں ہے، جیسے ہاف آستین، اسی طرح بالکل چست لباس جس سے جسم کی بناوٹ نظر آجائے پہننا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے؛ اس لئے ایسا لباس سینا بھی بہتر نہیں ہے؛ البتہ سلائی کی اجرت حق المحنت ہے؛ اس لئے حلال وجائز ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كاسمنة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإن ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا.

(مسلم شریف، کتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات، النسخة الهندية

۲/ ۲۰۵، بیت الأفکار، رقم: ۲۱۲۸، أنوار رسالت ۷۰۵، ۷۰۶)

أو خیاطا أمره أن یتخذ له ثوبا علی زي الفساق یکره له أن یفعل.

(شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع کراچی ٦/ ۳۹۲، زکریا ۹/ ۵٦۲، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ۱۸۸، تبیین الحقائق، إمدادیہ ملتان ٦/ ۲۹، زکریا ۷/ ٦۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۳۸)

عورتوں کے نیم عریاں لباس تیار کرنے والی کمپنی میں کام کرنا

سوال [۹۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی ایسی کمپنی میں کام کرتا ہے، جس میں عورتوں کے لئے نیم عریاں لباس تیار کئے جاتے ہیں (یعنی فیشن شوگارمنٹس) جو لباس مسلم انڈسٹری میں مسلم عورتیں استعمال کرتی ہیں، کیا ایسی کمپنی میں کام کرنا جائز ہے؟ جب کہ اس آدمی کی معیشت کا دارو مدار اسی کام پر ہے؟

المستفتی: حیدر علی ہگلی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص مذکور مذکورہ کمپنی میں کام کرکے جو پیسہ حاصل کرتا ہے وہ فی نفسہٖ حلال اور جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اس کی محنت کا عوض ہے، نیز ایسا لباس عورتیں صرف اپنے شوہر کے ساتھ لیٹنے کے لئے استعمال کریں تو جائز ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان لباسوں کے استعمال کا جائز محل بھی ہے؛ اس لئے لباس بنانے والے گنہگار نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان لباسوں کو پہن کر نیم عریاں حالت میں غیروں کے سامنے آنا ناجائز اور حرام ہے، جس

کا گناہ ان ہی عورتوں پر ہوگا۔

وإنما المعصية في صورة إتخاذ المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فيه، فقطع نسبه ذلک الفعل عن الموجر. (فتح القدير، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالفكر بيروت ١٠/ ٦١، كوئٹه ٨/ ٤٩٤-٤٩٥، زكريا ١٠/ ٧٣، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، هداية، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، البناية، اشرفيه ديو بند ١٠/ ٥٩، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۵۹)

درزی کے پاس بچے ہوئے کپڑا کا حکم

سوال [۹٦۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی درزی کے پاس کوئی گراہک کپڑا سلوانے کے لئے آیا اور کپڑا درزی کے پاس ڈالتے وقت گراہک نے کچھ نہیں کہا اور گراہک کا کپڑا درزی کے پاس بچ گیا، اس درزی نے اس بچے ہوئے کپڑے سے کسی شخص کو کپڑا سلوا دیا یا کسی شخص نے اس درزی سے وہ بچا ہوا کپڑا خرید لیا یا درزی نے کسی کو مفت میں دے دیا اور اس شخص نے کپڑا سلوا کر پہن لیا، تو کیا ایسے کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

نوٹ:- درزی صاحب نے جس شخص کو کپڑا دیا تھا، اس سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو اس کپڑے سے کیا مطلب چاہے، گراہک کا ہو یا میرا ہو؟ کیوں کہ اس کپڑے کو تو میں دے رہا ہوں، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گراہک کا جو کپڑا درزی کے پاس بچ گیا ہے وہ درحقیقت گراہک ہی کا ہے، درزی کا اس کپڑے کو فروخت کرنا یا کسی کو دینا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ مالک کو واپس کرنا لازم ہے؛ لہٰذا علم ہوجانے کے بعد کسی دوسرے شخص کو اس کپڑے کا خریدنا درست نہیں ہے اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۴۳۰)

لا یحل له الانتفاع بها حتی یؤدي بدلها. (هداية، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب، اشرفی دیوبند ۳/ ۳۷٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۹۵، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۵/ ۲۲٦، زكريا ۷/ ۳۲۳)

لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنه، ولا ولایته. (درمختار مع الشامي، زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸٦۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

تین ماہ بعد رفوگر کا کپڑے کو بیچ کر اپنی اجرت وصول کرنا

سوال [۹٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کپڑے پر رفو کا کام کرتے ہیں، وصولیابی کے لئے پرچی دی جاتی ہے، جس پر شرائط تحریر ہوتی ہیں، اس کے پڑھنے کی تاکید بھی ہوتی ہے، اس میں سے ایک شرط یہ ہے کہ گراہک تین مہینے کے اندر اندر کپڑا وصول کرلے، تین مہینے کے بعد رفوگر کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، تو اس صورت میں تین مہینے کے بعد کیا رفوگر کے لئے اس کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟ نیز تین مہینے کے بعد اکادکا ہی کوئی آتا ہے، عام طور پر لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں، اس طرح کے کپڑوں کا رفوگر کے پاس ڈھیر لگ جاتا ہے، اب وہ ان کپڑوں کا کیا کرے؟ کئی کئی سال گذر جاتے ہیں، کوئی لینے نہیں آتا، عام طور پر رسید پر کپڑا اور کپڑے

والے کا نام لکھا جاتا ہے، پتہ یا نمبر وغیرہ تحریر کرنے کا رواج نہیں ہے۔

المستفتی: محمد ساجد قاسمی کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جب کہ رفو کروانے والے پرچی پڑھنے کے باوجود تین مہینے گذرنے پر بھی اپنے کپڑے واپس لینے نہیں آتے ہیں، پھر بھی رفوگر کو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ کپڑے والے اپنا کپڑا واپس لے جائیں، پوری کوشش کے باوجود بھی وہ لوگ اگر اپنا کپڑا واپس لینے نہ آئیں اور ظن غالب یہی ہوجائے کہ اب کپڑے والے نہیں آئیں گے، تو ان کپڑوں کو بیچ کر اپنا محنتانہ اور رفو میں جتنا خرچ آیا ہے وہ وصول کرلیا جائے اور بقیہ رقم کو بطور امانت اپنے پاس محفوظ رکھا جائے، اگر کبھی کوئی آگیا تو اس کو مابقیہ رقم دے دی جائے۔ اور اگر کبھی نہ آئے تو اس رقم کو اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۴/۱۶۶)

فينتفع الرافع ...... (تحته في الشامية) أتى بالفاء فدل على أنه ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق وله إمساكها لصاحبها، وفي الخلاصة: له بيعها أيضا وإمساك ثمنها. (شامي، كتاب اللقطة، كراچى ٤/ ٢٧٩، زكريا ٦/ ٤٣٧)

ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة يكون له ثوابها. (فتاوى عالمگيري، جديد زكريا ٢/ ٢٩٩، قديم ٢/ ٢٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۳/۱۴۳۴ھ

قالین بننے والے کا مقدار معین سے زائد بننے کی اجرت نہ لینا

سوال [۹۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک عرصہ سے قالین کا کام کرتا ہے، قالین بن کر جب تیار ہوتی ہے، تو اس کی پیمائش کی جاتی ہے فٹ کے حساب سے اور اس کے بننے والے کو اجرت ادا کردی جاتی ہے، مگر فٹ کی پیمائش سے زائد جو ناپ ہوتی ہے، زید اس کی بنائی کی اجرت ادا نہیں کرتا، جب کہ بننے والے کو بھی یہ بات معلوم رہتی ہے کہ فٹوں سے اوپر جو انچ باقی رہتے ہیں اس بنائی کی اجرت نہیں ملتی اور بننے والا اس کو طلب بھی نہیں کرتا ہے، کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو چونکہ ایک عرصہ گذر چکا ہے، اس کی تلافی کی جو ممکن صورت ہو اس کو واضح فرمائیں۔

المستفتی: اجمل علی ساکن زاوت پور کانٹ ضلع شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قالین میں فٹوں سے تھوڑے بہت جو زیادہ انچ ہوتے ہیں اس میں آپس کی رضامندی کے ساتھ یہ تعامل جاری ہے کہ نہ قالین بنانے والے اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ ہی قالین تیار کرانے والے اجرت دیتے ہیں، تو معمولی زائد حصہ کی قیمت کے بغیر معاملہ کرنا جائز اور درست ہے۔

من اشترى ثوبا على أنه عشرة أذرع أو أرضا على أنها مائة ذراع، فوجدها أقل، فالمشتري بالخيار، إن شاء أخذها بجملة الثمن، وإن شاء ترک، وإن وجدها أكثر من الذراع الذى سماه فهو للمشتري؛ لأن الذراع وصف في الثوب، ألا ترى! أنه عبارة عن الطول والعرض والوصف لا يقابله

شيء من الثمن. (هداية، كتاب البيوع أشرفي دبوند ۳/ ۲۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ۲۹۳، زكريا ٥/ ٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۵؍۱۴۲۴ھ

مسلمانوں کا کرایہ پر دینے کے لئے "شادی ہال" بنانا

سوال [۹۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلمانوں کو شادی محل بنانا اور اس میں نکاح خوانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شادی محل بنانا اور اس کو آمدنی کا ذریعہ بنانا الگ چیز ہے، جو جائز اور درست ہے۔ اور شادی محل میں نکاح خوانی کا مسئلہ دوسری مستقل چیز ہے، اگر اس میں منکرات اور فضول خرچی نہیں ہے، تو شادی ہال میں نکاح خوانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۹۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۶۸)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وتحته في الشامي: لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣، هداية، اشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۳؍۱۴۲۵ھ

سودی قرض لےکر کاروبار کرنے کی آمدنی کا حکم

سوال [۹٦۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل نے بینک سے سودی قرض لےکر کاروبار شروع کیا ہے، سائل ہر مہینہ بینک کا سود ادا کرتا ہے، کاروبار خوب چل رہا ہے، تو سوال یہ ہے کہ بینک سے سودی قرض لےکر جو کاروبار کیا ہے، اس کاروبار کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟ کیوں کہ سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

المستفتی: عبدالرب جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سودی قرض لینا جائز نہیں ہے اور جب تک قرض ادا نہ ہوگا، قرض لینے والا مستحق لعنت رہے گا؛ لیکن اس قرض کے ذریعہ کاروبار کرکے جو نفع حاصل کیا ہے وہ اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا سود یا حرام مال شامل نہیں ہے؛ کیوں کہ مسئولہ صورت میں صرف پاک مال میں سے سود دیا جارہا ہے، سود لےکر پاک مال میں مخلوط نہیں کیا جارہا ہے؛ البتہ جو شخص قرض دےکر بدلہ میں سود لیتا ہے، حرام مال اس کے پاس پہنچتا ہے۔

عن جابر –رضی الله عنه– لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله. (أبوداؤد، البيوع، باب في آكل الربا وموكله، النسخة الهندية ۲/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٣٣، صحيح مسلم، المساقاة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام، رقم: ١٢٠٦)

قرض استثمار وذلک ما قصد به المستقرض التجارة فيه ......
وقوله: كذلک لما حرم القرآن الربىٰ فقد حرم حقيقته، وقوله: فتدخل في

الحرمة كل صورة تصدق عليها هذه الحقيقة سواء كانت تلك الصورة موجودة عند نزول القرآن، أو كانت محدثة فيما بعد من الزمان. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة، والمزارعة، الفرق بين ديون الاستثمار وديون الاستهلاك، أشرفيه ديوبند ١/ ٥٧٠- ٥٧١)

المقترض إنما يملك المال المقرض بالقبض. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۷)

وکیل کی کمائی کا حکم

سوال [۹۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل وکلاء کی کمائی کا کیا حکم ہے؟ ان کے یہاں دعوت کھانا ان سے مسجد مدرسہ کے لئے چندہ لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ علاء الدین شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دورِ حاضر میں اگر چہ وکلاء عموماً اپنی کمائی میں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے؛ لیکن جب تک یہ بات واضح نہ ہوجائے کہ ان کی کمائی میں حرام غالب ہے یا وہ حرام مال ہی سے دعوت کررہے ہیں، تو اس وقت تک ان کی دعوت قبول کرنا ان سے مسجد ومدرسہ کے لئے چندہ وغیرہ لینا جائز ہے، اور اگر ان کی کمائی میں حرام مال کا غالب ہونا معلوم ہوجائے یا حرام ہی کو چندہ میں دینا اور دعوت میں کھلا نا معلوم ہوجائے تو ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۸۱، ۱۳/ ۳۷۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۴۵۲، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۹، جدید زکریا ۹/ ۱۰۸)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٨٥، زكريا ٩/ ٥٥٣، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٥٧، رقم: ٢٨٣٤٨)

غالب مال المهدى إن كان حلالا لا بأس بقبول هديته، وأكل ماله ما لم يتعين أنه حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكلها. (البزازية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، جديد زكريا ٣/ ٢٠٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/ ٣٦٠، هندية زكريا قديم ٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

وکیلوں کی کمائی سے انتفاع اور صدقہ وخیرات

سوال [۹٦۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل جو وکیلوں کی کمائی ہے، اس سے فائدہ اٹھانا اور دوسروں کی اس سے امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے صدقہ وخیرات کرکے ثواب حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سچے مقدمات لیا کرتا ہے، تو وکالت، اجرت یا اس کمائی میں سے صدقہ، خیرات سب بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۱۹)

ادعى دعوى صادقة فأنكر الغريم فله تحليفه. (الأشباه، قديم ص: ٢٢٩)

اور اگر غلط اور ناجائز مقدمات لیتا ہے تو وکالت ناجائز اور حرام ہے۔

وقوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

ما حرم فعله حرم طلبه. (الأشباه، قديم ص: ۲۲۹)
اس کمائی سے امداد، صدقہ، خیرات کرنے میں ثواب نہیں مل سکتا؛ بلکہ ثواب کی امید رکھنا حرام ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوْا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِیْهِ. [البقرة: ۲٦۷]

فإذا تصدق بالمال الحرام يريد القبول والأجر يحرم عليه ذلك.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

ما حرم أخذه حرم إعطاءه. (الأشباه، قديم /۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦٦۷)

ڈاکٹر اور وکیل کی فیس کا حکم

سوال [۹٦۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت نے جس چیز کو متقوم قرار نہیں دیا اس پر معاوضہ لینا جائز نہیں، مثلاً رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں، یہ تو رشوت محض ہے، نیز آپ کا حق شفعہ تھا، آپ نے کچھ معاوضہ لے کر حق شفعہ چھوڑ دیا، تو یہ معاوضہ واجب الرد اور حق شفعہ بھی نہیں رہا؛ کیوں کہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی، حاکم سے سفارش کرانا بھی ایسا ہی فعل ہے۔ (مستفاد: العلم والعلماء، ص: ۸۵) تو سوال یہ ہے کہ کیا ڈاکٹر حضرات جو صرف اپنی ذاتی رائے دیتے ہیں اور دوائی نہ دے کر فیس کے نام سے معاوضہ لے لیتے ہیں درست ہے؟ نیز وکلاء حضرات جنہوں نے آج کل صرف مشغلہ رائے دینے کا ہی بنا رکھا ہے، یہ فیس کے نام سے معاوضہ

لیتے ہیں، درست ہے؟ (جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۴۷) میں اس کو جائز لکھا ہے۔

المستفتی: محمد انوار قاسمی خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ دادری گوتم بدھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکیم اور ڈاکٹر کی رائے دہی اور مرض کی تشخیص اسی طرح وکیل کی وکالت کو حق شفعہ پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ حق شفعہ مبیع اور مال کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور ڈاکٹر اور وکیل کوئی مال ومبیع نہیں ہیں، مرض کی تشخیص کے لئے بیٹھنا اور وکالت کے لئے دفتر میں بیٹھنا، اسی طرح جج کے سامنے بحث کرنا یہ سب محنت کے کام ہیں اور محنت کے بدلہ معاوضہ لینا رشوت نہیں بلکہ اجرت ہے؛ اس لئے ڈاکٹر اور حکیم کو اپنی تجویز کا معاوضہ لینا اور نسخہ لکھنے کا پیسہ لینا جائز اور درست ہے، اسی طرح وکیل کو اپنی وکالت کی اجرت لینا بھی جائز اور درست ہے۔

تصح الوكالة بأجر وبغير أجر. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع في الوكالة، الوكالة بأجر، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٧٤٥)

وفي الحديث: أعظم دليل على أن يجوز الأجرة على الرقى والطب، كما قاله الشافعيؒ، ومالكؒ وأبوحنيفةؒ وأحمدؒ. (بذل المجهود، كتاب الطب، باب ماجاء في كيف الرقى، مكتبه يحيى سهارنپور ٥/ ١١، دارالبشائر الإسلاميه، بيروت ١١/ ٦٢٨، تحت رقم الحديث: ٣٨٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۰/ ۱۴۳۱ھ

بیٹری بھرنے اور کرائے پر دینے کا حکم

سوال [۹٦۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص بیٹری بھرنے اور کرایہ پر دینے کا کاروبار کرتا ہے، لوگ بیٹری بھرواتے ہیں اور کرایہ پر لے جاتے ہیں، دوکان دار جانتا ہے کہ یہ شخص بیٹری کو ناچ گانا اور سی ڈی وغیرہ کے لئے استعمال کرے گا، تو بیٹری بھرنے کی قیمت لینا اور کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

المستفتی: جلال الدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹری بھرنے اور کرایہ پر دینے والے کی نیت اپنی تجارت ہے، نہ کہ ان کو معصیت میں استعمال کرانا، اس لئے "**الأمور بمقاصدها**" کی رو سے کرایہ کا یہ عمل اور اجرت بھی لینا درست ہے، اب جو وہاں سے لے کر غلط کاموں میں اس کا استعمال کرے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا، بیٹری بھرنے والا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

الأمور بمقاصدها ...... أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم. (الأشباه، قديم ٥٣)

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغييره. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩١، زكريا ٩/ ٥٦٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، هداية، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۷۹)

معصیت والے امور میں لاؤڈ اسپیکر کرائے پر دینا

سوال [۹۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہماری دوکان سے لاؤڈ اسپیکر کرائے پر دیئے جاتے ہیں، کرائے پر لے جانے

والے گاہک مختلف غرضوں سے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتے ہیں، جن میں سے بعض معصیت کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں، مثلاً شادیوں میں گانے بجانے کے لئے وغیرہ، تو کیا ایسے استعمال کے لئے لاؤڈ اسپیکر کو کرائے پر دینا درست ہے یا نہیں؟

(ب) پروگراموں میں لاؤڈ اسپیکر کو کرائے پر دینے میں لاؤڈ اسپیکر کی سیٹنگ اور دوران پروگرام اس کی نگرانی ہمارے اسی دوکان کا ایک فرد کرتا ہے، تو کیا ایسے معصیت والے پروگراموں میں ہمارے اس شخص کی سیٹنگ اور نگرانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاؤڈ اسپیکر کا استعمال مختلف غرضوں کے لئے ہوتا ہے، جن میں اچھے مقاصد بھی شامل ہیں؛ لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کو بطور کرایہ دینا جائز اور درست ہے اور جو لوگ اس کو غلط اور معصیت کے کام میں استعمال کرتے ہیں، وہ اس کے لئے از خود ذمہ دار ہیں، آپ کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (محمودیہ میرٹھ ۲۴/ ۱۶۶)

وعلم من هذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٦٨)

وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو فعل فاعل مختار كشربه الخمر وبيعها، وهو المختار فيه. (الموسوعة ۹/ ۲۱٥، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲۰۲، زكريا ۸/ ۳۷۲)

وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه. (طحطاوي على الدر، كوئٹه ٤/ ١٩٤)

(۲) معصیت اور گناہ والے پروگرام میں اپنے کسی آدمی کو مائک وغیرہ کی سیٹنگ کے لئے

بھیجنا اور اس کا شروع سے آخر تک وہاں موجود رہنا اس معصیت کے کرنے والوں کے ساتھ برابر کا شریک رہنا ہے؛ اس لئے وہاں موجود رہنے والا شخص اسی طرح گنہگار ہوگا جس طرح اس پروگرام کے مرتکب ہونے والے گنہگار ہوتے ہیں، ہاں البتہ اگر پروگرام سے پہلے مائک کی سیٹنگ کر کے آپ کا آدمی واپس آجائے اور شروع سے آخر تک دوران پروگرام وہاں موجود نہ رہے، تو ایسی صورت میں آپ کا آدمی معصیت میں شامل نہیں ہوگا۔

استماع صوت الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٠٤، كراچی ٦/ ٣٤٩، البناية أشرفيه ١٢/ ٨٨)

السماع والقول والرقص الذى يفعله المتصوفة في زماننا حرام، لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو الغناء والمزامير سواء. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب السابع عشر في الغناء واللهو، زكريا قديم ٥/ ٢٥٢، جديد ٥/ ٤٠٦)

أن الملاهي كلها حرام، واستماع الملاهي معصية، والجلوس عنده فسق، والتلذذ به كفر. (فتاوى النوازل، دارالأيمان سهارنبور، ص: ٢٨٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۵۴)

فلم کی شوٹنگ ہونے والے ہال کی چوکیداری کا حکم

سوال [۹۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمرو کا ملازم ہے اور عمرو کے مختلف ذرائع آمدنی ہیں، مثلاً ماربل (فرش) کی کمپنی وغیرہ لیکن عمرو نے زید کو اپنے ایک ہال کی نگرانی اور آمدنی پر مامور کیا، جب کہ وہ ہال فلم

ایکٹروں اورسنیما کی شوٹنگ کے لئے کرایہ پردیا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا زید کواس ہال کی نگرانی کی تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ حالانکہ عمرو کے اس ہال کے علاوہ اور بھی ذرائع آمدنی ہیں۔

المستفتی: محمد ریاض الدین آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وہ ہال فلم ایکٹروں کوشوٹنگ کے لئے کرایہ پردیا جاتا ہے، تواس عمل میں گنہگار عمرو ہوگا؛ لیکن عمرو کے لئے اس ہال کا کرایہ لینا حلال ہے، بعض لوگوں نے مکروہ بھی کہا ہے اور زید کے لئے ہال کی نگرانی کی اجرت لینا بلاتردد حلال اور جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ محض ملازم ہے نہ کہ برائی میں شامل ہے؛ کیوں کہ وہ صرف اس ہال میں نقصان پہنچانے والے لوگوں سے اس کی نگرانی کرتا ہے اوراس کی اجرت لیتا ہے۔

وجاز إجارة بيت ...... ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣، هداية، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، البناية، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۸)

مورتی اور مزار پر کپڑا چڑھانے کے لئے فروخت کرنا

سوال [۹۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی کپڑے کی دوکان ہے، کپڑے کی تجارت کرتا ہے، دوکان پر ہر طرح کے اور ہر

مذہب کے لوگ آتے ہیں، ہندوستان کے لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو کپڑا دو مورتی پر چڑھانا ہے اور مسلمان آتے ہیں کہتے ہیں کہ اچھا کپڑا دو فلاں بزرگ کے مزار پر چڑھانا ہے اور یہ دونوں گناہ ہیں۔ اور قرآن پاک میں ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

[المائدة: ۲]

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کے صراحت کردینے کے بعد ان کے ہاتھ کپڑا فروخت یا چادر فروخت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتي: مدرسہ بستان رحمت محی الدین پور، سیوان بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دوکاندار کو ذکر کردہ کپڑا بیچنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے؛ کیوں کہ کپڑے اصل میں ان گناہ کے کاموں کے لئے نہیں بنائے گئے؛ بلکہ انہیں ہر طرح سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے؛ لہٰذا جو شخص کپڑا خرید کر گناہ کے کاموں میں استعمال کرتا ہے یہ اس کا ذاتی فعل ہے، اس کا گناہ دوکاندار اور کپڑا بنانے والے پر نہ ہوگا۔

لا یکره بیع الجاریة المغنیة، والکبش الفطوح، والدیک المقاطع، والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکر، وإنما المنکر في استعماله المحظور. (تبیین الحقائق، قبیل کتاب اللقیط، زکریا دیوبند ٤/ ١٩٩، إمدادیه ملتان ٣/ ٢٩٧)

رجل آجر بیتا لیتخذ فیه نارا، أو بیعة، أو کنیسة، أو یباع فیه الخمر فلا بأس به، وکذلک کل موضع تعلقت المعصیة بفعل فاعل مختار.

(خلاصة الفتاوی ٤/ ٣٧٦، بحواله فتاوی محمودیه ١٦/ ١٣٧)

لا یکره بیع الزنانیر من النصراني، والقلنسوة من المجوسي. (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، إمدادیه ملتان ٦/ ٢٩، زکریا ٧/ ٦٤-٦٥،

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٣، زكريا ٩/ ٥٦٢، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٦، جديد ٥/ ٤٠١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

مسلم ٹھیکیدار کا مندر تعمیر کرنا

سوال [۹۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسلم ٹھیکیدار ہے، وہ ڈی ایم صاحب کے زیرِ نگرانی تعمیرات کا کام کرتا ہے، ہندو مسلم سب کے مکانات تعمیر کرتا ہے؛ لیکن کثرت سے غیر مسلم کے تعمیرات کا کام کرتا ہے، اگر وہ غیر مسلم کے مکانات بناتا ہے تو وہ غیر مسلم مکانات کے حدود میں ہی مندر بھی تعمیر کراتے ہیں، کیا وہ مسلم ٹھیکیدار مندر تعمیر کرسکتا ہے؟ ہندوستان میں اس طرح کا کاروبار درست ہے؟ اگر مندر اس مکان میں بنانے سے انکار کرتے ہیں تو سرکاری ٹھیکیداری ہمارے ہاتھ سے جاتی ہے، ہمارے کاروبار کے بگڑنے کا خطرہ ہے۔

المستفتی: ڈاکٹر شعیب شوکت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم کا مکان بنانا اور اس کے مکان کی ضروریات کو تعمیر کرنا محض اپنی مزدوری حاصل کرنے کے لئے مسلم ٹھیکیدار کے لئے جائز ہے، مگر جس جگہ وہ مندر بنائے گا اس جگہ پر بھی اجرت لے کر تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، ہاں البتہ مندر کے مجسمہ اور گنیش جی کے اعضاء اور اشوک کے لاٹ وغیرہ جانوروں کی صورت چہرہ سر وغیرہ

بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے ان باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۳۰۹)

وجاز تعمير كنيسة (درمختار) وفي الشامية: قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢)

ولو استأجر الذمي مسلما ليبني له بيعة، أو كنيسة، جاز ويطيب له الأجر. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر، زكريا جديد ٤/ ٤٨٧، قديم ٤/ ٤٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۱۰)

کمپنی کا تصویر والا لیبل شائع کرنا

سوال [۹۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی تجارت پریس (چھپائی خانہ) ہے، جس میں کسی کمپنی کا لیبل وغیرہ تصویر کے ساتھ چھپتا ہے، اور آج کل کے دور میں بغیر تصویر کے کسی بھی کمپنی کا لیبل وغیرہ شائع نہیں ہوتا ہے، جیسے اخبار وغیرہ میں تصویریں شائع کی جاتی ہیں، تو کیا اس قسم کے تصویر والے لیبل کی چھپائی کرنا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور نیز اس کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد اسماعیل دی گلوسی آرٹ پریس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیبل وغیرہ کی چھپائی میں تصویر اصل مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ اصل مقصود تو لیبل کی چھپائی ہوتی ہے اور تبعاً تصویر بھی چھپ جاتی ہے؛ اس لئے اصل

مقصود کو دیکھتے ہوئے سوال نامہ میں ذکر کردہ لیبل کی چھپائی درست ہے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے۔ اور اگر مقصود تصویر ہی چھاپنے کا ہو تو جائز نہیں۔

(مستفاد: جواہر الفقہ جدید زکریا ۷/ ۲۴۹، قدیم ۳/ ۲۲۶)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه، قديم، ص: ۵۳، قواعد الفقه أشرفي ديوبند، ص: ٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۸ھ

تمباکو، گٹکا وغیرہ کی تجارت اور اس کی آمدنی

سوال [۹۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد زید کا کاروبار گٹکھا، زردہ، پان وغیرہ کا ہے اور زید اس میں مندرجہ ذیل اشیاء ڈالتا ہے: سپاری، کتھا، چونا، الائچی، خوشبو لونگ، قوام، پیپل منٹ، سفید پاؤڈر جو مسالہ کو سفید کرتا ہے، گلسیری، تمباکو، بعض جگہ لوگ محمد زید سے مزید تیز کرنے کے لئے کہتے ہیں، تو زید ان اشیاء کے ساتھ ایک اور چیز شامل کرتا ہے، ٹرپن پیور کے نام سے ہوتی ہے جو کہ تمباکو کا ہی ایک جزو ہے، مگر اس میں اوپر والے تمباکو سے زیادہ تیزی ہوتی ہے، محمد خالد زید سے کہتا ہے کہ آپ کا کاروبار ناجائز ہے، جب کہ محمد خالد ایک مفتی ہے، مسجد کا امام ہے، مسئلہ یہ ہے کہ زید کا کاروبار کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: سلیم احمد گھونچی فرید آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں تمباکو اور گٹکھا جس کو مختلف مسالے جات خوشبو اور قوام کے ذریعہ سے تیز کر کے بنایا جاتا ہے، اس کی تجارت جائز اور درست ہے، اس

کا پیسہ بھی حلال ہے، چاہے اس میں تیزی زیادہ ہو یا کم، بہر حال اس کی تجارت کا پیسہ حلال ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم،ص: ۴۹۰، جدید زکریا ۴۶۸، کفایت المفتی ۹/ ۱۳۶، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۴۱، احسن الفتاوی ۶/ ۴۹۵، فتاوی محمودیہ جدید ۱۸/ ۳۹۷)

في الشامية: قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بانش، فتنبه. وفي الشامية: وهو الإباحة على المختار، أو التوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره، وتفتيره وإضراره. (درمختار مع الشامي، قبيل كتاب الصيد، زكريا ۱۰/ ٤٤، كراچی ٦/ ٤٦٠)

وفي الأشباه: والنبات المجهول سمته الخ. وفي الحموي: يعلم منه حل شرب الدخان. (الأشباه مع الحموي ۱/ ۹۸)

(وصح بيع غير الخمر) أي مفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. (درمختار، كتاب الأشربة، كراچی ٦/ ٤٥٤، زكريا ۱۰/ ۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۶ھ

غیر مسلم کو فوٹو گرافی کے لئے کرائے پر مکان دینا

سوال [۹۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی خالی جگہ (کمرہ) ایک غیر مسلم فوٹو گرافر کو سہ سالہ معاہدہ پر کرایہ سے دی ہے، اب شغل فوٹو گرافی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دینی اور شرعی اعتبار سے بحیثیت مفتی اس پر آپ اپنی گراں قدر رائے دیجئے کہ آیا یہ کرایہ کی آمدنی میرے لئے جائز یا ناجائز ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالک مکان کرایہ دار کے فعل کا ذمہ دار نہیں، فوٹو گرافی کا

گناہ کرایہ دار ہی پر ہوگا، مالک کو اپنے مکان کا کرایہ لینا جائز اور حلال ہوگا، ہاں البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسے کاموں کے لئے اپنا مکان کرایہ دار کو نہ دے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۳۴۴، جدید مطول ۱۱/۴۴۸)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر. وتحته في الشامية: لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣)

وإذا استأجر الذمي من المسلم دارا يسكنها فلا بأس بذلك، وإن شرب الخمر فيها أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم في ذلک شيء. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٣، رقم: ٢٢٤٤٥، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۶)

بینک کو مکان کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا مکان خالی پڑا ہوا ہے، اس کو وہ کرایہ پر دینا چاہتا ہے۔ اور دوسری پارٹی اس کو کرایہ پر لے کر اس میں بینک چلانا چاہتی ہے، اور بینک میں سودی حساب وکتاب اور سود کا لین دین سب کچھ ہوتا رہے گا، تو ایسی صورت میں زید کے لئے اپنا مکان مذکورہ پارٹی کو کرایہ پر دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور زید کا مقصد اپنے مکان کا کرایہ وصول کرنا ہے اور زید کو اس سے

کوئی مطلب نہیں ہے کہ کرایہ دار اس مکان میں کیا کام کرے گا، مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ ایسی صورت میں زید اپنا مکان بینک والی پارٹی کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کا مقصد اپنے مکان کا کرایہ وصول کرنا ہے اور اس کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ کرایہ دار اس مکان میں کیا کام کرے گا، تو ایسی صورت میں مذکورہ پارٹی کے ہاتھ مکان کو کرایہ پر دینا زید کے لئے جائز ہے اور جو کرایہ وصول ہوگا وہ زید کے لئے بلا کراہت جائز وحلال ہے، اور کرایہ دار اس مکان میں جائز کام کرے گا، تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور اگر پارٹی ناجائز کام کرے گی، تو اس کا گناہ اسی کرایہ دار پارٹی پر ہوگا اور زید پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

ولا بأس بأن يواجر المسلم دارا من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك؛ لأنه لم يواجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم على رب الدار في ذلك. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٦ / ٣٩، تاتارخانية، زكريا ١٥ / ١٣٣، رقم: ٢٢٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

بینک کو زمین کرائے پر دینا

سوال [۹۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین میں ایک بینک کمپنی کو P.N.B بینک لگانے کی اجازت دی اور یہ

معاہدہ ان کے درمیان دس سال کا ہوا ہے؛ لہٰذا دس سال سے پہلے اس کمپنی سے اس بینک کو ہٹانے کو نہیں کہا جا سکتا، ایسی صورت میں مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ: (۱) اس بینک سے ملنے والا کرایہ زید کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نا جائز ہے تو پھر اس ملنے والے کرایہ کا مصرف کیا ہونا چاہئے؟

المستفتی: انصار احمد، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اگر محض اپنی زمین کرایہ وصول کرنے کی نیت سے دی ہے، تو زید نہ گنہگار ہوگا اور نہ اس کے کرایہ میں کسی قسم کی قباحت آئے گی اور زمین کو کرایہ پر لینے والے اس زمین پر جائز کام کریں یا نا جائز کام کریں، وہ ساری باتیں کرایہ دار کے ذمہ ہیں، اگر نا جائز کام کریں گے، تو گنہگار رہوں گے۔ اور اگر جائز کام کریں گے تو گناہ سے بچیں گے۔ اور اگر زید نے نا جائز کام کرنے کی نیت سے کرایہ پر زمین دی ہے، تو تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے زید بھی گنہگار ہوگا؛ لیکن زمین کا کرایہ زید کے لئے بہر حال حلال ہوگا؛ اس لئے کہ جو کچھ کرایہ آتا ہے اس کی زمین کی کرایہ داری کا معاوضہ ہے، جو اس کے لئے بہر حال حلال ہے۔

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، أي قرأها الخ. قال الشامي: هذا عنده أيضا؛ لأن المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه، فصار كبيع الجارية ممن لا يستبرأها، أو يأتيها من دبر، وبيع الغلام من لوطي. الخ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، البناية، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۶ھ

بینک کو دوکان کرائے پر دینا

سوال [۹۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک دوکان ہے، جس کا میں تنہا مالک ومختار ہوں، میں ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں اور میرا لڑکا ملازمت پیشہ ہے، موجودہ حالات میں میرے لئے دوکان چلانا مشکل ہورہا ہے، صحت بھی ٹھیک نہیں ہے، ایک بینک میری دوکان کو کرایہ پر لینا چاہتا ہے، کیا بینک کو کرایہ پر دینا درست ہے؟ کیا کرایہ میرے لئے جائز ہوگا؟

المستفتی: عبدالسمیع بینا بازار، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ آپ اپنی دوکان اور عمارت کا کرایہ حاصل کررہے ہیں اور کرایہ دار کو آپ مدت کرایہ کے اندر اختیار دے دیں جو چاہے کرے، چاہے دوکان کا کاروبار کرے، چاہے رہائش کا کاروبار کرے، چاہے خالی رکھے یا بینک کا کاروبار کرے، اس کا تعلق آپ سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق کام کرنے والے سے ہے؛ اس لئے آپ کو اپنی دوکان کرایہ پر دے کر کرایہ حاصل کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اگر اس مکان میں رہ کر کوئی گناہ کا کام کرے گا تو اسی پر اس کا گناہ ہوگا، آپ پر نہیں۔

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر. وتحته في الشامة: هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣، هداية أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، البناية، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۸۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

بینک کو مکان کرائے پر دینا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال [۹۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں مقامی بازار میں ہماری ایک عمارت ہے، بینک کی انتظامیہ اس کو کرایہ پر لینا چاہتی ہے، تو کیا شرعی نقطۂ نظر سے ہم یہ عمارت بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں؟

المستفتی: نثار احمد ہندوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ حاصل کرنا جائز تو ہے؛ لیکن بہتر نہیں۔

وجاز تعمير كنيسة، وحمل خمر ذمي بنفسه، أو دابته بأجر ...... جاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... وقالا: لا ينبغي ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩١، زكريا ٩/ ٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣، هداية أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۴۷)

بینک سے کرایہ لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا

سوال [۹۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے ایک جائیداد خریدی، جس میں بینک کرایہ دار ہے، شرعاً بینک سے کرایہ لینا اور اس کو اپنی ضروریات میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۲) جائیداد اسی نیت سے خریدی جائے اس میں کرایہ دار بینک رہے گا؛ اس لئے کہ بینک کا کرایہ وقت پر مل جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے، تو شرعاً یہ جائیداد خریدنا اور اس کا کرایہ استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) زید کے لئے مذکورہ زمین جس کا بینک کرایہ دار ہے، شرعاً بینک سے کرایہ لینا اور اس کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے۔

وجاز تعمير كنيسة، وحمل خمر ذمي بنفسه، أو دابته بأجر لا عصرها بقيام المعصية بعينه: قال في الشامية: هو صريح أيضا، أنه ليس مما تقوم المعصية بعينه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢)

ومن آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به، وهذا عند أبي حنيفة –إلى– وله أن الإجارة ترد على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (هداية أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۸/۱۴۲۷ھ

بلڈنگ بینک کو کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بلڈنگ بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت بیکر شولاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بینک کا معاملہ سود پر مشتمل ہو اور سود ہی اس کی آمدنی کا ذریعہ ہو، جیسا کہ آج کل اکثر بینکوں کا معاملہ ایسا ہی ہے، تو ایسے بینک کو بلڈنگ کرایہ پر دینا در پردہ معصیت پر تعاون ہے؛ اس لئے یہ غیر مناسب خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے اور چونکہ سودی کاروبار فاعل مختار کا عمل ہے، جس میں مالک مکان کا کوئی دخل نہیں ہے؛ اس لئے اس کا گناہ صرف کرایہ دار پر ہوگا، مالک مکان پر نہیں ہوگا۔ اور بلڈنگ کا کرایہ مالک مکان کے حق میں حرام نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ وہ اپنے مال کی اجرت لے رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۷۶، جدید ۹/ ۲۹۱)

ومن آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به، وهذا عند أبي حنيفة، وقالا: لا ينبغي، وله أن الإجارة ترد على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (هداية كتاب الكراهية والاستحسان، فصل في البيع، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧٢، شامي، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچى ٦/ ٣٩٢، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٣٧٢، كوئٹه ٨/ ٢٠٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۲۲ھ

پوسٹ بکس رکھوانے کے عوض دوکان ٹیپ ٹاپ کروانا

سوال [۹۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض بینک والوں نے ہمارے سامنے یہ اسکیم رکھی ہے کہ ہم آپ کی دوکان کو خوب ٹیپ

ٹاپ کرادیں گے، آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ ایک پوسٹ بکس اپنی دوکان میں رکھنا ہے، جس پر کریڈٹ کارڈ کے فوائد درج ہوں گے، جب آپ سے کوئی پوچھے کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو آپ اس سے کہیں کہ اپنا نام مع پتہ کے پرچہ پرلکھ کراس میں ڈال دیں بینک کا نمایندہ آ کر ساری تفصیل تم کو سمجھائے گا،تو کیا اس طرح پوسٹ بکس رکھنے کے عوض ہم اپنی دوکان ٹیپ ٹاپ کرواسکتے ہیں اور یہ رکھنا جائزتو نہ ہوگا، نیز اسی کے تحت ایک اسکیم ہم کو یہ بھی ملے گی، کہ ہماری دوکان پراس کا پرچار دیکھ کرکوئی آدمی کریڈٹ کارڈ بنوائے گا تواس پر بینک ہمیں کچھ فیصد رقم دے گی؟

المستفتی: محمد اعجاز،محمد زبیر،احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان ٹیپ ٹاپ کرانے کا خرچ کتنا ہے وہ پہلے سے اگر متعین ہوجائے تو اتنے پیسے کے ذریعہ سے ٹیپ ٹاپ کرادے اور یہ خرچ بینک کے ڈبہ رکھنے کے لئے اجرت اور کرایہ شمار کرے تو جائز ہے؛ لیکن اس کے بعد فیصد کے حساب سے پیسہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ماہانہ کے اعتبار سے کرایہ وصول کرسکتے ہیں۔

عن أبي سعيد –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ قال: من استأجر أجيرا فليسم له إجارته. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ٨/ ٢٣٥، رقم: ١٥٠٢٤)

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره. (مراسيل أبي داؤد / ١٠)

ومنها: أن تكون الأجرة معلومة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤١)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، أشرفي ديو بند ٣/ ٢٩٣، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٧، رقم: ٢١٩٢٠)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد

البيع مما مر يفسد هما كجهالة مأجورة أو أجرة. (شامي، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٣٦، زكريا ٩/ ٦٤)

وكل شرط يخالف موجب العقد مفسد للعقد. (المبسوط للسرخسي، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۳/ ۱۴۳۱ھ

اپنی دوکان میں کریڈٹ کارڈ کی مشین رکھنے کا کرایہ وصول کرنا

سوال [۹۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مین روڈ پر ہمارا میڈیکل اسٹور ہے، مختلف بینکوں کے نمایندے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنی دوکان میں کریڈٹ کارڈ کی مشین رکھ لیں، جس میں آپ کو یہ سہولت ہوگی کہ آپ کی رقم آپ کو نقد ملے گی اور گاہک کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنی پوری دوائی بلا جھجھک خرید سکے گا اور اسے پیسے لینے گھر نہیں جانا پڑے گا، تو کیا ہم کریڈٹ کارڈ کی مشین رکھوا سکتے ہیں مشین دوکان میں رکھنے پر بینک ہمیں کچھ کرایہ ادا کرے یا ہماری دوکان ٹیپ ٹاپ کروا دے تو ہم کروا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر محمد اعجاز، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کریڈٹ کارڈ کی مشین سے متعلق جو بات سوال نامہ میں لکھی گئی ہے، وہ ہم کو سمجھ میں نہیں آسکی اس لئے کہ بینک کے ذمہ داروں سے جو بات ہم کو فراہم ہوئی ہے، اس کے حساب سے کچھ تردد سا ہے، باقی یہ بات کہ کوئی بھی مشین دوکاندار کی دوکان میں دوسرا آدمی رکھے یا بینک رکھے تو جانبین کے طے شدہ کرایہ کو وصول کرنا دوکاندار کے لئے جائز ہے۔

وتصح إجارة حانوت أي دكان. (شامي، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومـا يـكـون خلافا فيها، زكريا ۹/ ۳۷، كراچی ٦/ ۲۷، هداية، اشرفی ديوبند ۳/ ۲۹۷، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

ندی فروخت کرنا

سوال [۹٦۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں مچھلی کا شکار ہونے سے پہلے ندی فروخت ہو جاتی ہے، اور تقریباً یہی حال آم وغیرہ کے باغات کا ہے کہ پھل پھول ظاہر ہونے سے قبل خرید لیئے جاتے ہیں، تو کیا ایسی ندی کی مچھلی کھانا یا ایسے باغات کے پھل خریدنا اور کھانا اور ندی وباغات کے منافع کا استعمال کرنا جائز ہے؟۔

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی، بھاگلپور (بہاری)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو ندی حکومت یا کسی شخص کی ملکیت کی ہے، اس کو مالک سے کسی خاص صورت کے لئے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ نام کی بیع ہے، درحقیقت یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ کرایہ اور اجارہ کا معاملہ ہے اور طے شدہ مدت میں کرایہ دار اور ٹھیکیدار کو اس ندی میں اپنے اختیار سے ہر طرح کا تصرف جائز ہے اور اس میں دوسروں کو آنے جانے سے روکنے کا بھی حق ہے، مگر جو مچھلیاں قدرتی پیداوار ہیں، ان کو مارنے سے روکنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۵۳۲)

وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى. (شامي،

كتاب الإجارة، مطلب في استئجار الماء مع القناة الخ كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٦)

وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم يجز؛ لأن فيه استهلاک العين أصلا، والفتوى على الجواز لعموم البلوى. (هندية، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة، وما لا يجوز، زكريا قديم ٤/ ٤٤١، جديد زكريا ٤/ ٤٧٦)

ما نبت أي من الكلأ في أرض مملوكة بلا انبات صاحبها حكمه كما سبق، أي لا يمنع أحدا من الأخذ منه ولا رعى ماشيته فيه إلا أن لرب الأرض المنع من الدخول في أرضه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/ ١٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۲)

ندی کو چند سالوں کے لئے کرایہ پر لینا

سوال [۹۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں ندی اور تالاب بھی آم کے باغات کی طرح چند سالوں کے لئے فروخت ہوجاتے ہیں۔ ''ہدایہ'' میں ہے:

ولا يجوز بيع السمک قبل أن يصطاد. (آخرين، ص ٥١)

توجه: ایک استفتاء میں مدرسہ شاہی سے جواز کا فتویٰ آیا ہے اور وجہ جواز میں یہ کہا گیا ہے کہ: یہ نام کی بیع ہے، درحقیقت یہ بیع نہیں بلکہ کرایہ اوراجارہ کا معاملہ ہے۔ (پہلے والا استفتاء اور جواب کی فوٹو کاپی منسلک ہے)

الف: کیا یہی وجہ جواز آم کے باغات میں جاری ہوسکتی ہے، تاکہ خرید وفروخت حلال ہو، ورنہ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟

ب: سیلاب میں آئی مچھلی اگر ہر کس وناکس پکڑے تو اس میں نقض امن کا خطرہ ہے؛ کیوں کہ حکومت صرف خریدنے والے کی حمایت کرتی ہے، کیا ایسی صورت میں عدم جواز کا مسئلہ بتایا جائے گا؟

المستفتی: اشتیاق نور قاسمی بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ندی، تالاب کو چند سالوں کے لئے فروخت کرنے کے لئے جو بات کہی گئی ہے وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ صحیح یہی ہے کہ اس کا معاملہ کرایہ داری کا ہوتا ہے، بیع کا نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ بیع کا مطلب یہ ہے کہ خریدار کی ملکیت میں آئے گا اور واپس دینا چاہے تو خریدار ہی سے وہ واپس آئے گا اور کرایہ داری کا مطلب یہ ہے کہ ایک مدت تک کے لئے لیا جائے اور جب مالک کے پاس واپس کیا جائے ،تو خالی ہاتھ واپس کیا جائے ندی تالاب وغیرہ کو جو لیا جاتا ہے، وہ خریداری کے ساتھ نہیں لیا جاتا ہے؛ بلکہ کرایہ داری کے ساتھ لیا جاتا ہے؛ اس لئے خریداری سے تعبیر کرنا درست نہیں؛ بلکہ کرایہ داری اور اجارہ داری سے تعبیر کرنا درست ہے؛ لہٰذا چند سالوں کے لئے جو نہر یا تالاب کرایہ پر لیا جاتا ہے اور اس درمیان آزاد مچھلیاں ان نہروں اور تالابوں میں داخل ہوجائیں، پھر ان کے نکلنے کا راستہ بند ہوجائے تو اس کرایہ دار کے لئے یہ حق ہوجاتا ہے کہ ان تالابوں اور نہروں سے مچھلیاں مارنے سے دوسروں کو روک دے؛ لیکن مچھلیاں بغیر حیلہ وکوشش اور بغیر جال کے ہاتھ سے پکڑی نہیں جاسکتیں؛ اس لئے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان مچھلیوں کو پکڑنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں، نیز ''امداد الفتاوی'' کے حوالے سے سابقہ فتویٰ میں جو دوسروں کے لئے پکڑنا جائز لکھا ہے یہ اس صورت میں ہے ،جب نہروں میں آزاد مچھلیاں داخل ہوجائیں، پھر ان کے لئے نکلنے کا راستہ بند نہ کیا گیا ہو کہ کسی طرح سے وہ مچھلیاں ٹھیکیدار کے ایریا سے باہر نہیں نکل سکتیں، اسی طرح تالاب میں پانی آنے جانے کا راستہ ہے اور ان راستوں کو بند نہیں کیا گیا ہے، تو دوسروں کے لئے بھی ان نہروں سے مچھلیاں پکڑنے کی اجازت

ہے؛لیکن اگر راستہ بند کردیا گیا ہے، تو ٹھیکیدار کی اجازت کے بغیر دوسروں کے لئے ان مچھلیوں کو مارنا جائز نہیں یہی اس مسئلہ کا مطلب ہے جو''امداد الفتاویٰ'' کے حوالہ سے پہلے والے استفتاء میں لکھا گیا اور ایک بہترین شکل یہ ہے کہ سرکاری نہروں کو کرایہ اور ٹھیکہ پر لیتے وقت نہر کے کناروں کو بھی ٹھیکہ پر لے لیا جائے اور ان کناروں میں پیدا ہونے والے درخت اور حفاظت کے ذریعہ سے اگنے والی گھاس وغیرہ ٹھیکیدار کی ہو جائے تو ٹھیکیدار اور کرایہ دار کو یہ حق ہوگا کہ ان نہروں اور تالابوں میں آنے سے روک دے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا تشتروا السمک في الماء، فإنه غرر. (مسند أحمد ۱/ ۳۸۸، رقم: ۳٦۷٦، السنن الکبری للبیهقي، دارالفکر بیروت ۸/ ۲۵۲، رقم: ۱۱۰۱۳)

لا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد؛ لأنه باع مالا یملکه. (هدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، أشرفي دیوبند ۳/ ۵۱، تاتارخانیة، زکریا ۸/ ۳۳٦، رقم: ۱۲۱۱۲)

ومن استأجر أرضا علی أن یکربها ویزرعها ویسقیها فهو جائز. (هدایة، کتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، أشرفي دیوبند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زکریا ۸/ ٤۳، شامي کراچي ٦/ ٦۰، زکریا ۹/ ۸۲، ملتقی الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٥٤۰)

وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء به یفتی لعموم البلوی. (شامي، مطلب في استئجار الماء مع القناة، کراچی ٦/ ٦۳، زکریا ۹/ ۸٦، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ٤٤۱، جدید ٤/ ٤۷٦)

والحیلة في الکل أن یستأجر موضعا معلوما لعطن الماشیة وسیح الماء والمرعی. (تقریرات رافعي، باب بیع الفاسد، کراچی ۵/ ۱٤۰، زکریا ۷/ ۱٤۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ صفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱٦)

سمندر کا ایک مخصوص حصہ ٹھیکہ پر لینا

سوال [۹۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ساحلی علاقہ میں ایسا ہوتا ہے کہ حکومت سمندر کے کسی خاص جگہ کوکسی کے ہاتھ فروخت کردیتی ہے کہ اس خاص جگہ میں جتنی مچھلیاں ہیں، ایک متعینہ مدت تک وہی شخص ان مچھلیوں کا شکار کرسکتا ہے، کوئی اور استعمال نہیں کرسکتا ہے، کیا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے؟ براہ کرام جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام

المستفتی: عبدالمجید کیرالا متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعینہ مدت تک کے لئے فروخت کرنے کا مطلب با قاعدہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ اجارہ داری اور کرایہ کا معاملہ ہے اور سمندر کا کنارہ چونکہ حکومت کی ملکیت ہے؛ اس لئے حکومت کو اپنی ملکیت کسی کو بھی کرایہ پر دینے کا حق ہے اور جو شخص متعین حصہ کو کرایہ پر لے گا، اسے اپنے حصہ میں آزادنہ طور پر آنے جانے کا حق ہے اور ساتھ میں اس حصہ کی مچھلیاں مارنے کا حق بھی حاصل ہو جائے گا۔ اور دوسروں کو اس حصہ سے مچھلیاں پکڑنے سے روکنے کا حق تو نہیں ہے؛ لیکن اس دائرہ کے حدود میں داخل ہونے سے منع کرنے کا حق ہے، جب وہ داخل نہیں ہوسکے گا، تو مچھلیاں بھی نہیں مار سکے گا، اس طریقہ سے حیلہ کے ساتھ اس معاملہ کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى. (شامي، مطلب في استئجار الماء مع القناة، زكريا ٩/ ٨٦، كراچی ٦/ ٦٣)

وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم يجز أيضا؛ لأن فيه استهلاك العين أصلا، والفتوى على الجواز لعموم البلوى –إلى قوله– ولو استأجر أرضا مع الماء تجوز تبعا. (هندية، الباب الخامس عشر، جديد زكريا ٤/ ٤٧٦، قديم زكريا ٤/ ٤٤١)

قال ابن عابدين: ما نبت أي من الكلأ في أرض مملوكة بلا إنبات صاحبها حكمه كما سبق، أي لا يمنع أحد من الأخذ منه ولا رعي ما شيته فيه إلا أن لرب الأرض منع من الدخول في أرضه. (الموسوعة الفقهية ۳۵/ ۱۰۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۶ھ

کافر کو شامیانہ اور کھانے کے برتن کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسلمان کا ٹینٹ ہے، اس کے ٹینٹ سے شامیانے اور برتن جس طرح مسلمان لے جاتے ہیں اپنے مذہبی جلسہ میں لگانے اور کھلانے کے لئے، ایسے ہی غیر مسلم اپنے ناچ گانے اور رام لیلا وغیرہ کے لئے شامیانے دریاں وغیرہ لے جاتے ہیں اور بھنگی چمار وغیرہ بھی برتن لے جاتے ہیں اور خنزیر، شراب وغیرہ میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا اس مسلمان کا غیر مسلموں کو شامیانے وغیرہ اور برتن وغیرہ دینا اور ان کا کرایہ لے کر اس کو استعمال کرنا درست ہے؟ اور کیا پھر وہی برتن جو ابھی بھنگی وغیرہ کے یہاں سے آئے ہیں، اگر چہ انہوں نے دھو کر واپس کئے ہیں، کیا مسلمان ان برتنوں کو اپنی شادی وغیرہ میں استعمال کر سکتا ہے؟ عمومی طور پر ہر مذہب والے کا ٹینٹ اور برتن ہر مذہب والے استعمال کرتے ہیں، شرعاً جو فیصلہ ہو واضح فرمادیں۔

المستفتی: عبد الرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ مسلمان کا کاروبار چونکہ شامیانہ، ٹینٹ وغیرہ کرایہ پر دینے کا ہی ہے؛ اس لئے اس شخص کا مذکور چیزوں کو کرایہ پر دینا بلا شک وشبہ جائز ہوگا، اس

میں مسلمان وکافر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور کافر کے استعمال کئے ہوئے برتن تین تین مرتبہ دھوکر استعمال کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا جب غیر مسلموں کے یہاں سے برتن واپس آجائیں تو ٹینیٹ ہاؤس والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان برتنوں کو اہتمام کے ساتھ تین تین مرتبہ دھوکر رکھیں، پھر مسلمانوں کو دیں، ورنہ ان کی ذمہ داری ہی ہوگی کہ وہ دو قسم کے برتن رکھیں، ایک قسم کے برتن صرف کافروں کے لئے ہوں اور دوسری قسم کے برتن خاص طور پر صرف مسلمانوں کو کرایہ پر دینے کے لئے ہوں۔

عن أبي ثعلبة الخشني –رضي الله عنه– أنه سأل رسول الله ﷺ: إنا نجاور أهل الكتاب، وهم يطبخون في قدورهم الخنزير ويشربون في آنيتهم الخمر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا، وإن لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء، وكلوا واشربوا. (أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في استعمال آنية أهل الكتب، النسخة الهندية ۲/ ۵۳۷، دار السلام، رقم: ۳۸۳۹)

ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل. (تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱٦۵، برقم: ۲۳۷۰)

إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة. (تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۱۲۲، رقم: ۲۲٤٤۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۲ھ

زمین کو کرایہ پر دینا

سوال [۹٦۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک کسان سے دس بیگہ زمین دو سال کے لئے کرایہ پر لی ہے، جس کا دو سال کا

کرایہ چودہ ہزار روپئے ہے، دس بیگہ زمین میں لگ بھگ تیس کوئنٹل اناج پیدا ہوتا ہے، ہر فصل میں، جس کسان سے ہم نے زمین کرایہ پر لی ہے وہ کسان غیر مسلم ہے، اور ہم نے وہ زمین اس ہی کو جوتائی کے لئے دے دی ہے، وہ ہمیں دس بیگہ زمین میں صرف دس کنٹل اناج دے گا، اور بیس کنٹل وہ لے لے گا، اپنی محنت اور بیج کے اور پانی کے بدلے میں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ ہمیں بتائیں کہ یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صغیر احمد پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح دو سال یا چند سال کے لئے مالک زمین سے پیشگی رقم لے کر زمین کو کرایہ پر لینا جائز اور درست ہے؛ لیکن جب کرایہ دار زمین کو اسی مالک کے ہاتھ بٹائی پر دے گا، تو اس میں دو شرطیں لازم ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ بٹائی پر دینے میں پیداوار کا نصف، ثلث، ربع وغیرہ کا اعتبار کیا جائے، مثلاً دس بیگہ زمین میں تیس کوئنٹل اناج پیدا ہونے کی امید ہے اور اس میں سے دس کوئنٹل کرایہ دار کو حاصل کرنا ہے، تو گویا کہ پیداوار کا تہائی حصہ کرایہ دار کو ملے گا اور دو تہائی جوتائی کرنے والے کسان کو ملیں گے، تو اس طرح معاملہ طے کریں کہ جو کچھ بھی پیدا ہوگا اسے تین حصے کر کے ایک حصہ کرایہ دار کو ملے گا اور دو حصے کسان کو ملیں گے۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ بیج کرایہ دار کی طرف سے ہونا لازم ہے، ان دونوں شرطوں کے بغیر مذکورہ معاملہ درست نہیں ہوگا؛ لہٰذا تہائی حصہ کی قید لگائے بغیر دس کوئنٹل اناج کی شرط لگانا درست نہیں ہے؛ اس لئے اس معاملہ کو دوبارہ شریعت کے دائرہ میں داخل کر کے صحیح کر لیا جائے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۶)

دفع الأرض المستأجرة من الآجر مزارعة جاز إن البذر من المستأجر. (درمختار مع الشامي، قبيل كتاب المساقاة، ٥/ زكريا ٩/ ٤١٠، كراچی ٦/ ٢٨٤)

وعنه أي محمد استأجر أرضا ودفعها إلى صاحبها مزارعة، فإن البذر

من قبل ربها لم يجر، وإن من قبل المستأجر جاز. (فتاوى بزازية، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحتها وشرائطها، جديد زكريا ۳/ ۵۰، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ۱۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۸۷۶۲)

خالی زمین کرایہ پر لینا

سوال [۹۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زمین مالک سے خالی زمین دو چار سال کے لئے موقع پر طے شدہ رقم دے کر ٹھیکہ پر لینا کیسا ہے؟ اور دو چار سال کی پیداوار ٹھیکیدار لیتا ہے اور دو چار سال پورا ہونے کے بعد زمین مالک سے رقم واپس لئے بغیر زمین واپس کر دیتا ہے، جس طرح زمین خالی ٹھیکہ پر لی گئی اور بیچ میں جو بھی پیداوار یا غلہ ہوا وہ ٹھیکیدار نے لیا، اسی طرح کسی پھل کا باغ لینا جب کہ پھول وپھل سے خالی ہو، باغ مالک کو موقع پر طے شدہ رقم دے کر اس باغ کو ٹھیکہ پر لینا کیسا ہے؟ اگر اول جائز ہے اور ثانی نہیں، تو وجہ کیا ہے؟ یا کونسی صورت جائز ہے؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟

المستفتی: عبدالصمد بلاسپور گیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شکل زمین کو کرایہ داری میں دینے کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے جائز اور درست ہے۔

من استأجر أرضا على أن يكر بها ويزرعها ويسقيها، فهو جائز. الخ (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ۳/ ۳۰٦، البحر الرائق، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، شامي، زكريا ۹/ ۸۲، كراچی ٦/ ٦۰)

نیز اسی طرح باغ کو زمین سمیت کرایہ اور ٹھیکہ پر دینا جائز ہے اور اس درمیان باغبان کو اس

میں کوئی چیز بوکر پیداوار حاصل کرنے کا بھی اختیار ہونا چاہئے۔

إذا استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها أو يسقيها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له، فلا يفسد العقد. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۸/ ۴۳، كوئٹه ۸/ ۲۴، شامي، زكريا ۹/ ۸۲، كراچی ٦/ ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

قرض لے کر زمین کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک شخص سے بیس ہزار روپئے قرض مانگے اور یہ کہا کہ میری چار بیگہ زمین کرایہ واجارہ پر لے لو اور مذکورہ قرض میں سے ہر سال چھ سو روپئے بیگہ کے حساب سے کٹتے رہیں گے، واضح رہے کہ ایک بیگہ زمین کا کرایہ عموماً ایک ہزار روپیہ میں زید دیتا ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح زید کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کی زمین کو استعمال کرنا مذکورہ صورت میں جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں آپس کی رضامندی سے زید کو قرض دینا جائز ہے اور پھر اس قرض کو زمین کے کرایہ میں مجری کرنا جائز اور درست ہے؛ لہٰذا مقررہ کرایہ کے حساب سے جتنی مدت میں زمین کا کرایہ بیس ہزار قرض کے برابر ہوجائے اس وقت تک قرض خواہ کے لئے زید کی زمین کو بطور کرایہ استعمال کرنا جائز ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۱/ ۳۵۷، ڈابھیل ۱۶/ ٦۴٦)

الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعقود عليه. (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق؟ أشرفي ٣/ ٢٩٤، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١٣، جديد ٤/ ٤٤٣، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٠٠، زكريا ٧/ ٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۳/۹۷۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

باغ کو ٹھیکے پر دینا

سوال [۹۶۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک آم کا باغ ہے، جس کو لگائے ہوئے تقریباً دس بارہ سال ہوگئے ہیں، ہم لوگ اس باغ کے اندر برابر کاشت بھی کررہے ہیں، کچھ لوگ اس کو ٹھیکے پر لینا چاہتے ہیں، ٹھیکے پر لینے والے لوگ بھی اس میں کاشت کریں گے اور پیڑوں سے بھی فائدہ اٹھائیں گے، تو اس طرح ٹھیکے پر دے کر صرف اس پر رقم حاصل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حسین احمد مسجد دادا والی گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باغ اور زمین کو اگر اس طرح کرایہ پر دیا گیا ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپیہ سالانہ مقرر ہوا ہے اور جائیداد کرایہ پر لینے والے کو اس بات کا مکمل اختیار رہے کہ وہ زمین میں کاشت کرکے اور باغ کے پھلوں سے فائدہ اٹھائے گا، تو یہ معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۳۸۱، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۵۷، ایضاح النوادر ۱/۴۷)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها، فهو جائز. الخ

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤/ زكريا ٨/ ٤٣، شامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۴)

ٹھیکے پر زمین دینا

سوال [۹۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پاس تقریباً ۲۵/۱ ایکٹر زمین ہے، جب تک والد صاحب حیات رہے تو وہ کبھی بٹائی پر کبھی خود کاشت کیا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد ہم چار بھائی اس زمین کے حق دار بنے، ہم دو بھائی دہلی میں سروس کرتے ہیں، زمین کی دیکھ بھال کبھی ایک بھائی کے ذمہ رہتی ہے تو کبھی دوسرے بھائی کے پاس، اب پچھلے چار سال سے ہمارے بڑے بھائی کبھی خود ہی کاشت کرتے ہیں اور کبھی پوری زمین ایک سال کے لئے -/3500 فی ایکٹر کے حساب سے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں، اس طرح جو رقم آتی ہے وہ ہم چاروں بھائی آپس میں لیتے ہیں، آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا ٹھیکے پر زمین دینا جائز ہے؛ کیوں کہ ٹھیکے پر زمین لینے والے کو فائدہ ہو یا نقصان اس کو تو آدھی رقم شروع میں اور آدھی رقم پہلی فصل کاٹنے کے بعد دینا ہوتی ہے، اس طرح جس نے ٹھیکے پر زمین لی اس کے لئے تو یہ کاروبار جائز ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ اس کے ساتھ فائدہ نقصان دونوں لگے ہیں، جب کہ ٹھیکے پر دینے والے کو فائدہ ہی فائدہ ہے، تو ہمارے لئے ٹھیکے پر زمین دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور میرے حصہ کی رقم پر کتنی زکوۃ مجھے نکالنی ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمین کو سال بھر کے لئے معین اجرت کے ساتھ ٹھیکے پر

دینا جائز اور درست ہے اور ٹھیکیدار کے لئے اس میں کوئی بھی چیز بوکر فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا اور مالک زمین کو اس میں کسی قسم کی پابندی لگانے کا حق نہ ہوگا، تو اس طرح ٹھیکے پردے کر اجرت حاصل کرنا مالک زمین کے لئے بلا تردد جائز اور حلال ہے، ٹھیکیدار کو فائدہ ہو یا نقصان دونوں صورتوں میں یہ جائز ہے، ہم نے ''ایضاح النوادر ا/۴۷'' پر اس مسئلہ کو بیان کردیا ہے، نیز جو رقم آپ کے حصے میں آئے گی اس کی زکوۃ ہزار میں ۲۵؍ روپئے کے حساب سے ادا کرنا آپ کو لازم ہوگا۔

عن علي –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء يعني الذهب حتى تكون لك عشرون دينارا، فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار. الحديث (سنن أبي داؤد، الزكوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢١، دارالسلام، رقم: ١٥٧٣)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها، فهو جائز. الخ (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤/ زكريا ٨/ ٤٣)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، وسائر الانتفاعات. (شامي، كراچی ٦/ ٣٠، زكريا ٩/ ٤٠)

وفي الخانية: في كل مائتى درهم خمسة دراهم، وفي كل عشرين مثقالا نصف. (تاتارخانية، زكريا ٣/ ١٥٥، رقم: ٣٩٧٧، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ١/ ١٥٤، وعلى هامش الهندية زكريا ١/ ٢٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

درختوں کے ساتھ زمین کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوسال کے لئے باغ کی زمین ٹھیکے پر دینے کے ساتھ باغ کی فصل (بہار) کوفروخت کر دینے کے لئے لیتا ہے، یہ شکل جائز ہے یانہیں؟ یعنی زمین اور بہار باغ دونوں کوکرایہ پر دے دیا،تا کہ کرایہ دارزمین کی آمدنی اور باغ کی فصل دونوں سے منتفع ہوسکے،تو یہ شکل شرعاً کیاحکم رکھتی ہے؟ والسلام

المستفتی: خورشیداحمدخادم الاسلام مدرسہ تعلیم القرآن حسن پور،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شکل شرعاً ناجائزہے؛ کیوں کہ اس میں دومعاملہ ایک ساتھ ہیں،جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، ہاں اگرزمین صرف کرائے پردی جائے اوردرخت اورفصل کواس کے تابع شمارکیا جائےتو درخت کی آمدنی بھی حلال ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۴۷۱، ڈابھیل ۱۶/ ۵۸۱، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۵، جدید مطول ۱۱/ ۱۲۳-۱۲۴)

ویجوز کراء الأرض بالشجر الذي یمکث فیها زمنا طویلا. (کتاب الفقه علی مذاهب الأربعة، مباحث الإجارة، دارالفکر بیروت ۳/ ۱۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۷۷)

سالانہ دومن غلہ پرزمین کرایہ پردینا

سوال [۹۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کواس شرط پردی کہ تم مجھ کو ہرسال دومن غلہ دے دیا

کرنا اور باقی جو کچھ بھی پیداوار ہوگی وہ تمہاری ہوگی۔ مفتی صاحب سے سوال ہے کہ اس طرح مذکورہ شرط کے ساتھ زمین دینا جائز ہے؟

المستفتی: سعید الرحمٰن آسامی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ کرایہ داری کی صورت ہے، جس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

ویجوز استیجار الأراضي للزارعة؛ لأنها منفعة مقصودة معهودة فيها. الخ (هداية، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، أشرفي ديو بند ٣/ ٢٩٧، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٢٢)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها، فهو جائز. الخ (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ديو بند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤/ زكريا ٨/ ٤٣، شامي كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۷۲)

باغات کو فروخت کرنے کی جائز شکل

سوال [۹۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں آم وغیرہ کے باغات پھل پھول ظاہر ہونے سے قبل ہی خرید لئے جاتے ہیں، ہمارے یہاں یہ رواج بالکل عام ہے، ایک سال سے لے کر دس سال تک کے لئے خرید وفروخت شائع اور ذائع ہے، فروخت کنندہ کو روپئے کی ضرورت ہے وہ پہلے مل جاتے ہیں اور خریدنے والے کو چونکہ وہ کئی سال پہلے رقم دیتا ہے؛ اس لئے پندرہ ہزار کا باغ صرف دس ہزار میں مل جاتا ہے۔

وجہ جواز یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ خرید وفروخت کا معاملہ نہیں؛ بلکہ کرایہ اوراجارہ کا معاملہ ہے، میں نے باغ خریدا ہے نہ کہ پھل، حدیث میں پھل کی خرید وفروخت منع ہے، جب کہ ارشاد نبوی ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع السنين، وأمر بوضع الجوائح. (رواه مسلم، معارف الحديث ۷/ ۱۲۵)

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے (معارف الحدیث ۷/۱۲۴) میں اس طرح کی بیع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت لکھی ہے۔

الف: کیا مذکورہ وجہ جواز درست ہے؟ اگر درست ہے تو حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ چند سالوں کا ٹھیکہ ناجائز اور غلط ہے اور ایک سال کا جائز اور درست ہے؟

ب: اگر مذکورہ وجہ جواز درست نہیں ہے، تو ایسی صورت میں جب کہ ۹۹ رفیصد باغ کی خرید وفروخت باطل ہوتی ہے، بازار سے اس کا پھل خرید نا کھانا یا ایسے باغوں کے منافع کا استعمال جائز ہے؟

المستفتی: اشتیاق نور قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف، ب) ہمارے ہندوستان اور برصغیر میں ایک ایک دو دو فصل یا ایک ایک دد دو سال کے لئے باغات کی جو خرید فروخت ہوتی ہے، وہ شرعی ضابطہ کے مطابق ناجائز اور بیع فاسد ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فصل کی فروختگی اور خریداری میں مبیع پھل ہی ہوتا ہے اور پھل ابھی اپنے وجود میں نہیں آیا اور شریعت میں ایسی معدوم شئ کی خریداری اور فروختگی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے جواز کے لئے ایک متبادل حیلہ کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ باغ کی زمین قابل کاشت ہو یا اس زمین میں

کسی بھی چیز کی پیداوار ہوسکتی ہے، تو ایسی صورت میں زمین کو مع باغ کے ایک سال یا متعدد سالوں کے لئے متعین اجرت سے کرایہ پر لے لیا جائے اور اس کرایہ داری کی مدت میں مالک کا کوئی اختیار باقی نہ ہو، سارا اختیار کرایہ دار کو حاصل ہو جائے اور کرایہ دار اس میں کسی بھی طرح کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے، اور پیڑوں میں پانی وغیرہ دے کر ان کی خدمت کر کے اس مدت میں جو پھل آئیں گے ان سے بھی فائدہ اٹھائے، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس معاملہ میں ان پھلوں کی خرید فروخت ہوئی ہے جو اپنے وجود میں نہیں آئے؛ بلکہ پھل تابع ہیں اصل زمین کی کرایہ داری ہوتی ہے اور حدیث شریف میں بیع کی ممانعت ہے، کرایہ داری کی ممانعت نہیں ہے، تعامل ناس اور عموم بلویٰ کی وجہ سے حضرات فقہاء نے اس طرح کی اجارہ داری اور کرایہ داری کے ذریعہ سے باغات اور نہر وغیرہ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور بازار سے خرید و فروخت بہر حال جائز ہے۔

عن حكيم بن حزام -رضي الله عنه- قال: سألت رسول الله ﷺ، فقلت: يأتيني الرجل فيسألني عن البيع ما ليس عندي اتباع له من السوق، ثم أبيع قال: لا تبع ما ليس عندك. (سنن الترمذي، ابواب البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ماليس عنده، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٢)

ومن استأجر أرضا على أن يكر بها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٦، الحبرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، شامي كراچي ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٤٠)

وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى. (شامي، مطلب في استئجار الماء مع القناة، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٦، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٤١، جديد ٤/ ٤٧٦)

والحيلة في الكل أن يستأجر موضعا معلوما لعطن الماشية وسيح الماء والمرعى. (تقريرات رافعي، باب بيع الفاسد، كراچی ۵/ ۱۴۰، زكريا ۷/ ۱۴۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۱۶/۳۷)

کھیت اور باغات کو ٹھیکہ پر دینا اور گروی رکھنا

سوال [۹۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا کھیت اور باغات یا اسی شئ کے مثل ٹھیکے پر ایک دو سال یا ایک فصل کے لئے لینا اور دینا درست ہے؟

(۲) ایک شخص نے ایک کھیت گروی رکھا ہے، یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی ادائے گی کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد توصیف لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر اس طرح لیا جائے کہ ایک سال یا دو سال تک لینے والے کو پوری زمین پر تصرف کا حق بھی دیا جاتا ہے کہ کرایہ دار کو اس اثنا میں باغ اور کھیت میں کوئی چیز بو کر فائدہ اٹھانے کا حق بھی حاصل ہے، تو جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ صرف فصل کی بیع نہیں ہے؛ بلکہ پوری زمین اور باغ کو مقررہ مدت تک کے لئے کرایہ پر لینا ہے، جو کہ جائز ہے۔

ومن استأجر أرضا على أن يكر بها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۰۶، البحر الرائق، كوئٹه ۸/ ۲۴، زكريا ۸/ ۴۳، شامي كراچي ۶/ ۶۰، زكريا ۹/ ۸۲، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۴۰)

(۲) کھیت گروی رکھنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ مرتہن اس سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔

كما استفيد من عبارة الهداية: فلو رهنه خاتما، فجعله في خنصره فهو ضامن؛ لأنه متعد بالاستعمال. (هداية، كتاب الرهن، أشرفي ديوبند ٤/ ٥٢٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۳؍۱۴۱۴ھ

عمارت بنانے کے لئے زمین کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بندہ کے علاقہ میں ایک معاملہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی غریب آدمی کی زمین کونٹرکٹر (ٹھیکیدار) اس شرط پر لیتے ہیں کہ وہ اس زمین پر اپنے خرچ سے عمارت بنائیں گے، پھر اس عمارت کا خرچ اس کی دوکانوں اور فلاٹوں کو بیچ کر مع نفع وصول کریں گے، پھر وہ اس معاملہ سے الگ ہوجائیں گے، اب وہ دوکاندار اور فلیٹ خریدنے والے دوکانوں اور فلیٹوں کا کرایہ زمین والے کو ادا کرتے رہیں گے، کیا یہ معاملہ صحیح ہے؟

(۲) ان دوکانوں اور فلیٹوں کے خریدنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صاحب ارض ان دوکانوں اور فلیٹوں کے مالک ہونے کے باوجود صرف کرایہ وصول کرنے کا مجاز ہوگا، جب کہ وہ دوکان لینے والا اس دوکان کو کسی کو بھی بیچ سکتا ہے اور پھر مشتری ثانی دوکانوں کا کرایہ صاحب ارض کو ادا کرے گا، یہ معاملہ ہمارے یہاں کے سبھی دوکانوں اسٹالوں میں چلتا ہے، ہماری بھی دوکان اسی طرح لی ہوئی ہے، تو کیا یہ طریقہ شرعاً صحیح ہے؟

المستفتی: علی اختر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ صورت اجارہ داری کا معاملہ ہے

اور ٹھیکیدار کا غریب شخص سے اس کی زمین اس شرط کے ساتھ لینا کہ میں اس پر عمارت وغیرہ بنا کر پھر اسے فروخت کر کے اپنا روپیہ مع نفع وصول کرلوں گا، شرعاً جائز اور درست ہے، اس کے بعد مذکورہ خریدار کے پاس کرایہ پر رہے گی اور اس پر زمین کا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا؛ البتہ وہ اپنی خریدی ہوئی عمارت کا بدون زمین کے مالک ہوجائے گا، اور صاحب زمین کو ہر حال میں شرعاً اپنی زمین کی قیمت کے مطالبہ کا اختیار رہے گا، اگر خریدار قیمت نہ دے تو مالک زمین کو یہ حق حاصل ہے کہ عمارت کی قیمت خریدار کو دے کر زمین اپنی ملکیت میں لے لے۔ اور اگر اس شرط کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے کہ مالک زمین کو بعد میں اپنی زمین کی واپسی کے مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا تو اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة قلعهما –إلى قوله– أو يرضى الموجر بتركه، أي البناء والغرس، فيكون البناء والغرس لهذا والأرض لهذا، وهذا الترک ان بأجر، فإجارة وإلا فإعارة. (شامي، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، کراچی ٦/ ٣٠-٣١، زكريا ٩/ ٤٠-٤١)

وتصح استئجار الأرض للبناء والغرس، وإذا انقضت المدة لزمه أن يقلعهما أو يسلمها فارغة –إلى قوله– أو يرضيا بتركه، فيكون البناء والغرس لهذا، أي للمستأجر والأرض لهذا، أي للموجر الذي هو صاحب الأرض. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٢٣)

وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع أفسده. (الدر مع الشامي، باب الإجارة الفاسدة، کراچی ٦/ ٤٦، زكريا ٩/ ٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۳)

زمین کوکرایہ پر دینے کی چند شکلیں

سوال [۹۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص نے کسی کو زمین دی اور ان سے مثلاً دس ہزار روپے لئے اور ان سے کہا کہ جب میرے پاس روپیہ ہو جائے گا تو روپیہ دے کر زمین واپس لے لوں گا، تو کیا اس میں بیاج یعنی سود کی صورت پائی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز اور حرام ہو تو وضاحت فرمائیں؟

(۲) دوسری صورت اس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو زمین دی اور ان سے مثلاً پانچ ہزار روپیہ لئے اور کہا کہ سالانہ روپیہ کم ہوتا رہے گا اور جب میرے پاس روپیہ ہوگا سالانہ سو روپئے کاٹ کر دے دوں گا۔

(۳) تیسری صورت اس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو زمین دی اور ان سے چار ہزار روپئے لئے اور ان سے کہا کہ پانچ سال تک تم زمین اپنے پاس رکھو اس پانچ سال کے اندر کوئی غلہ ہو یا نہ ہو اس کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے اور تم کو ایک بھی روپیہ نہیں ملے گا۔ اور زمین ہماری خود لوٹ جائے گی، تو کیا مذکورہ تینوں شکلیں یا ان میں سے کوئی ایک شکل صحیح اور درست ہو تو خلاصہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتی: محمد عارف انصاری محلہ نئی بستی، قصبہ نرولی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں شکلوں میں سے اول الذکر دونوں شکلیں ناجائز ہیں اور تیسری شکل جائز اور درست ہے۔

تصح إجارة أرض للزارعة الخ. (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، زكريا ۹/ ۳۹، كراچی ٦/ ۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

’’کوتو‘‘ اور ’’ڈیڑھا‘‘ کا حکم

سوال [۹۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’کوتو‘‘ یعنی زمین والا جو زمین لے رہا ہے، اس سے کہتا ہے کہ تم کو فصل کاٹنے کے بعد مجھے اتنا دینا ہوگا، چاہے اس زمین سے اتنا اگتا بھی نہ ہو۔ ’’ڈیڑھا‘‘ یعنی تم کو میں ایک ہزار روپیہ دے رہا ہوں، چار مہینے یا چھ مہینے کے بعد تم کو پندرہ سو روپیہ دینا ہوگا۔

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں کوتا کی جو صورت بیان کی گئی ہے کہ زمین دینے والا زمین دے کر کے کہتا ہے کہ تم کو فصل کٹنے کے بعد مجھے اتنا غلہ دینا ہوگا، چاہے کہیں سے بھی لا کر دو تو یہ مزارعت نہیں؛ بلکہ زمین کو کرایہ پر دینے کا معاملہ ہے؛ لہٰذا اجارہ کے تحت داخل ہو کر شرعاً یہ معاملہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۵۹)

وما صلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود، والمكيل، والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة، وما لا يصلح ثمنا في البيع صلح أجرة أيضا كالأعيان مثل العبيد والثياب. (عالمگيري، كتاب الإجارة، الباب الأول، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، قديم زكريا ٤/ ٤١٢)

وكل ما صلح ثمنا أي بدلا في البيع صلح أجرة؛ لأنها ثمن المنفعة.

(درمختار، كراچی ٦/ ٤، زكريا ٩/ ٥، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١١، رقم: ٢١٩٣٧، شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

(۲) ڈیڑھا کی جو شکل بیان کی گئی ہے کہ ایک ہزار روپئے اس شرط کے ساتھ دینا کہ مثلاً چار

یا چھ مہینے کے بعد پندرہ سوروپئے دینے ہوں گے، تو یہ شکل شرعاً سود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ اور پانچ سوروپئے جوزائد آرہے ہیں ان کا لینا درست نہیں ہے، وہ حرام ہیں، وہ روپئے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

كل قرض جر نفعا فهو حرام. (شامي، كراچی ٥/ ١٦٦، زكريا ٧/ ٣٩٥، قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ١٠٢، رقم: ٢٣٠)

إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء مصري ١/ ١٤٧، هندي ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، رقم الحديث ٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۴/۷۶۱۴)	۱۴۲۳/۴/۲۴ھ

زمین کو ”کٹ بھرنے“ پر دینا

سوال [۹۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”کٹ بھرنا“: یعنی کسی صاحب سے زمین لی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم نے مجھ سے زمین لی ہے، تمہارے روپئے میں سے ہر ماہ اتنا کٹتا رہے گا، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معلوم ہوا ہے کہ ہرمہینہ پیسہ کاٹنے کی قید لگانا بہار میں بھی نہیں ہے؛ بلکہ ہرسال یا ہرفصل میں پیسہ کاٹنے کا رواج ہے؛ لہٰذا اگر مطلب یہ ہے کہ ہرفصل میں مثلاً ایک ہزارروپئے کاٹتا رہے گا اور دس فصل میں دس ہزار روپئے کاٹتا رہے گا، تو یہ شرعاً زمین کی کرایہ داری کی شکل ہے، جو جائز ہے اور اس طرح زمین کو ایک ایک فصل کے لئے کرایہ پر دینا اجارہ کے دائرہ میں داخل ہوکر شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم۱۳/۳۳۴، جدید ڈابھیل۲۰/ ۱۲۹)

وشـرطهـا كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلـى المنازعة. (شـامي، كتاب الإجارة، زكـريـا ۹/ ۷، كراچی ٦/ ٥، هداية، اشرفي ٣/ ٢٩٣، مـخـتـصـر الـقـدوري، ص: ١٠٠، هندية زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷٦۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۲۳ھ

٢ / باب الإجارة الفاسدة

اجارہ میں اجرت کے مجہول ہونے کی شرعی حیثیت

سوال [٩٦٤٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور بکر دونوں کی آپس میں دوستی ہے، زید کے پاس تین چار گائے ہیں اور بکر کے پاس نہیں ہیں؛ اس لئے زید بر بنائے دوستی بکر کو ایک گائے کی بچی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس بچی کو کھلا پلا کر بڑی کرو۔ اور جب وہ بڑی ہو کر بچہ دے دیگی تو اس بچہ سے جتنے دن گائے دودھ دے گی اتنے دن تک تم دودھ پیتے رہنا، اس کے بعد جب دودھ دینا چھوڑ دے گی تو اس گائے کو ہمیں واپس کر دینا اور بچہ تم لے لینا، تو اس طریقے سے معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوسالک بردوانی، متعلم شعبہ افتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعی طور پر ناجائز اور فاسد ہے؛ اس لئے کہ جانور کی پرورش کی اجرت متعین نہیں ہوئی اور شرعاً اجرت کا معلوم ومتعین ہونا اس قسم کا معاملہ صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، نیز یہاں پر اجرت الخدمت مذکورہ جانور کے بعض اجزاء کو قرار دیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا معاملہ بنص حدیث قفیز طحان ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/ ٣٤٢، اصلاح الرسوم/ ١٤٣، فتاوی محمودیہ قدیم ٤/ ٢٦٠، جدید ڈابھیل ١٦/ ٦٠٢)

عن أبي سعيد الخدري -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره. (مراسيل أبي داؤد/ ١٠)

ومن شرائط الإجارة -إلى قوله- ومنها: أن تكون الأجرة معلومة.

(عالمگيري، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤١، شامي،

کراچی ٦/ ٥، زکریا ٩/ ٧، هداية اشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٣، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٧، رقم: ٢١٩٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ جمادی الثانیہ ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢٢٤٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٤/ ٦/ ١٤١١ھ

بلاتعیین اجرت اجیر کی مزدوری کا مسئلہ

سوال [٩٦٤٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) مرحوم محمد عامر صاحب کا جو کاروبار ہے، اس کو چلانے کے لئے ایک بہنوئی کو مقرر کیا گیا ہے، ماہانہ خرچ پانچ ہزار روپئے بہنوئی اور پانچ ہزار والدہ، والد، بیوی، لڑکی کے خرچ کے لئے دوکان سے لئے جاتے ہیں، یہ چار لوگ مشترکہ ایک ہی گھر میں ہی خرچ کے ساتھ رہتے ہیں، یہ دوکان سے لی ہوئی رقم مشترکہ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور بہنوئی صاحب کو نہ ملازمت پر رکھا گیا ہے اور نہ پاٹنری پر بس تعلقات پر کام کرتے ہیں اور مرحوم کے والد بھی دوکان پر بیٹھے ہیں۔

(٢) اس کاروبار کے نفع ونقصان کے اندر جو کام چلا رہا ہے وہ اور وارثین برابر کے شریک رہیں گے یا نہیں؟

(٣) مرحوم کے استعمال شدہ کپڑوں وغیرہ کا کس طرح استعمال ہوگا مرحوم گھر کے لئے (جو مشترکہ رہائش ہے) جو سامان بازار سے خرید کرلائے اس کا کس طرح استعمال ہوگا۔

(٤) مرحوم کینسر کے مریض تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بہنوئی اور اپنے خسر سے کہا تھا کہ میری وصیت ہے کہ اپنے والد اور خسر کو عمرہ کے لئے بھیجنا ہے، اس کے لئے مرحوم نے اپنے کاروبار سے دوسو روپئے روز جمع کرنا شروع کر دیئے تھے، انتقال کے وقت تک مبلغ: -/32000 بتیس ہزار روپئے جمع ہوگئے تھے، وہ رقم رکھی ہے، اس کا استعمال کس طرح ہوگا؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن شمسی لال بھائی دودھ والے محلّہ پنجابیان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم محمد عامر کے بہنوئی کو بلا کسی تعیین کے اور بلا کسی تنخواہ کی تعیین یا منافع میں شرکت کی شرط کے یوں ہی دوکان پر بٹھانا یہ شرعاً معاملہ فاسدہ ہے، نیز دوکان میں سے ماہانہ پانچ ہزار روپئے خرچ کے لئے عامر کے گھر والوں کو دینا اور بہنوئی کا اپنے خرچ کے لئے لینا اس فاسد معاملہ کے ساتھ درست نہیں، اس لئے آپس میں بیٹھ کر معاملہ کی صفائی اور کام کرنے کی تعیین ضروری ہے، اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں: ایک شکل یہ ہے کہ دوکان مع سامان کے محمد عامر کے گھر والوں کی رہے اور بہنوئی کو ماہانہ متعین تنخواہ پر دوکان پر بیٹھنے کے لئے مقرر کیا جائے اور جو تنخواہ مقرر ہوجائے ماہانہ صرف وہی تنخواہ لیا کریں اور بقیہ تمام آمدنی مرحوم کے گھر والوں کا حق رہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ دوکان اور سامان مرحوم کے گھر والوں کا رہے اور ان کے بہنوئی پاٹنر کی حیثیت سے دوکان میں کام کریں، مثلاً دوکان اور رأس المال تو مالک کی ملکیت ہوگی اور اس پر جو نفع ہوگا اس کا نصف حصہ یا ثلث حصہ یا ربع حصہ بہنوئی لیا کریں گے اور سارا لین دین اور سارا کام بہنوئی کے ذمہ رکھ دیا جائے اوران دونوں شکلوں کے علاوہ کوئی اور شکل جائز نہیں۔

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة لما روينا؛ لأن الجهالةفي المعقود عليه، وفي بدله تفضي إلى المنازعة كجهالة الثمن والمثمن في البيع. (هداية، كتاب الإجارة، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۹۳، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٥، زكريا ٦/ ٧٧، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣١٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣٠٦)

والأجير الخاص الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل. (هداية، باب ضمان الأجير، أشرفي ديوبند ٣/ ٣١٠)

لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا

الـربح على قدر رؤوس أموالهما جاز، ويكون ربحه له ووضيعته عليه، وإن شرطا الربح للعامل أكثر من رأس مالم يصح جاز على الشرط، ويكون مال الـدافع عند العامل بضاعة. (هـنـدية، كتـاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، الفصل الثاني، زكريا قديم ٢/ ٣٢٠، جديد ٢/ ٣٢٦)

(٢) جب محمد عامر کا بہنوئی کاروبار میں کسی طرح بھی شریک نہیں ہے، تو اس کے نفع نقصان میں بھی شریک نہ ہوگا، صرف اجرت مثل مل سکتی ہے، مثلاً ان کی اگر پانچ ہزار روپئے ماہانہ تنخواہ ہے، تو ان کو پانچ ہزار روپئے دیئے جائیں گے۔ اور وہ کاروبار اور رأس المال میں وارثین کے ساتھ برابر کا شریک نہ ہوگا۔

والواجب في الإجارة الفاسدة أجر المثل لا يجاوز به المسمى.

(هداية، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٠١، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٣٩، جديد ٤/ ٤٧٤، درمختار، كراچى ٦/ ٤٥، زكريا ٩/ ٦٢)

(٣) مرحوم کے استعمال شدہ کپڑے اور بازار سے خرید کردہ سامان وغیرہ ترکہ میں شامل ہوکر شرعی ورثاء کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم ہوگا۔

ثـم يـقسـم البـاقي بين ورثته، أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة.

(درمختار على هامش رد المحتار، كتاب الفرائض، كراچى ٦/ ٧٦١-٧٦٢، زكريا ١٠/ ٤٩٧)

(٤) اگر خسر کے عمرہ کا خرچ مرحوم کی ملکیت کی ایک تہائی یا اس سے کم ہو تو وصیت نافذ ہوگی اور عمرہ کے لئے بھیجنا لازم ہوگا اور باپ کی وصیت میں اگر دوسرے ورثاء بخوشی رضا مندی کا اظہار کرتے ہوں، تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر دوسرے ورثاء بخوشی رضا مندی کا اظہار نہ کریں تو باپ کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک تہائی سے عمرہ کا خرچ پورا نہیں ہوتا تو عمرہ کے لئے بھیجنا لازم نہیں اور عمرہ کی وصیت نافذ نہ ہوگی۔

ثـم تـصح للأجنبي في الثلث من غير إجازة الورثة، ولا تجوز بما زاد على الثلث. (هداية، كتاب الوصايا، اشرفى ديوبند ٤/ ٦٥٤)

ولا تجوز لوارثه -إلى قوله- إلا أن يجيزها الورثة. (هداية، اشرفي ديوبند ٤/ ٦٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۲۳ھ

کم کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر دینا

سوال [۹۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص نے کوئی دوکان یا مکان کم کرایہ پر لیا، پھر وہ کسی سے زیادہ کرایہ لے کر اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ ''کتاب الفتاوی'' میں عنوان ہے، کم کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر دینا، اس کے ذیل میں صاحب فتاوی نے جواب قائم فرمایا ہے، جواب یہ ہے:

''کہ یہ بات جائز ہے کہ کرایہ دار کرایہ پر حاصل کی ہوئی چیز کسی اور کو کرایہ پر دے، خواہ کرایہ دار پہلے کرایہ دار سے زیادہ ادا کرے یا کم ادا کرے؛ اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ جائز ہے۔ (کتاب الفتاوی ۵/ ۴۰۰)

''کتاب الفتاوی'' کا یہ جواب شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا اس میں کچھ سقم ہے؟ حضرات فقہاء کرام کی اس عبارت اور اس جیسی عبارتوں کا کیا مطلب ہوگا؟

ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئا. (الدرالمختار، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، زكريا ٩/ ٣٨)

وإن آجرها بأكثر مما استأجرها فهي جائزة أيضا إلا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولى، فإن زيادة لا تطيب له ويتصدق بها. الخ (فتاوى عالمگيري ٤/ ٤٢٥)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ نے ایک عنوان ”جتنے کرایہ پر مکان لیا اس سے زائد پر دینا“ کے ذیل میں جواب ارشاد فرمایا ہے، جو صورت آپ چاہتے ہیں کہ یہ تو حدود حرم مبارک سے باہر کسی اور جگہ بھی درست نہیں ہے، جتنی رقم کسی جگہ بھی کرایہ مکان کی ادا کرے اتنی رقم پر دوسرے کو دے سکتے ہیں، اگر اس سے زیادہ رقم لیں گے، تو اس کا صدقہ کر دینا ہوگا۔

(فتاوی محمودیہ جدید ١٦/٦٠٤، باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں حضرت تحریر فرماتے ہیں: یہ نفع لینا درست نہیں اگر چہ سود بھی نہیں۔ (فتاوی محمودیہ جدید ١٦/٦١٠)

دریافت یہ کرنا ہے کہ ”کتاب الفتاوی“ والا جواب درست ہے یا ”فتاوی محمودیہ“ کا؟ اور زیادتی کے تصدق کی بات جو فقہاء کرام نے نقل فرمائی ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ وجوب کی یا استحباب کی یا یہ مسئلہ اختیاری ہے کہ چاہے تو صدقہ کرے یا نہ کرے؟ امید ہے کہ جواب باصواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد آزاد بیگ قاسمی، خادم التدریس والافتاء معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کرایہ کی اجرت روپئے پیسے کے ذریعہ سے دی جارہی ہے اور کرایہ دار نے دوسرے کرایہ دار کو بھی روپئے پیسے ہی کی اجرت کے عوض میں دیا ہے، تو ایسی صورت میں زیادتی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور اگر دوسرے کرایہ دار کو روپئے پیسے کی اجرت کے عوض میں نہیں دیا ہے؛ بلکہ روپئے پیسے کے علاوہ سامان کے عوض میں دیا ہے، تو اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ”فتاوی محمودیہ“ میں جو لکھا گیا ہے وہی فقہاء کی عبارت سے منطبق ہے اور ”کتاب الفتاوی“ میں جو جواب لکھا گیا ہے، اس سے ہر صورت جائز معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے ”فتاوی محمودیہ“ کی تحریر زیادہ صحیح اور درست ہے، ہاں البتہ روپئے پیسے کے عوض میں زیادہ کرایہ لینے کی گنجائش اس صورت میں بھی ہے کہ جب کرایہ دار نے کرایہ کی عمارت پر کچھ پیسہ خرچ کیا ہو، مثلاً اس کی مرمت کر لی ہو اور اس میں ضروری ترمیم کر کے اس

کی پوتائی وغیرہ کر لی ہو، پھر دوسرے کو کرایہ پر دے تو زیادہ پیسے کے کرایہ پر دینا جائز ہے اور وہ اس کے لئے حلال ہو جائے گا، اس اعتبار سے بھی فتاوی محمودیہ کی تحریر صحیح ہے۔ اور ’’کتاب الفتاویٰ‘‘ کی عبارت میں قیود وشرائط کے ذریعہ سے شبہ کو دور کرنا چاہئے اور جہاں زیادتی کے تصدق کی بات کہی گئی ہے، وہ حلت وحرمت کے مسئلہ میں ہے اور حلت وحرمت کے مسئلہ میں جب تصدق کی بات آتی ہے، تو اس میں تصدق واجب ہوا کرتا ہے؛ اس لئے حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے تصدق کو واجب لکھا ہے۔ (فتاوی محمودیہ مطبع میرٹھ ۲۵/۴/۱۷)

فإن آجر بأكثر مما استأجر به من جنس ذلك ولم يزد في الدار شيئا ولا آجر معه شيئا من ماله آخر من ماله مما يجوز عقد الإجارة عليه لا يطيب له الزيادة. وفي شرح الطحطاوي: ويتصدق به، أما إذا زاد في الدار شيئا بأن جصصها أو طينها، أو ما أشبه ذلك، أو آجر مع ما استأجر شيئا من ماله يجوز أن يعقد عليه عقد الإجارة يطيب له الزيادة، وكذلك إذا آجره بمجلس آخر يطيب له الزيادة. (تاتارخانية ١٥/ ٥٠، رقم: ٢٢١١٥)

ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئا (وتحته في الشامة:) أي جنس ما استأجر به، وكذا إذا آجر مع ما استأجر شيئا من ماله يجوز أن تعقد عليه الإجارة، فإنه يطيب له الزيادة كما في الخلاصة، أو أصلح فيها شيئا بأن جصصها أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملا لأمره على الصلاح، كما في المبسوط. (شامي، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، كراچی ٦/ ٢٩، زكريا ٩/ ٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۷ھ

مزدوری متعین کئے بغیر ٹھیکہ پر کام کرنے کی اجرت کا حکم

سوال [۹۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں زکریا شاہد فرم میں مالک امجد کے پاس ٹھیکیداری پر کام کررہا تھا اور مزدوری طے نہیں ہوئی تھی، دس دن کے بعد میں نے ۱۵/روپئے فی عدد کا بل دیا، تو مالک امجد نے بل لے کر کہا کہ آپ کام کرتے رہو، میں آپ کا نقصان نہیں ہونے دوں گا، کام ختم ہونے پر مالک امجد نے ۴/روپئے فی عدد کا حساب دیا، جو مجھے نقصان کا باعث بنا اور مجھے زبردستی آفس میں بند کرکے پولیس کی دھمکی دے کر دستخط کروالئے ہیں، اور میرا حساب مزدوری صحیح نہیں دیا، جس سے میں نقصان سے بچ سکتا، میں آپ سے دریافت کررہا ہوں کہ امجد فرم مالک حج کو جارہا ہے، کیا ایسے موقع پر حج قبول ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سہیل انور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے بلا مزدوری متعین کئے ہوئے ٹھیکیداری پر کام کیا تو یہ معاملہ فاسد ہوا، جس میں مالک امجد پر آپ کو اجرت مثل (آج کل اس کام کی جو مزدوری چل رہی ہے) دینا لازم ہے، اب اگر اس نے آپ کو آپ کا حق المحنت اور آپ کی اجرت نہ دے کر آپ کا جو حق بیٹھتا ہے، اسی پیسہ کو سفر حج میں لگایا ہے، تو اس کا حج قبول نہیں ہوگا؛ لیکن اگر وہ اس کے علاوہ اپنے جائز پیسہ کی کمائی سے حج کرے گا تو اس کا حج قبول نہ ہونے کی بات کہی نہیں جاسکتی اور آپ کا جو حق اس کے اوپر ہے وہ ہمیشہ اس کے سر رہے گا، قیامت کے دن وہ مواخذہ دار ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا خرج الرجل حاجا بنفقة طيبة ووضع رجله في الغرز فنادى: لبيک اللهم لبيک ناداه مناد من السماء لبيک وسعديک زادک حلال

وراحلتك حلال وحجك مبرور غير ما زور، وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز، فنادى لبيك ناداه مناد من السماء لا لبيك ولا سعديك زادك حرام ونفقتك حرام، وحجك غير مبرور.

(المعجم الأوسط، دارالفكر، بيروت ٤/ ٦٦، رقم الحديث: ٥٢٢٨، الترغيب والترهيب للمنذري ٢/ ١١٣، أنوار مناسك، ص: ٥٤-٥٥)

الإجارة إذا كانت فاسدة وجب أجر المثل. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٠١، رقم: ٢٢٣١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ

مدت متعینہ تک کام مکمل نہ ہونے پر ہر ہفتہ پانچ سو روپئے واپسی کی شرط کا حکم

سوال [۹۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مکان بنانے کو ٹھیکہ پر دیا ہے، اس طرح سے کہ ٹھیکیدار میرا مکان ایک سال کی مدت میں تیار کردے گا پچاس ہزار روپئے میں، اگر وقت کے مطابق تیار نہیں کیا تو ٹھیکیدار کے ذمہ ہر ہفتہ پانچ سو کے حساب سے واپس کرنے ہوں گے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو جائز طریقہ اور ایسا حیلہ بتلائے جس سے نہ ٹھیکیدار کو ضرر ہو نہ مکان مالک کو؟ مدلل تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: عبدالرحمٰن مظفرنگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ جہالت، مفضی الی المنازعت اور تعلیق بالخطر ہونے کی وجہ سے ناجائز اور فاسد ہے اور اس کے لئے جائز اور متبادل طریقہ یہی ہے کہ

معاملہ طے کرتے وقت اس طرح بات صاف کرلیں کہ اگر ایک سال میں تیار کرے گا تو چالیس ہزار روپئے ملیں گے تو اس طرح متبادل شکل اگرچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ممنوع ہے، مگر امام ابو یوسف، امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز اور درست ہے، اس کی نظیر مسئلہ خیاطت ہے۔

ولو قال: إن خطته اليوم فبدرهم، وإن خطته غدا فبنصف درهم -إلى قوله- وقال أبو يوسف ومحمد: الشرطان جائزان، وفي العناية: ففي أيهما خاط استحق المسمى فيه. (هداية مع فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة على أحد الشرطين، دارالفكر بيروت ۹/ ۱۳۱، کوئٹه ۸/ ۷۰- ۷۱، زكريا ۹/ ۱۳۲، ۱۳۳، البحر الرائق، كوئٹه ۸/ ۳۱، زكريا ۸/ ٥٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٥٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۱/۱۴۱۵ھ

تالاب کو کرائے پر دینا

سوال [۹۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: **هل يجوز إجارة البرك والحياض لتنمية الأسماك كما يجري في بنغال؟**

المستفتی: شہید اللہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اجارہ کا انعقاد دراصل منافع پر ہوتا ہے نہ کہ عین پر اور تالاب وغیرہ کے اجارہ میں عین کا جو کہ پانی ہے، استہلاک پایا جاتا ہے؛ اس لئے حنفیہ نے

اس کو نا جائز قرار دیا ہے؛ البتہ متأخرین احناف نے تعامل ناس اور عموم بلویٰ کی وجہ سے مچھلی پالن کے تالاب کو مع ان کے حاشیہ کناروں کے جیسا کہ رائج ہے اجارہ پر لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور ''درمختار'' و ''عالمگیری'' میں اسی پر فتوی ہے۔

وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم يجز أيضا؛ لأن فيه استهلاك العين أصلا، والفتوى على الجواز لعموم البلوى. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، زكريا قديم ٤/ ٤٤١، جديد ٤/ ٤٧٦)

إجارة الأرض مع الماء أو المرعى يجوز ذلك في الجملة اتفاقا لكن الحنفية لا يجيزون إجارة الآجام والأنهار للسمك ولا المرعى للكلأ قصدا، وإنما يوجر له الأرض فقط، ثم يبيع المالك المستأجر الانتفاع بالكلأ، وذلك لأن الانتفاع بالكلأ لا يكون إلا باستهلاك عينه. (الموسوعة الفقهية بيروت ١/ ٢٧٧)

ولكن جوز الفقهاء العظام المتأخرون من الحنفية إجارة البرك والحياض وغير ذلك مع موضع معلوم لعطن الماشية وسيح الماء والمرعى لصيد السمك وتنميه لعموم البلوى وتعامل الناس، قال الرافعي في تقريراته: فلا يصح إجارة الآجام والحياض لصيد السمك ورفع القصب، وقطع الحطب أو لسقي أرضه أو غنمه، وكذا إجارة المرعى والحيلة في الكل أن يستأجر موضعا معلوما لعطن الماشية وسيح الماء والمرعى. (تقريرات رافعي مع الشامي، كراچی ٥/ ١٤٠، زكريا ٧/ ١٤٠، شامي، مطلب الإجارة إذا وقعت على العين لا تصح كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧)

والفتوى عليه كما في الدرالمختار والهندية، وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء، وبه يفتى لعموم البلوى. (الدرالمختار على الشامي، زكريا ٩/ ٨٦، كراچی ٦/ ٦٣)

والفتوى على الجواز لعموم البلوى ولو استأجر أرضا مع الماء تجوز تبعا. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٤١، جديد ٤/ ٤٧٦)

عن أبي الزناد قال: كتبت إلى عمر بن الخطاب في بحيرة يجتمع فيها السمك بأرض العراق أن نؤاجرها، فكتب إلي أن افعلوا. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، كوئٹه ٦/ ٧٣، زكريا ٦/ ١٢٠، شامي، مطلب في حكم إيجار البرك للاصطياد، زكريا ٧/ ٢٤٩، كراچی ٥/ ٦١)

وكلم الشامي في هذا المقام، ورجحه عدم الجواز نقلا عن قول الإيضاح، ولكن لتعامل الناس وعموم البلوى ينبغي أن يكون هذا الأثر حجة على إجارة البرك والحياض، وأيده عبارة الدرالمختار والهندية، وانظر مزيد الشرح في كتابي المسمى "بأنوار رحمت" ص: ٢٩٢، إلى ٢٩٥. فقط واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۵۶/۹۷۵۶)

گائے کا بچہ ادھیا پر دینا

سوال [۹۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے گائے کا بچہ کسی کو پالنے کے لئے دیا اور کہا کہ اس وقت اس کی قیمت چارسوروپئے ہے، یہ میرا رہے گا، پھر بڑا ہونے کے بعد جو روپئے میں اضافہ ہوگا، دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، شرعاً اس صورت کا کیا حکم ہے؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالحمید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کررکھا ہے، تو ایسا معاملہ فوری طور پر ختم کرنا لازم ہے اور پالنے والے کو گھاس وغیرہ کی قیمت اور دیکھ ریکھ کی اجرت دے کر جانور واپس لینا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص: ۱۵۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۲۶۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۹۵)

دفع رجل بقرة على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافا، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة أجر قيامه وقيمة علفه.

(عالمگيري، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٢/ ٢١٠، وعلى هامش الهندية، زكريا ٢/ ٣٣٠، فتاوى بزازية، جديد زكريا ٢/ ٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٥/ ٣٧، تاتارخانية، زكريا ٧/ ٥٠٥، رقم: ١١٠١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۴)

جانور کو ادھیا پر دینا

سوال [۹۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بھینس یا بکری وغیرہ کا بچہ کسی کو اس شرط پر دے کہ اس کے بڑا ہونے کے بعد اس کا دودھ، ایسے ہی اگر وہ بیچا جائے تو اس کی قیمت میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد جاوید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھینس بکری کا بچہ کسی کو اس شرط پر دینا کہ بڑا ہونے کے بعد اس کا دودھ یا بیچنے کی صورت میں اس کی قیمت میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، اس کو عوام میں ادھیا پر دینا کہا جاتا ہے، جو کہ جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کرلیا ہے تو جس کو دیا گیا ہے وہ اجرت مثل کا مستحق ہوگا اور جانور سے پیدا ہونے والا دودھ بچہ وغیرہ سب چیزیں مالک ہی کی ملکیت ہوں گی۔

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافا، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه لا ماسرحها في المرعى، ويرد كل اللبن. (عالمگيري، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ۳/ ۴۴۵، جديد ۴/ ۴۸۱، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ۲/ ۲۱۰، وعلى هامش الهندية، زكريا ۲/ ۳۳۰، فتاوى بزازية، جديد زكريا ۲/ ۲۱-۲۲، وعلى هامش الهندية، زكريا ۵/ ۳۷)

إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفان فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل علفه الذي علفها، وأجر مثله لمن قام عليها. (تاتارخانية، زكريا ۷/ ۵۰۵، رقم: ۱۱۰۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۴)	۱۹/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

ادھیا پر جانور دینے کے ناجائز ہونے کی علت

سوال [۹۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مادہ جانوروں کو اگر کوئی شخص ادھیا پر دے تو اس کے ناجائز ہونے کی اصل علت کیا ہے،

جس کی وجہ سے ادھیا پر دینا جائز نہیں ہے، نیز مزارعت کے اندر اگر ایک شخص کی جانب سے زمین ہو اور باقی تمام کام (ہل، بیل، بیج وغیرہ) عامل کی جانب سے ہو تو یہ بھی ناجائز ہونا چاہیے؟ تمام مسئلہ دلائل سے واضح کریں۔ بینوا توجروا

المستفتی: صغیرالدین جامعہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مادہ جانور کو ادھیا پر دینے کی صورت میں جو کچھ دیکھ ریکھ کرنے والے کو دودھ یا پیدا ہونے والے بچوں کی شکل میں ملتا ہے، یہ گویا کہ اس کے عمل ''دیکھ ریکھ اور چارہ'' وغیرہ کی اجرت ہے اور اجارہ میں مدت اجارہ اور اجرت ومنفعت کا متعین ہونا ضروری ہے، اگر مدت اجارہ یا اجرت ومنفعت متعین نہ ہو تو ایسا عقد شرعاً فاسد ہوتا ہے اور عقد فاسد جائز نہیں ہے۔ اور مادہ جانور کو ادھیا پر دینے کی صورت میں یہ سب چیزیں متعین نہیں ہوتیں، اسی بنا پر ادھیا کا معاملہ جائز نہیں ہے۔

ولا يصح أي الإجارة حتى تكون المنافع معلومة؛ لأن الجهالة في المعقود عليه، وفي بدله تفضي إلى المنازعة. (هداية، كتاب الإجارة، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٣، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٥، زكريا ديوبند ٦/ ٧٧، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣١٦، دارالكتاب ديو بند ١/ ٣٠٦)

مزارعت میں بیج انسان اپنے ہاتھ سے بوتا ہے اور ادھیا کے معاملہ میں جانور کے بیج (مادہ منویہ) میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جانوروں کا آپس کا دخل ہے، اسی طرح نر اور مادہ جانور کے مجانست کرنے کے بعد بچہ مادہ جانور کے پیٹ میں آچکا ہے یا نہیں؟ اس کا علم انسان کو نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ سب خدا کے علم میں ہے اور مادہ جانور کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتا ہے، انسان اور انسان کا کوئی دخل اور اختیار اس میں نہیں ہوتا، اس طرح ادھیا کے معاملہ میں ہر چیز غیر معلوم اور غیر متعین ہے۔ اور

زمین میں بیج بونے اور پھر پودا اگنے، اس کے بعد کھاد اور اس کی ہر طرح کی حفاظت سب کچھ انسان کی نگرانی میں ہوتا ہے، اس طرح مزارعت میں ہر چیز معلوم ومتعین ہے؛ اس لئے ادھیا کے معاملہ اور مزارعت کے معاملہ کے درمیان کوئی مناسبت نہیں؛ لہٰذا ادھیا کے معاملہ کو معاملۂ مزارعت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶/ ۳۶ /۷۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍ ۷؍ ۱۴۲۲ھ

ادھیا پر دیئے گئے جانور کے جواز کی شکل

سوال [۹۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر کو ایک چھوٹا سا مادہ جانور گائے کا بچہ دیا کہ تم اس کی پرورش کرو، جب اس کا بچہ پیدا ہوگا تو وہ ہم دونوں میں مشترک ہوگا، مجھے کبھی کبھار تھوڑا بہت دودھ پینے کے لئے دینا اور اخیر میں جب چاہوں گا اپنا اصل جانور واپس لے لوں گا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کے جواز کی کوئی صورت بتلادیں نوازش ہوگی؛ کیوں کہ علاقہ میں اس کا بہت رواج ہو چکا ہے۔ فقط والسلام

المستفتی: قاری ارشاد احمد جامع مسجد بہیڑی نل پورہ، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا عمر کو مادہ جانور پرورش کے لئے اس شرط پر دینا کہ جب اس کا بچہ پیدا ہوگا، تو وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور مجھے کبھی کبھار تھوڑا بہت دودھ پینے کے لئے دینا شرعی طور پر اس طرح کا معاملہ ناجائز اور فاسد ہے؛ البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ مالک اس جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کردے، پھر اس کی قیمت معاف کردے، تو ایسی صورت میں جانور

دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور اس کا بچہ اور دودھ بھی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور پرورش کرنے والے نے جو چارہ کھلایا ہے، اس کی نصف اجرت جو مالک پر لازم ہوئی پرورش کرنے والا اس کو معاف کردے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۱۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۲۶۰، ۱۲/ ۴۰۵، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۹۵، ۵۹۹، بہشتی زیور ۵/ ۵۰)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافا، فالإجارة فاسدة، والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن يبرئه عنه، ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل، فيكون بينهما. (عالمگيري، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٢/ ٢١٠، وعلى هامش الهندية، زكريا ٢/ ٣٣٠، فتاوى بزازية، جديد زكريا ٢/ ٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٥/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۱۶)	۱۴۲۳/۶/۲۴ھ

گابھن کرانے کی اجرت لینا

سوال [۹۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کے یہاں بھینسہ ہے، وہ اس سے بھینس گابھن کراتے ہیں اور اس کی اجرت بھی لیتے ہیں، کیا اس کام کی اجرت لینا اور پیشہ کے طور پر یہ کام کرانا جائز ہے؟

المستفتی: قاری تسلیم احمد، مدرسہ انوار العلوم کرت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی اجرت ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم

عن عسب الفحل. (صحيح بخاري، كتاب الإجارات، باب عسب الفحل ١/ ٣٠٥، رقم: ٢٢٢٩، ف: ٢٢٨٤، سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية عسب الفحل، النسخة الهندية ١/ ٢٤٠، دارالسلام، رقم: ١٢٧٣)

ولا يجوز أجرة عسب التيس. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٣، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣٢٧، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣١٧، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ١٧، شامي، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۷)	۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

گائے، بھینس جفتی کرانے کی اجرت لینا

سوال [۹۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں بھینس اور گائے کی جفتی اجرت پر کراتے ہیں اور بغیر اجرت کے جفتی کرانے پر بھینسہ اور سانڈ والے راضی نہیں ہوتے ہیں، اس صورت حال میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد علی رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جانور کی جفتی کرانے پر اجرت کا لینا دینا دونوں ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن عسب الفحل. (صحيح بخاري، كتاب الإجارات، باب عسب الفحل ١/ ٣٠٥،

رقم: ۲۲۲۹، ف: ۲۲۸٤، سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية عسب الفحل، النسخة الهندية ١/ ٢٤٠، دارالسلام، رقم: ١٢٧٣)

ولا تصح الإجارة لعسب التيس: وهو نزوه على الإناث، وفي الشامية: لأنه عمل لا يقدر وهو الإحبال. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، كراچی ٦/ ٥٥، زکریا ٩/ ٧٥، بدائع الصنائع، زکریا ٤/ ١٧، هداية، اشرفی دیوبند ٣/ ٣٠٣، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٣٢٧، دارالكتاب ديوبند ١/ ٣١٧)

البتہ اگر نر جانور کا مالک بلا قیمت کسی بھی طرح سے تیار نہیں ہے، تو مادہ کے مالک کے لئے قیمت دے کر جفتی کروانا جائز ہے؛ لیکن نر کے مالک کے لئے وہ اجرت کسی بھی طرح سے حلال اور جائز نہیں ہے۔ اور مادہ کا مالک اس صورت میں گنہگار نہیں ہوگا، گنہگار صرف نر کا مالک ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۰/ ۲۶۸، جدید زکریا ۹/ ۳۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶ ررجب ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۴۲/۳۶)	۱۴۲۳/۷/۷ھ

کمپنی کا اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ممبر در ممبر بنانا

سوال [۹۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: .R.M.P نام کی ایک تجارتی کمپنی ہے، جو اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے واسطہ در واسطہ ممبرس بناتی ہے، کمپنی اپنے ممبروں کو اپنے اپنے سلسلے کے تحت توسط در توسط بنائے ہوئے ہر ایک نئے ممبر کے حساب سے سلسلہ کے اوپر والے ہر ممبر کو -/500 کی مقدار میں اجرت دیتی ہے، اس طرح اجرت دینے کا یہ سلسلہ ہر ممبر کے نیچے دونوں جانب بنائے ہوئے

عموماً آٹھ ممبروں تک چلتا ہے، اس کے بعد دائیں اور بائیں دونوں جانب دو جوڑے ممبرس بنانے پر -/2000، چار جوڑے ممبر بنانے پر -/4000 اور ابتدائی دو ممبرس بنانے والے کو ایک ہزار روپئے ملیں گے، نیز کسی بھی سلسلہ کا کوئی ممبر اپنے دونوں جانب ایک ایک سو کر کے دوسو ممبرس بنا کر اگر ایک لاکھ روپئے کمالے تو اس کے بعد ہر مہینہ میں آٹھ ممبرس بنانے پر مزید -/3000 روپئے بطور انعام ملتے رہیں گے، اسی طرح سلسلہ وار ممبرس بناتے ہوئے اگر کوئی دونوں جانب سے پانچ سو ممبرس بنا کر -/2,50,000 کمالے تو ہر مہینہ بارہ ممبرس بنانے کی شرط پر -/6000 روپئے مزید ملتے رہیں گے اور ہر ممبر پر الگ سے -/500 روپئے ملتے رہیں گے، اس طرح ممبرس بنانے والوں کو تجارتی منافع سے ایک بڑی رقم مل جاتی ہے، اس میں کسی کا حق نہیں مارا جاتا ہے، شرط اس میں یہ ہوتی ہے کہ ہر ایک ممبر نیچے تک دو دو ممبر بنائیں، جب تک دو ممبر نہ ہوں اس وقت تک اجرت نہیں ملتی، اس لئے اوپر والے ممبروں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک ممبر دو دو ممبر بنائیں، اس میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ نیچے والے ممبرس نیا ممبر بنانے میں مدد کے لئے اس کے سلسلے کے اوپر والے ممبرس کو کسی بھی وقت بلا سکتے ہیں، ایسی صورت میں اوپر والے ممبرس کو حاضر ہونا ضروری ہے، ورنہ شکایت ہونے پر ممبر شپ ختم ہوسکتی ہے، اسی طرح اوپر والے نیچے والوں کو بلا سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسی کمپنی میں شرکت کرنا اور توسط در توسط ممبرس بنا کر ہر ایک ممبر کے حساب سے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ ممبر بننے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کمپنی سے کم از کم -/7000 روپئے کا مال خریدنا ضروری ہے، بعض کا کہنا ہے کہ پہلے جس کو ممبر بنائے اس کی اجرت جائز ہے، نیچے والوں کے توسط سے اجرت لینا جائز نہیں ہے، تو کہا جاتا ہے کہ نیچے والوں کے ممبر بنانے میں اوپر والوں کو ساتھ رہنا پڑتا ہے اور سمجھانا پڑتا ہے، اسی لئے تو کمپنی ان کو برضا ورغبت اجرت دیتی ہے اگر چہ نیچے والے ہر ایک ممبر کی مدد کے لئے حاضری

ضروری نہیں ہوتی؛ لیکن قوی امکان ہے، جیسے فوجی والے ہیں کہ ان کو ہر مہینہ میں کام کی نوبت نہیں آتی، پھر بھی تنخواہ ملتی ہے، تو پھر کمپنی اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے اپنے ممبروں کی امکانی مدد کے پیش نظر جو بسا اوقات واقعی صورت اختیار کرتی ہے، اجرت دیتی ہو تو یہ کیوں جائز نہیں؟ بالتفصیل مدلل جواب سے نوازیں۔

اگر ایسی کمپنیوں میں شرکت کرنا یا ممبر بننا جائز نہ ہو تو ممبروں سے اس کمپنی کا مال ذاتی استعمال کے لئے خریدنا ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ۲] کے زمرہ میں تو نہیں آئے گا؟ نیز جائز نہ ہو تو اس کی متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے؟

سوال: موجودہ دور میں حالات کے پیش نظر مسلم بچیوں کے لئے عصری تعلیم کا حصول ضروری سمجھا جانے لگا ہے، ایسی صورت میں عوام کے لئے علماء بھی حتی المقدور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے سرکاری اسکولوں، کالجوں میں اپنی بچیوں کو عصری تعلیم دلائیں تو از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ نیز راستہ میں آنے جانے کی سہولت اور اپنی تحفظ کی خاطر بچیاں سائیکل یا موٹر سائیکل استعمال کریں تو شریعت مطہرہ میں اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مسعود کریم مرشدآبادی، خادم التدریس والافتاء فی الجامعہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل کے مطابق جب کوئی شخص کمپنی کا ممبر بنتا ہے اور وہ ممبر پھر کسی دوسرے شخص کو ممبر بناتا ہے، تو دوسرے شخص کو کمپنی کا ممبر بنانے میں چونکہ پہلے ممبر کا دخل ہے، اس لئے دوسرے شخص کو ممبر بنانے کی اجرت لینا تو جائز ہے؛ البتہ جب یہ دوسرا ممبر کسی تیسرے شخص کو ممبر بنائے گا تو اس تیسرے شخص کو ممبر بنانے میں پہلے ممبر کا کوئی عمل شامل نہیں ہے؛ اس لئے تیسرے ممبر کے نتیجہ میں پہلے ممبر کو جو اجرت ملتی ہے وہ جائز نہیں ہے، تاہم سوال نامہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب دوسرا شخص کسی تیسرے کو ممبر بناتا ہے تو تیسرے شخص کو ممبر بنانے میں پہلے ممبر سے مدد لینی پڑتی ہے اور کمپنی پہلے ممبر کو اسی

مدد کا عوض دیتی ہے، تو یہاں تک اس پہلے ممبر کی اجرت کو بھی جائز کہا جا سکتا ہے؛ لیکن جب تیسرا ممبر کسی چوتھے شخص کو ممبر بنائے گا تو اس کو سمجھانے کے لئے دوسرے ممبر کی ضرورت تو ہوسکتی ہے؛ لیکن پہلے ممبر کی اس میں کوئی ضرورت نہیں؛ اس لئے پہلے ممبر کو اجرت دینا جائز نہ ہوگا۔ اور کمپنی کا یہ طریقہ یکے بعد دیگرے یوں ہی چلتا رہتا ہے؛ اس لئے کمپنی کا طریقۂ کار مجموعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اور ایسی کمپنیوں میں شرکت کرنا اور اس کا ممبر بننا جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کمپنی کا کوئی سامان ممبر بنے بغیر ذاتی استعمال کے لئے خریدنا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

عن الحكم وحماد عن إبراهيم وابن سيرين قالوا: لا بأس بأجر السمسار إذا اشترى يدا بيد. (المصنف لابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن، بيروت ١١/ ٣٣٩، رقم: ٢٢٥٠٠)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچی ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، الموسوعة الفقهية ٢١/ ١١٢، قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ١١٠، رقم: ٢٦٩)

والحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، كراچی ٥/ ٦٩، زكريا ٧/ ٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۶۹)

''ایم وے'' کمپنی کی اسکیم کا حکم

سوال [۹۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل کمپنی والے تجارت کا جونیٹورک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اس کا حکم کیا ہے؟ جس کی تفصیل یہ ہے: طریقہ کی تفصیل لکھنے سے پہلے کمپنی کا مختصر تعارف عرض خدمت ہے، اس کمپنی کا نام ''ایم وے'' ہے، یہ کمپنی امریکہ میں ہے، اس کے مالکان مذہباً عیسائی ہیں اور جیسا کہ اس کمپنی کے پرچار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ کمپنی کوئی ناجائز اور حرام اشیاء جیسے شراب وغیرہ نہیں بناتی، سامانوں کی فہرست بھی روانہ خدمت ہے اور یہ فہرست کمپنی کے پرچار کرنے والوں سے حاصل کی گئی ہے، یہ فہرست واقعتاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور ان کے علاوہ کوئی ناجائز اشیاء کمپنی بناتی ہے یا نہیں؟ اس کی صحیح تحقیق خیلے دشوار است۔ طریقہ تجارت ملاحظہ ہو:

سب سے پہلے زید -/4400 روپئے کمپنی میں داخل کرکے کمپنی کا ممبر بنے گا، مذکورہ رقم داخل کرنے کے بعد کمپنی زید کو ایک کٹ دے گی، جس میں مذکورہ کمپنی ہی کا تیار کردہ عام استعمالی سامان جیسے صابن صرف وغیرہ -/2600 روپئے کا ہوگا، جو جمع کردہ -/4400 روپئے کے عوض میں ملے گا، جیسا کہ پرچار کنندہ کا کہنا ہے کہ کمپنی مذکورہ اشیاء اسی وجہ سے دیتی ہے، تاکہ ممبر پہلے خود ان اشیاء کو استعمال کرکے تجربہ کرلے کہ واقعتاً ''ایم وے'' کمپنی کا سامان دوسری کمپنیوں کے مقابلہ میں فضیلت رکھتا ہے یا نہیں؟ تاکہ دوسرے کو سمجھانے میں غلط بیانی سے کام نہ لے۔ اور بقیہ -/1800 روپئے اتنا کمپنی اپنے پاس جمع رکھ لیتی ہے، اب زید کمپنی کا ایک فرد یعنی ممبر بن گیا، اب زید کو دو فائدہ حاصل ہوگا: اول یہ ہے کہ اب جو بھی سامان زید کمپنی سے خریدے گا اس کو دوسروں کے مقابلہ میں ڈسکاؤنٹ ملے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زید عمر بکر خالد کو مذکورہ کمپنی کی تیار کردہ اشیاء کی خصوصیت سمجھا کر عمر بکر خالد کو کمپنی کا ممبر بنا دیا، ممبر بننے کی صورت وہی ہے جس طریقہ پر زید ممبر بنا تھا، مذکورہ

شخصوں کوممبر بنانے کی وجہ سے کمپنی زید کو کچھ رقم بطور کمیشن دے گی، اسی طریقہ سے زید جتنے شخصوں کوممبر بناتا رہے گا زید کواس کا کمیشن ملتا رہے گا، اب جولوگ زید کے سمجھانے سے ممبر بنے ہیں، وہ بھی مذکورہ دونوں فائدوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یعنی اب وہ بھی کمپنی سے کوئی سامان خریدیں گے تو ان لوگوں کو بھی ڈسکاؤنٹ ملے گا۔ اور یہ عمر بکراور خالد اگر کسی دوسرے شخص کو کمپنی کا ممبر بنادیں تو کمپنی ان لوگوں کو بھی کمیشن دے گی، ساتھ ساتھ اس میں سے زید کو بھی کچھ کمیشن ملے گا۔ یہ سلسلہ جتنے نیچے تک چلا جائے ہر اوپر والے کو کمیشن ملے گا ہی، ساتھ ساتھ زید کو بھی اس کا کمیشن ملے گا، تو اس طرح لا متناہی کمیشن کے لالچ میں اگر ہر شخص جو کمپنی کا ممبر بنتا ہے، وہ دوسروں کو کمپنی کا ممبر بنانے کی فکر میں لگ جاتا ہے، تو اس صورت حال میں کمپنی کا ممبر بننا اور دوسروں کو ممبر بنا کر فائدہ حاصل کرنا از روئے شرع کہاں تک درست ہے؟

نوٹ: اگر زید کمپنی کے طریقہ کے مطابق کام کرلے تو وہ اپنی رقم واپس بھی لے سکتا ہے، پوری رقم اس کو واپس مل جائے گی۔

المستفتی: محمد ابرار، مدرسہ جامع العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''ایم وے'' کمپنی کی اسکیم کے متعلق متعدد استفتاء ہمارے دارالافتاء میں آئے، مذکورہ استفتاء بھی اسی کمپنی سے متعلق ہے۔ اور سوال نامہ میں کمپنی کی اسکیم کی پوری تفصیل ذکر نہیں کی ہے، سوال نامہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ دو چیزیں حد جواز کے دائرہ میں داخل ہیں: (۱) ۴۴رسو روپئے جمع کرکے کٹ صابن صرف وغیرہ جو ممبر کو ملے گا اس کا لینا جائز ہے۔ (۲) وہ شخص براہ راست ممبر بن کر جن لوگوں کو ممبر بنائے گا، اس ممبر سازی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز ہے اور کمپنی کے لئے دینا بھی جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دلالی کی اجرت ہے، جو جائز ہے۔

عن الحکم وحماد عن إبراهيم وابن سيرين قالوا: لا بأس بأجر

السمسار إذا اشترى يدا بيد. (المصنف لابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن، بيروت ۱۱/ ۳۳۹، رقم: ۲۲۵۰۰)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ۶/ ۶۳، زكريا ۹/ ۸۷، تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۱۳۷، رقم: ۲۲۴۶۲)

ان کے علاوہ کمپنی نے اسکیم کے جتنے پہلو بتائے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں اور وہ یہ ہیں کہ پہلا ممبر جن لوگوں کو براہ راست ممبر نہیں بناتا ہے۔ اور دوسرے ممبروں کی کارکردگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، تو دوسروں کی کارکردگی میں شرعی طور پر وہ نفع کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ ایم وے کمپنی کی دوسری ناجائز شرطیں ہیں، جو اس سوال نامہ میں مذکور نہیں ہیں، اس قسم کی کمپنی میں ممبر بننا اور دوسروں کو بھی ممبر بنانا جائز نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ شوال ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۷۹)	۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

''ہیلوانڈیا'' کا ممبر بننا

سوال [۹۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی جس کا نام ''ہیلوانڈیا'' ہے، اس کمپنی کا جو شخص بھی ممبر بنے اس کو پچیس سو روپئے جمع کرنے ہوتے ہیں، جس کے بدلہ میں کمپنی اس شخص کو ایک بیگ دے

گی، جس کی قیمت تقریباً چار سو روپئے ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ کمپنی کے پچیس سو کو پن ہوتے ہیں، ان کو پن کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی نے کچھ دوسری کمپنیوں سے بات کر رکھی ہے، مثلاً اگر کسی کو موبائل لینا ہے، تو بازار میں اس کی قیمت اگر چھ ہزار روپئے ہے تو جس کے پاس کو پن ہے اور جو ''ہیلوا نڈیا'' کمپنی کا ممبر ہے، اس کو یہ چھوٹ ملے گی کہ پانچ ہزار روپئے نقد اور بقیہ ہزار کو پن دے دے، تو اس کو موبائل مل جائے گا، یعنی ایک ہزار روپئے کا اس کو فائدہ ہوا، اسی طرح وہ بقیہ پندرہ سو کو پن کر کے فائدہ حاصل کر سکتا ہے؛ لیکن اس میں اصل کمائی یہ ہے کہ جو شخص ''ہیلوا نڈیا'' کمپنی کا ممبر بنا وہ اپنے نیچے دو ممبر بنائے، تو اس کو پہلے ممبر سے پانچ سو روپئے اور دوسرے ممبر سے پانچ سو روپئے کمپنی کی طرف سے ملیں گے، خیال رہے کہ وہ دو ممبر بھی ڈھائی ہزار روپئے جمع کر کے ممبر بنیں گے، اب اگر وہ دونوں ممبر بھی اپنے اپنے نیچے دو دو ممبر بنائیں تو ان کو بھی پانچ پانچ سو روپئے ملیں گے۔ اور جو اوپر والا پہلا ممبر تھا اس کو انہیں ممبران سے تین تین سو روپئے ملیں گے، اب اگر یہ لائن جتنی زیادہ لمبی ہوگی اتنا ہی اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے، اور جس نے ڈھائی ہزار روپئے لگائے تھے، اگر اس کے ممبر زیادہ ہوتے رہے تو اس کی قیمت بڑھتی رہے گی اور کمپنی ہر ماہ اتنی رقم دیتی رہے گی، جتنے اس نے ممبر بنائے ہیں اول ممبران سے پانچ پانچ سو روپئے ملیں گے، اس کے بعد دس ممبروں سے تین تین سو روپئے ملیں گے، جب گیارھواں ممبر بنے گا تو چار سو روپئے ملیں گے، وہ شخص ممبر بنانے میں کافی محنت کر رہا ہے اور دوسروں کو ممبر بنانے کی ترغیب دیتا ہے، جس طرح کاروبار میں محنت کی جاتی ہے، اسی طرح اس کام میں محنت کر رہا ہے، اب اس سے جو رقم حاصل ہو رہی ہے، اس کا استعمال کرنا کیسا ہے۔

المستفتی: محمود الحق قصبہ محمدی لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ اور اس سے منسلک پرچہ کو بار بار پڑھنے کے

بعد اس میں سے تین چیزیں حد جواز کے دائرہ میں سمجھ میں آئیں۔ (۱) ۲۵/سو روپئے جمع کرنے کے بعد ممبر کو جو بیگ کو پن قلم اور پیڈ ملے گا، اس کا لینا جائز ہے۔

(۲) کمپنی چھ ہزار کا موبائل ممبر کو ۵/ ہزار روپئے اور ایک ہزار کو پن کے عوض دیتی ہے، یہ شکل بھی جائز ہے، گویا کہ کمپنی کے نزدیک ایک ہزار کو پن کی حیثیت ایک ہزار روپئے کی ہے۔

(۳) وہ شخص براہ راست ممبر بن کر جن لوگوں کو ممبر بنائے گا، اس ممبر سازی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز ہے اور کمپنی کے لئے دینا بھی جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دلالی کی اجرت ہے، جو جائز ہے۔

عن الحكم وحماد عن إبراهيم وابن سيرين قالوا: لا بأس بأجر السمسار إذا اشترى يدا بيد. (المصنف لابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن، بيروت ١١/ ٣٣٩، رقم: ٢٢٥٠٠)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢)

ان کے علاوہ سوال اور منسلک پرچہ میں جتنے پہلو بتائے گئے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، ان میں ایک پہلو یہ ہے کہ اگر کسی ممبر کا کسی حادثہ میں انتقال ہو جائے تو کمپنی ایک لاکھ روپئے دے گی، یہ لائف انشورنس کی طرح سود اور قمار دونوں کی شکل پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہے اور حرام ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ٢٧٥]

دوسرا پہلو یہ ہے کہ پہلا ممبر جن لوگوں کو براہ راست ممبر نہیں بناتا ہے اور دوسرے ممبروں کی کارکردگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، تو دوسروں کی کارکردگی میں شرعی طور پر وہ نفع کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے، ایک تیسرا پہلو یہ ہے کہ اگر پہلا ممبر ۱۵/ دن کے اندر ۵/ ممبر بناتا ہے اور اس ممبر نے جس دوسرے کو ممبر بنایا ہے، وہ دوسرا ممبر بھی ۱۵/ دن کے اندر ۱۰/ ممبر بنادے تو پہلے ممبر کو ایک ہزار روپئے یا ایک کیمرہ ملے گا یہ شکل بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں بھی دوسرے کی کارکردگی اور عمل پر نفع کی شرط ہے؛ اس لئے اس قسم کی کمپنی میں ممبر بننا اور دوسروں کو بھی ممبر بنانا جائز نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، الموسوعة الفقهية ۲۱/ ۱۱۲، هندية، زكريا ۲/ ۱٦۷، جديد ۲/ ۱۸۱، البحرالرائق، كوئٹه ۵/ ٤۱، زكريا ۵/ ٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

''گلیز ٹریڈنگ انڈیا'' کی ممبری کا شرعی حکم

سوال [۹۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''گلیز ٹریڈنگ انڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ'' ایک کمپنی ہے اور اس کمپنی کے اندر کام کچھ اس طرح سے کیا جاتا ہے، مثلاً میں اس کمپنی کے اندر جوبنگ لیتا ہوں، تو جوبنگ -/30 روپئے کا فوم لینے سے ہوجاتی ہے، اس کے بعد میں کمپنی سے سامان خریدتا ہوں اپنے لئے جیسے: کریم، تیل، صابن، صرف کپڑے وغیرہ وغیرہ، اس کے بعد میں کچھ لڑکوں کو کمپنی سے سامان خریدواتا ہوں، تو کمپنی نے اس پر کچھ منافع رکھا ہے، جیسے میں ایک آدمی کو آٹھ ہزار آٹھ سو

روپئے کا سامان خریدوا تا ہوں تو کمپنی اس پر مجھ کو -/400 روپئے دیتی ہے، پھر میں یہی کام ان سے جن کو میں نے اس کمپنی میں لگایا ہے، اس وقت کراتا ہوں جب تک وہ اس بزنس کی پوری ٹریننگ نہیں دے دیتے وہ بھی ایسے ہی کام کرتے ہیں، تو کمپنی ان کو بھی ایسے ہی منافع دیتی ہے، جس طرح سے مجھ کو دیا تھا اور مجھ کو بھی (یعنی جتنی ہماری بزنس ID پر IP ہوتی ہے) اتنا ہی پیسہ ملتا ہے، رہی بات محنت کی جن آدمیوں کو میں کمپنی میں جو بنگ کراتا ہوں تو ان پر میری محنت یہ ہے کہ میں ان کو بلا کر کمپنی میں لگا رہا ہوں، اس کے بعد جن لڑکوں کو وہ بلاتے ہیں جن کو میں نے بلایا تھا، تو اس پر میری محنت یہ ہے کہ میں ان کو آفس کے اندر لے جا کر ان کا کام کراتا ہوں، ان کے کاغذات جو آفس کے اندر لیتے ہیں، ان کو بھرتا ہوں اس کے بعد ان کی جو ٹریننگ چلتی ہے اس کو خود سے ٹریننگ دس سے پندرہ دن دیتا ہوں، صبح وشام ٢-٢ گھنٹے اور اس کے لئے باضابطہ کرایہ پر ایک بہت بڑا ہال لیتا ہوں، اس کے بعد ان کے رہنے کے لئے روم دلانا ان کو روم میں رکھنا یہ ذمے داری ہے، تو اس طرح کا کام کرنا اور اس پر اجرت (یعنی نفع) لینا کیا ہمارے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ آپ حضرات سے مودبانہ درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں، جواب جلدی دے دیں؛ کیوں کہ ہماری ٹیم میں کچھ لڑکے فتویٰ آنے تک کام سے رکے ہوئے ہیں۔

نوٹ: یہ کمپنی ''ایم وے''، ''آر، سی، ایم'' اور دیگر کمپنیوں کی طرح نہیں ان کمپنیوں کے اندر جو بنگ لینے کے بعد گھر بیٹھے پیسے لیتے رہو، مگر اس کمپنی میں یہاں رہ کر خود سے محنت کرنی پڑتی ہے۔

المستفتی: ایم ایس مہیما ٹریڈرس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس معاملہ کا نام بدلا ہوا ہے، شکل وہی ہے، جو ''ایم وے'' کمپنی کی اسکیم ہوتی ہے، اس میں اوپر والے کی محنت ایک دفعہ ہوتی ہے، نیچے والوں کو

ممبر بنانے کے لئے اس کی اجرت جائز ہے، بعد میں نیچے جو محنت کریں گے؛ کیوں کہ اس میں اوپر والوں کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے، ان کو اپنی اجرت مل چکی ہے؛ اس لئے نیچے والوں کی اجرت میں سے جو اوپر والوں کو مل رہا ہے، وہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے شرعاً یہ معاملہ درست نہیں ہے۔ اور فیکٹری اور کمپنی کے مالک کی جو مثال پیش کی گئی ہے، وہ مثال غلط ہے، اس لئے کہ فیکٹری اور کمپنی مالک کی ملکیت میں ہوتی ہے اور یہاں نیچے والے اوپر والوں کی ملکیت میں نہیں ہوتے، نیز یہ جو کہا گیا ہے کہ نیچے والوں کو ٹریننگ دیتے ہیں، یہ محض بے جا بات ہے، کسی بھی سامان کی خریداری کے لئے ٹریننگ کی ضرورت نہیں ہے، نیز خریدار اپنے سامان کے خریدنے میں خود مختار ہوتا ہے، اور بچپن سے خود سیکھا ہوا ہوتا ہے۔

الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشتريا وبائعا، فيبيعه من غيره، ثم يشتريه منه. (البحرالرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٧/ ٢٨٢، كراچی ٧/ ١٦٦، منحة الخالق على البحر الرائق، زكريا ٧/ ٢٨٢، كراچی ٧/ ١٦٦، هندية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، زكريا قديم ٣/ ٥٨٩، جديد ٣/ ٥٠٠، شامي، زكريا ٨/ ٢٥٧، كراچی ٥/ ٥٢١)

إذا اشترى الوكيل بالبيع مال موكله لنفسه لا يصح، وإن أطلق له الموكل بقوله: بع ممن شئت؛ لأنه يصير حينئذ متوليا طرفي العقد، وهو لا يجوز. (شرح المجلة ٢/ ٨٠٨، رقم المادة: ١٤٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

۳/ باب أجرة الدلال والسمسار

دلال مستحق اجرت کب ہوتا ہے؟

سوال [۹۶۶۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ایجنٹ میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کا مکان پینسٹھ لاکھ میں فروخت کرا دوں گا؛ لیکن کمیشن ایک پرسینٹ لوں گا، اس پر میں نے کہا کہ ستر لاکھ کا دلوا دوتو میں ایک پرسینٹ کمیشن دے دوں گا، اس پرایجنٹ نے کہا کہ آپ خریدار کے سامنے ایک بارمیٹنگ کرلو، آپ ستر لاکھ کا طے کرلو، بہر حال خریدار سے میٹنگ کرانے پرخریدار نے پینسٹھ لاکھ کی قیمت لگاتے ہوئے دولاکھ کا بیعانہ سامنے رکھا، جس کومیں نے لینے سے انکارکردیا، تو خریدار دولاکھ کا بیع نامہ اس شرط پرچھوڑ گئے کہ آپ واہل وعیال مشورہ کرلیں، یہ ہماری امانت سمجھ کر رکھیں؛ لہٰذا خریداردولاکھ روپیہ چھوڑکر چلے گئے، مکان میں فرنیچروغیرہ لگا ہوا تھا، جوڈیڑھ لاکھ کا سودا ایک دیگرشخص کوکردیا تھا، اگلے دن خریدار کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور ڈیڑھ لاکھ والا فرنیچر چھوڑ کرسودا ہوگیا، قبل اس کے ایک میٹنگ خریدار کے مکان پر ہوئی کہ قیمت کم ہے، بڑھاؤ، تواس پر ایجنٹ کے کمیشن پر تذکرہ کرتے ہوئے یہ طے ہوا کہ قیمت پینسٹھ لاکھ رکھو، ایجنٹ کا کمیشن دونوں پارٹیاں پچیس پچیس ہزار ہی ادا کریں گی، جس کی اطلاع خریدار نے ایجنٹ کودے دی کہ پچیس ہزارکمیشن ملے گا؛ لہٰذا طے ہونے کے بعد آٹھ لاکھ روپئے بیع نامہ میں آکر دس لاکھ کا بیع نامہ ہوگیا، جس کی ایک تحریر لکھی گئی کہ بقایا پچپن لاکھ مارچ کے اندر ادا کرکے بیع نامہ کرالیا جاوے گا، بعد میعاد گذر جانے کے بیع نامہ سوخت وسودا منسوخ ہوجاوے گا، کچھ دن گذرجانے کے بعد خریدار کے اہل وعیال نے مکان دیکھ کر یہ خواہش ظاہر کی کہ شوروم میں جوفرنیچر لگا ہے وہ بہت پسند ہے، وہ مکان میں ہی شامل کردیں، جس کا سودا ڈیڑھ لاکھ کا بھاؤ دیگرشخص کوکر چکے

تھے؛ بلکہ میں اپنی بیٹی کو بھی فرنیچر دینے کے لئے تیار نہیں، ادھر بیع نامہ کرانے کی میعاد بھی نکل گئی، خریدار وایجنٹ یہ کہنے لگے کہ ہم مکان فرنیچر شوروم والے کے ساتھ لیں گے، ورنہ ہمارا بیع نامہ واپس کردو، جب کہ میعاد گذر جانے کے بعد بیعانہ سوخت (ختم) ہوگیا۔ ایجنٹ کے زیادہ دباؤ دینے پر کہ ایجنٹ سے خریدار کو کسی دیگر مکان کا سودا پچاس لاکھ میں کرارہا ہے، میں نے ایجنٹ سے کہہ دیا کہ میں خریدار کو بیع نامہ واپس کردوں گا، اب تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایجنٹ نے کہا کہ بیع نامہ میرے سامنے واپس کرنا، میں نے جواب دیا، آپ کے سامنے کی کوئی پابندی میرے اوپر نہیں ہے، آپ ان خریدار کو پچاس لاکھ والا مکان دلادیں؛ لہٰذا خریدار میرے گھر پر آئے اور انہوں نے اپنے اہل وعیال کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے شوروم کے فرنیچر مفت چھوڑنے کی التجاء کی؛ لہٰذا حالات کے مدنظر دوبارہ قیمت پینسٹھ لاکھ کی مع سامان فرنیچر شوروم طے کی گئی اور بیع نامہ رجسٹری کی تیاریاں چل رہی ہیں۔

(۱) جوسودا ایجنٹ نے کرا کر فرنیچر کی نزاع پیدا کر کے بیع نامہ واپس لینے کی مانگ کی اور کہا کہ اس نے خریدار کو دوسرے مکان کا سودا کرا دیا ہے، ایسی حالت میں کوئی کمیشن ایجنٹ کو دینے کا حق ہی نہیں بنتا یا کوئی حق ہے؟

(۲) مندرجہ بیانات کے مدنظر بیع نامہ کی میعاد گذر جانے پر پہلا بیع نامہ سوخت ہوا یا نہیں؟ جس کی تحریر میں بھی پابندی ہے۔

(۳) ایجنٹ جائیداد کی فروختگی کرانے میں خریدار وجائیداد مالک سے یعنی دونوں طرف سے کمیشن لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد رئیس قریشی ولد برکت اللہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دلال اپنی اجرت کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جب بائع اور مشتری کے درمیان جوڑ پیدا کر کے عقد کو شروع سے آخر تک پایۂ تکمیل کو پہنچادے اور

یہاں پر دلال کے ذریعہ سے جوسودا ہوا تھا وہ ختم ہو چکا ہے اور فرنیچر کے جھگڑے سے لین دین کا معاملہ ترک ہو چکا تھا۔ اوراس کے بعد میں خریدار کے گھر والوں کو فرنیچر کے پسند آنے کی وجہ سے ازسرنو معاملہ طے کیا گیا ہے اوراس معاملہ کی تکمیل میں دلال کا کوئی دخل نہیں رہا ہے؛ اس لئے دلال اجرت کا مستحق نہیں رہا۔

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا شيء له (للدلال) لأن العادة فيما بين الناس أنهم لا يعطون الأجر إذا لم يتفق البيع. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة، زكريا قديم ٤/ ٤٥١، جديد ٤/ ٤٨٧)

قال لدلال: أعرض ضيعتي وبعها على أن لك الأجر كذا، فلم يقدر هو على إتمام الأمر فباعه دلال آخر، فليس للأول شيء؛ لأن العادة جرت بين الناس أنهم يأخذون ذلك بالبيع. (الولو الجية، مكتبة دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٣٤٠)

(۲) خریدار اور بیچنے والے کے درمیان جو بیع نامہ دے کر کے معاہدہ ہوتا ہے، خریداری نہ ہونے کی صورت میں بیع نامہ کو سوخت کر دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ خریداری نہ ہونے کی صورت میں بیع نامہ جوں کا توں واپس کر دینا ضروری ہوتا ہے اور اس کو روک کر کے اپنے استعمال میں لینا بیچنے والے کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان. (ابن ماجة، البيوع، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٩، دارالسلام، رقم: ٢١٩٢، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٨٣، رقم: ٦٧٢٣، سنن أبي داؤد، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود، سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه، بيروت ١١/ ٢٢١)

(۳) دلال کے لئے جائیداد کی فروختگی کرانے میں بائع اور مشتری دونوں سے دلالی کی اجرت لینا جائز ہے۔

وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف، وتحته في الشامية: فتجب الدلالة على البائع، أو على المشتري أو عليهما بحسب العرف. الخ (شامي، كتاب البيوع، قبيل مطلب في حبس المبيع …… زكريا ٧/ ٩٣، كراچی ٤/ ٥٦٠، تنقيح الفتاوى الحامدية ١/ ٢٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۳/۱۱۱۷)

کسی چیز کی دلالی پر اجرت لینے کا شرعی حکم

سوال [۹۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی وکیل ہے، جو وکالت کا پیشہ کرتا ہے، یہ وکیل شخص لوگوں کو انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس جو سرکاری غیر واجبی ہے، اس کو کم بھرنے یا بالکل نہ بھرنے کی ترکیب بتاتا ہے اور مشورہ دیتا ہے، بسا اوقات مشورہ میں جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے، کیا وکیل شخص اس طرح ٹیکس کم بھرنے یا بالکل نہ بھرنے کا مشورہ دے سکتا ہے اور اس پر اجرت لے سکتا ہے؟ اگر سامنے والا بطور اجرت سودی رقم دے تو وکیل کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: نثار احمد کلا، خادم دار الافتاء دار العلوم گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وکیل انکم ٹیکس کے بھرنے یا نہ بھرنے میں سچے مشورے دیتا ہو تو اس کے لئے اجرت کا لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دلالی کی اجرت ہے، جو جائز ہے۔

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، هندية، زكريا، قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧)

اور اگر اکثر و بیشتر جھوٹے مشورے دیتا ہو، تو پھر اس کے لئے اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور سود کا پیسہ وکیل کی اجرت میں دینا یا افسر کی رشوت میں دینا جائز نہیں؛ بلکہ اپنی جیب خاص سے حلال پیسہ دے، ہاں البتہ انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں سرکاری بینک سے ملا ہوا سود کا پیسہ اس نیت سے دینا جائز ہے کہ ناجائز پیسہ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس کیا جارہا ہے؛ اس لئے کہ مال حرام میں اصل حکم شرعی یہ ہے کہ حرام جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے اسے واپس کردیا جائے؛ لہٰذا سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس کے عنوان سے سرکار کو واپس کردینا جائز ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستيئجار على المعاصي أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية ١/ ٣٥٩، رقم الحديث ٥٩، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٣٨٥، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ /ربیع الاول ١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٩٧١)

کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [٩٦٦٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرب کنٹری میں جو مال فروٹ وغیرہ پیکنگ ہوکر جاتا ہے، وہ پیکنگ کا کنٹراک چند

مسلمان بھائی لے لیتے ہیں اور ایکسپورٹر سے اپنی مزدوری طے کر لیتے ہیں کہ فی بوکس ہم یہ لیں گے، مثال کے طور پر روپیہ یا بارہ آنہ ہم نے ایکسپورٹر سے طے کئے، اب سوال یہ ہے کہ چند مزدوروں نے مل کر دس ایکسپورٹروں کا کام پیکنگ کا لے لیا، کام لینے والے دو یا چار ہیں اور کام دس ایکسپوٹروں کا ہے، لازمی دوسرے مزدوروں کو پکڑ کر اس کام کو کرائیں گے، مگر ان مزدوروں سے یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ ہم کو روپیہ بوکس ملے یا بارہ آنہ ملے یا آٹھ آنہ بوکس ملے، ہم آٹھ آنہ بوکس دیں گے اور اس حساب میں سے ہم اپنی بھاگیداری بھی تم سے لیں گے، بھاگیداری بھی کام لینے والوں کو بچتی ہے، اور جو اوپر مزدوری لکھی ہوئی ہے اس میں سے چار آنہ یا دس پیسہ بوکس الگ بچتے ہیں، اور باقی مزدور اس شرط پر منظور ہو جاتے ہیں، کنٹراک لینے والوں کی یہ کمائی جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) کرافورڈ مارکیٹ یا کسی بھی مارکیٹ کے جو فروٹ بیوپاری ہیں، ان کو دلی کے یا کہیں کے بھی لوگ اپنا مال بیچنے کے لئے بھیجتے ہیں اور ان کی یہ شرط ہے کہ اتنا کمیشن کاٹ کر ہمیں پیسہ بھیج دو اور مارکیٹ کے دلال اس شرط کو منظور کرتے ہیں اور مال بھیجنے والے نے مال بھیجا، کمیشن لینے والے نے ایک پیٹی سیب یا آم کی سو روپئے کی فروخت کردی اور اس کو بکری ساٹھ روپئے کی دی، وہ چالیس روپیہ ان کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر انہوں نے سو روپئے کی پیٹی فروخت کی تو اس کو کمیشن کاٹ کر ڈیڑھ سو روپیہ پیٹی فروخت کی تو مسلمان کے لئے یہ دھندا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارشاد عظیم قریشی باندرہ ویسٹ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کنٹریوں کو ٹھیکہ پر لے کر مزدوروں کو طے شدہ مزدوری دے کر باقی ٹھیکیداروں کو اپنے لئے لے لینا جائز اور درست ہے۔

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ۱۲۱)

المعروف بين التجار كالمشروط بينهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ۱۲۵)

(٢) اگر تجارت اور دلالی کی مذکورہ طریقہ سے شرط طے کر لی جائے تو جائز ہے۔

المعروف بين التجار كالمشروط بينهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ١٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧ر صفر المظفر ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٣/٣٨٧٠)

جانبین سے دلالی کی اجرت کا حکم

سوال [٩٦٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید زمین بیچنے والا ہے اور عمر خریدنے والا ہے اور درمیان میں شاکر ہے، جو یہ کہتا ہے کہ میں آپ کی زمین فروخت کرا دوں گا اور آپ سے دس پرسینٹ لوں گا، پھر خریدنے والے سے کہتا ہے کہ میں آپ کو زمین خریدوادوں گا اور آپ سے دس پرسینٹ لوں گا، حالانکہ شاکر جوکہ فضولی ہے، ابھی زمین کا مالک بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا شاکر کے لئے اس طرح روپئے لینا جائز ہے اور یہ روپئے لینا خفیہ طور پر بھی ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد عالمگیر گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں مندرجہ صورت میں شاکر، زید (بائع) اور عمر (مشتری) دونوں کے درمیان دلالی کرنے والا ہے اور دلالی کی اجرت لینا مفتی بہ اور راجح قول کے مطابق جائز اور درست ہے؛ البتہ اجرت کا متعین ہونا لازم ہے اور چونکہ فیصد اور پرسینٹیز بھی تعیین کی ایک شکل ہے؛ لہٰذا شاکر (دلال) کا زید وعمر (بائع ومشتری) دونوں سے دلالی کی اجرت لینا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ٧/٢٧٢، فتاوی دار العلوم ١٥/ ٢٨٨-٢٨٩، اسلام اور جدید معاشی مسائل ١/ ١٣٦، فتاوی محمودیہ میرٹھ ٢٥/ ٢٨٦-٢٨٧)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢)

وأما الدلال: فإن باع العين بنفسه بإذن ربها فأجرته على البائع، وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف (تحته في الشامية: فتجب الدلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف جامع الفصولين. (شامي، كتاب البيوع، قبيل مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن ...... زكريا ٧/ ٩٣، كراچی ٤/ ٥٦٠، تنقيح الفتاوى الحامدية ١/ ٢٤٧، مجمع الضمانات ١/ ٥٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱۰ھ

کیا دلال بائع ومشتری دونوں سے دلالی وصول کرسکتا ہے؟

سوال [۹۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بائع اور مشتری کے درمیان بھاؤ تاؤ ہورہا تھا کہ ایک تیسرا شخص آکر بائع کو کم پر دینے کو تیار کرتا ہے، اسی طرح مشتری سے بھی کچھ کہہ سن کر بیع نافذ کرادیتا ہے، اس کے بعد جانبین سے یہ کہہ کر میں نے تم کو اتنے نفع پر فروخت کرایا اور خریدوایا ہے؛ لہٰذا ہم کو کچھ دو اس طرح دونوں سے کچھ نہ کچھ وصول کرلیتا ہے اور بائع مشتری اپنی رضا مندی سے اسے دے بھی دیتے ہیں، کیا اس تیسرے شخص کا ایسا عمل اختیار کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: سجاد حسین سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دلالی ہے اور دلالی میں اگر اجرت پہلے سے متعین ہو تو اس کی اجرت جائز ہے؛ لیکن اگر پہلے سے متعین نہیں کی جاتی ہے، تو مفضی الی النزاع کی وجہ سے جائز نہیں ہے، خاص طور پر جب بائع ومشتری خود دلال کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں اور یہ تیسرا شخص یوں ہی جانبین کی اجازت کے بغیر دخل دے رہا ہو۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، فتاوی بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۷)

''بروکروی'' سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۹۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ دور میں زمین کی بروکروی (دلالی) لوگوں کے نزدیک ایک منافع کی چیز بنی ہوئی ہے اور اس میدان میں تقریباً ہر طبقہ کے افراد اترے ہوئے نظر آتے ہیں، عوام تو عوام خواص دینی حلقوں سے تعلق رکھنے والے یعنی مدرسوں کے مدرسین اور مساجد کے ائمہ حضرات بھی خوب سرگرمی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، زمین کی بروکروی یعنی دلالی کے اندر ہونے والے اونچ نیچ کو دیکھتے ہوئے چند سوالات ذہن میں اٹھ رہے ہیں جو نمبروار اس طرح ہیں:

(۱) بروکر (دلال) کا زمین مالک اور خریدار دونوں سے ایک ہی زمین کا الگ الگ کمیشن لینا۔

(۲) زمین مالک کو بغیر رقم دیئے یعنی صرف زبانی قیمت طے کرنا، اس کے بعد خریداروں کے ہاتھوں اپنی مرضی کی قیمت پر زمین کا فروخت کرنا۔

(۳) زمین مالک سے قیمت طے کرنے کے بعد زمین مالک کو بطور پیشگی کچھ رقم دے کر باقی رقموں کی ادائے گی کے لئے تاریخ طے کر لینا، مگر تاریخ متعینہ آنے پر باقی ماندہ رقموں کا ادا نہ کرنا؛ بلکہ زمین مالک کی طرف سے تقاضہ کرنے پر بار بار تاریخ لے کر وعدہ خلافی کرنا۔

(۴) کسی شخص سے یہ کہہ کر قرض لینا کہ مجھے فلاں زمین خریدنی ہے، تم مجھے ایک لاکھ دو، میں ایک لاکھ کا سوا لاکھ دو یا تین ماہ میں ادا کر دوں گا، اس زمین کے نفع یا نقصان سے تم کو کوئی لینا دینا نہیں۔

(۵) خریدار لوگوں سے فلاں تاریخ کو رجسٹری کروانے کا وعدہ کر کے اس تاریخ میں رجسٹری نہ کروانا اور جھوٹ بول کر ٹال مٹول کرنا۔

(۶) گھٹیا اور بیکار زمینوں کی خوب جھوٹی تعریفیں کر کے خریداروں کے ہاتھوں بھاری قیمتوں پر فروخت کرنا۔ شریعت کا اس طرح کے کاموں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر امام مسجد اس کام کو کرتا ہو تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے اماموں کے پیچھے معلوم ہونے کے بعد مقتدیوں کی نمازیں ہوں گی یا نہیں؟ کیا ایسے شخص کو امام رکھنا درست ہے کہ نہیں؟ برائے کرم تمام سوالوں کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل و مدلل عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں، عین کرم ہوگا۔ فقط

المستفتی: احقر مناظر عالم گاڑیبان محلّہ پوسٹ وضلع کشن گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حسب تحریر سوال اصالۃً دلالی کا معاملہ ناجائز ہے؛ لیکن عادت اور عرف کی بنا پر فقہاء نے اجازت دی ہے؛ اس لئے یہ دلالی بائع اور مشتری دونوں کی طرف سے جائز ہوگی۔ اور دلال کو اس عمل پر اجرت مثل دی جائے گی، اس طرح سے دلال کا بائع اور مشتری دونوں سے اجرت لینا درست ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۶۱۷، امداد الفتاوی ۲/ ۳۶۲)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢، هندية زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧، الفتاوى الولوالجية، دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٣٤٤، فتاوى بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠)

(۲) ابھی زمین کے مالک سے صرف قیمت طے ہوئی ہے اور مشتری کا زمین پر قبضہ نہیں ہوا ہے، اور مشتری اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے زمین کی فروختگی درست ہوگی؛ کیوں کہ زمین اشیاء غیر منقولہ میں سے ہے اور اشیاء غیر منقولہ کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۵/۲۸۲)

صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه. (شامي، البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في التصرف في المبيع والثمن، زكريا ٧/ ٣٦٩، كراچی ٥/ ١٤٧)

(۳) حسب تحریر سوال زمین کے مالک سے قیمت طے کرنے کے بعد اور کچھ رقم پیشگی ادا کرنے کے بعد باقی رقم کے لئے تاریخ طے کرلینا درست ہے؛ اس لئے کہ بیع نقد اور ادھار دونوں طرح جائز ہوجاتی ہے؛ لیکن جب وہ تاریخ متعین پر قیمت ادا نہیں کررہا ہے، تو اس کی طرف سے یہ دھوکہ دینا اور وعدہ خلافی کرنا ہے، جس کا اس پر گناہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۴۶)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: مطل الغني ظلم، أي تاخير أداء الدين من وقت إلى وقت ظلم، فإن المطل منع أداء ما استحق أداءه، وهو حرام من المتمكن، ولو كان غنيا، ولكنه ليس متمكنا جاز له التأخير إلى الإمكان. (مرقاة المفاتيح ٦/ ١٠٠، مكتبه إمداديه)

البيـع مع تأجيل الثمن و تسقيطه صحيح يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل و التسقيط. (شرح المجلة رستم، إتحاد ١/ ١٢٥، رقم: ٢٤٥-٢٤٦)

(۴) صورت مذکورہ میں ایک لاکھ روپیہ دے کر سوا لاکھ روپیہ واپس کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ ایک لاکھ ۲۵/ ہزار روپئے واپس کرنے کی صورت میں صریح سود ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۳۴۲)

كـل قرض جر نفعا فهو ربا، أي إذا كان مشروطا. (شامي، مطلب: كل قرض جر نفعا حرام، كراچی ٥/ ١٦٦، زكريا ٧/ ٣٩٥)

لا يـجـوز أن يـرد الـمقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه أو مثله طبعا للقاعدة الفقهية القائلة كل قرض جر نفعا فهو ربا. (الفقه السنة ٣/ ١٤٧-١٤٨)

(۵) بائع کا لوگوں سے رجسٹری کا وعدہ کرکے نہ کروانا اور جھوٹ بول کر ٹال مٹول کرنا یہ دھوکہ دھڑی اور گناہ کبیرہ ہے۔

لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. [آل عمران: ٦٠]

والكذب حرام لا في الحرب. (جمع الأنهر ٤/ ٢٢٧)

(۶) ہر ایک کی زمین اس کے لئے بڑھیا ہے اور جب خریدار زمین کو دیکھ کر خرید رہا ہے تو کسی قسم کی دھوکہ دھڑی نہیں ہے، ہر مالک کو حق ہے کہ اپنا سامان اور اپنی زمین کی قیمت جتنی چاہے لگائے اور خریدار کو اختیار ہے کہ اس قیمت پر خریدے یا نہ خریدے؛ لہٰذا ان باتوں کو لے کر امام کی امامت پر انگلیاں اٹھانے کا حق نہیں ہے۔

الـمـالـك هـو الـمتـصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (تفسير بيضاوي ١/ ٧)

كـل يتـصرف في ملكه كيف شاء. (شـرح الـمجلة رستم، إتحاد ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

زمین خریدوانے کی دلالی لینا

سوال [۹۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: توقیر باری اور میں (ڈاکٹر مظفر علی خاں) ایک پراپرٹی بشکل آراضی گیارہ بیگہ واقع پنڈت نگلہ مرادآباد کی خریداری میں شریک تھے، چونکہ توقیر باری اس آراضی کو خریدنا چاہتے تھے؛ لیکن ان سے اس کا سودا نہیں ہو رہا تھا؛ اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں مجھ سے رجوع کیا؛ کیوں کہ میرے مالکان آراضی (فروخت کرنے والوں ریحانہ ملک وغیرہ) سے بہترین تعلقات تھے۔ اور توقیر باری سے بھی میرے گھریلو تعلقات تھے؛ اس لئے توقیر باری نے مجھ سے کہا کہ تم اس آراضی کا سودا طے کروادو، میں یہ آراضی خرید کر فروخت کروں گا اور تم بغیر رقم لگائے اس کے منافع کے تیس فیصد کے حصہ دار ہوگے، میں نے اس سلسلے میں انتہائی کوشش کرکے اس آراضی کا سودا کروادیا، جس کی پاور آف اٹارنی مالکان نے توقیر باری کو کرا کر دے دی تھی۔ اور رقم کا لین دین ہو گیا تھا اور اس کاغذ پر میرے بحیثیت گواہ دستخط بھی ہیں۔ اور آراضی مذکور پر توقیر باری کا مالکانہ قبضہ بھی ہو گیا تھا اور انہیں پاور آف اٹارنی کی رو سے مثل مالک کے کسی دیگر کو فروخت کرنے کا حق واختیار حاصل ہو گیا تھا، ان تمام معاملات وشرکت کے بارے میں توقیر باری نے اپنی علالت کے دوران اپنی زوجہ ''عرشی بیگم'' بڑے لڑکے ''فضل باری'' بڑے بھائی ''تنویر باری'' اپنے بہنوئی ''نوراحمد'' اپنے سالے ''جمال الٰہی'' ودیگر عزیز واقرباء کو بھی باخبر کردیا تھا، اس کے علاوہ اسی دوران مرادآباد اور رام پور کے کچھ معزز دوست احباب جن کے نام میرے علم میں ہیں، کو بھی انہوں نے باخبر کردیا تھا کہ ڈاکٹر مظفر علی خاں اس سودے میں میرے تیس (۳۰) فیصد کے شریک ہیں، مزید توقیر باری نے اپنی وفات سے دس یوم پہلے اپنے ایک قریبی عزیز بزرگ ''احسان عظیم'' صاحب (سگریٹ والے) اور اپنے ملازم اکرام اور قیوم ساکن بہار جو کہ ان کے گھر جیسے فرد تھے رو برو بٹھا کر بھی یہ سب کچھ بتا دیا تھا؛ لیکن توقیر باری کے انتقال کے بعد جب میں نے اپنی

شرکت حصہ مذکور کی بابت بات کہی تو مرحوم کے سالے جمال الٰہی نے میرے ساتھ گئے ہوئے میرے ایک دوست جو کہ جمال الٰہی کے کلاس فیلو بھی ہیں (محمد اکرام مرادآباد) کے سامنے مجھ سے شہادت مانگی تو میں نے احسان عظیم صاحب اور اکرام (ملازم) کا ذکر کیا، تو جمال الٰہی ہم دونوں کو احسان عظیم صاحب کے پاس ان کے لڑکے شان عظیم صاحب کو ساتھ لے کر گئے، شہادت میں احسان عظیم صاحب نے کہا: ''ورڈنگس تو مجھے یاد نہیں؛ لیکن مفہوم یہی تھا جو ڈاکٹر مظفر علی خاں کہہ رہے ہیں''۔ اور اسی طرح اکرام (ملازم) نے بھی یہی حقیقت بیان کی۔ ان شہادتوں کے بعد عرشی بیگم کی عدت پوری ہونے کے بعد بات چیت دوبارہ کرنے کو کہا گیا، بعد عدت مرحوم کے سالے جمال الٰہی نے مجھ سے اور (محمد اکرام مرادآباد) سے محمد عمر اور شان عظیم صاحب کے سامنے کہا کہ میری بات اپنی بہن (عرشی بیگم) سے ہوگئی ہے، اور انہوں نے کہا کہ: ''ڈاکٹر مظفر علی خاں قرآن کی قسم مسجد میں کھالیں تو میں ایک ایک پیسہ دوں گی''، اس پر میں آمادۂ قسم ہوا؛ لیکن یہ قسم مجھ سے محمد عمر صاحب کے کہنے کی وجہ سے کہ ''اللہ یہاں بھی وہی ہے جو وہاں ہے'' شان عظیم صاحب کی فرم میں ان کی موجودگی میں اور محمد عمر صاحب اور (محمد اکرام مرادآباد) اور جمال الٰہی اور مرحوم کے لڑکے فضل باری کی موجودگی میں قرآن پاک پر ہاتھ رکھوا کر مجھ سے ان سب نے قسم کھلوائی کہ جو کچھ میں (مظفر علی خاں) کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے، اس کے فوراً بعد میں نے مرحوم کی حیات میں ایک رکارڈ کیا ہوا کیسٹ بھی اسی سلسلے میں سب کو سنوایا، جس کو سن کر جمال الٰہی نے کہا کہ اگر آپ کے پاس یہ رکاڈنگ (ٹیپ) تھا، تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟

لیکن اب توقیر باری کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ عرشی بیگم اور مرحوم کے بڑے بھائی تنویر باری و بہنوئی نور احمد نے اس آراضی کو جو کہ توقیر باری نے رقم ادا کر کے خریدی تھی؛ لیکن اپنی زندگی میں اس کو فروخت نہیں کر پائے تھے، اس کی دوسری پاور آف اٹارنی مالکان آراضی سے تبدیل کرا کر اس زمین کو فروخت کر دیا، جس میں انہیں بہت بڑا منافع ہوا ہے؛ لیکن ان لوگوں کی نیت میں بے ایمانی آگئی ہے اور وہ مجھے فائدہ میں سے میرے حصہ کی رقم جو کہ تیس فیصد بنتی

ہے ادا نہیں کررہے ہیں، اس سلسلے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں فتوی دینے کی زحمت فرمائیں کہ کیا توقیر باری کے ذریعہ اپنی حیات میں میری کوششوں سے رقم کی ادائے گی کرکے خریدی گئی زمین میں میرا بحیثیت شریک اس رقم میں تیس فیصد کا حق بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر مظفر علی خان محلّہ مسجد داروغہ محبوجان گھیر مردان خاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: توقیر باری کو خریدوا کر دینے کی وجہ سے اس زمین کی اصل میں اور نفع میں آپ شریک نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور نفع میں شریک ہونے کی جو شرط لگائی گئی ہے، وہ شرط شرعی طور پر باطل اور فاسد ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ہاں البتہ آپ نے جو بیچ میں پڑکر خریدوانے میں محنت کی ہے، اس محنت کی محنتانہ اجرت آپ کو مل سکتی ہے۔ اور چونکہ اجرت متعین نہیں تھی اس لئے اس طرح کی زمین کے خریدوانے میں اس زمانہ میں عام طور پر دلال کو جو معتدل اور درمیانی اجرت ملا کرتی تھی وہ اجرت آج آپ کو ملے گی، اس کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ جائز نہیں ہے۔

فلو كل المال لأحدهما فللآخر أجر مثله، كما لو دفع دابته لرجل ليؤجرها والأجر بينهما، فالشركة فاسدة والربح للمالك وللآخر أجر مثله. (درمختار على الشامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٣، كراچی ٤/ ٣٢٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٠٧)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع ...... زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧، الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كراچی ٢/ ٦٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦ر جمادی الثانیہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٧٣٢/٣٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/٦/١٤٣٣ھ

زمین کی خرید وفروخت کرانے میں دلالی کی اجرت لینا

سوال [۹۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فی زمانہ آراضی کی تجارت کی مختلف شکلیں رائج ہیں، جن کی وضاحت مطلوب ہے:

الف: اس میں ہوتا یوں ہے کہ کچھ لوگ ''پراپرٹی ڈیلر'' یا جن کو دلال بھی کہہ سکتے ہیں ہوتے ہیں، جو بائع اور مشتری کے درمیان معاہدہ کراتے ہیں اور قیمت کا تعین بھی وہ خود ہی کرتے ہیں، مشتری کو زمین کی موجودہ بازاری قیمت بتاتے ہیں، جس پر وہ مطمئن اور راضی ہوتا ہے۔ اور بائع کو مشتری کے مقابلے میں کم قیمت پر راضی اور مطمئن کر لیتے ہیں اور دونوں کے بیچ کی رقم بطور کمیشن کے خود حاصل کرتے ہیں، مثال کے طور پر مشتری کو پچاس ہزار روپئے بیگہ خریدنے پر راضی کیا، اور بائع کو پینتالیس ہزار روپئے بیچنے پر راضی کیا، اور پانچ ہزار روپئے فی بیگہ کے حساب سے خود حاصل کر لیئے، یہ شکل آج کل معروف ومشہور ہے۔ جن کا علم بائع اور مشتری کو بھی ہوتا ہے، آیا اس طرح کا معاہدہ کرانا اور کمیشن کی شکل میں کچھ رقم نکال لینا ہے درست ہے یا نہیں؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔

ب: دوسری شکل میں یہ دلال بائع مشتری دونوں سے ایک ہزار روپئے یا دو ہزار روپئے فی بیگہ کمیشن طے کرتے ہیں اور دونوں کا معاہدہ کراتے ہیں۔

ج: اس صورت میں خریدنے والا خود ان لوگوں سے کہتا ہے کہ ہمیں کہیں زمین دلاؤ، اس میں دو فی صد کے حساب سے رقم دلال کو دی جاتی ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا طریقے زرعی اور رہائشی دونوں طرح کی آراضی کی خرید وفروخت میں رائج ہیں اور مشہور ومعروف ہیں، تفصیلی جوابات سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی: محمد ذاکر خاں، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دلالی کی اجرت فی نفسہ جائز اور درست ہے، جب

کہ اجرت متعین ہو؛ لیکن سوال نامہ میں جو شکل پیش کی گئی ہے اس میں نہ بائع سے اجرت کی بات طے ہے اور نہ ہی مشتری سے؛ بلکہ وہ بائع کے سامنے جھوٹ بول رہا ہے کہ بائع سے کہتا ہے کہ میں پینتالیس ہزار روپئے میں بیچ رہا ہوں، حالانکہ وہ مشتری کو پچاس ہزار روپئے میں بیچ رہا ہے؛ اس لئے یہ صورت ناجائز ہے، ہاں البتہ اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ دلال بائع سے وضاحت کے ساتھ کہہ دے کہ آپ کو پینتالیس ہزار روپئے فی بیگہ ملے گا، تو ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ دلال نے بائع سے پینتالیس ہزار روپئے کے حساب سے خرید کر مشتری کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا، ایسی صورت میں اس کو دلال نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ تاجر کہا جائے گا۔ اور یہ معاملہ شرعاً درست ہو جائے گا۔

عن عبادة بن الصامت – رضي الله عنه – أن رسول الله ﷺ قضى أن لا ضرر ولا ضرار. (ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۲/ ۱٦۹، دارالسلام، رقم: ۲۳٤۰)

أنه باعه مرابحة، فإن كان ما اشتراه به له مثل جاز سواء جعل الربح من جنس رأس المال الدرهم من الدراهم أو من غير الدراهم من الدنانير، أو على العكس إذا كان معلوما يجوز به الشراء؛ لأن الكل ثمن. (عناية مع فتح القدير، باب المرابحة والتولية، دارالفكر بيروت ٦/ ٤۹٥، زكريا ٦/ ٤٥٦، كوئٹه ٦/ ۱۲۲)

(۲) یہ شکل دلالی کی ہے، اس میں اجرت بھی متعین ہے؛ لہٰذا اس میں شرعاً بائع سے ایک ہزار اور مشتری سے ایک ہزار روپیہ فی بیگہ لینا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۲۸٦)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچى ٦/ ٦۳، زكريا ۹/ ۸۷، تاتارخانية، زكريا ۱٥/ ۱۳۷، رقم: ۲۲٤٦۲)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (هندية، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع ...... زكريا جديد ٤/ ٤۸۷، قديم ٤/ ٤٥۰)

إجارة السمسار والمنادی والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة، ويطيب الأجر المأخوذ.

(شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٧، بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲ر شوال ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۱۰/۳۹)	۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

انجینئر کا ٹھیکیدار سے کمیشن لینا

سوال [۹٦٧٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انجینئر کے نقشہ پاس کرنے کے بعد ٹھیکیدار کو ٹھیکہ مل جاتا ہے اور بعد میں ٹھیکیدار کی طرف سے کمیشن کی رقم ملتی ہے، اس کو لینا کیسا ہے؟ اس کی مکمل شکل یہ ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک پروجیکٹ تیار کرنے کے لئے انجینئر کو حکم ملا، مثلاً ایک اسکول یا دفتر کے روم کا پلاسٹر ہونا ہے، اس کی صحیح لاگت دس ہزار روپئے ہے؛ لیکن انجینئر صاحب نے اس کو بارہ ہزار روپئے کا اسٹیمیٹ بنا کر حکومت کو بھیجا، حکومت کی جانب سے بارہ ہزار روپئے جاری ہوگئے، اب دو ہزار روپئے بطور کمیشن تقسیم ہوگئے حصہ وار یا پھر پورے کے پورے دو ہزار روپئے جناب انجینئر صاحب کو مل گئے۔

حضرت آپ کے علم میں ہوگا کہ موجودہ دور میں سرکاری اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک اخیر تک کمیشن لیتے ہیں؛ بلکہ آج تو وزراء اعلیٰ تک بغیر رشوت کے اور کمیشن کے کوئی کام نہیں کرتے ہیں، اس رقم کو لینا کیسا ہے؟ اور لی جاتی ہے، تو پھر اس رقم سے موٹر گاڑی اسکوٹر وغیرہ خریدنا کیسا ہے، اس پیسہ سے سفر سیاحت پر جانا خرید وفروخت کرنا سفر میں اچھی غذائیں فروٹ میواجات کھانا کیسا ہے؟ بچوں کی تعلیم پر اس رقم کو خرچ کرنا کیسا ہے؟، پونجی جمع کرنا اس رقم کو

پونجی میں ملانا کیسا ہے؟ مدارس اسلامیہ میں چندہ کی رقم میں اس رقم کا لینا دینا درست ہے یانہیں؟

المستفتی: تفسیر احمد رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجینئر صاحب کا سرکار کو اخراجات سے زائد لاگت کاغذات پر دکھا کر اصل خرچ سے زائد رقم وصول کرنا دھوکہ دہی اور فریب ہے اور اس اضافی رقم سے اپنا کمیشن لینا بھی انجینئر صاحب کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ مر برجل –إلي– فقال رسول الله ﷺ: ليس منا من غش. (أبو داؤد، باب النهى عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢)

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۳۹)

ٹھیکیدار یا مستری وغیرہ کا کمیشن لینا

سوال [۹۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور پر ایسا دستور رہے ہے جو تعمیرات کے ٹھیکیدار یا مستری یا رنگ کرنے والے کاریگر یا ٹھیکیدار یا اسی طرح دوسرے کام کرنے والے کاریگر یا ٹھیکیدار ہیں، ان سے دوکاندار یہ کہتا

ہے کہ آپ سامان ہمارے یہاں سے یعنی ہماری دوکان سے دلوانا ہم آپ کو دس یا پندرہ فی صد کمیشن دیں گے اور گاہک سے وہ پورے پیسے لیتے ہیں چاہے ٹھیکیدار یا مستری اس کمیشن کو لے یا نہ لے اور کبھی مالک ٹھیکیدار یا مستری سے ہی کہہ دیتا ہے کہ آپ ہی خود سامان لے آنا تو آیا یہ کمیشن کے پیسے مستری یا ٹھیکیدار کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ گاہک کا کوئی نقصان بھی نہیں؛ کیوں کہ اس سے پورے ہی پیسے لئے جاتے ہیں۔

المستفتی: سید حافظ محمد محبوب منصور پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹھیکیداری کی دو صورتیں ہیں: (١) یہ کہ جو بھی ضرورت کا سامان وغیرہ ہو اس کو ٹھیکیدار خود اپنے پیسے سے لائے اور مالک مکان اور مستری کے درمیان یہ معاملہ طے ہو کہ مثلاً آپ میرا مکان رنگ کر تیار کر دیں، ہم آپ کو اتنا روپیہ دیں گے، تو اس صورت میں ٹھیکیدار کا دوکاندار سے کمیشن لینا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مالک مکان سے روپیہ لے کر ضرورت کا سامان لائے اور اس میں سے کمیشن لے تو یہ نا جائز ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں ٹھیکیدار مالک مکان کا وکیل ہے (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل، جدید زکریا ٧/ ٣٩١، قدیم ٦/ ٢٨٢، احسن الفتاوی ٨/ ١٠٢)

اور وکیل امین ہوتا ہے اور امین کے لئے امانت میں خیانت کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ٨/ ١٠٢)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان. (بخاري شريف، الايمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ١/ ١٠، رقم: ٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/ جمادی الثانیہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٧١٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/ ٦/ ١٤٢١ھ

بولی لگانے کے درمیان آڑھت والے کا مبیع میں سے کچھ نکال لینا

سوال [۹۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی پھلوں اور سبزیوں کی آڑھت ہے اور اس جگہ پر رواج ہے کہ بولی لگانے کے درمیان آڑھت والا پھلوں اور سبزیوں سے کچھ نکال لیتا ہے، پھر بدستور اس بولی پر مشتری کو دے دیا جاتا ہے، تو ٹوکری میں سے نکالا ہوا مال زید کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر؟ اور اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: محمد یوسف مظہری امام جامع مسجد ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کا رواج ہو اور مالک بخوشی اس کو دے دیتا ہے اور اس کے دینے سے مالک پر کوئی زور بھی نہیں پڑتا ہے، تو لینے والے کے لئے گنجائش ہے، شاید مالک اس وجہ سے دینے کے لئے راضی رہتا ہے کہ وہ مالک کا مال بآسانی فروخت کروا دیتا ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۷۴۵)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧)

لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس (أي بأمر أو رضاء) منه. (مرقاة، قديم ٣/ ٣٥٠، جديد إمداديه ملتان ٦/ ١١٨)

ولا بأس بشراء جوز الدلال الذي يعد الجوز، فيأخذ عن كل

ألف عشرة ...... إذا كان المالك راضيا بذلك عادة. (الأشباه، قديم ١٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۱ھ

ہسپتال کا مریض بھیجنے والے ڈاکٹر کو تحفہ دینا

سوال [۹۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی ڈاکٹر اپنے مریض کو آپریشن وایکسرے یا دیگر کسی جانچ کے لئے کسی دوسرے ہسپتال کو بھیجتا ہے، اور وہاں پر یعنی جہاں ڈاکٹر نے مریض کو بھیجا ہے، آپریشن وغیرہ کے لئے کچھ رقم بھی طے نہیں کر رکھی ہے، اس کے باوجود اگر وہ ہسپتال کچھ رقم یا تحفہ کے طور پر مریض کو بھیجنے والے ڈاکٹر کو پیش کرے، تو اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر وارث احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں بھیجنے والے ڈاکٹر کے لئے تحفہ میں دی ہوئی رقم بلاتردد حلال اور درست ہے، اگر پہلے سے بھیجنے اور مقرر رقم لینے کی بات طے کر لیتا ہے تو وہ بھی درست ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں بھیجنے والا ڈاکٹر کلینک والے کی طرف سے ایجنٹ شمار ہوگا، جس کی اجرت لینا جائز ہے، ہاں البتہ اگر جانبین میں کچھ طے نہیں ہوا تھا، پھر بھیجنے والا ڈاکٹر اجرت کا مطالبہ کرے، تو ایسی صورت میں بھیجنے والے کو مطالبہ کا حق نہیں ہے؛ اس لئے کہ نہ پہلے سے ان دونوں کے درمیان میں معاملہ طے ہوا ہے اور نہ بطور تحفہ دیا ہے۔

ولم ير ابن سيرين، وعطاء، وإبراهيم، والحسن بأجر السمسار بأسا.

(صحيح البخاري، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، ...... لكثرة التعامل. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ ربیع الثانی ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٩٧٨)

آنکھوں کے ڈاکٹروں کا چشموں کی دوکان والوں سے کمیشن لینا

سوال [٩٦٧٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ ڈاکٹر لوگ جو آنکھوں کی جانچ کرتے ہیں، وہ چشموں کی دوکان والوں سے کمیشن لیتے ہیں، ان کا کمیشن لینا یہ دلالی کی اجرت کے مرادف ہے یا نہیں؟ اور یہ کس حد تک درست ہے؟ اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سبوح احمد محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آنکھوں کے ڈاکٹر کا مریض کو چشمہ کی دوکان پر بھیجنے کی وجہ سے اس پر کمیشن لینا یہ دلالی کی اجرت کے مرادف ہے اور اجرت دلال جائز ہے؛ اس لئے آنکھوں کے ڈاکٹر کا مریض بھیجنے پر چشمہ والوں سے اجرت لینا جائز ہے؛ لیکن اجرت متعین ہونا چاہئے اور فیصد کے حساب سے طے کرنا بھی تعیین کی ایک شکل ہے۔

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. –إلى قوله– سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، خلاصة الفتاوى، أشرفي ديوبند ٣/ ١١٦)

قال في الشامية عن البزازية: إجارة السمسار والمنادى والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة، ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (شامي، كاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٧، بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠)

وأما الدلال: فإن باع العين بنفسه بإذن ربها (تحته في الشامية) فتجب الدلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف.
(شامي، كتاب البيوع، قبيل مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن ...... زكريا ٧/ ٩٣، كراچی ٤/ ٥٦٠، تنقيح الفتاوى الحامدية ١/ ٢٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۸۳)

ڈاکٹر کا خون یا پیشاب جانچ کرانے کے لئے بھیجنے کی اجرت لینے کا حکم

سوال [۹۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ڈاکٹر حضرات اپنے مریض کو دوسرے کے پاس خون یا پیشاب جانچ کرنے کے لئے یا ایکسرا کرانے کے لئے بھیجتے ہیں، ایکسرا کرنے والے پیشاب خون جانچ کرنے والے بھیجنے والے ڈاکٹر کو طے شدہ رقم کمیشن دیتے ہیں، تو کیا مریض بھیجنے والا ڈاکٹر اس رقم کو استعمال میں لاسکتا ہے؟ اور بہت سے مسلم ڈاکٹروں کے پاس اس قسم کی رقمیں موجود ہیں، کیا اس رقم کو مدرسہ میں یا بیت الخلاء میں یا کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں؟ حضرت والا سے التماس ہے کہ مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالوحید اصلاحی، ساکن اسرینا پوسٹ پرسا ملک، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاکٹر مریض کو دوسرے ڈاکٹر کے پاس خون پیشاب کی جانچ یا ایکسرے کے لئے بھیجے اوراس پر طے شدہ رقم کمیشن لے تو یہ دلالی کے حکم میں ہے اور دلالی کی اجرت مباح ہے؛ اس لئے اس کی گنجائش ہے۔

عن الحكم وحماد عن إبراهيم وابن سيرين قالوا: لا بأس بأجر السمسار إذا اشترى يدا بيد. (المصنف لابن أبي شيبة، في أجر السمسار، موسسة علوم القرآن ١١/ ٣٣٩، رقم: ٢٢٥٠٠)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٤٠٥)

ڈاکٹر کا الٹرا ساؤنڈ اور ایکسرے والوں سے کمیشن لینا

سوال [٩٦٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ایک ڈاکٹر اپنے مریضوں کا آپریشن، الٹرا ساؤنڈ، پیتھولوجی (خون وغیرہ) کی جانچ کرانے کے لئے دوسرے ڈاکٹر کے یہاں مشورہ دیتا ہے کہ یہ کام وہاں کرالاؤ، وہ ڈاکٹر اسی چیز کا ماہر شمار کیا جاتا ہے، ماہر ڈاکٹر کے یہاں پہلے سے ہر چیز کے ریٹ مقرر ہیں، اگر

مریض خود ہی بغیر کسی کے بھیجے ماہر ڈاکٹر کے یہاں پہنچ جائے تو بھی مقررہ ریٹ کے مطابق اسے چارج ہوتا ہے، اگر کسی ڈاکٹر کے بھیجنے سے ڈاکٹر کا پرچہ لے کر پہنچتا ہے، تو ماہر ڈاکٹر بھیجنے والے ڈاکٹر کو کچھ رقم بھجواتا ہے اور مریض سے مقررہ ریٹ ہی وصول کرتا ہے، اس رقم کو اصطلاحاً کمیشن کا نام دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دینا اور لینا کیسا ہے؟

(۲) دوسری صورت میں ایک ڈاکٹر ماہر ڈاکٹر سے یہ طے کرتا ہے کہ میں مریض تمہارے پاس بھیجوں گا اور مجھے اتنی رقم (جو بھی طے ہو جائے) چاہئے تم مریض سے جو چاہے لے لو، ایسی صورت میں ماہر ڈاکٹر مریض سے زیادہ رقم وصول کر کے بھیجنے والوں کو کمیشن دیتا ہے، تو اس طرح کمیشن لینا کیسا ہے؟ اور دینا کیسا ہے؟

المستفتی: انعام احمد قاسمی کاس گنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معالج ڈاکٹر کا الٹرا ساؤنڈ، ایکسرے وغیرہ کے ڈاکٹر سے یہ طے کر لینا کہ میں تمہارے پاس مریض بھیجوں گا، ایک مریض کے الٹرا ساؤنڈ میں اتنا روپیہ اور ایکسرے میں اتنا روپیہ تم کو دینا ہوگا، اس کے بعد مریض بھیجنے پر چیک اپ کرنے والے ڈاکٹر سے طے شدہ رقم لینا دلالی کے حکم میں ہے اور دلالی کی اجرت جائز اور مباح ہے؛ لیکن اگر مریض اپنے طور پر بلا معالج ڈاکٹر کے توسط کے بغیر چیک اپ کرنے والے ڈاکٹر کے یہاں جا کر چیک اپ کرا لیتا ہے، تو اس صورت میں طے شدہ رقم معالج ڈاکٹر سے لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں معالج ڈاکٹر دلال نہیں بنا ہے، یہی دونوں سوالوں کا جواب ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، خلاصة الفتاوی، أشرفي ديوبند ٣/ ١١٦)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (هندية، الباب السادس عشر

في مسائل الشيوع …… زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۶۲/۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

ڈاکٹر کے پاس بھیجنے اور دوا فروخت کرنے پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الحمد للہ بندہ کا شہر میں انگریزی دوا خانہ ہے، خدمت خلق کے جذبہ ونیت کے ساتھ مریضوں کا علاج کرتا ہوں، ہر وقت فکر ہوتی ہے کہ حلال کمائی کماؤں، حرام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، اس سلسلے میں دو مسئلے آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں:

(۱) ایک کمپنی انگریزی دوائی بناتی ہے اور اس کا ریٹ مقرر کرتی ہے، مثلاً ’’ایزی تھرومائن‘‘ نام کی 250 پاور کی دس گولیوں کی قیمت -/60 روپئے مقرر کرتی ہے۔ دوسری کمپنی اسی نام کی اور اتنے ہی پاور کی گولیاں تیار کرتی ہے اور اس کی -/80 روپئے قیمت مقرر کرتی ہے، دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں کیا فرق ہے؛ البتہ دونوں ایک ہی مرض میں استعمال کی جاتی ہیں، اب کم ریٹ میں فروخت کرنے والی کمپنی سے اعلان ہے جو ڈاکٹر ہماری بنی دواؤں کو مریضوں کے لئے تجویز کرکے لکھ کر دے، اس ڈاکٹر کو تیس فیصد منافع بطور انعام کے دیا جائے گا، وہ انعام یا منافع اس لئے دیا جاتا ہے کہ چونکہ ہم نے اس کمپنی کی دوائی لکھ کر دی، جس کی وجہ سے دوائیاں زیادہ فروخت ہوں گی، اور جس کمپنی کی دوائیاں مہنگی ہیں، اگر ان کی دوائیاں مریضوں کو لکھ کر دی جائیں تو ان کی طرف سے کچھ نہیں ملتا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کم ریٹ والی کمپنی سے بنی ہوئی دواؤں کو مریضوں کے لئے لکھ کر دینا اور اس پر ملنے والے منافع استعمال کرنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: جب دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک ہی جیسی ہیں اور ایک ہی مرض کے لئے ہیں، تو ایک کم قیمت میں اور دوسری کمپنی زیادہ قیمت میں فروخت اس لئے کرتی ہے کہ کم قیمت میں فروخت کرنے والی کمپنی درمیان میں بہت کم واسطوں سے فروخت کرتی ہے، جن کا خرچ بچ جاتا ہے، اور جو کمپنی مہنگی فروخت کرتی ہے، وہ درمیان میں کئی واسطوں سے دوکانداروں تک پہنچاتی ہے، اس لئے وہ سارا خرچ دواؤں پر لگا کر مہنگی فروخت کرتی ہے۔

(۲) ایک مریض میرے پاس آتا ہے، تشخیص کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس مریض کو کسی دوسرے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھیجنا ضروری ہے، تاکہ اس کا کامل علاج ہو سکے، میں پرچی لکھ کر ڈاکٹر کے پاس مریض کو بھیج دیتا ہوں، اب بڑے ڈاکٹر کے پاس جتنے روپیہ کا علاج ہوا اس کی تیس فیصد رقم بڑے ڈاکٹر کی طرف سے مجھے ملتی ہے، میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا اور یہ تیس فیصد بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی ہی رقم سے مجھے دیتے ہیں؛ کیوں کہ ایک مریض میں نے ان کی طرف بھیجا ہے، تو اب یہ ملنے والی رقم میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر سید واثق علی فردوس کالونی، آکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مریضوں کے لئے ایک ہی معیار کی ایک ہی قسم کی دواؤں میں سے جو سستی دوا ہے، اسی کو لکھنا چاہئے اور مریضوں کے فائدے کا خیال رکھنا چاہئے، اسی لئے سستی اور کم قیمت کی دوا لکھنا زیادہ بہتر ہے، اب رہی یہ بات کہ کمپنی کی طرف سے دوا لکھنے والے ڈاکٹر کو کچھ پیسہ ملتا ہے، اگر ڈاکٹر اور کمپنی کے درمیان پہلے ہی سے یہ طے ہے کہ اس کمپنی کی دوا لکھنے پر ڈاکٹر کو اتنے پیسے مل جایا کریں گے، تو اس طرح طے شدہ پیسہ ڈاکٹر کے لئے لینا جائز اور درست ہے، ڈاکٹر دونوں نیتوں سے یہ دوا لکھا کرے، ایک تو مریض کا فائدہ اور کم خرچ اور دوسری اپنی ذاتی منفعت تو ایسا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور کمپنی سے پیسہ لینا اس لئے جائز ہے کہ اس کمپنی کی دوا لکھنے میں ایک طرح کا اس کمپنی کا ایجنٹ بنا ہوا ہے، ایجنٹ اور دلالی کی اجرت جائز ہے۔

(۲) اگر بڑے ڈاکٹراورآپ کے درمیان یہ بات پہلے سے طے ہے کہ مریضوں کوبھیجنے سے طے شدہ رقم ملا کرے گی،تو مریضوں کوبھیجنے کے لئے ایک قسم کا دلال اور ایجنٹ ہے اوراس کی اجرت لینا جائز ہے ۔(مستفاد:فتاوی محمودیہ جدیدڈابھیل ۱۶/ ۶۱۷-۶۳۲)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله ﷺ: المستشار مؤتمن. (ترمذي، باب أن المستشار مؤتمن، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۹، رقم: ۲۸۲۲، سنن الدارمي، دارالمغني ۳/ ۵۹۱، رقم: ۲۴۹۳)

قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا ، فذاک حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢، الولوالجية، دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٣٤٤، هندية زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧، بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠الأشباه والنظائر، كراچی الفن الثاني ٢/ ٦٠، خلاصة الفتاوى، أشرفي ٣/ ١١٦)

ولو قال: إن بعت هذا المتاع لي فلک درهم، كان استئجار. (مبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية ١٥/ ١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۹۶۸)

جج کا وکیل کے پاس مقدمہ بھیجنے پر اس سے رقم لینے کا حکم

سوال [۹۶۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: احقر پیشکار ضلع جج ہے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، جن کا کوئی مقدمہ ہوتا ہے اور آکر کہتے ہیں کہ کوئی وکیل بتاؤ، تو ہم جس وکیل کے پاس اس ضرورت مند کو بھیجتے ہیں، وہ وکیل آکر احقر کو -/500 روپئے یا اور کچھ کم زیادہ روپیہ دیتا ہے، تو احقر کے لئے ان روپیوں کا لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ احقر کا وکیل سے نہ تو کوئی معاہدہ ہے لینے کا اور نہ کوئی اس قسم کی بات چیت؛ بلکہ احقر لیتا بھی نہیں ہے، تو وہ زبردستی یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ ہم اپنی فیس میں سے خوشی سے دے رہے ہیں۔

المستفتی: انوار حسین پیشکار ضلع جج، کاس گنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کے لئے جواز کی شکل یہ ہے کہ آپ وکیل سے طے کرلیں کہ ایک مقدمہ بھیجنے میں اتنے روپیہ لوں گا، ایسی صورت میں آپ دلال بنیں گے اور دلالی کی اجرت لینا جائز ہے۔ اور اگر طے نہیں ہوا؛ لیکن وہاں وکیل کے پاس مقدمہ بھیجنے کے بدلے میں اس وکیل کی جانب سے کچھ رقم بھیجنے کا عرف ورواج ہے، تو ایسی صورت میں وکیل اگر کچھ رقم بھیج دیتا ہے، تو وہ بھی دلالی کی اجرت میں شامل ہوگا اور اس کا لینا آپ کے لئے جائز ہوگا۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (شامي، كتاب الإجارة، زكريا ٩/ ٧، كراچى ٦/ ٥، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤١، هداية اشرفي ٣/ ٢٩٣)

المعروف كالمشروط. (الأشباه، قديم ص: ١٥٦)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچى ٦/ ٦٣، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٥/ ١٥٥، بخاري شريف، أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

اقامہ بنانے کی اجرت لینا

سوال [۹۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) زید سعودی عرب ملازمت کے لئے گیا اور اس کو وہاں رہنے کے لئے اقامہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے بغیر رہائش کی اجازت نہیں ہوتی ہے؛ لیکن مالک زید کو اقامہ دینے کے لئے حکومت سے اقامہ بنوانے میں جتنا خرچ ہوا ہے، اس سے بہت زائد رقم کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا اقامہ حاصل کرنے کے لئے زید کا زائد رقم دینا اور مالک کا زائد رقم لینا درست ہے یا نہیں؟
(۲) اور بعض مالک ملازم کو یہ کہہ کر آزاد چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی کام پر نہیں رکھیں گے؛ بلکہ تم آزاد ہو؛ لیکن یومیہ یا ماہانہ اتنی رقم لا کر ہم کو دینا ہوگا، تو کیا اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن دیوریا (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کفالت بالنفس ایک ایسی ذمہ داری ہوتی ہے جس پر اجرت لینا جائز ہوتا ہے؛ لہٰذا کفیل کے لئے اقامہ بنانے میں جو خرچ ہوا ہے اس کے علاوہ اپنی ذمہ داری کی وجہ سے مزید رقم کا لینا جائز اور درست ہے۔

ولأن الكفالة والرهن شرعا للتوثق والتوثق ملائم للأجر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب حكم الإجارة، زكريا ٤/ ٦١، كراچی ٤/ ٢٠٢)

وإذا أدى الكفيل المال من عنده رجع بما كفل ولا يرجع بما أدى.

(تاتارخانية، زكريا ١٠/ ١١٤، رقم: ١٤١٨٩، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٢٠/ ٧٣)

(۲) کفیل بالنفس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ مکفول لہ کو اپنے یہاں ملازم نہ رکھے؛ بلکہ حکومت کے اعتماد کے لئے اپنی کفالت اور ذمہ داری حکومت کو پیش کر کے مکفول لہ کو اقامہ دلوا کر آزاد چھوڑ دے اور سالانہ یا ماہانہ ذمہ داری کی جو رقم طے ہو جائے وہ وصول کرتا رہے۔

قال في البدائع: لأن الكفالة والرهن شرعا للتوثق والتوثق ملائم للأجر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب حكم الإجارة، زكريا ٤/ ٦١، كراچی ٤/ ٢٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١١٨٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٨/ ٧/ ١٤٣٤ھ

ہوٹل والوں کا رکشہ یا ٹیکسی ڈرائیور کو کمیشن دینا

سوال [٩٦٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) یہاں شہر آگرہ میں دوکانداروں اور ہوٹلوں کے مالکوں نے یہ طریقہ اپنا رکھا ہے کہ اگر کوئی رکشہ یا ٹیکسی والا کسی مسافر کو لے کر ہوٹل پر پہنچتا ہے اور مسافر اور ہوٹل کے مالک کا آپس میں قیام کے بارے میں معاملہ طے ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں مسافر ہوٹل کا جتنا کرایہ ادا کرتا ہے اس میں سے ۵/ فیصد یا دس فیصد مالک رکشہ یا ٹیکسی والے کو (جو مسافر ہوٹل پر لایا ہے) دیتا ہے۔ اور اگر مسافر اور ہوٹل والے کا آپس میں معاملہ طے نہ ہوا، جس کی بنا پر مسافر ہوٹل میں نہ ٹھہر سکا تو رکشہ وغیرہ والوں کو ہوٹل کی جانب سے کچھ نہیں ملتا ہے، اسی طرح رکشہ یا ٹیکسی والے مسافر کو کسی دوکان پر سامان کی خریداری کے لئے لے جاتا ہے اور مسافر اس کی دوکان سے کوئی سامان خرید لیتا ہے، تو بھی دوکاندار رکشہ والے کو ۵/ فیصد ادا کرتا ہے کہ گاہک دوکان پر لایا ہے، دونوں صورتوں میں رکشہ اور ٹیکسی والے اپنا لانے لے جانے کا کرایہ مسافر سے وصول کرتے ہیں، فی صدی رقم ہوٹل اور دوکان پر لے جانے اور دوکاندار یا ہوٹل مالک اور مسافر کا آپس میں معاملہ طے ہونے پر ملتی ہے، اور دوکان پر خریداری نہ ہونے کی صورت میں بھی رکشہ والے کو دس پانچ روپیہ ملتے ہیں، تو از روئے شرع اس معاملہ کا حکم کیا ہے؟ اور اس معاملہ سے حاصل شدہ رقم کا کیا حکم ہے؟

(٢) یہاں ایک کمیٹی قائم ہے جو رمضان میں زکوۃ کی رقم اکٹھا کرتی ہے اور اس میں سے

پورے سال مستحقین کو دیتی رہتی ہے، کبھی کبھی اس کا کچھ حصہ رمضان تک بچ بھی جاتا ہے، کمیٹی مزید زکوۃ اکٹھا کر لیتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

المستفتی: مفتی عبدالستار افضل العلوم، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب رکشہ یا ٹیکسی والے سواری کو لے کر کے ہوٹل یا مارکیٹ میں پہنچا دے اور سواری کا صاحب ہوٹل یا مارکیٹ سے آپس میں بیع وشراء ہوجانے کی صورت میں اگر صاحب ہوٹل یا صاحب مارکیٹ کچھ روپیہ رکشہ یا ٹیکسی والے کو بخوشی دے دے، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح اگر رکشہ یا ٹیکسی والے کا صاحب ہوٹل یا صاحب مارکیٹ سے فی سواری لانے میں ۵/ فیصد روپیہ آپس میں طے ہوجائے اور مارکیٹ والے فی سواری ۵/ فیصد روپیہ رکشہ والے کو دے دیں یا ٹیکسی والے کو دے دیں تو یہ درست ہے؛ لیکن مسافروں کے ساتھ دھوکہ بازی خرید وفروخت میں نہیں ہونی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۳۱۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۶۱۹)

قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه، كدخول الحمام. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ٦/ ٦٣، زكريا ٩/ ٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢)

(۲) اگر کمیٹی زکوۃ کی رقم اکٹھا کر کے زکوۃ کے مستحقین تک پہنچا دیتی ہو، تو یہ کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۲۷، جدید ڈابھیل ۹/ ۵۶۲) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۹)	۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

رقم پہنچانے کے فی سیکڑہ پانچ سو روپئے لینا

سوال [۹۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید دہلی میں کسی مسجد کا امام ہے اور عمر پٹنہ میں کسی مدرسہ کا مدرس ہے، پٹنہ کے رہنے والے جولوگ دہلی میں کام دھندہ کرتے ہیں، وہ اپنے روپئے گھر بھیجنے کے لئے زید کو روپئے دیتے ہیں، زید ان کے روپئے گھر پہنچانے کے عوض پانچ روپئے سیکڑہ کے حساب سے معاوضہ لیتا ہے، پھر زید عمر کو فون کے ذریعہ بتاتا ہے کہ فلاں شخص کو اتنا روپئے دے دو اور فلاں شخص کو اتنا روپئے دے دو، عمر جس شخص کا روپیہ ہوتا ہے اسے پہنچا دیتا ہے، آمد ورفت اور فون وغیرہ کرنے میں جو روپئے خرچ ہوکر بچتے ہیں انہیں زید اور عمر آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیتے ہیں، زید عمر کا پانچ روپئے سیکڑہ کے حساب سے روپئے لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جابر حسین، امام خضری وویکانند کالونی آدرش نگر، جے پور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید وعمر کا لوگوں کے روپئے ان کے گھر پہنچانے پر اجرت طے کرکے لینا جائز اور درست ہے، اس لی گئی رقم کو ان کے عمل (نقل وحمل) کی اجرت قرار دیا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۴۶)

كان ابن زبير -رضي الله عنه- يأخذ من قوم بمكة دراهم، ثم يكتب لهم بها إلى مصعب بن الزبير بالعراق، فيأخذونها منه، فسئل عن ذلك ابن عباس -رضي الله عنه- فلم يربه بأسا. وروى عن علي -رضي الله عنه أنه سئل عن مثل هذا فلم ير به بأسا. (المغني لابن قدامة، دار الفكر ٤/ ٢١١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۴؍۱۴۳۲ھ

گراہک بڑھانے کی اجرت

سوال [۹۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک کمپنی سے تجارت کا سلسلہ شروع کیا ہے، کمپنی کپڑا فروخت کرتی ہے اور کمپنی یہ کہتی ہے کہ ہمارے کپڑے کی قیمت تیرہ ہزار روپئے ہے اور جو ہمارا کپڑا خریدے گا وہ ہمارا پارٹنر ہو جائے گا، یہ کمپنی کا کہنا ہے؛ لیکن اس کی شکل یہ ہوگی کہ وہ ہمارا کپڑا دوسروں کو فروخت کروائے گا اور ایک گراہک پر ہم آپ کو پندرہ سو روپئے بطور چیک تمہارے گھر پہنچائیں گے، اسی طرح دو گراہکوں پر تین ہزار اور چار پر چھ ہزار کا چیک گھر پہنچے گا اور یہ چیک گراہک بنانے کے دس دن بعد پہنچے گا، اور کمپنی ایسا کر رہی ہے۔ اور اگر کسی کپڑا لینے والے نے ایک گراہک بھی نہ بنایا تو وہ صرف یہ کپڑا پہنے جو اس نے تیرہ ہزار کا خریدا ہے، اس کو اور کچھ نہ ملے گا؛ البتہ کمپنی یہ بھی کہتی ہے کہ آپ نے اگر ایک گراہک کو کپڑا دلوایا اور اس نے کسی اور کو دلوادیا اور یہ سلسلہ برابر سلسلہ وار چلتا رہا تو بھی کمپنی پہلے والے کو اور دیگر گراہکوں کو بھی سلسلہ وار کمیشن دے گی، تو یہ تجارت زید کی جائز ہوئی یا نہیں؟

مزید کمپنی کا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی ہمارا پارٹنر چار گراہک بنا دیتا ہے اور اس کے بعد اس کا یہ سلسلہ بند ہو گیا اور کوئی بھی کسی کو نہ بنا سکا تو ہم اپنے اس پارٹنر کو جس نے چار ہمارے گراہک بنائے ہیں، ایک مہینہ کی آمدنی سے ایک پرسینٹ اس کو روانہ کریں گے، یہ کمپنی ٹوس کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور ہندوستانی ہے، تو زید کی یہ تجارت کہاں تک صحیح ہوئی؟

المستفتی: احقر محمد اکبر قریشی قریشیان گڑھی سلیم پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے سوال نامہ میں کچھ چیزیں حد جواز میں داخل ہیں اور کچھ چیزیں حد جواز سے باہر ہیں، جو چیزیں حد جواز میں داخل ہیں ان میں: (۱) تیرہ ہزار روپئے جمع کر کے جو کپڑا آپ نے خریدا ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

(۲) وہ شخص براہ راست ممبر بن کر جن لوگوں کو ممبر بنائے گا، اس ممبر سازی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز ہے۔ اور کمپنی کے لئے اس کا دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ دلالی کی اجرت ہے، جو جائز ہے۔

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ۹/ ۸۷، كراچی ٦/ ٦٣، الفتاوى الولوالجية، مكتبه دارالأيمان سهارنپور ۳/ ٣٤٤، الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كراچی ۲/ ٦٠)

اس کے علاوہ کمپنی نے جو صورت بتائی ہے وہ جائز نہیں ہے، مثلاً پہلا ممبر جن لوگوں کو براہ راست ممبر نہیں بناتا ہے، نیچے والے ممبروں کی کارکردگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے؛ اس لئے نیچے والے ممبروں کی کارکردگی میں وہ نفع کا مستحق نہیں ہوسکتا، اسی طرح سلسلہ وار ممبر بننا اور بنانا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، شرح المجلة رستم، إتحاد ۱/ ٦۲، رقم المادة: ۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۱۳ھ

کمپنی کا گراہک کو بڑھانے پر اجرت دینے کا حکم

سوال [۹٦۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک کمپنی پندرہ سو روپے میں تین جوڑی کپڑے دے رہی ہے۔ اوراس نے اسکیم نکالی ہے کہ جوبھی ایک بار کپڑا لے گا اور کپڑے لینے والا، تین گراہک اور تیار کرے گا، تو کمپنی مہینہ میں پانچ سو پینسٹھ روپئے کمیشن دے گی اور جتنے گراہک بڑھیں گے اتنا ہی کمیشن بڑھتا جائے گا اور کپڑے لینے والے سے تین سو گراہک بن جائیں گے، تو کمپنی فری فوکٹ میں بیس ہزار روپئے مہینہ دے گی، کیا ایسا پیسہ لینے والے کے لئے یہ پیسہ جائز ہوگا یا حرام؟

المستفتی: حافظ چراغ الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کی یہ اسکیم کہ پندرہ سو روپے میں ۳/ جوڑی کپڑے ملیں گے، یہ تو بلا شبہ جائز اور درست ہے؛ لیکن کمپنی کی دوسری اسکیم کہ جو ممبر تین گراہک سے لے کر تین سو تک گراہک بنائے گا اس کو بیس ہزار روپئے ملیں گے، اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ پہلا گراہک اپنی محنت سے دوسروں کو ممبر بنائے گا یا اس کے بنائے ہوئے گراہک اپنی محنت سے تین سو ممبر بنائیں گے، جس میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے ان پیسوں کا لینا جائز نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کو اپنی محنت سے براہ راست تین سو ممبر بنانے پڑتے ہیں تو اس کے لئے پیسہ کا لینا دینا جائز اور درست ہے۔ اور اگر تین سو ممبر بنانے میں اس کی محنت کا دخل نہ ہو؛ بلکہ اس کے بنائے ہوئے ممبروں نے گراہک بنایا ہے، تو وہ پیسہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

عن حماد أنه كان يكره أجر السمسار إلا بأجر معلوم. (المصنف لابن أبي شيبة، في أجر السمسار، موسسة علوم القرآن ١١/ ٣٣٩، رقم: ٢٢٤٩٩)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، -إلى قوله- سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في

أجرة الدلال، زكريا ۹/ ۸۷، كراچی ٦/ ٦٣، الفتاوى الولوالجية، مكتبه دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٤٤ ٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۵ھ

ممبر سازی پر ملنے والا کمیشن جائز ہے یا ناجائز؟

سوال [۹۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آج کے اس سائنسی دور میں بہت ساری کمپنیاں بالکل انوکھے اور جدید طریقے سے تجارت اور بزنس کر رہی ہیں اور اپنی اس تجارت اور بزنس میں ملک کے تمام عوام کو شرکت کی دعوت دے رہی ہیں، اس طرح کی کمپنی میں ایک کمپنی RCM ہے جو کچھ رقم لے کر لوگوں کو اپنا ممبر بناتی ہے، مثلاً ایک ممبر سے پندرہ روپئے لے کر اس کو تقریباً: 1400/- روپئے کا کپڑا وغیرہ دے دیتی ہے اور اس ممبر کو اپنی مصنوعات جو کھانے پینے پہننے اور برتنے کی چیزوں پر مشتمل ہے، کچھ کمیشن پر دیتی ہے۔
نیز اس کے بعد جو لوگ اس کے ڈاؤن میں یعنی اس کے نیچے ممبر بنتے ہیں ان ممبران کی خریداری پر بھی ان ممبران کی ذاتی کمیشن دے کر ایک خاص تناسب کے ساتھ اوپر والے ممبران کو کمپنی کچھ کمیشن دیتی ہے اور اس طرح ایک ممبر کے ڈاؤن میں یعنی اس سے نیچے جس قدر زیادہ ممبران ہوتے ہیں اور خریداری کرتے ہیں، اسی قدر زیادہ سے زیادہ اوپر والے ممبران کو کمیشن ملتا ہے، بایں وجہ ہر نیچے والا نیا ممبر اس بات کی جدوجہد کرتا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ممبر بنیں اور خریداری کریں، تاکہ اس کے ڈاؤن لائن کی کثرت سے اس کا کمیشن روز بروز بڑھتا رہے، کیا مذکورہ کمپنی کے ساتھ اس طرح کی بزنس اور تجارت میں شریک ہونا جائز ہے؟ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کی طرف ایک فتوی اس کے جواز کا منسوب ہے، جو

اس سوال کے ساتھ منسلک ہے، اطمینان بخش اور مدلل جواب سے نوازیں۔ اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مذکور تجارت کے نفع سے کچھ رقم کمپنی فنڈ میں رکھتی ہے اور کچھ لوگوں کو قرعہ اندازی سے تقسیم کرتی ہے، اور کبھی کسی کی موت ایکسیڈنٹ ہو تو اس کے پسماندگان کو ایک خاص رقم عطیہ کی جاتی ہے، کیا یہ رقم لینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق پیرپینتی بازار، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پر غور کرنے سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ آر،سی، ایم کمپنی جو اپنے ممبر سے ۱۵۰۰ ؍روپئے لے کر اس کو ۱۴۰۰ ؍روپئے کا کپڑا دیتی ہے اور اس ممبر کو اپنی مصنوعات خریدنے پر کچھ کمیشن بھی دیتی ہے، تو بظاہر اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی کمپنی یا شوروم اگر اپنے ممبر کو اپنی مصنوعات خریدنے پر کچھ کمیشن دے، تو اس کو حق ہے کہ وہ اپنا مال جتنی رقم میں فروخت کرنا چاہے کرے۔ اور اس مال پر جتنی چھوٹ اور کمیشن رکھنا چاہے تو بھی اس کو اختیار ہے؟

(۲) دوسرے یہ کہ کمپنی سے جڑنے والا ممبر جب محنت کرکے اپنے نیچے ممبر بنائے گا اور پھر کمپنی اس نئے ممبر کی خریداری پر پہلے والے ممبر کو کچھ کمیشن دے گی، تو کمیشن کے طور پر ملنے والی رقم اس کی محنت کے عوض میں قرار دی جائے گی، بریں بنا یہ کمیشن اس ممبر کے لئے بلاشبہ جائز اور درست ہوگا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اس ممبر کے بنائے ہوئے ممبران جب اپنے نیچے نئے ممبران بنائیں گے اور پھر یہ ممبران بھی اپنے نیچے نئے ممبران بنائیں گے، تو اس تیسرے درجہ کے اسی طرح اس سے نیچے درجات کے تمام ممبران کی وجہ سے بھی پہلے درجہ کے ممبر کو کمیشن ملتا ہے، جب کہ اس صورت میں اس کی کوئی محنت نہیں ہوتی؛ اس لئے اس صورت میں اس کو ملنے والا یہ کمیشن کسی طرح جائز اور درست نہ ہوگا، اور اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں۔

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية، أشرفيه ديو بند ٨/ ٢١٩)

الـمـالک لـلشـيء هـو الـذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، زكريا ٢/ ٦٣٨، كراچی ٢/ ٣٢٧)

الـمـالک هـو الـمتـصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (تفسير بيضاوي، رشيديه ١/ ٧)

سـئـل مـحـمـد بـن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به . (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٥/ ١٥٥)

لا يـجـوز لأحـد مـن الـمسـلـميـن أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦٠)

عـن عـلـي –رضـي الله عنه– قال: كل قرض جر منفعة فهور با. (كنز العمال، الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٩٩، رقم: ١٥٥١٢)

لا يـحـل له أن يأخذ ما حكم له به الحاكم إذا كان لايستحقه. (نووي على هامش مسلم ١/ ٥٧)

عـن سليمان بن عمرو بن الأحوص، عن أبيه قال: سمعت رسول الله ﷺ يـقـول فـي حـجة الـوداع: ألا! إن كـل ربا كان فی الجاهلية موضوع عـنـكـم كـلـه، لـكم رؤس أموالكم، لا تظلمون ولا تظلمون. (أبوداؤد، باب الخطبة يوم النحر، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٣٠٥٥)

(۲) کسی ممبر کی موت ہونے کی صورت میں اس کے پسماندگان کو بطور عطیہ شرعی طور پر دینا جائز ہے، اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ لیکن قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کچھ ممبران کو دے دیا جائے اور کچھ ممبران کو نہ دیا جائے، یہ لاٹری کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

القرعة ثلاث: الأولیٰ: لإثبات حق بإبطال حق آخر، وإنها باطلة.

(الفتاوی التاتارخانية، زکریا ۱۷/ ۱۷۷، رقم: ٢٦٨٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۵۰)

کمپنی کا ممبر بنانے پر ملنے والی اجرت کا حکم

سوال [۹٦٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ کمپنیاں ہیں، جن سے ہونے والی آمدنی کے بارے میں شرعی حکم جاننا چاہتے ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس وقت کئی ایک کمپنیاں ہیں، جو ایک متعین رقم کے عوض میں اپنا ممبر بناتی ہیں، اس کے بعد ہر ہفتے ان کی طرف سے سروے آتا ہے جو کہ ممبر کو بھرنا ہوتا ہے، جس کے عوض وہ اپنے ممبر کو رقم فراہم کرتی ہیں، وضاحت کے لئے میں ایک کمپنی رام سروے کی مثال دیتا ہوں، رام سروے کمپنی ۳۵۰۰/ روپئے کی رقم کے عوض میں کسی بھی فرد کو اپنا ممبر بناتی ہے، ایک ہفتے میں اس کا سروے آتا ہے، جس کے عوض میں ۵۰۰/ روپئے ممبر کو دیا جاتا ہے، سروے کی رقم ۲۰۰۰/ روپئے ہو جاتی ہے، تو ممبر اس کو حاصل کرسکتا ہے، رقم حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں:

الف: بینک کے ذریعہ اس صورت میں بینک T.D.s. 15% اور سروس چارج کے طور پر کاٹ لیتی ہے۔

ب: سروے کی رقم جب ۳۵۰۰/ روپئے تک پہنچ جاتی ہے، تو اس سے کسی نئے شخص کو کمپنی میں جوڑ دیتے ہیں اور اس شخص سے ۳۵۰۰/ روپئے نقد لے لیتے ہیں، سروے انکم کے علاوہ ایک اور طریقہ سے کمپنی اپنے ممبر کو رقم دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی پرانا ممبر کسی نئے فرد کو کمپنی کے ساتھ جوڑ دیا ہے، تو اس کو کمیشن کے طور پر ۲۵۰/ روپئے ملتا ہے، نیز پہلے سے جڑ چکے کچھ دوسرے ممبر کو بھی اس کا فائدہ پہنچتا ہے، اس کمپنی کے ساتھ کچھ سامان بنانے والی کمپنیاں

منسلک ہیں، جو کہ اپنے سامانوں کے لئے سروے کرواتی ہیں، اگرچہ یہ پتہ لگانے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ کمپنیاں رام سروے کی خدمت اپنے سامانوں کے سروے کے لئے لیتی ہیں یا یہ کمپنی خود ہی اپنی طرف سے سروے کرواتی ہیں؟ سروے کچھ اس طرح کا ہوتا ہے:
شیمپو کے لئے سروے: آپ کا نام، آپ کی جنس، ماہانہ آمدنی، کیا آپ شیمپو استعمال کرتے ہیں؟ کون سا شیمپو استعمال کرتے ہیں، ہفتہ میں کتنی بار استعمال کرتے ہیں، کس کمپنی کا شیمپو استعمال کرتے ہیں؟ گھر کے کتنے افراد شیمپو استعمال کرتے ہیں؟ اپنے شیمپو میں آپ کون سی خوبی چاہتے ہیں؟ آپ شیمپو کہاں سے خریدتے ہیں، اس وقت رام سروے سا پیک ایشیاء اور اس جیسی کمپنیاں کام کررہی ہیں، جن کا طریقہ کار لگ بھگ ایک جیسا ہے ''ایرولائٹ'' کمپنی سروے کی جگہ ایک اشتہاری فلم دکھاتی ہے، اس اشتہاری فلم کو دیکھ کر دئے گئے سوالوں کا جواب دینا ہوتا ہے، باقی سب کچھ بقیہ کمپنیوں کی طرح ہے۔

آنجناب سے گزارش ہے کہ ان کمپنیوں کے طریقہ کار اور ان سے ہونے والی آمدنی کے بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں، ایسی صورت میں کمپنی سے ہونی والی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟ چند سوالات اور ہیں:

(۱) مان لیجئے کسی کا ۱۰۰۰۰/ روپئے کمپنی میں لگا ہوا ہے، تو کیا وہ اپنی اصل رقم کے حصول تک کمپنی میں کام کرسکتا ہے؟

(۲) اپنی اصل رقم سے زائد جو لوگ کمائی کرچکے ہیں، تو وہ اس رقم کا کیا کریں؟

(۳) ایسی صورت میں وہ رقم کسی غریب یا رفاہی ادارے کو دے دیں، تو کمپنی کے ساتھ جڑا رہ سکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ جو ۳۵۰۰/ روپئے لیا جاتا ہے، وہ ان کی ممبری فیس ہوتی ہے جو انہیں بعد میں واپس نہیں کی جاتی ہے۔

المستفتی: تنویر احمد بنارسی، پیلی کوٹھی، وارانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں غور کیا گیا کہ اس جیسی متعدد کمپنیاں اس وقت پورے ملک میں بہت سرگرم ہیں اور اس طرح کی کمپنیوں کے بارے میں شرعی طور پر

غور وخوض کیا گیا، ان میں سے کوئی بھی کمپنی کسی شرعی اصول کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، شروع میں جو پیسہ داخل کیا جاتا ہے، بعد میں ملنے والی جتنی بھی زائد رقم ہے وہ سب سود کے دائرہ میں داخل ہوتی ہے۔ اور سروے کی جو بات کہی گئی ہے اس کا پورا حاصل کمپنی میں شامل ہونے والے کے بارے میں تحقیق کے ذرائع ہیں، نیز اصل رقم سے زائد جو لوگ پیسے حاصل کر چکے ہیں، وہ پیسے نادار غریب لوگوں کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دیں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ غریب اور نادار لوگوں کو زائد پیسے دے دیا کریں گے، اس غرض سے سودی کام کرنا جائز نہیں، نیز کسی دینی ادارے مسجد یا مدرسے کو سود کا پیسہ دینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس میں سودی رقم خرچ کرنا جائز ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ابھی اسی ہفتہ میں معلوم ہوا کہ رام سروے کمپنی بھاگ گئی۔

وفي الشريعة: الربا: هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع لما بينا أن المبيع الحلال مقابلة مال متقوم بمال متقوم، فالفضل الخالى عن العوض إذا دخل في البيع كان ضد ما يقتضيه البيع، فكان حراما شرعا. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٠٩)

وأما ربا النسئة فهو الأمر الذي كان مشهورا متعارفا في الجاهلية، وذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرا معينا، ويكون رأس المال باقيا. (تفسير كبير ٧/ ٩١)

الربا يقتضى أخذ مال الإنسان من غير عوض؛ لأن من يبيع الدرهم بالدرهم نقدا أو نسيئة تحصل له زيادة درهم من غير عوض، ومال المسلم متعلق حاجته وله حرمة عظيمة ...... وأخذ الدرهم الزائد متيقن. (تفسير رازي ٧/ ٩٣، الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۳۲ھ

''انڈیاروز'' کمپنی کا ممبر بننا

سوال [۹۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''انڈیاروز'' ایک کمپنی ہے، اس میں داخلہ فیس ۱۵ر سوروپئے داخل کر کے دوسرے آدمی کو اس کمپنی کا ایجنٹ بنانا پڑتا ہے، اگر دائیں بائیں پانچ پانچ ایجنٹ بنا دیا ہے، تو اس آدمی کی تنخواہ پندرہ سوروپئے ہوگی، اسی طریقہ سے جتنے ایجنٹ بنائے گا اتنا ہی تنخواہ بڑھ جائے گی، کیا اس کمپنی کا کام کرنا جائز ہے؟

(۲) اس کمپنی کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس آدمی نے ایجنٹ نہیں بنایا تو پہلے جو پندرہ سو روپئے جمع کرایا تھا، اس کو سال میں دوگنا کر کے کمپنی دے دے گی، یہ صورت کیسی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ (یہاں پر اس کمپنی کا بہت رواج ہورہا ہے)

المستفتی: دفتر دینی تعلیمی بورڈ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں چونکہ کمپنی براہ راست ایجنٹ بنانے کے نتیجے میں اس کو ۱۵۰۰ر روپئے کا معاوضہ دے رہی ہے؛ اس لئے یہ شکل تو جائز ہے اور اس کمپنی میں کام کرنا بھی درست ہے؛ لیکن اگر دوسرے درجہ کے ایجنٹ نے کوئی ممبر بنایا اور اس کے نتیجہ میں پہلے درجہ کے ایجنٹ کو کمیشن دیا جاتا ہے، تو یہ شکل جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: از انوار رحمت، ص: ۲۵۸)

البيع مع تأجيل الثمن و تقسيطه صحيح. (شرح المجلة رستم، إتحاد ١/ ١٢٤، رقم المادة: ٢٤٥)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (شامي، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٧، بزازية، زكريا جديد ٢/ ٢٣، وعلى هامش الهندية ٥/ ٤٠)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩)

(۲) ممبر نہ بنانے کی صورت میں گویا کہ کمپنی کا ایجنٹ نہیں رہا اور سال کے اخیر میں کمپنی اس کے پیسے کے ساتھ ممبری سے خارج کرتی ہے، تو ایسی صورت میں اس کے جو پیسے کمپنی کے پاس رہے وہ اس کی طرف سے امانت یا قرض کے حکم میں ہوں گے۔ اور دونوں صورتوں میں ۱۵۰۰/روپئے پرزائد رقم سود کے درجہ میں ہے؛ اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

كل قرض جر نفعا حرام. (شامي، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ۷/ ۳۹۵، كراچی ۵/ ۱۶۶، طحاوي ۲/ ۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۶)	۱/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

دوسرے شخص کی ممبر سازی کا کمیشن لینا

سوال [۹۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''آر، ایم، پی'' ایک کمپنی ہے، جو اپنے پروڈکٹ (مثلاً انربی شیور، شولر لیمپ، پانی صاف کرنے کی مشین، گھر صاف کرنے کی مشین، مساجر، کپڑے، گھڑیاں، لیپ ٹاپ، فریج، موٹر سائیکل وغیرہ جیسے بیس سے پچیس پروڈکٹ ہیں) کو خریدار کے ہاتھ فروخت کرتی ہے، بغیر کسی شرط کے، نیز ہر پروڈکٹ کی قیمت متعین ہے، ہر کسی کے لئے ایک جیسی ہے، کمپنی خریدار سے کہتی ہے کہ اگر آپ کمپنی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، تو کمپنی کا کوئی بھی ایک سامان خرید کر کمپنی کے ڈسٹری بیوٹرس بن جائیے اور کمپنی کا ہر دو عدد سامان فروخت کر کے ایک ہزار روپئے محنتانہ لیجئے، گویا کمپنی ہر دو عدد سامان فروخت کرنے پر ڈسٹری بیوٹرس کو ایک ہزار روپئے دیتی ہے، حامد نے کمپنی کا ایک سامان شولر لیمپ خریدا، کمپنی نے حامد کو اپنا ڈسٹری بیوٹرس بنالیا، اب کمپنی حامد سے کہتی ہے کہ آپ کمپنی کا کوئی بھی دو عدد سامان فروخت کرو تو ہم آپ کو ایک ہزار روپئے دیں گے، حامد نے اسلم اور اکرم کو ایک ایک سامان فروخت کیا اور

منافع لیا، اب کمپنی حامد سے کہتی ہے کہ اگر یہ اسلم اور اکرم بھی کمپنی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، تو وہ لوگ بھی دو دو عدد سامان آپ کی رہنمائی مدد اور نگرانی میں فروخت کریں، تو انہیں بھی کمپنی ہر دو عدد فروخت کرنے پر ایک ایک ہزار روپئے اور حامد کو اپنے دو نئے ڈسٹری بیوٹرس کی نگرانی، مدد اور رہنمائی کی وجہ سے ہر دو عدد فروخت ہونے پر ایک ہزار روپئے دیتی ہے، گویا کمپنی ہر دو عدد سامان فروخت ہونے پر ہر ڈسٹری بیوٹرس کو جو ایک ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں، سبھی لوگوں کو ایک ایک ہزار روپئے دیتی ہے، اب حامد کے ساتھ اسلم اکرم اور نئے چار لوگ کل ملا کر سات عدد ڈسٹری بیوٹرس بن گئے، کمپنی کہتی ہے کہ اگر آپ ساتوں ڈسٹری بیوٹرس مل کر کمپنی کا آٹھ عدد سامان فروخت کرتے ہیں، تو کمپنی نئے بنے چار ڈسٹری بیوٹرس کو ایک ایک ہزار روپئے اور ان چاروں سے پہلے بنے کمپنی کے ڈسٹری بیوٹرس اسلم اور اکرم کو دو دو ہزار روپئے اور ان سے پہلے بنے دسٹری بیوٹرس حامد کو چار ہزار روپئے محنتانہ ادا کرتی ہے، گویا حامد کی ٹیم (جماعت) میں جوں جوں ڈسٹری بیوٹرس کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، کمپنی کے سامان کی فروخت بڑھتی جاتی ہے اور ڈسٹری بیوٹرس کی محنتانہ رقم بڑھتی جاتی ہے، واضح رہے کہ کمپنی کے سامان کی خرید وفروخت میں کوئی شرط نہیں ہے، نیز خریدار بالکل آزاد ہے، اگر کمپنی کا ڈسٹری بیوٹرس بننا چاہے تو بنے ورنہ سامان لے کر جائے، کمپنی کی طرف سے کوئی شرط نہیں، کوئی جبر نہیں، اس طرح کا کاروبار کرنا ہم مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

حامد

1000 + 2000 + 4000

اسلم 1000 + 2000 اکرم 1000 + 2000

1000 1000 1000 1000

مندرجہ بالا نمونہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر ڈسٹری بیوٹرس کو ہر دو عدد سامان فروخت ہونے پر ایک

ایک ہزار روپئے ملتا ہے، چونکہ یہ بزنس اجتماعی شکل میں ٹیم بنا کر کیا جاتا ہے؛ اس لئے ٹیم کے ہر فرد کو منافع ملتا ہے اور ٹیم میں ڈسٹری بیوٹرس کی تعداد جتنی بڑھتی جاتی ہے منافع بڑھتا جاتا ہے۔

المستفتی: مفتی آزاد قاسمی، الجامعۃ العربیہ معراج العلوم، چیتا کیمپ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: براہ راست ممبر سازی کی صورت میں اپنا کمیشن لینا جائز ہے؛ لیکن اپنے ذریعہ بنائے گئے ممبروں کے دوسرے ممبرس اور ڈسٹری بیوٹرس بنانے کی صورت میں پہلے ممبر کو اپنا کمیشن لینا از روئے شرع جائز نہیں ہے اور اجرت یا کمیشن صرف اپنی محنت یا عمل کے بدلے میں لینا درست ہوتا ہے۔ اور نگرانی کی جو بات کہی جارہی ہے وہ صرف نام کی ہے، حقیقت میں نگرانی بھی دوسرے درجہ کے ممبر ہی کی ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، کتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، کراچی ٦/ ٦٣، زکريا ٩/ ٨٧، تاتارخانية، زکريا ١٥/ ١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢)

الأجرة إنما تقوم بمقابلة العمل. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر، زکريا ٤/ ٣٠٧، کراچی ٣/ ١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۱۸ھ

ایجنٹ کے ذریعہ سے سرکاری دفاتر کا کام کرانا

سوال [۹۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زیدلوگوں کے سرکاری دفاتر کے کام کاج کراتا ہے، مثلاً ڈرائیورنگ لائسنس وغیرہ بنواتا ہے، اپنے آمدورفت کا خرچ اپنا حق المحنت اورافسران کورشوت دینے کی رقم لوگوں سے لے لیتا ہے، لوگ بھی بخوشی یہ سوچ کر زیدکو ذمہ داری دے دیتے ہیں کہ اگرخود سے گئے تو کئی بار آنا جانا پڑے گا، اپنے کام کا حرج ہوگا، سوالگ اورزیادہ رشوت دے کر اپنا مقصد حاصل ہوگا، زیدکتنی رقم رشوت میں دے گا، کتنا آمدورفت وغیرہ کا خرچ ہوگا اورکتنا حق المحنت لے گا، اس کی تفصیل بتائے بغیرلوگوں میں رقمیں لے لیتا ہےاورلوگوں کے کام کراتا ہے، اسی کوزید نے اپناذریعہ معاش بنارکھا ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) کسی ایجنٹ کے ذریعہ سرکاری یاغیرسرکاری کام کرانا جائز ہےاوراس کام میں آپس کے تراضی سے جوبھی پیسہ طے ہوجائے اس پیسہ کا دینااور لینا بھی جائز ہے، ہاں البتہ اگرایجنٹ سرکاری آفیسرکورشوت دے کرکام کراتا ہےاوروہ ایسا کام ہے جوبغیررشوت کے بھی ہوسکتا ہے، تورشوت دینے کا گناہ ایجنٹ کوہوگا، پیسہ دے کرکام کرانے والوں کونہیں ہوگا۔ اوراگروہ ایسا کام ہےجس کا کرانا بھی ضروری ہے اورآفیسر رشوت کے بغیرنہیں کرتا ہے، تواپنے حق کے وصول کے لئے یادفع مضرت کےطورپررشوت دیناجائز ہے، رشوت دینے والے پرگناہ نہیں ہوگا، لینے والے پرگناہ ہوگا۔

تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات، ويجعل لهم عمولة، ولهذا قاله ابناء عمه لو بعثتنا على هذه الصدقات فنؤدي ما يؤدي الناس ونصيب ما يصيبه الناس: أي العمولة، ولأن الوكالة عقد جائز لا يجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها بخلاف الشهادة. (الفقه الإسلامي، وأدلته ٤/ ٧٤٥، مكتبة الهدى ديوبند)

الثالث أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط. (شامي، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ۸/ ۳۵، كراچی ۵/ ۳٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۱۱۰۳۸)

دو فیصد پر پلاٹ بکوانے کے معاملہ کا حکم

سوال [۹٦۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ میں ایک صاحب نے زمین خریدی ہے، جو کہ ہر دھوکہ اور جھوٹ سے پاک صاف ہے، وہ اس زمین میں دوکانوں کی پلاٹنگ کررہے ہیں، ان صاحب کا کہنا ہے کہ ہماری یہ دوکانیں بکوائیے، ہم آپ کو دو پرسینٹ سے آپ کی محنت کا پیسہ دیں گے، اس میں خریدار سے کوئی لینا دینا نہیں۔ خریدار کو لانے میں کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کیا یہ پیسہ لینا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رفیق محلّہ پیتل نگری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ معاملہ دلالی کا ہے اور بیع وشراء اور خرید وفروخت میں بیچ میں جو دلال ہوتا ہے، اس کی اجرت جعالہ کے درجہ میں ہوکر جائز ہے۔ دو فیصد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اجرت من وجہ مجہول ہے اور من وجہ متعین ہے، خریداری کا معاملہ پکا ہونے سے پہلے پہلے مجہول ہے اور معاملہ پکا ہونے پر لین دین سے پہلے ہی اجرت متعین ہوجاتی ہے، مثلاً دس لاکھ روپئے کے پلاٹ کی قیمت متعین ہوگئی ہے، تو دو فیصد کے حساب سے دلال کی

اجرت متعین ہوگئی ہے، یہ لین دین سے پہلے ہی متعین ہوگئی ہے، اس طرح کے معاملہ کو تعامل ناس کی وجہ سے فقہاء نے جائز لکھا ہے۔

الحاصل: أن الجهالة اليسيرة عفو في ما جرى به التعامل؛ لكونها لا تفضي إلى النزاع عادة. (إعلاء السنن، باب أجر السمسرة، کراچی ١٦/ ٢٠٢، دارالکتب العلمية بيروت ١٦/ ٢٤٥)

أجرة السمسار ...... مما لا تقدير فيه للوقت ولا مقدار لما استحق بالعقد، وللناس فيه حاجة فكانت جائزة، وإن كان في الأصل فاسدا لحاجة الناس إلى ذلك. (الفتاوى الولوالجية، دارالأيمان سهارنپور ٣/ ٣٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۳ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
۱۴۳۶/۴/۳ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۷۵)

’’تم میرے لئے کوئی زمین تلاش کرو‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۹۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمران نے خالد سے کہا کہ تم میرے لئے کوئی زمین تلاش کرو؛ لیکن خالد جواب میں یہ کہتا ہے کہ زمین تو دیکھ لوں گا؛ لیکن مقررہ قیمت میں سے پچاس فیصد میں لوں گا، مثلاً زمین کی قیمت ایک لاکھ روپئے ہے، اب مشتری ایک لاکھ روپئے بائع کو دیتا ہے اور پچاس فیصد کے اعتبار سے پچاس ہزار روپئے خالد کو دیتا ہے، تو اب کیا خالد کے لئے یہ پچاس ہزار روپئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حاکم چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کا عمران سے یہ کہنا کہ زمین تو دیکھ لوں گا؛ لیکن مقررہ قیمت میں سے پچاس فیصد لوں گا شرعاً اس طرح کا معاملہ وکالت اور دلالی کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔ اور خالد اپنی محنت کے موافق مقررہ اجرت لے سکتا ہے۔

کل عقد جاز أن یعقده الإنسان بنفسه جاز أن یوکل به غیره. (هدایة، کتاب الوکالة، أشرفی دیوبند ۳/ ۱۷۷)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن کان في الأصل فاسدا لکثرة التعامل، وکثیر من هذا غیر جائز، فجوزوه لحاجة الناس إلیه. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، کراچی ۶/ ۶۳، زکریا ۹/ ۸۷، تاتارخانیة، زکریا ۱۵/ ۱۳۷، رقم: ۲۲۴۶۲)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

۴/ باب في فسخ الإجارة

بوقت ضرورت مالک کرایہ داری ختم کرسکتا ہے

سوال [۹۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر نے اپنی ایک دوکان بطور کرایہ لگ بھگ تیرہ سال پہلے ایک شخص قمرالدین ولد فخر الدین مرحوم کو دی تھی؛ لیکن اب مجھ کو اپنے چھوٹے لڑکے کے لئے ضرورت ہے، کافی کرایہ دار سے کہنے پر بھی وہ دوکان دینے کے لئے تیار نہیں ہے، جب کہ اس نے اس عرصہ میں اس دوکان کی آمدنی سے قصبہ عمری میں اپنے مکان کے ساتھ کچھ دوکانیں بھی بنوالیں اور اپنے تینوں لڑکوں کی شادیاں بھی کردیں، جب کہ ایک لڑکا گھر کی دوکان میں ہی دوکان کرتا ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ کیا شرعی حیثیت سے بوجہ ضرورت کرایہ دار کو میری دوکان واپس کرنی چاہئے یا نہیں؟ مجبور ہو کر میں نے عدالت میں بھی مقدمہ دائر کردیا ہے، امید ہے کہ احقر کو صحیح مشورہ سے رہنمائی کریں گے۔

المستفتی: محمد یونس استاذ اردو سیکشن مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قمرالدین نے اپنے لئے کرایہ پر لیا تھا تو شرعی طور پر قمر الدین مرحوم کی موت کے بعد دوکان اصل مالک کو واپس مل جانی چاہئے تھی؛ لہٰذا اب آپ کو اپنی دوکان واپس لینے کا شرعاً حق ہے، اگر آپ نے کرایہ پر دیتے وقت پگڑی کے نام سے کچھ لیا تھا تو اس کو واپس کردینا بھی لازم ہے، نیز مالک کو اپنی ضرورت کے لئے کرایہ پر دی ہوئی چیز واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة؛ لأنه لو بقي العقد تصير المنفعة المملوكة له أو الأجرة المملوكة

له لغير العاقد مستحقة بالعقد؛ لأنه ينتقل بالموت إلى الوارث، وذلک لا يجوز. (هداية، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، اشرفی ٣/ ٣١٥، مختصر القدوري، ص: ١٠٥، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٤٣، شامي، زكريا ٩/ ١٤٤، كراچی ٦/ ٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۶؍۱۴۱۸ھ

کیا مالک کو کرایہ کی دوکان وقت سے پہلے لینے کا حق ہے؟

سوال [۹۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک دوکان لکڑی کا اسٹال تقریباً چھبیس سال پہلے دو ہزار روپئے ڈپازٹ اور ماہانہ دوسو روپئے کرائے پر لیا، ایگریمنٹ گیارہ مہینے کا بنایا گیا، اس کے بعد سے اب تک مالک دوکان نے نہ کبھی اس کی مرمت کروائی اور نہ ہی الیکٹرک کی سہولت دی، جس کا سب خرچ زید برداشت کررہا ہے اور کرایہ بھی اب تک برابر ادا کررہا ہے او راب تک دوسرا ایگریمنٹ بھی نہیں بنایا گیا ہے، اب مالک دوکان کی بیوی کہتی ہے کہ دوکان واپس کردو، دوکان کا مالک حیات ہے، زید کئی بار اس سے ملنے گیا؛ لیکن وہ سامنے نہیں آیا؛ لہٰذا اس صورت میں زید کو دوکان واپس کرنی چاہئے یا نہیں؟ زید کا اس دوکان پر شریعت کے اعتبار سے کیا حق بنتا ہے؟

المستفتی: نذیر آفتاب پاکیزہ مارکیٹ، مولانا شوکت علی روڈ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر گیارہ مہینے کا ایگریمنٹ کرایا گیا ہے تو کاغذات کے اعتبار سے گیارہ مہینے کی مدت متعین ہے، اس سے پہلے خالی کرانے کا حق نہیں ہوگا۔ اور گیارہ

مہینے مکمل ہوجانے کے بعد مالک مکان کو کسی بھی مہینے میں خالی کرانے کا حق حاصل ہے، مگر اتنا خیال رکھا جائے کہ مہینے کے بیچ میں خالی نہ کرائے؛ بلکہ مہینے کے اختتام میں خالی کرائے، اب جب کہ مالک دوکان یا اس کی بیوی خالی کرانے کے لئے مطالبہ کررہے ہیں تو کسی بھی مہینے کے اختتام پر ان کو خالی کرانے کا حق ہے اور جو روپئے دخل دیتے وقت ڈپازٹ کے طور پر پیشگی جمع کیا گیا تھا، خالی کراتے وقت مالک سے وہ روپئے لینے کا حق ہے۔

ومن استأجر دارا كل شهر بدرهم، فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور إلا أن يسمى جملة الشهور معلومة؛ لأن الأصل أن كلمة "كل" إذا دخلت فيما لا نهاية له تنصرف إلى الواحد لتعذر العمل بالعموم. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ٣/ ٣٠٢، مختصر القدوري، ص: ١٠٤، مجمع الأنهر،دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٠، مصري قديم ٢/ ٣٨٢، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١٦، جديد ٤/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ر صفر المظفر ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٧٣٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٥/ ٢/ ١٤٢٦ھ

کرایہ داری کی مدت ختم ہونے سے قبل مالک کا دوکان خالی کرانا

سوال [٩٦٩٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے دوکان کرایہ پر لی، مدت مقرر کی ہو یا نہ کی ہو؛ لیکن اب دوکان مالک خالی کرنے کے لئے کہتا ہے تو اسے دوکان خالی کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر وہ خالی نہ کرے اور اس میں سامان بیچتا رہے تو اس کا نفع اور کمائی حلال ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق فوجی نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک دوکان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی

دوکان جب چاہے، خالی کرالے، کرایہ دار کا مطالبہ کے وقت خالی نہ کرنا اور زبردستی اس میں تجارت وغیرہ کرنا ظلم اور زیادتی ہے؛ البتہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بہرصورت کرایہ دار کے لئے حلال ہوگی واجب التصدق نہیں ہوگی، ہاں مدت ختم ہونے کے بعد سے جتنے دن اس دوکان کو خالی نہیں کیا اتنے دنوں کا مناسب اور صحیح کرایہ ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے۔ اور چاند پور کے مفتی صاحب کا لکھا ہوا فتویٰ جس میں دوکان کی آمدنی کو واجب التصدق کہا گیا ہے اس پر مفتی صاحب کو نظر ثانی کرنی چاہئے۔

استأجر دارا، أو حماما، أو أرضا شهرا، فسكن شهرين هل يلزمه أجر الثاني؟ إن معدا للاستغلال نعم وإلا لا، وبه يفتى. (شامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، زكريا ٩/ ١١٥، كراچی ٦/ ٨٤)

ولو آجر دارا شهرا بمائة، فسكنها المستأجر شهرين لزمه الأجر المسمى عن الشهر الأول، وأجر المثل عن الشهر الثاني إذا كانت الدار معدة للاستغلال. (شرح المجلة، إتحاد ١/ ٢٦٤، برقم: ٤٧٢)

فإن أعدها للإيجار فالخارج للزارع وعليه أجر المثل. (شامي، كتاب الغصب، مطلب مهم، زكريا ٩/ ٢٨٥، كراچی ٦/ ١٩٦، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٥٨)

وفي الذخيرة: وإن لم يحضر المالك حتى أدرك الزرع، فالزرع للغاصب وللمالك أن يرجع على الغاصب بنقصان الأرض بسبب الزراعة. (البحرالرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ٨/ ١١١، زكريا ٨/ ٢٠٢، هندية، زكريا قديم ٥/ ١٤٣، جديد ٥/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ جمادی الثانیہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٧١٢/٣٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٣/٦/٣ھ

اپنی ذاتی دوکان کرایہ دار سے جبراً خالی کرانا

سوال [٩٦٩٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری ایک دوکان کرائے پر ہے، کرایہ دار خالی نہیں کرتا، عدالت کے ذریعہ اگر خالی کرائی جائے تو نہ معلوم کتنا وقت لگے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ خالی ہوجائے، اگر جبراً اس سے خالی کرالے تو اس شکل میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: اگر اس سے ہم دھوکہ سے کسی کاغذ پر اس کا انگوٹھا لگوا کر اپنی مرضی سے یہ لکھالیں کہ میں نے دوکان خالی کردی ہے، تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ جنرل اسٹور بستی کرتپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرایہ دار کو دیتے وقت آپ پیشگی پگڑی کے نام سے زائد رقم لے چکے ہیں، تو جبراً یا دھوکہ دہی کا معاملہ آپ کے لئے درست نہیں۔ اور اگر شروع میں آپ نے پگڑی وغیرہ نہیں لیا ہے اور اب آپ کی ضرورت کے باوجو بغیر عذر شدید کے خالی نہیں کرتا ہے، تو دھوکہ سے دستخط یا انگوٹھا وغیرہ کے ذریعہ سے قانون کے تحت لانے کی گنجائش ہے۔

وقد اتفق الفقهاء على أنه لو جاء ظالم -إلى قوله- ليطلب وديعة لإنسان ليأخذها غصبا، وسأل عن ذلك وجب على من علم ذلك إخفاء ه وإنكار العلم به، وهذا كذب جائز. (نووي على هامش مسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/۱۱/۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۴۷)

کرایہ دار پر مدت کرایہ داری پوری ہونے پر دوکان خالی کرنا لازم ہے

سوال [۹۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ابراہیم نے ایک دوکان رفعت عالم کو دی، گیارہ ماہ کے لئے کرایہ نامہ لکھا گیا تھا اور

کرایہ دار نے پیشگی بارہ ہزار روپئے ادا کردیئے تھے، حالانکہ ساڑھے پانچ ہزار روپئے گیارہ ماہ کے ہوتے ہیں، اب محمد ابراہیم جو کہ مالک دوکان ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ساڑھے چھ ہزار روپئے جو باقی ہیں وہ رفعت صاحب لے لیں اور میری دوکان خالی کردیں؛ کیوں کہ مجھے ضرورت ہے اور یہی بات تحریراً دوکان دینے کے وقت طے تھی اور اسی طرح سے کرایہ دار سے یہ بھی طے تھا کہ دوکان میں کسی طرح کی تعمیری کام کرانا منع ہے اور کرایہ دار نے کچھ کام کرالیا ہے، تو کیا یہ جائز ہے ان کو، اور کیا مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، فرش مارول کا اور فرنیچر بنوایا اس کی قیمت مانگتا ہے، تو اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا یہ بات جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ابراہیم محمد اسماعیل تمباکو مرچنٹ محلّہ چمن سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف گیارہ ماہ کے لئے کرایہ داری کا معاملہ طے ہوا ہے، تو مدت کرایہ صرف گیارہ ماہ ہوگی اور مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو دوکان خالی کردینا لازم اور واجب ہوگا۔

الشرط لما صح به وجب الوفاء به شرعا. (قواعد الفقه، أشرفي ٨٥، رقم: ١٥١)

اور جب مالک نے کسی بھی قسم کے تصرف سے منع کردیا ہے، تو کرایہ دار کو فرش وغیرہ بنانے کا حق نہیں تھا۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفي، ص: ١٠٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة رستم، إتحاد ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

لہٰذا کرایہ دار اس عمل کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔ اور اگر فرنیچر وغیرہ جو کچھ بھی بنوایا ہے، وہ بآسانی بغیر نقصان الگ کرلیا جاسکتا ہے، تو الگ کرلے، ورنہ مالک اس کے ملبہ کی لاگت ادا کردے اور دوکان پر قبضہ کرلے اور کرایہ دار بغیر اجازت بنانے کی وجہ سے گنہگار تو ہوگا؛ لیکن اس کی چیز کو برباد کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

فإن كانت قيمة البناء أكثر يملكها صاحبه بالقيمة، وإن كانت قيمتها أكثر من قيمته لم ينقطع حق المالک عنها. الخ (الأشباه والنظائر، قديم، ص: ١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ ذیقعدہ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٢٨٨٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/ ١١/ ١٤١٢ھ

مالک مکان کا بخوشی کرایہ دار کو دوسری جگہ انتظام کرنے کے لئے روپئے دینا

سوال [٩٦٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جو کہ نئی آبادی گوئیاں باغ میں کھپریل پوش میں کرایہ دار رہتے تھے، بہت عرصہ سے تقریباً اس مکان میں بیس سال رہتے ہوئے ہوگئے، اچانک مالک مکان کو مکان کی ضرورت پڑی، مالک مکان نے اپنے تین کرایہ داروں سے کہا کہ ہمارا مکان خالی کردو، ہمیں مکان کی ضرورت ہے، اس پر تینوں کرایہ دار بولے کہ ہم کہاں جائیں گے، ہمارے پاس کوئی جگہ فوراً رہنے کے لئے نہیں ہے، مگر مالک مکان برابر اپنے تینوں کرایہ داروں سے اصرار کرتا رہا، کہ ہمارا مکان خالی کردو؛ لیکن تینوں کرایہ دار کی طرف سے مکان خالی کرنے میں تاخیر ہونے لگی، اس پر مالک مکان نے اپنے تینوں کرایہ داروں پر مقدمہ دائر کردیا، مقدمہ برابر تین سال تک چلتا رہا، تین سال کے بعد ان تین کرایہ داروں میں سے دو کرایہ داروں نے آپس میں فیصلہ کرکے مالک مکان سے مقدمہ اٹھوالیا اور پھر دونوں کرایہ دار نے مالک مکان سے پانچ پانچ ہزار روپئے لے کر مکان خالی کردیا، ان میں سے اب صرف ایک کرایہ دار بچے ہیں، جو کہ ایک مسجد کے امام ہیں، ان سے مالک مکان نے کہا کہ ان دو کرایہ دار کی طرف سے پانچ ہزار روپئے کا اقدام تھا، کہ آپ ہمیں پانچ ہزار روپئے دے دو، تو ہم مکان خالی کردیں گے، ان کو میں نے پانچ ہزار روپئے بالجبر دیا ہے؛ لیکن آپ کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہے روپئے پیسے کا، نہ آپ سوال کررہے ہیں؛ لہٰذا میری خواہش ہے کہ میں آپ

کو بھی پانچ ہزار روپئے دے دوں اور میں اپنی خوشی سے آپ کا بھی مقدمہ عدالت سے اٹھا لیتا ہوں اور میں آپ کو اپنی خوشی سے پانچ ہزار روپئے دوں گا، آپ اس روپئے کو خوشی سے لے لو؛ کیوں کہ یہ روپئے میں آپ کو خوشی سے دے رہا ہوں؛ کیوں کہ آپ نے مجھ سے مانگا نہیں، نیز آپ ایک غریب آدمی ہیں، ایک مسجد کے امام بھی ہیں، آپ اس روپئے کو لے کر اپنی خوشی سے دوسرا انتظام کر لیجئے گا، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے، اب ایک شبہ رہ جاتا ہے کہ یہ روپئے جو امام صاحب کو ملا ہے یہ روپئے امام صاحب کے لئے حرام ہے یا حلال؟ اس امام صاحب کے پیچھے مقتدیوں کا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ صحیح فرمائیں۔ بینوا توجروا

نوٹ: اس مکان کے بارے میں میں نے تقریباً چار ہزار روپئے خرچ کئے ہیں۔

المستفتی: حافظ سلطان احمد، امام مسجد لال کوٹھی والی محلہ مغل پورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی کرایہ دار مجبور ہے، مکان خالی کر دینے میں اہل وعیال پریشانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اپنی حیثیت کے مطابق دوسرا مکان نہ ملے اور مالک مکان بار بار اصرار اور مجبور کرتا ہو اور مکان کے مالک نے اپنی مرضی سے غریب نادار کے عائلی انتظام کے لئے کچھ دیا ہو، تو وہ حلال ہے، اس صورت میں امام صاحب کو فاسق قرار دے کر ان کے پیچھے نماز کو مکروہ ثابت کرنا صحیح نہیں ہوگا؛ بلکہ نماز بلا کراہت درست ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/ ۲۵۸، جدید زکریا ۹/ ۲۸۶)

نیز اگر کرایہ دار نے اپنے آرام وراحت کے لئے کچھ خرچ کیا ہے، وہ مالک مکان اپنی خوشی سے دے دے تو لینا جائز ہے، زبردستی نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ) اور مذکورہ اعذار کے نہ ہونے کی صورت میں کرایہ دار سے مالک مکان جب چاہے مکان خالی کرا سکتا ہے، کرایہ دار کا ٹال مٹول کرنا اور پگڑی وصول کرنا ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۷)

کرایہ دار کا مکان میں لگایا ہوا پیسہ مکان مالک سے وصول کرنا

سوال [۹۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کرایہ دار نے جو پیسہ مکان میں اس کی درستگی کے لئے لگایا ہے، کیا وہ اس پیسے کو مکان خالی کرتے وقت مکان مالک سے لے سکتا ہے؟

المستفتی: امیر حسین اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مکان مالک نے مرمت کی اجازت دی ہے، تو صورت مسئولہ میں کرایہ دار کو مکان پر صرف کیا ہوا پیسہ لینا درست ہے، وہ اس کا حق ہے اور مکان مالک پر واجب ہے کہ اس کو ادا کردے ورنہ گنہگار رہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۹۰، ۱۱/۳۲۳، ڈابھیل ۱۷/ ۱۲۹)

وعمارة الدار المستأجرة وتطيينها وإصلاح الميزاب، وما كان من البناء على رب الدار. (درمختار على الشامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، زكريا ۹/ ۱۰۹، كراچی ٦/ ۷۹، تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۹۸، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٥٥، جديد ٤/ ٤٩٢، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١٥/ ١٤٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٥٥٥، مصري قديم ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المراجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۹ھ

کیا کرایہ دار کے مرنے سے کرایہ داری ختم ہوجاتی ہے؟

سوال [۹۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص ڈاکٹر محمد ایوب صاحب نے اپنی زندگی میں ایک آراضی کرایہ پر لے کر مالک آراضی کی مرضی سے اپنے پیسہ ورقم سے اس پر عمارت تعمیر کرلی تھی، اب ان کا انتقال ہوگیا، ان کے کوئی بیٹا نہیں ہے، انہوں نے اپنے مرنے کے بعد اپنی بیوہ بلقیس بیگم اور ایک دختر بازغہ ایوب اور تین بھتیجے چھوڑے جو بڑے بھائی کے بیٹے ہیں، اس طرح شرعی حیثیت سے عمارت اور اس کی کرایہ داری میں کس کس کو کتنا کتنا حق پہنچتا ہے؟

نوٹ: ضروری مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں حق کرایہ داری کس کو حاصل ہوگا، محمد ایوب کی لڑکی بازغہ کو یا بیوی بلقیس کو یا بھتیجوں کو یا تمام ورثاء کو، جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتی: اکبر حسین محلہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد ایوب کرایہ دار کا جب انتقال ہوگیا تو شرعی طور پر کرایہ داری ختم ہوچکی ہے، اس میں محمد ایوب مرحوم کے ورثاء کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی؛ بلکہ اصل مالک کو واپس کردینا لازم ہوگا؛ البتہ محمد ایوب نے مالک کی اجازت سے اس کی تعمیر میں جو رقم خرچ کی ہے، وہ رقم مالک سے وصول کرسکتے ہیں اور وہ رقم آٹھ سہام میں تقسیم ہوکر بیوی بلقیس کو ایک دختر بازغہ کو چار اور بھتیجوں کو ایک ایک ملے گا اور عمارت وآراضی مالک کو واپس کردیں۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة

(هندية، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، اشرفي ۳/ ۳۱۵، شامي، زكريا ۹/ ۱۱٤، كراچی ٦/ ۸۳، مختصر القدوري، ص: ۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱/ ۱۴۱۷ھ

کرایہ دار کے انتقال ہونے کی صورت میں کرایہ داری کا حکم

سوال [۹۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد انیس مرحوم بحیثیت کرایہ دار مسجد سے ملحقہ جگہ پر جو کہ مسجد کی ہے، اپنا ذاتی کاروبار کرتے تھے، جس میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا، چونکہ وہ جگہ مسجد کی ہے؛ اس لئے اس کا کرایہ بھی اپنے نام سے رسید لے کر وہ مسجد کو ہی ادا کرتے تھے، ان کے وارثین میں بیوہ زوجہ کے علاوہ ۲رلڑکے اور ۴رلڑکیاں ہیں، جو کہ نابالغ ہیں، ہاں ایک لڑکا اس عمر کو پہنچ چکا ہے، کہ وہ اپنا کاروبار بذات خود اچھی طرح کر سکے، جب کہ مرحوم کے والد اور بھائی بھی حیات ہیں، ایسی صورت میں جناب والا سے استدعا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتانے کی زحمت گوارہ کریں کہ اس جگہ پر اب کس کا حق بنتا ہے؟ زوجہ، بیوہ اور بچوں کا یا والد اور بھائی کا؟

(نوٹ): مذکورہ آراضی پر قبضہ کرتے وقت پگڑی یا یکمشت رقم دیئے بغیر صرف سادہ کرایہ داری پر معاملہ ہوا تھا۔

المستفتی: محمد جاوید محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے مطابق واضح ہوتا ہے کہ یہ خالص اجارہ کا معاملہ ہے، اور ایسے امور میں شرعی حکم یہی ہے کہ جب کرایہ دار کا انتقال ہو جائے، تو معاملہ شرعاً فسخ ہو جاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جگہ مسجد کو واپس کر دینا لازم ہے۔ اور پھر مسجد کے ذمہ داران اپنی مرضی سے جس کو مناسب سمجھیں کرایہ پر دے سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں کسی کو نہ دیں؛ لہٰذا اس میں مرحوم کے ورثاء کا کوئی حق شرعاً متعلق نہیں ہے۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة

(هداية، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، اشرفي ۳/ ۳۱۵، مجمع الأنهر، دارالكتب العليمة بيروت ۳/ ۵۵۹، مصري قديم ۲/ ۴۰۱، شامي، زكريا ۹/ ۱۱۴، كراچی ۶/ ۸۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۱۴ھ

کیا کرایہ دار کے مرتے ہی معاملۂ اجارہ فسخ ہوجاتا ہے

سوال [۹۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لال محمد نے ایک زمین کرایہ پر جنگو خاں سے لی، پھر لال محمد کا انتقال ہوگیا، توانہوں نے اپنے ورثاء میں تین لڑکے: (۱) احمد حسین (۲) اقبال حسین (۳) جبار حسین چھوڑے (ایک لڑکی مجیداً جو باپ لال محمد کے سامنے انتقال کرگئی) پھر مذکورہ زمین کرایہ پر اقبال حسین کے نام آگئی اور رسید اقبال حسین کے نام آتی رہی اور پھر اقبال حسین کا انتقال ہوگیا، توانہوں نے اپنے ورثاء میں ۴/لڑکے: (۱) اعجاز حسین (۲) ممتاز حسین (۳) مختار حسین (۴) سرفراز حسین، ایک لڑکی عشرت جہاں کو چھوڑا، پھر ممتاز حسین کے نام رسید جاری ہوگئی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس زمین میں مذکورہ بالا تمام ورثاء حق دار ہوں گے یا جن کے نام کرایہ کی رسید آتی ہے وہی کرایہ دار مانے جائیں گے اور انہیں کو اس زمین کو لینے کا حق ہوگا؟

نوٹ: مالک زمین کے ورثاء نے اس کو خالی کرانے کے لئے اور اپنے اختیار میں لینے کے لئے مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہے، ایسی صورت میں زمین شریعت کی رو سے کس کو ملے گی؟

المستفتی: مختار حسین اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب لال محمد نے اپنے لئے مذکورہ زمین مالک زمین جنگو خاں سے کرایہ پرلی ہے،تو شرعی طورپر لال محمد کے مرنے کے بعد جنگو خاں یا ان کے ورثاء کو واپس ملنی چاہئے،اب جب جنگو خاں کے ورثاء واپس لینا چاہتے ہیں،تو ورثاء کو واپس کردینا لازم ہوگا۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة (هداية، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، اشرفي ۳/ ۳۱۵، مختصر القدوري، ص: ۱۰۵، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۴۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العليمة بيروت ۳/ ۵۵۹، مصري قديم ۲/ ۴۰۱، شامي، زكريا ۹/ ۱۱۴، كراچی ۶/ ۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۳ھ

۵/ باب الاستئجار علی الطاعات

اجرت لےکر دینی تعلیم دینا اور طلبہ کی غیری حاضری پر مالی جرمانہ وصول کرنا

سوال [۱۰۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم پر ماہانہ طلبہ سے فیس مقرر کرکے پڑھانا کیسا ہے؟

(۲) طلبہ کی غیر حاضری پر یومیہ مالی جرمانہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابصار احمد موضع براؤتی حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ماہانہ فیس لےکر دینیات کی تعلیم جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۱۵، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۰۷)

وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى . (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ٣/ ٣٠٣، شامي، زكريا ٩/ ٧٦، كراچى ٦/ ٥٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٢٤، زكريا ٦/ ١١٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ١٠٠)

(۲) غیر حاضری کا مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ مصلحت کے طور پر جرمانہ لیا جائے اور آخری سال میں سب ان کو واپس کردیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۵۴۳)

ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب لكن ...... أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال –إلى قوله– وأرى أن يأخذه فيمسكه مدة للزجر، ثم يعيده لا أن يأخذه لنفسه، أو لبيت المال.

(مجمع الأنهر، کتاب الحدود، فصل في التعزیر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۳۷۱-۳۷۲، مصري قدیم ۱/ ۶۱۷، شامي، زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی ٤/ ٦٠- ٦١، البحر الرائق، زکریا ٥/ ٦٨، کوئٹه ٥/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۶۶)

امامت کی اجرت طے کرنا

سوال [۹۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا پنجوقتہ نماز پڑھانے والے امام کو طے کرکے نماز پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے؟ اور کیا امام نماز پڑھانے کی اجرت طے کرسکتا ہے؟ اور کیا طے کرکے نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

المستفتی: ایم آر جامعی گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنجوقتہ امام کو طے کرکے امامت پر اجرت لینا جائز ہے اور ایسے امام کے پیچھے بلا کراہت نماز صحیح ہوگی، مگر رمضان میں صرف قرآن سنانے کی اجرت جائز نہیں اور نہ ختم تراویح کی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۰)

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الاستئجار علی التلاوة والتهلیل، زکریا ۹/ ۷٦، کراچی ٦/ ٥٥، تبیین الحقائق، زکریا ٦/ ۱۱۷، إمدادیه ملتان ٥/ ۱۲٤، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٥۳۳، مصري قدیم ۲/ ۳۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

ائمہ مساجد ومؤذنین کے لئے حکومت سے ملنی والی تنخواہ لینا کیسا ہے؟

سوال [۹۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بنگال حکومت نے بطور امداد ائمہ مساجد ومؤذنین کو کچھ رقم دینے کا اعلان کیا ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکومت مسلمانوں کے لئے دینی معاملہ میں کوئی دخل اندازی نہیں کرے گی؛ لہٰذا حکومت کی اس امداد کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: خورشیدر بانی، امام بلال مسجد، توپیسہ روڈ، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے نظام میں اگر سرکاری امداد کی وجہ سے کوئی خلل اندازی نہیں ہوتی ہے اور آئندہ سرکار کی طرف سے کسی قسم کی دخل اندازی کا اندیشہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں سرکاری امداد لینے کی گنجائش ہے، ورنہ سرکاری امداد لینے سے احتیاط ضروری ہے۔

فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم، وقوله: بخلاف ما لو وقف على مسجد بيت المقدس، فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٨٩-١٩٠)

ولو أوصى بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين أو يبنى به مسجدا للمسلمين إن كان ذلك لقوم بأعيانهم صحت الوصية، وتعتبر تمليكا لهم. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن: في وصية الذمي والحربي، زكريا قديم ٦/ ١٣٢، جديد ٦/ ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۷۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۲/۱۴۳۶ھ

آدمی کا لڑکیوں کو اور خاتون کا لڑکوں کو تعلیم دینا

سوال [۹۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے؛ لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے اور استاذ کو بعض اوقات اس طرح تدریس کا فریضہ انجام دینا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں، تو کیا ایسی ملازمت جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قمر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے بالغ لڑکوں کو باقاعدہ درس وتدریس کے طور پر پڑھانا جائز نہیں ہے، کبھی بھی فتنہ ہوسکتا ہے، اسی طرح مرد کے لئے بالغ لڑکیوں کو پڑھانا جائز نہیں، اس میں بھی فتنہ اور برائی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے اور ایسے ہی بالغ لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم شریعت میں جائز نہیں؛ اس لئے کہ کبھی بھی لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ناجائز تعلقات پیدا ہونے کا خطرہ موجود ہے اور موجودہ دور میں مخلوط تعلیمی نظام کا غلبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز چیز جائز نہ ہوگی؛ کیوں کہ خلاف شرع رواج کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ.﴾ [النور: ۳۰-۳۱]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ.﴾ [الأحزاب: ۳۳]

عن جابر -رضي اللّٰه عنه- عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لاتلجوا على

المغيبات، فإن الشيطان يجري من أحدكم مجرى الدم. (ترمذي، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات، النسخة الهندية ١/ ٢٢٢، دارالسلام، رقم: ١١٧٢، سنن الدارمي، دارالمغني ٣/ ١٨٣١، رقم: ٢٨٢٤، حجة الله البالغة ٢/ ٣٢٩)

عن عبدالله -رضي الله عنه- عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (ترمذي، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات، النسخة الهندية ١/ ٢٢٢، دارالسلام رقم: ١١٧٣، مسند البزار ٥/ ٤٢٧، رقم: ٢٠٦١، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨١٣-٨١٤، رقم: ١٦٨٣-١٦٨٦)

عن عبدالله بن مسعود -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: إن النظرة سهم من سهام إبليس مسموم. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ١٧٣، رقم: ١٠٣٦٢، رستم المفتي، ص: ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴۲)

ٹیوشن کی اجرت کا شرعی حکم

سوال [۹۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل بہت سارے لوگ اپنے بچوں کو گھروں پر ٹیوشن کے ذریعہ قرآن کریم پڑھواتے ہیں، کیا اس کی اجرت متعین یا غیر متعین کرکے لینا درست ہے؟ البتہ اگر لڑکی نابالغ مشتہاۃ ہو یا نابالغ غیر مشتہاۃ ہو تو ان کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد شاکر رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر میں بچوں کی تعلیم کے لئے کسی معلم کا انتظام کرنا شرعاً جائز ہے اور پڑھانے والے کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ تلاوت

قرآن کی اجرت نہیں ہے؛ بلکہ تعلیم قرآن کی اجرت ہے اور تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن میں بہت بڑا فرق ہے؛ البتہ جو لڑکیاں قریب البلوغ اور مشتہاۃ ہیں، وہ بالغہ کے درجہ میں ہیں ان کو شرعی پردہ اور شرعی حدود کے بغیر کسی معلم مرد کا تعلیم دینا جائز نہیں؛ بلکہ ایسی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کسی پڑھی لکھی عورت کا انتظام کرنا بہتر ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: خطبنا عمر بالجابية ...... ألا! لا يخلو ن رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. (سنن الترمذي، باب ماجاء في لزوم الجماعة، النسخة الهندية ٢/ ٣٩، دارالسلام، رقم: ٢١٦٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٩/ ٢٧١، رقم: ٣٨١٧)

المفتى به جواز الأخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ٧/ ٧٧، كراچی ٦/ ٥٦)

وعن محمد: وإذا كانت تشتهى ويجامع مثلها، فهي كالبالغة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٣١، كراچی ٦/ ٣٦٩)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ٢/ ٧٩، كراچی ١/ ٤٠٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ١٣٤، ٤٢/ ٣٦٥)

نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ٢/ ٧٨، كراچی ١/ ٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۰۳)	۱۴۳۳/۵/۲۵ھ

حرام کاروباری کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا اور اس کی اجرت لینا

سوال [۹۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: خنزیر کے برش بنانے والوں کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اجرت لینا، نیز نکاح پڑھانا، نذرانہ لینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: علی صدیقی اصغر منزل شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حرام مال ہی سے اجرت یا ہدیہ دیتا ہے اور ٹیوشن پڑھانے والے اور نکاح پڑھانے والے کو ان کا علم بھی ہے تو جائز نہیں ہے۔

عن ابن مسعود -رضي الله عنه- قال: جاء إليه رجل، فقال: إن لي جارا يأكل الربا، وإنه لا يزال يدعوني، فقال: مهنأة لک وإثمه عليه، قال سفيان: إن عرفته بعينه لاف تصبه. (مصنف عبدالرزاق، باب طعام الأمراء وآكل الربا، المجلس العلمي ۸/ ۱۵۰، رقم: ۱٤٦۷۵)

وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال أو ورثته أو استقرضته. (مجمع الأنهر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۸٦، مصري قديم: ۲/ ۵۲۹، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳٤۳، جديد ۵/ ۳۹۷، البناية، اشرفيه ۱۲/ ۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

قبروں پر قرآن پڑھنے کے عوض جوڑا ہدیہ قبول کرنا

سوال [۹۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام درگاہ والی مسجد میں امامت کرتا ہے اور قبروں پر قرآن پڑھتا ہے، اس کے بعد قبر والوں کے ورثاء سے جوڑا کپڑا، مٹھائی، پیسہ وغیرہ لیتا ہے، تو اس طرح قبروں پر قرآن پڑھنا اور اس پر جوڑا، کپڑا، مٹھائی وغیرہ لینا کیسا ہے؟ جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: تنوشاہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوڑا کپڑا، مٹھائی وغیرہ حاصل کرنے کی نیت سے جو قرآن پڑھا جاتا ہے، اس کا ثواب نہیں ملتا ہے اور قرآن پڑھ کر جوڑا کپڑا، پیسہ، مٹھائی وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/ ۵۱۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۹، رشیدیہ جدید مبوب ۴۹۰)

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ، ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطى آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ٩/ ٧٧، كراچی ٦/ ٥٦، البناية، أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٣٧، تنقيح الفتاوى الحامدية / ٢/ ١٢٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۱۵ھ

مقرر کا وعظ کے لئے رقم طے کرنا

سوال [۹۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض مقررین تقریری پروگرام کے لئے رقم طے کرتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ اتنے روپئے دوگے تو جاؤں گا ورنہ نہیں، تو مقررین کا یہ طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے مقررین اور طے شدہ رقم دے کر مقررین سے تقریر کروانے والے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں مقرر احکام شرع پر عمل نہیں کرتا یہاں تک کہ فرائض وواجبات کا بھی تارک ہے، تو اس مقرر کو تقریر کے لئے مدعو کرنا عند الشرع کیسا ہے؟

المستفتی: راشد علی (کاتب) پیپل سانہ، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی مقرر اور خطیب کا پیشہ ہی وعظ گوئی ہے، تو اس کے لئے اجرت طے کرنا جائز اور درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، ص:۵۱۳، جدید مبوب:۴۹۱)

ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان (تحته في الشامية:) وزاد بعضهم الأذان، والإقامة، والوعظ. (الدر مع الرد، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ۹/ ۷٦، كراچی ٦/ ۵۵، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳، مصري قديم ۲/ ۳۸٤)

اوراگر نوکری اور پیشہ نہیں ہے، تو طے کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۸۹)

اور کرایہ لینا اور بخوشی پیش کردہ نذرانہ کا قبول کرنا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: تهادوا تحابوا. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۳٦۲، رقم: ٦۱۲۲، السنن الكبرى للبيهقي، باب التحريض على الهبة، دارالفكر ۹/ ۱۵٤، رقم: ۱۲۱٦۱، الأدب المفرد، ص: ۱۸۰، رقم: ۵۹٤)

فرائض وواجبات کا بالقصد بلا عذر ترک کرنے والا شرعاً فاسق ہے۔ اور فاسق کی عظمت واعزاز ممنوع ہے۔ اور امور دینیہ میں اس کی اہانت کا حکم ہے؛ لہٰذا فرائض وواجبات کے تارک کو دینی جلسوں کے اسٹیج کی زینت بنانا ممنوع ہے؛ اس لئے اس کو خطیب کی حیثیت سے مدعو کرنا بھی ممنوع اور مکروہ ہوگا۔

كما استفيد من عبارة المراقي ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعا، فلا يعظم بتقديمه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب الإمامة، قديم، ص: ۱٦۵، دارالكتاب ديوبند، ص: ۳۰۲–۳۰۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱/ ۳۱۷۸)

مقررین حضرات کا تقریروں پر اجرت لینا

سوال [۹۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں بہت سے مقررین حضرات ہیں جو اپنی تقریروں پر اجرت لیتے ہیں اوران میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک ایک تقریر پر اب دو ہزار روپیہ سے زائد لے رہے ہیں، تو کیا ان حضرات کا تقریر پر اجرت لینا شرعاً درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیوں؟ جب کہ تقریر طاعت ہے، دلائل کے ساتھ تفصیلی جواب سے نوازیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

المستفتی: محمد عثمان غنی، متعلم مدرسہ بحر العلوم بکولتلہ ۲۴؍ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مطالبہ کئے بغیر بطور نذرانہ دئے جانے پر لیتے ہیں تو گنجائش ہے۔ اور اگر واعظ از خود مطالبہ کر کے لیتا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے؛ البتہ اپنے حبس الوقت کی مناسب اجرت لے سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۸۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: تهادوا تحابوا. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٣٦٢، رقم: ٦١٢٢)

ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان (تحته في الشامية:) وزاد بعضهم الأذان، والإقامة، والوعظ. (الدر مع الرد، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ٩/ ٧٦، كراچی ٦/ ٥٥، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٣، مصري قديم ٢/ ٣٨٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

نعت وتقریر، قوالی اور تراویح کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جلسہ سیرت النبی میں نعت وتقریر کرتے وقت علماء وشعراء کو سامعین یا علماء بطور شکریہ روپیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اجازت ہے تو قوالی مشاعرہ اور رقص وغیرہ کی مجلسوں میں روپیہ دینے میں کیا فرق ہے؟ حدیث: ''من تشبه بقوم فهو منه'' آیت: ﴿والشعراء يتبعهم الغاؤن﴾

ان نصوص کی صراحتاً وضاحت فرمائیں، تاکہ کوئی تعارض باقی نہ رہے۔

(۲) ایک شاعر کا دعویٰ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شعر پڑھتے وقت اپنی چادر عنایت کی تھی مع سند رجال تحریر کریں؟

(۳) کچھ پیشہ ور اور صاحب نصاب کروڑ پتی علماء شعراء، نعت خوانی اور وعظ ونصیحت کی اجرت باقاعدہ طے کرتے ہیں کیسا ہے؟

(۴) اگر جواز ہے تو رمضان شریف میں حفاظ کرام کو تحفہ دینا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں سلف صالحین اور اکابرین امت کا کیا عمل رہا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف قاسمی ککرا ٹاؤن، لکھیم پور، کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قوالی اور موجودہ زمانے کے مشاعرے اور رقص وغیرہ شرعاً جائز نہیں ہیں؛ اس لئے ان میں پیسے لینے دینے کا بھی سوال نہیں ہوتا، ہاں البتہ جلسۂ سیرت النبی وغیرہ میں نعت پڑھنے والے کو نعت پڑھتے وقت اور تقریر کرنے والے کو تقریر کرتے وقت سامعین کچھ دے دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وعلى هذا الحداء وقراءة الشعر وغيره ولا أجر في ذلك هذا كله عند أئمتنا الثلاثة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع ......

زکریا قدیم ٤/ ٤٤٩، جدید ٤/ ٤٨٦، البناية، أشرفيه ١٠/ ٢٨٣، حاشية چلپی، إمداديه ملتان ٥/ ١٢٥، زكريا ٦/ ١١٨)

وفي المحيط: إذا أخذ المال من غير شرط يباح له؛ لأنه عن طوع من غير عقد. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٣، مصري قديم ٢/ ٣٨٤، البناية، اشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٢٥، زكريا ٦/ ١١٩)

آیت شریفہ: ﴿**والشعراء يتبعهم الغاؤن**﴾ کی وعید میں قوالی اور رقص کرنے والے اور موجودہ زمانے کے مشاعرے جن میں شاعرہ عورتوں کی بھی شرکت ہوتی ہے، داخل ہیں، اس لئے ان سے دور رہنا چاہئے۔

(۲) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو چادر عنایت فرمانے کا ثبوت ہماری نظر سے نہیں گذرا، ہاں البتہ حضرت کعب بن زہیر بھی شاعر تھے، ان کے نعت پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر پیش فرمائی ہے، اس حدیث شریف کی روشنی میں جلسہ سیرت النبی وغیرہ میں نعت رسول پڑھنے پر سامعین کچھ دے دیں، تو اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أعطاه بردة له. (أسد الغابة، دارالفكر ٤/ ١٧٧)

(۳) نعت خوانی اور وعظ ونصیحت کی اجرت باقاعدہ طے کرکے لینا شریعت سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر بطور خوشی کچھ تحفہ دے دیں تو کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے مطابق لینا جائز ہے۔

(۴) رمضان شریف میں تراویح میں قرآن کریم سنا کرکے اجرت لینا ''**وَلَا تَشْتَرُوْا بِـاٰيَـاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا**'' [البقرة: ٤١] وعید کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ اور بطور تحفہ کے لینا بھی اس لئے جائز نہیں ہے کہ اگر قرآن نہ سنایا جاتا تو یہ تحفہ نہیں ملتا، تو معلوم ہوا کہ قرآن سنانے کی وجہ سے دیا جا رہا ہے، جو نام کا تحفہ ہے، اصلاً اجرت ہے۔ اور آیت قرآنی ''**وَلَا تَشْتَرُوْا**

بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' [البقرة: ٤١] کی وعید میں شامل ہے۔اور نعت خوانی اور تقریریں قرآنی آیات نہیں ہوتی ہیں ؛اس لئے نعت خوانی اور تقریر پر تلاوت قرآن کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔اور تلاوت قرآن کے لئے اللہ نے مستقل حکم نازل فرمایا ہے،اسی وجہ سے ہمارے اکابر اور سلف صالحین سے قرآن سنا کر بطور تحفہ کے لینا بھی ثابت نہیں۔

المعروف عرفا كالمشروط شرعا. (الأشباه والنظائر، قديم، ص: ١٥٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۲/۱۴۳۴ھ

فاتحہ خوانی ،تقریر بموقع عید میلاد النبی اور جھاڑ پھونک کی اجرت لینا

سوال [۱۱۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مروجہ فاتحہ خوانی جائز ہے یا ناجائز؟ نیز فاتحہ خواں جو اشیاء لیتے ہیں جب کہ چراغاں اور تبرک سے موسوم کرتے ہیں، نیز میلاد النبی کے نام سے تقریر کرنا قیام کرنا اور فیس مقرر کرنا کیسا ہے؟ نیز قرآنی آیات پڑھ کر جسم پر دم کرنا اور اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟ قرآن مجید پڑھ کر یا پڑھوا کر دعوت کرنا یا کھانا کیسا ہے؟ کیا ان چیزوں میں جواز کی صورت ہے یا نکل سکتی ہے؟

المستفتی: محمد اسلم قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ فاتحہ خوانی بے اصل ہے،اس کا ثبوت نہ تو قرآن سے ہے اور نہ حدیث سے ؛ بلکہ اس کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۲۲۹،جدید ڈابھیل ۳/ ۶۰)

وقراء ة الفاتحة، والإخلاص، والكافرون على الطعام بدعة. (فتاوى سمرقندي، بحواله فتاوی رحیمیه قدیم ۳/ ۱۹۳، جدید زکریا ۲/ ۱۱۵، مجموعة الفتاوی ۱/ ۸۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو خواہ جہاد وصلاۃ ونکاح وغیرہ باعث برکت وموجب ثواب ہے؛ لیکن اس زمانہ میں مجلس میلاد بہت سے منکرات وممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے اور اس پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے، وعظ وتقریر اگر منکرات شرعیہ سے خالی ہو تو اس پر متاخرین فقہاء نے اجرت لینے کی اجازت دی ہے۔ (فتاوی محمودہ قدیم ۱۱/ ۴۸-۵۰، جدید ڈابھیل ۳/۱۸۱)

نیز قرآنی آیات پڑھ کر جھاڑ پھونک کرنے کی اجرت لینا جائز ہے۔

إن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن. الخ (شامي، كتاب الإجارة، تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ۹/ ۷۸، كراچی ٦/ ٥٧)

ومعنى قوله صلى الله عليه وسلم: إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله، يعني: إذا رقيتم به. (عمدة القاري كتاب الإجارة، باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب ...... مكتبة دارالإحياء التراث العربي بيروت ۱۲/ ۹٦، زكريا ديوبند ۸/ ٦۲۸)

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق ما أخذتم عليه أجرا، أي أيها الأمة! كتاب الله، قال القاضي: فيه دليل على جواز الاستئجار لقراءة القرآن والرقية به، وجواز أخذ الأجرة على تعليم القرآن. (مرقاة المفاتيح باب الإجارة، الفصل الأول مكتبة إمداديه ملتان، ٦/ ۱۳٦، تحت رقم الحديث: ۲۹۸٥، فتاوی محموديه قديم / ۱۱/ ۳۲۱، جديد ڈابھيل ۱۰/ ۱۰۱)

قرآن کریم کی تلاوت کرنا ایصال ثواب کے لئے خیر وبرکت کے لئے فی نفسہ بلا شبہ جائز ہے، مگر آج کل اس کو لوگوں نے رسم بنالیا ہے، قرآن کریم کے لئے اجتماع کا اہتمام اور ساتھ

ساتھ دعوت وغیرہ کا التزام کرنا یہ سب امور بدعت وناجائز ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/ ۳۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

قبر کھودنے، کفن کی سلائی، میت کے غسل کی اجرت کا حکم

سوال [۹۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبر کھودنے کی اجرت ہونی چاہئے یا نہیں؟

(۲) کفن کی سلائی کی اجرت طے کی جائے یا نہیں؟

(۳) میت کے غسل کی اجرت طے کی جائے یا نہیں؟

ہمارے گاؤں میں یہ دستور رہے کہ قبر کھودنے والا ایک آدمی ہے، جو بوقت ضرورت اس کام کو کرتا ہے، اس کو کفن کی چادر اور اناج جس کی مقدار متعین ہے، قبرستان میں دیا جاتا ہے، علاوہ ازیں وہ ہر جمعرات کو گھر گھر سے روٹی بھی لیتا ہے، فصل کے موقع پر کھیتوں میں سے اناج بھی لاتا ہے، ان تمام چیزوں کو وہ استحقاقاً لیتا ہے، شرعی حیثیت مذکورہ بالا مسائل میں کیا ہے؟ بالدلیل جواب سے مطلع فرماویں۔ فقط والسلام

المستفتی: باشندگان محلّہ چودھریان سلیم پور، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) بہتر یہی ہے کہ قبر کھودنے، کفن سینے، غسل دینے کی اجرت نہ لی جائے، اگر کوئی اجرت لینے ہی پر آمادہ ہے، تو اس کے لئے اجرت متعین کرکے لینا بھی درست ہے، نیز اگر محلّہ والے اپنی خوشی سے جمعرات کو روٹی دیا کرتے ہیں، تو وہ اس کے لئے حلال ہے، اسی طرح فصل کے موقع پر اناج بھی کسان اپنی خوشی سے دیا

کرتے ہیں، تو جائز ہے؛ لیکن یہ اس شخص کی اجرت میں شامل نہ ہوگا؛ بلکہ دینے والے کی طرف سے تبرع ہے، اگر نہ دیں تو اس شخص کو بطور حق کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔

والأفضل أن يغسل الميت مجانا، فإن ابتغى الغاسل الأجر جاز إن كان ثمة غيره، وإلا لا لتعينه عليه، وينبغي أن يكون حكم الحمال والحفار كذلك. الخ (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة، مطلب: في حديث "كل سبب ونسب منقطع إلا سببي ونسبي"، زكريا ٣/ ٩٢، كراچی ٢/ ١٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ١٥٩، جديد زكريا ١/ ٢٢٠، الدرالمنتقى مصري قديم ١/ ١٨١، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٦٧، البحرالرائق، كوئٹه ٢/ ١٧٣، زكريا ٢/ ٣٠٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۶۷)

۶/ باب الاستئجار على المعصية

شراب، میتہ وغیرہ کوٹرک پرلادنے کی اجرت لینا

سوال [۹۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے پاس ٹرک ہے، اس سے وہ کرایہ وغیرہ کی اشیاء لادکر، مختلف جگہوں پر لے جاتا ہے اور کرایہ حاصل کرتا ہے، تو کیا وہ شراب، میتہ، خنزیر کو بطورِ اجرت اپنے ٹرک میں لاد کر کرایہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شراب خانہ میں مزدوری کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد قربان، مقیم مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شراب، میتہ اور خنزیر کو بطورِ اجرت اپنے ٹرک پر لاد کر کرایہ وصول کرنے کی امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تو گنجائش ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے یہ کام مکروہ تحریمی ہے اور اس کی کمائی بھی مکروہ ہوگی؛ لہٰذا مسلمانوں کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے۔

ومن حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عند الإمام، وعندهما يكره له ذلک لوجود الإعانة على المعصية. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، شامي، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢، هداية، أشرفي ٤/ ٤٧٣، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٣٧٢، كوئٹه ٨/ ٢٠٣)

(۲) شراب خانہ میں مزدوری باعثِ لعنت ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها،

والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتراة له. (ترمذي شريف، باب النهي أن يتخذ الخمر خلا، النسخة الهندية ١/ ٢٤٢، دارالسلام، رقم: ١٢٩٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٦/ ٢٣٣، رقم: ٢٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

نائی کی کمائی کا حکم

سوال [۹۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حجامت یعنی نائی گری کا پیشہ کرتا ہے، جو غیر شرعی انگریزی بال بھی کاٹتا ہے اور داڑھی بھی مونڈتا ہے، جیسا کہ آج کل بہت سے حضرات گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر دوکان کئے ہوئے ہیں اور یہ کام کرتے ہیں، اس کے دوست نے اس کو بتایا کہ یہ پیشہ جائز نہیں ہے اور جو اجرت اس پر لی جاتی ہے وہ بھی جائز نہیں ہے، اسی وقت سے اس کو فکر لاحق ہوگئی کہ میں نے جو آج تک کمایا ہے وہ سب ناجائز ہے جو خود نے بھی کھایا ہے اور اہل خانہ کو بھی کھلایا ہے، حضرت مفتی صاحب ہماری رہنمائی فرمائیں کہ یہ پیشہ درست ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو بتائیے کہ اس پر لی گئی اجرت کا کیا حکم ہے؟ اس کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو جو اس پیشے سے کما لیا ہے، اس کا کیا کیا جائے؟

المستفتی: محمد جنید صبدل پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نائی اپنی دوکان میں شرعی انگریزی شوقیہ ہر طرح کے بال کاٹتا ہے اور لوگوں کے کہنے پر داڑھیاں بھی مونڈتا ہے، اس میں خود اپنی داڑھی منڈوانے

والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور تعاون علی المعصیت کی بناء پر نائی کے لئے یہ عمل مکروہ ہے؛ لیکن اس کی جو اجرت ملتی ہے وہ ناجائز اور حرام نہیں ہے، وہ اس کا حق المحنت ہونے کی وجہ سے حلال ہے، بس زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ لوگوں کے حکم سے درزی ان کے لئے فساق کا لباس بنا کر دیتا ہے، مگر درزی کے لئے اجرت حلال ہے، اسی طرح دیوار پر تصویری نقش بنانے کے لئے کسی نقاش اور پینٹر کو لگا دیا جائے، تو اس کے لئے یہ عمل مکروہ ہے، مگر حق المحنت ہونے کی وجہ سے اجرت حلال ہے، ایسا ہی نائی کی اجرت بھی حق المحنت ہونے کی وجہ سے حلال ہے؛ لہٰذا مذکورہ نائی نے اب تک جو کمایا ہے وہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، حلال ہے؛ البتہ نائی کے لئے یہی بہتر ہے کہ داڑھی مونڈنے سے انکار کردیا کرے۔

أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زي الفساق يكره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ٦/ ۳۹۲، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، زكريا ۷/ ٦۵، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۸۸، مصري قديم ۲/ ۵۳۰)

وعن محمدؒ: رجل استأجر رجلا ليصور له صورا، أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط، فإني أكره ذلك، وأجعل له الأجر. (هندية، كتاب الإجارة، الباس السادس عشر في مسائل الشيوع ...... زكريا قديم ٤/ ٤۵۰، جديد ٤/ ٤۸٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۱۳۰، رقم: ۲۲٤۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

مورتیوں کی تجارت کا حکم

سوال [۹۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید مورتیوں کی تجارت کرتا ہے اور اس کی آمدنی سے دین کی بھی خدمت کرتا ہے، برکت کے لئے سورہ بقرہ کبھی پڑھواتا ہے، تو مورتیوں کی تجارت کرنا اور ایسی جگہوں پر قرآن کا پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے امام کا ایسی جگہوں پر قرآن پڑھنا اور پھر امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ولی الرحمٰن شمسی محلّہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن مورتیوں کی تجارت کا ذکر ہے، اس کی دو شکلیں ہمارے سامنے ہیں:

(۱) اگر وہ مورتیاں مٹی یا پتھر سے بنی ہوئی ہوں، تو ان کو بنانا بھی حرام ہے اور ان کی تجارت خرید وفروخت بھی حرام ہے اور ان کا پیسہ بھی حرام ہے؛ اس لئے کہ مٹی یا پتھر کے ٹوٹ جانے کے بعد پھر وہ کسی کام میں نہیں آتی، اس کی مالیت تقریباً ختم ہوجاتی ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ وہ مورتیاں پیتل، تانبہ، اسٹیل، المونیم، لوہا وغیرہ کسی دھات سے بنائی جاتی ہیں، تو ان کا بنانا حرام اور عظیم ترین گناہ ہے اور وہ ''اشد الناس عذابا'' کی وعید میں شامل ہوجائیں گے؛ لیکن ان مورتیوں کو توڑ دینے کے بعد اور ان کو گلا دینے کے بعد بھی تانبا، پیتل وغیرہ کی پوری مالیت باقی رہتی ہے؛ اسی لئے ان کی تجارت میں مالیت کی تجارت ہوگی اور ان کا پیسہ حرام نہیں ہوگا، ہاں البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے نفس تجارت مکروہ ہوگی؛ لیکن ایک مسلمان کا ایمانی تقاضہ یہ ہے کہ ایسی مورتیوں کی تجارت بھی قطعاً نہ کرے اور قرآن خوانی کے لئے جو لوگ جاتے ہیں، ان کا ایسی جگہوں پر جانا ایمانی غیرت وحمیت کے خلاف ہے، ان کو بھی احتیاط کرنی چاہئے؛ لیکن اگر وہاں جا کر قرآن خوانی کر لی ہے، تو اس کی امامت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مگر امام صاحب کو احتیاط کرنی چاہئے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۸۲)

عن عبداللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن أشد الناس

عذابا يوم القيامة المصورون. (مسلم شريف، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار، رقم: ٢١٠٩، صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠)

اشترى ثوبا أو فرسا من خزف لأجل استيناس الصبي لا يصح ولا قيمة له. (تحته في الشامية:) لو كانت من خشب أو صفر جاز إتفاقا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، زكريا ٧/ ٤٧٨، كراچی ٥/ ٢٢٦)

وكذا بطل بيع مال غير متقوم كالخمر والخنزير، ويدخل فيه فرس أو ثور من خزف لاستيناس الصبي. (الدرالمنتقى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٧٨)

وإن قامت المصعية بعينه يكره بيعه تحريما وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢١، كراچی ٤/ ٢٦٨)

ثم الأورع أي الأكثر اتقاء للشبهات (درمختار) ويلزم من الورع والتقوى. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/ ٢٩٤، كراچی ١/ ٥٥٧)

فمقصود الحديث التحرز من أخلاء السود وتجانب أهل الريب ليكون موفور العرض سليم العيب، فلا يلام بلاغه غيره. الخ (فيض القدير ٥/ ٢٤٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۳۲ھ

لکڑی کے مندر بنا کر فروخت کرنا

سوال [۹۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مندر بنا کر غیر مسلموں کو فروخت کرتا ہے، جب کہ اس میں کوئی تصویر یا مورتی نہیں ہوتی، کیا لکڑی کے یہ مندر بنانا اور ان کو فروخت کرنا یہ تجارت صحیح ہے؟ فقہاء کرام کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسلمان کی طبیعت کیسے گوارہ کرسکتی ہے کہ وہ لکڑیوں کے مندر بنا کر غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کرے اور اس کام کو اپنا روزگار بنائے اور مندروں کی پوجا کرنا شرک ہے، تو اس عظیم گناہ پر یہ تعاون ہے اور شریعت معصیت پر تعاون کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

[المائدة: ۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۴ھ

خود نہ بنا کر غیر مسلم سے تصویر والے آرڈر بنوانے کی اجرت کا حکم

سوال [۹۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض زیورات میں کبھی کسی بت اور مورتی کی تصویر بنانے کا آرڈر ہوتا ہے، تو اس کو ہندو کاریگروں سے بنوا کر گاہکوں کو دیتا ہوں اور گاہک اس کی مزدوری میں روپیہ یا سونا دیتے ہیں، تو ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس طرح کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بت یا مورتی وغیرہ کی تصویر خود بنانا تو حرام ہے؛ لیکن اگر

تصویر ہندو اور غیر مسلم کاریگروں سے بنوائی جائے تو اس کا گناہ بنوانے والے پر نہ ہوگا؛ بلکہ بنانے والا خود اس کا ذمہ دار ہے، نیز اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں ہوگی؛ البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔

إن بلالا قال لعمر بن الخطاب -رضي الله عنه- إن عمالک يأخذون الخمر والخنازير في الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم، ولكن ولوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن. (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب صرمة بيع الخمر والميتة، كراچی ١٤/ ١١١، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٤)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بيع الخمر والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانهما في الجزية والخراج، وذلک حضر من الصحابة ولم ينكر عليه منكر. (إعلاء السنن، كراچی ١٤/ ١١٣، دارالكتب العلمية بيرت ١٤/ ١٣٦)

رجل استأجر رجلا ليصور له صورا، أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط، فإني أكره ذلک، وأجعل له الأجر. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع ...... زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۳ھ

جاندار کی تصویر کی ڈھلائی کا آرڈر لینا

سوال [۹۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک فرم سے آرڈر لیتا ہے، کبھی کبھی کسی جاندار کی تصویر بنانے کا آرڈر بھی مل جاتا ہے، مثلاً ہرن، بیل، گھوڑا وغیرہ زید آرڈر لے کر ڈھلائی کرالیتا ہے اور مال تیار کرا کر فرم پہنچا دیتا ہے،

کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ یہ جاندار کی تصویر بنانے والے کے گناہ میں شامل ہوگا؟

المستفتی: محمد سلیم رحمت نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جاندار کی تصویر بنانا اور تصویر کے مجسمہ کی ڈھلائی کرنا گناہ عظیم ہے، شرعی طور سے ناجائز اور حرام ہے، کسی مسلمان کے لئے ایسی چیز کا آرڈر لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۱۱۸)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (بخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠)

اشترى ثورا، أو فرسا من خزف لأجل استيناس الصبي لا يصح ولا قيمة له، فلا يضمن متلفه. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، زكريا ٧/ ٤٧٨، كراچی ٥/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۱)

تصویریں اور مجسمے بنانا

سوال [۹۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایکسپورٹر اور ایمپورٹر ہے، فیکٹری میں اکثر جانوروں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں اور بیرون ممالک ایکسپورٹ کیا جاتا ہے، زید کی دائمی تجارت ہے، اس پر بندش بہت ہی دشوار ہے، مزید زید اس تجارت پر ہی حیات وزندگی کا مدار سمجھتا ہے، تو آیا ایسی تجارت کرنا کیسا ہے؟ اور تصویریں بنانا کیسا ہے؟ جواز کی گنجائش ہے یا ممانعت؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ہارون بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویریں اور مجسمے بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو کسی جاندار کی تصویر اور شکل بناتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ تم ہی اس میں جان ڈالو اور وہ اس میں جان نہیں ڈال سکیں گے، جس کی وجہ سے ان پر مسلسل سخت ترین عذاب ہوتا رہے گا؛ لہٰذا مسلم کاریگروں اور ایکسپورٹروں پر لازم ہے کہ ایسا آرڈر لینے سے صاف انکار کردیں رزق کا مالک خدائے رزاق ہے، وہ سب کو رزق دیتا ہے؛ اس لئے اس کی پرواہ نہ کریں۔ (ایضاح النوادر ا/ ۷۹-۸۰)

عن عبداللہ بن مسعود –رضي اللہ عنه– قال: سمعت النبي صلی اللہ علیه وسلم یقول: إن أشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون. (صحیح البخاري، باب عذاب المصورین یوم القیامة، النسخة الهندیة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، مسلم شریف، باب لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب و لا صورة، النسخة الهندیة ۲/ ۲۰۱، بیت الأفکار، رقم: ۲۱۰۹)

عن ابن عباس –رضي اللہ عنه– قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: من صور صورة في الدنیا کلف أن ینفخ فیها الروح یوم القیامة، ولیس بنافخ. (صحیح البخاري، باب من صور صورة کلف یوم القیامة أن ینفخ فیها الروح ولیس بنافخ، النسخة الهندیة ۲/ ۸۸۱، رقم: ۵۷۳۰، ف: ۵۹۶۳، صحیح مسلم، باب لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة، النسخة الهندیة ۲/ ۲۰۲، بیت الأفکار، رقم: ۲۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/ ۱۴۱۷ھ

فوٹو کھینچنے کی اجرت کا حکم

سوال [۹۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسلمان ہو کر پنجوقتہ نماز پڑھتا ہے، اور اس کا کام فوٹو کھینچنا ہے اور دوکان بھی فوٹو کھینچنے کی ہے، کیا اس کا اس پیسہ سے اپنی اولاد کو پڑھانا اور نان ونفقہ میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالقادر بھاگلپوری خادم مدرسہ دینیہ مسلم یتیم خانہ شاہی عیدگاہ جونپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فوٹو اور تصویریں کھینچنا سخت گناہ ہے، حدیث میں سخت وعید آئی ہے، اس کی آمدنی اگرچہ بالکلیہ حرام نہیں ہے؛ لیکن مکروہ ضرور ہے، کراہت کے درجہ کے مال سے فائدہ اٹھانا اور بچوں پر خرچ کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

عن عبداللّٰہ -رضي اللّٰہ عنه- قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن أشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون. (المصنف لابن أبي شیبة، في المصورین وما جاء بهم، مؤسسة علوم القرآن ۱۲/ ۶۰۶، رقم: ۲۵۷۱۹)

وعن محمدؒ: رجل استأجر رجلا لیصور له صورا، أو تماثیل الرجال في بیت أو فسطاط، فإني أکره ذلک، وأجعل له الأجر. (الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۵/ ۱۳۰، رقم: ۲۲۴۳۱، هندیة، کتاب الإجارة، الباس السادس عشر فی مسائل الشیوع ...... زکریا قدیم ۴/ ۴۵۰، جدید ۴/ ۴۸۶)

إنسان أن یتخذ له خفا علی زي المجوس أو الفسقة أو خیاطا أمره أن یتخذ له ثوبا علی زي الفساق یکره له أن یفعل. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵۶۲، کراچی ۶/ ۳۹۲، مجمع الأنهر، دارالکتب

العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱۰/۱۴۱۸ھ

فوٹو گرافی اور اس کی اجرت

سوال [۹۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دو بھائیوں میں ان بن ہوئی، ایک بھائی حافظ ہے، دوسرا بھائی فوٹو گرافر ہے، حافظ صاحب کا اپنے بھائی فوٹو گرافر کے یہاں نہ جانا اور نہ کسی کو جانے دینا، نہ فوٹو گرافر کے یہاں کھانا کھانا اور نہ کسی کو کھانے دینا، عید ہو چاہے بقرعید، نہ مسجد میں اس کا مال لینے دینا اور یہ کہنا کہ اس کا کھانا حرام ہے، فوٹو گرافر اور اس کے اہل وعیال کہتے ہیں: اس سے بہتر تو ہم ہندو وغیر مسلم ہی ہو جائیں، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا اس کا مال مسجد ومدرسہ میں لے سکتے ہیں؟ کیا اس کے گھر کا کھانا جائز ہے؟

المستفتی: محمد یامین، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فوٹو گرافی سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ مکروہ ہے، ایسے مال کو مسجد یا مدرسہ میں دینا لینا سب ناجائز ہے۔ اور ایسے شخص کے یہاں دعوت کھانا بھی درست نہیں ہے۔

عن عمران بن حصين –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في طيب المطعم والمشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٦٨، رقم: ٥٨٠٣)

وقال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان شديد التحريم، وهو من الكبائر. (شرح المسلم للنووي ۲/ ۱۹۹)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثا و مالا سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب في أفضل المساجد، كراچی ۱/ ۶۵۸، زكريا ۲/ ۴۳۱، درر الحكام شرح غرر الأحكام ۱/ ۱۱۱)

صورت مسئولہ میں حافظ صاحب کو چاہئے کہ وہ فوٹو گرافر کو سمجھا بجھا کر دین سے قریب لائیں، اگر ترک تعلق سے کام چلے تو مناسب ہے، ورنہ زیادہ شدت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. [النحل: ۱۲۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

”فوٹوگرافی“ اور ”ویڈیوسازی“ کا حکم

سوال [۹۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر فوٹو کا کام کرتا ہے، جہاں اسے فوٹو کھینچنا، مختلف پروگراموں میں ویڈیو فلم بنانا وغیرہ کا کام کرنا پڑتا ہے، تو عمر کا یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد زکریا دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فوٹوگرافی یا ویڈیو سازی اگر محض تفریح یا خبر رسانی یا مختلف دنیاوی اور فحش پروگراموں یا خالص اصلاحی ودینی پروگراموں میں کی جائے تو وہ ناجائز ہے؛ البتہ اگر دین کی ضرورت مثلاً باطل فرقوں کے پیرو پیگنڈوں کے خلاف مسلمانوں کی آواز کو مضبوط اور باوزن بنانے کی غرض سے ہو یا پاسپورٹ اور ویزا کے لئے سادی تصویریں کھینچی جائے تو اصلا ناجائز ہونے کے باوجود ''**الضرورات تبیح المحضورات**'' کے ضابطہ کے تحت علماء نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔ یہی تفصیل فوٹوگرافی یا ویڈیو سازی کا پیشہ اپنانے میں بھی ہے، اگر ان آلات کا جائز استعمال کیا جائے تو یہ پیشہ جائز اور اگر ناجائز استعمال کیا جائے تو ناجائز ہے؛ لیکن بہر دوصورت حاصل ہونے والی آمدنی چونکہ اپنی محنت اور عمل کا بدلہ ہے؛ اس لئے وہ حلال ہے اور اس کا حکم بھی بینک کی تنخواہ کی طرح ہے، تاہم احتیاط یہاں بھی بہتر ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۷۵، رقم: ۳۵۵۸)

عن أبي الحوراء السعدي، قال: قلت للحسن بن علي –رضي الله عنه–: ما حفظت من رسول الله؟ قال: حفظت من رسول الله: دع ما يربيك إلى مالايربيك. (سنن الترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۲۵۱۸) **الأمور بمقاصدها.** (الأشباه/ ۵۳)

رجل استأجر رجلا ليصور له صورا، أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط، فإني أكره ذلك، وأجعل له الأجرة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع ...... زكريا قديم ۴/ ۴۵۰، جديد ۴/ ۴۸۶)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ۴/ ۳۰۷، كراچی ۳/ ۱۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۷؍۱۴۳۲ھ

فوٹوگرافی اور اس کے رول کا کاروبار کرنا

سوال [۹۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فوٹوگرافی کے لئے جو رول استعمال کئے جاتے ہیں، جس میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، اس کا کاروبار کرنا اور بصورت مجبوری فوٹوگرافی کا کاروبار کرنا جب تک دوسری کوئی کاروبار کی شکل نہ ملے؛ اس لئے یہ کاروبار کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بیان فرمائیں۔

المستفتی: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فوٹوگرافی کے رول کے اندر معصیت استعمال کرنے والے کے فعل سے پائی جاتی ہے کہ اگر خریدار اس کو ناجائز تصویر کشی کے لئے خریدتا ہے تو اس کا یہ فعل ممنوع اور ناجائز ہے؛ لیکن اس کو جائز تصویر کشی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس رول کی نفس تجارت تو جائز ہے؛ لیکن چونکہ اکثر وبیشتر اس کا استعمال ناجائز تصویر کشی ہی کے لئے کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس کا کاروبار کرنا مکروہ ہوگا۔

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤)

بخلاف الاستئجار لكتابة الغناء والنوح إنه جائز؛ لأن الممنوع عنه نفس الغناء والنوح لا كتابتهما. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على المعاصي، زكريا ٤/ ٣٩، كراچی ٤/ ١٨٩)

اورفوٹوگرافی سخت گناہ ہے، اس کی آمدنی بھی مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا اس کاروبار کو چھوڑ دینا لازم ہے۔

وعلى هذا يخرج الاستئجار على المعاصي أنه لا يصح؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا كاستئجار الإنسان للعب واللهو، وكاستئجار المغنية والنائحة للغناء والنوح. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على المعاصي، زكريا ٤/ ٣٩، كراچی ٤/ ١٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۳۴/۸۵۳۴)

''ڈش انٹینا'' کا کاروبار کرنے کا حکم

سوال [۹۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد کا کاروبار ''ڈش انٹینا'' کا ہے، یعنی ٹیلی ویزن پر صرف دو اسٹیشن لگتے ہیں، اگر ڈش انٹینا کا کنکشن لگا دیا جائے تو متعدد اسٹیشن لگتے ہیں، ڈش انٹینا کی وجہ سے بڑھنے والے اسٹیشنوں پر فلمیں بھی آتی ہیں، تفریحی ناجائز پروگرام بھی آتے ہیں، اور خبریں بھی آتی ہیں، جائز معلوماتی پروگرام بھی آتے ہیں، ڈش کا کنکشن لینے والے پر یہ ہے کہ وہ اس کا جائز استعمال کرے، جائز چیزوں کے لئے کنکشن دینے والے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام اسٹیشنوں کا مرکز سے کنکشن دے، جس کا وہ کرایہ ادا کرتا ہے اور پھر جن کو کنکشن دیتا ہے ان سے کرایہ وصول کرتا ہے، کنکشن کو جائز کام کے لئے استعمال کریں یا ناجائز کے لئے یہ کنکشن لینے والے پر منحصر ہے، زاہد اسی ڈش انٹینا کا کاروبار کرتا ہے، تو دریافت یہ ہے کہ یہ کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کوئی بات نہیں، اگر ناجائز ہے؟ تو کیا زاہد کی آمدنی حرام ہے؟ اس کے گھر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یامین آزاد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی ویژن اور ڈش انٹینا کا کنکشن دوسروں کو دینا اور اس کو اپنا ذریعہ معاش بنانا مکروہ اور ممنوع ہے، چاہے کنکشن لینے والے اس کو معلوماتی چیزوں کے لئے استعمال کریں یا فلموں کے لئے؛ کیوں کہ یہ معلوماتی پروگرام دینے سے بڑھ کر عیاشی اور فحاشی کا آلہ ہے؛ اس لئے تعاون علی المعصیت کی وجہ سے ڈش انٹینا کا کنکشن دے کر اس سے روپیہ حاصل کرنا ممنوع ہے۔ اور ایسے شخص کے یہاں اگر دوسری حلال آمدنی نہ ہو تو اس کے یہاں کھانا کھانے سے احتیاط رکھنی چاہئے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۵۳۵)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

[المائدة: ۲]

عن عمران بن حصين -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۱۶۸، رقم: ۳۷٦)

إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر لم يجز؛ لأنه معصية فلا ينعقد العقد ولا أجر له عندهما. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱٦/ ۳۸)

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستئجار على المعصية باطل. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱٦/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۷۵٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

حرام اور جائز پروگرام والے چینل کی آمدنی کا حکم

سوال [۹۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چینل یہ ایک طرح کا ٹی وی چینل ہے، جس پر ہر قسم کے پروگرام مثلاً ناچ گانے، گندے ڈرامے، فحش وعریاں فلمیں، کھیل کود، نیز اسلامی پروگرام جیسے تلاوت کلام پاک، تقاریر، تفسیر قرآن، رمضان کی تراویح، مکہ معظّمہ کے مناظر، حج بیت اللہ شریف وغیرہ سب ہی آتے ہیں، زید بحیثیت کاروبار یہی کام کرتا ہے، یعنی گھر گھر کنکشن بانٹ کر ماہانہ کثیر آمدنی کرتا ہے، اس وقت یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا ایسا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عدم جواز کی صورت میں حاصل شدہ مال پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(۳) صدقہ کرنا اس مال کا کیسا ہے؟ یعنی ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

(۴) ایسے شخص کی دعوت قبول کرنی چاہئے یا نہیں؟ یا صراحتاً انکار کردے؟

(۵) ایسے شخص سے قرض وغیرہ لینے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری شکیل صاحب، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) اس میں جائز اور ناجائز دونوں طرح کے پروگرام آتے ہیں، اس لئے یہ کاروبار کراہت تحریمی کے حکم میں ہے اور اس کا پیسہ بھی مکروہ تحریمی اور مشتبہ ہے۔ اور مشتبہ مال سے زکوۃ نکالنا ضروری ہوتا ہے؛ لہٰذا اس سے زکوۃ نکالنا لازم ہوگا؛ کیوں کہ اس کو بالکل حرام نہیں کہا گیا ہے، مسلمانوں کو اس قسم کا کاروبار کرنا، حلال کمائی سے اپنے آپ کو محروم کرکے مکروہ اور مشتبہ رزق میں ملوث کرنا ہے، جو کسی وقت بالکل حرام خوری تک پہنچا سکتا ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو ایسے کاروبار سے دور رہنا چاہئے اور حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

عن عبد الله -رضی الله عنه- قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة. (السنن الکبری للبیقهي، باب کسب الرجل وعمله وبیده، دارالفکر ۹/ ۵۶، رقم: ۱۱۹۰۷، شعب الإیمان، باب في حقوق الأولاد والأهلین، دارالکتب العلمیة بیروت ۶/ ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱)

(۳) ایسے مال کے صدقہ کرنے میں بالکل حلال اور صاف مال کے صدقہ کی طرح ثواب کی امید نہیں ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

(۴) جیسے اس کا مال مشتبہ ہے ایسے ہی اس کی دعوت بھی مشتبہ ہے؛ اس لئے ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

عن عمران بن حصین -رضي الله عنه- قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن إجابة طعام الفاسقین. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفکر ۱/ ۱۳۸، رقم: ۴۴۱، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۱۸/ ۱۶۸، رقم: ۳۷۶، مشکوة ۱/ ۲۷۹، شعب الإیمان للبیهقي، فصل في طیب المطعم والمشرب، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۶۸، رقم: ۵۸۰۳)

وفي هامش المشکوة: ویسقط الإجابة بأعذار نحو کون الشبهة في الطعام. (مشکوة ۱/ ۲۷۹)

(۵) بہتر تو یہ ہے کہ جس کے یہاں بالکل پاک وصاف مال ہوتا ہے، اس کے یہاں سے قرض لیا جائے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو ضرورت میں اس کے یہاں سے بھی قرض لینے کی گنجائش ہے۔

الضرورات تبیح المحضورات. (الأشباه، ص: ۱۴۰، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۸۹، رقم: ۱۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رشعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۹۰)

''ٹی وی'' مرمت کرنے کی اجرت

سوال [۹۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید صرف ''ٹی وی'' ٹھیک کرنے کا کام کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کام نہیں جانتا ہے اور وہ ''ٹی وی'' کی اجرت لے کر اپنا گھر چلاتا ہے، ''ٹی وی'' کی اجرت لے کر اپنے مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کسی عالم کی دعوت کرتا ہے اور اسی پیسہ سے کھانا کھلاتا ہے، تو کیا وہ عالم اس کی دعوت قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر قبول کر کے کھانا کھالیا تو وہ کھانا اس عالم کے لئے حرام ہوگا یا نہیں؟ (۳) ٹی وی میں خبریں سننا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الشکور، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی رقم کے بارے میں حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہے؛ لہٰذا متقی آدمی اگر اس کے یہاں مدعو ہو تو دعوت قبول کر لینے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر قبول نہ کرنا بہتر ہے؛ لہٰذا حسب گنجائش احتیاط بہتر ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ۶/ ۳۹۲، زکریا ۹/ ۵۶۲، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية

بیروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤-٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۹ھ

''ٹی وی''، ''وی سی آر'' کی فلمیں بنانا اور اس کی اجرت

سوال [۹۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنا کام کرتا تھا، جس سے ضروریات کا تکفل ہوتا رہتا تھا، اب ضعف اور مسلسل امراض کی وجہ سے کام کرنے سے بالکل معذور ہے، زید کا ایک لڑکا مزدوری وغیرہ کرلیتا ہے، جو ضروریات کے لئے بالکل ناکافی رہتی ہے، دوسرا لڑکا ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہے، اب اس نے یہ کام چھوڑ کر وی سی آر اور ٹی وی کی فلمیں بنانا شروع کردیں ہیں، اور اب وہ اس آمدنی سے اپنے بوڑھے والدین زید وزوجہ زید اور چھوٹے بہن بھائی کی ضروریات زندگی علاج معالجہ، کپڑے وغیرہ میں تعاون کرتا رہتا ہے، اگر اس کا تعاون قبول نہ کیا جائے تو ضروریات پوری ہونے میں بڑی دشواری ہوگی اور مزید مشکلات اور پریشانیاں ہوں گی، ایسی صورت میں زید اپنے اس لڑکے کا تعاون قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر کیا کرے؟

المستفتی: شریف احمد مدرسہ شمس العلوم بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''ٹی وی''، ''وی سی آر'' کی فلمیں بنانا یا اس میں کام کرنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ اور اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۳۰۷)

زید کو چاہئے کہ حلال کسب معاش اختیار کرے، دنیا میں حلال کمائی کے بہت سے ذرائع موجود ہیں۔

عن عبد الله –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (شعب الإيمان، باب في حقوق الأولاد والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٢٠، رقم: ٨٧٤١، السنن الكبرى للبيهقي، باب كسب الرجل وعمله وبيده، دارالفكر ٩/ ٥٦، رقم: ١١٩٠٧)

باپ کو چاہئے کہ بیٹے کو حلال ذریعہ معاش اختیار کرنے کی تلقین کرے اور حرام آمدنی سے جو کچھ حاصل ہوا اس کو نہ لے۔

كما تستفاد من عبارة الهندية: سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب مالا من أمر السلطان، وجمع المال من أخذ الغرامات المحرمة، وغير ذلك، هل يحل لآخذ عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلي في دينه أن لا يأكل منه. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا قديم ٥/ ٣٥٠، جديد ٥/ ٤٠٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٦٤، رقم: ٩٥٩٤، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٥٨، رقم: ٢٨٣٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۱۸ھ

''ٹی وی''، ''سی ڈی'' کی مرمت کی اجرت

سوال [۹۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید الیکٹرانک مستری ہے اور الیکٹرانک سامان کی خرید وفروخت بھی کرتا ہے اور مرمت بھی، مثلاً ''ٹی وی، ''سی ڈی''، ''ریڈیو''، ''ڈیگ'' وغیرہ کی مرمت بھی کرتا ہے اور خرید وفروخت بھی چارجر، اسٹپلا ئزر، ایف ایم ویڈیو گیم، چارجنگ، ٹارچ، وی سی پی کو سدھارتا ہے، دوکان کئے ہوئے تقریباً دس سال کا عرصہ گذر گیا، اب کسی دوست نے صلاح دی کہ

بھائی زید یہ کام دھندہ چھوڑ دو؛ کیوں کہ اس کی آمدنی ناجائز اور روزی حرام ہے، ان باتوں کو سن کر زید کافی غمزدہ ہے کہ اب دوسرا کام سیکھنے کی نہ تو عمر ہے اور نہ ہی وقت اجازت دیتا ہے؛ اس لئے زید مجبوری کے تحت کیا کرے؟ کیا حقیقت میں ان کے کاروبار کی آمدنی ناجائز اور حرام ہے؟ للہ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی کریں، نوازش ہوگی۔

نوٹ: کیا ''ٹی وی''، سی ڈی، ریڈیو، ڈیک کی ریپرنگ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: فیضان میڈیکل اسٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''ٹی وی'' کی مرمت جائز نہیں؛ اس لئے کہ اس کا استعمال اصالۃً اور اکثریت فلمی پروگرام میں ہوتا ہے اور آلات لہو ولعب کی مرمت تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے جائز نہیں۔ اور اس کی اجرت بھی مکروہ ہے حرام نہیں۔

وعلی هذا یخرج الاستئجار علی المعاصي أنه لا یصح؛ لأنه استئجار علی منفعة غیر مقدورة الاستیفاء شرعاً کاستئجار الإنسان للعب واللهو، وکاستئجار المغنیة والنائحة للغناء والنوح. (بدائع، کتاب الإجارة، باب الاستئجار علی المعاصي، زکریا ٤/ ٣٩، کراچی ٤/ ١٨٩)

سی ڈی، ریڈیو، ڈیک اور کیسٹ، اسٹپلائزر، چارجر وغیرہ اکثر وبیشتر جائز امور میں استعمال ہوتے ہیں؛ اس لئے ان اشیاء کی مرمت کی گنجائش ہے؛ چنانچہ اس سال حج کے موقع پر بڑے بڑے علماء کرام نے قرآن کریم اور احادیث کی سی ڈی لاکر اپنے اپنے کمپیوٹر میں داخل کر لی ہے؛ لہٰذا مرمت کے بعد جو لوگ ان اشیاء کو ناجائز امور میں استعمال کریں گے انہیں پر گناہ ہوگا، مرمت کرنے والے پر نہیں۔

وإنما تحصل المعصیة بفعل فاعل مختار. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، کراچی ٦/ ٣٩٢، زکریا ٩/ ٥٦٢، تبیین الحقائق، إمدادیه

ملتان ٦/ ٢٩، زکریا ٧/ ٦٤)

بخلاف الاستئجار لكتابة الغناء والنوح إنه جائز؛ لأن الممنوع عنه نفس الغناء والنوح لا كتابتهما. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على المعاصي، زكريا ٤/ ٣٩، كراچی ٤/ ١٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۲۵ھ

ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو کی مرمت اور اس کی اجرت

سوال [۹۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی کی مرمت کرتا ہوں اور مرمت کرنے میں جو پرزے خراب ہوتے ہیں ان کی جگہ نئے پرزے لگاتا ہوں، تو مرمت کی اجرت اور ان نئے پرزوں کی قیمت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ٹی وی، وی سی آر اور ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کے صرف پرزے کی دوکان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: دلشاد احمد لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ کام تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، مگر اس کی اجرت اور پرزے کی قیمت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

آجر نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

(۲) تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

[المائدة: ۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۰۷-۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۲/۱۴۱۵ھ

ٹی وی کی مرمت پر اجرت لینا اور اس کے استعمال کا حکم

سوال [۹۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل چونکہ ٹی وی ایک وبا کی طرح پھیل چکا ہے، ایک شخص جو ٹی وی کی مرمت کرتا ہے، اور اس سے کما کر کھاتا ہے، اور دوسروں کو بلا کر دکھاتا ہے، جب اس سے کہا گیا کہ یہ کام غلط ہے، تو کہتا ہے کہ یہ تو میری روزی ہے اور یہی پیشہ ہے، کیا ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا اور تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس سے ٹیوشن کا پیسہ لینا کیسا ہے؟ اور اس کے کمرے میں ٹی وی ہے جبکہ وہ مسلمان بھی ہے؛ اس لئے عرض ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: محمد یونس مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹی وی کی مرمت کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنانا اور لوگوں کو بلا کر دکھانا یہ سب ناجائز ہے، اس کا ترک لازم ہے۔ اور ٹی وی کی مرمت سے جو آمدنی حاصل ہوئی ہے وہ محنت کا پیسہ ہے، اس لئے وہ حرام نہیں ہے؛ لیکن اعانت علی المعصیت کی وجہ سے وہ آمدنی کراہت کے درجہ میں ہوگی اور اس کے یہاں کھانا کھانا مکروہ ہے اور تعلیم دے کر اجرت لینا درست ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ۶/ ۳۹۲، زكريا ۹/ ۵۶۲، هداية أشرفي ٤/ ٤٧٣، البحرالرائق، زكريا ۸/ ۳۷۲، کوئٹہ ۸/ ۲۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۲)

مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا

سوال [۹۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستری رفیق احمد راج گیری کا کام کرتے ہیں، وہ آج کل ایک مندر کی تعمیر کا کام کررہے ہیں، جب کہ مندر میں پوجا پاٹ اور اللہ کے ساتھ شرک اور کفر کے کام ہوتے ہیں، ان کو بہت سے لوگوں نے منع بھی کیا، تو اس پر انہوں نے کہا کہ ہم خود تو اس میں پوجا نہیں کررہے ہیں؛ بلکہ صرف مزدوری کررہے ہیں، اگر ہم نہیں کریں گے، تو دوسرے آدمی سے وہ کام کرالیں گے، ہمارے کام نہ کرنے سے مندر بننا رک نہیں جائے گا، تو کیا ان کے لئے وہاں کام کرکے پیسہ لینا جائز ہے؟ اور ان کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: محمد ندیم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مندر وغیرہ کی تعمیر میں مزدوری کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ وممنوع ہے اور اس کی اجرت بھی مکروہ ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو مندر وغیرہ میں مزدوری سے گریز کرنا ضروری ہے۔

وعندهما يكره؛ لأنه إعانة على المعصية. (الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٧، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، شامي، زكريا ٩/ ٥٦٣، كراچى ٦/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

انشورنس کمپنی یا بینک کی ملازمت

سوال [۹۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الف: انشورنس کمپنی یا بینک والے کسی فرد کو ایجنٹ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی کو لائف انشورنس کا ممبر بنا دو یا کسی کو ہمارے بینک سے قرض دلا دو تو تم کو چند فیصد معاوضہ دیں گے، ازروئے شرع یہ معاوضہ درست ہے یا نہیں؟

ب: انشورنس کمپنی یا بینک میں ملازمت اور اس کی تنخواہ کیسی ہے؟

ج: کسی کو بینک یا انشورنس کمپنی تک رہنمائی کرکے بینک سے یا انشورنس کمپنی سے طے شدہ رقم لینا کیسا ہے؟

د: موجودہ دور میں بینک سے بغیر کاروبار کیے اور انشورنس کمپنی سے دوکان اور جان کا بغیر انشورنس کیے گذارہ تقریباً ناممکن ہے، انشورنس کمپنی کا اصول ہے، اگر کوئی فرد دوکان یا جان کا انشورنس کراکے صرف ایک قسط رقم جمع کرے اور ناگہانی موت ہوگئی یا دوکان جل گئی تو مکمل رقم دیتی ہے، یہ رقم لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف-ب: انشورنس کمپنی یا بینک کا ایجنٹ بننا یا اس کی

ملازمت کرنا ناجائز اوراعانت علی المعصیت ہے،اسی طرح ممبر بنانے کا معاوضہ یا تنخواہ لینا بھی ناجائز اورحرام ہے۔اورایسے شخص پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء، وفي التكملة: لأن كتابة الربا إعانة عليه، ومن هنا ظهر أن التوظف في البنوك الربوية لا يجوز –إلى قوله– كذلك حرام لوجهين الأول إعانة على المعصية، والثاني أخذ الأجرة من المال الحرام. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب لعن آكل الربو وموكله، أشرفيه ديوبند ١/ ٦١٩)

ج: یہ بھی معصیت کی ملازمت ہے، ایسی ملازمت بھی جائز نہیں ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

د: یہاں پر دو چیزیں ہیں: (١) زندگی کا بیمہ کرانا یا ذمہ داری کا بیمہ کرانا، ان کے اندر سود اور قمار دونوں موجود ہونے کی وجہ سے یہ دونوں مستحق لعنت اور گناہ ہیں، اوراس میں جو رقم ملتی ہے، اس کا کھانا قطعی حرام ہے اور یہ جولکھا گیا ہے کہ زندگی کا بیمہ کرائے بغیر گذارہ نہیں ہوتا یہ درست نہیں ہے۔

(٢) املاک یعنی دوکان، مکان اور گاڑی وغیرہ کا بیمہ کرانا یہ ضرورت کی بنا پر جائز ہے اوراس میں کسی طرح کا بھی سود نہیں ہوتا؛ بلکہ متعینہ مدت کے لئے جو رقم جمع کی گئی ہے، وہ واپس نہیں آتی ہے؛ اس لئے اس میں سود کے کوئی معنی موجود نہیں ہوتے ہیں، ہاں البتہ کبھی حادثہ پیش آجائے تو منجانب کمپنی اس کی تلافی کی مدد پیش کرتی ہے اور ایسا واقعہ آنا امر متردد فیہ ہے، جو حقیقی قمار نہیں ہے؛ بلکہ شبہۃ الشبہ ہے، جس کی کسی درجہ میں ضرورت اور عموم بلویٰ کی وجہ سے گنجائش ہے۔

بإذن السلطان يقبض من التجار مال السوكرة، وإذا هلك من مالهم في البحر شيء يؤدي ذلك المستأمن للتجارة بدله تماما، والذي يظهر لي

أنه لا يحل للتأجر أخذ بدل الهالک. (شامي، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب مهم فيما يفعله التجار من دفع ما يسمى سوكره ...... زكريا ٦/ ٢٨١، كراچی ٤/ ١٧٠)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه، قديم/ ١٤٠)

إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما.

(الأشباه، قديم/ ١٤٥، مستفاد: إيضاح النوادر ١/ ١٤٣-١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۷؍۱۴۲۷ھ

پتنگ بنانے کی اجرت

سوال [۹۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں پتنگ بناتا ہوں، ایک مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ جیسے پتنگ اڑانا ناجائز ایسے ہی پتنگ بنانا ناجائز، جب کہ ہمارے کئی رشتہ داروں کا خرچ اسی سے چلتا ہے؟

المستفتی: رئیس احمد مسجد بڑی توڑی پرسدھی دروازہ اوجین، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پتنگ بنانے کی اجرت تو فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن یہ عمل اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ عمل قابل ترک ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۷۲، جدید زکریا ۱۰/ ۱۴۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۹۱، ڈابھیل ۱۶/ ۱۳۴، احسن الفتاوی ۸/ ۱۸۶)

فإن كان يطيرها فوق السطح مطلعا على عورات المسلمين، ويكسر زجاجات الناس برميه تلک الحمامات عزر، ومنع أشد المنع، فإن لم يمتنع بذلک ذبحها. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٧٥، كراچی ٦/ ٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۲۱ھ

''ویڈیو گیم'' کرایہ پر چلانا

سوال [۹۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''ویڈیو گیم'' کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ویڈیو گیم، ٹی وی کی طرح ہوتا ہے اوراس ٹی وی کا تعلق رموٹ کنٹرول سے ہوتا ہے، رموٹ میں چند بٹن ہوتے ہیں، جن کو دبانے سے سامنے رکھے ہوئے ٹی وی پر مختلف قسم کی تصویریں ابھرتی ہیں، جیسے لڑکا، ہوائی جہاز، میزائل، ٹینک، کاروں کی ریس دوڑ ہوتی ہے، اسی طرح میزائل سے حملہ کیا جاتا ہے، یہ ایک قسم کا کھیل ہے، جو زیادہ تر بچے کھیلتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ویڈیو گیم کو کرایہ پر چلانا، مثلاً ایک روپیہ منٹ کیسا ہے؟ اور ویڈیو گیم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مسعود الظفر معرفت مولانا امام الدین نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''ویڈیو گیم'' ایک نیا کھیل ہے، اس میں اگر جاندار تصویر نہیں ہیں، صرف غیر جاندار کی تصویریں ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو یہ کھیل لوڈو اور شطرنج کے مشابہ ہے اور شطرنج کھیلنا ناجائز اور ممنوع ہے؛ اس لئے کہ اس سے انسان فضول اوقات گذارنے اور وقت ضائع کرنے کا عادی ہوجاتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اور اگر اس میں جاندار کی تصویریں بھی آتی ہیں تو ناجائز اور ممنوع ہونے میں ایک قدم اور آگے بڑھ جائے گا؛ اس لئے مسلمان بچوں کو ویڈیو گیم کھیلنے سے روکنا لازم ہوگا۔

كل لهو ما سوى الشطرنج حرام بالإجماع، وأما الشطرنج فاللعب به حرام عندنا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر

المعاصي والأمر بالمعروف، زكريا قديم ٥/ ٣٥٢، جديد ٥/ ٤٠٧)

اور ایسا کاروبار تعاون علی المعصیت کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے؛ لیکن فتوی حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۸۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۶ھ

چاول میں ملاوٹ کرنے والے مزدوروں کی مزدوری کا حکم

سوال [۹۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید چاولوں میں ملاوٹ کرتا ہے، تو یہ ملاوٹ تو بالاتفاق حرام ہے؛ لیکن جو مزدور اس کو ملاتے ہیں، ان کی مزدوری جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الاسلام، متعلم مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہ ملاوٹ کرنا حرام نہیں ہے؛ بلکہ اعلیٰ قسم کے چاول میں ادنی قسم کا چاول ملا کر اعلیٰ قسم کا چاول کر کے فروخت کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس طرح فروخت کرنے میں خریدار کو دھوکہ دینا ہے، جو شرعاً ناجائز ہے؛ لہٰذا بعد میں جب خریدار کو ملاوٹ کا علم ہو جائے گا تو واپس کر دینے کا حق ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن بيع الحصاة، وعن بيع الغرر. (صحيح مسلم، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، النسخة الهندية ٢/ ٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥١٣)

هو كل بيع دخله الغرر بوجه من الوجوه. (إعلاء السنن، باب النهي عن بيوع الغرر، كراچی ١٤/ ١١٦، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٤٠، رقم: ٤٦٤٧)

وإذا أطلع المشتري على عيب في المبيع فهو بالخيار، إن شاء أخذه بجميع الثمن، وإن شاء رده. (هداية، كتاب البيوع، باب خيار الرؤية، اشرفي ٣/ ٣٥)

اور جو مزدور چاول میں ملاوٹ کی مزدوری کرتے ہیں، ان کی مزدوری جائز ہے؛ کیوں کہ ملاوٹ کو اسی کے معیار کے مطابق بھاؤ مقرر کر کے فروخت کیا جاسکتا ہے، اور جو غلط بتا کر بیچے گا، گنہگار وہی ہوگا۔

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في المبيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۳۶)